إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر

ہدایت القرآن

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

جلد چہارم

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب آپ کیا کریں گے؟

سوال: تفسیر ہدایت القرآن بفضلہ تعالیٰ پوری ہوگئی، اب آپ کیا کریں گے؟

جواب: اب میں ایک قرضہ اتاروں گا، مجلس شوری دار العلوم دیوبند منعقدہ ۱۶، ۱۷ شعبان ۱۴۳۷ھ نے درج ذیل تجویز منظور کی تھی:

''طلبہ دار العلوم کو اکابر کے منہج اور فکر سے واقف کرانے کا مسئلہ زیر بحث آیا، اس سلسلہ میں مجلس حضرت صدر المدرسین سے گذارش کرتی ہے کہ وہ ''دیوبندیت کیا ہے؟'' کے موضوع پر کوئی تحریر مرتب فرمادیں، جس میں اکابر کے منہج، مشرب اور مذاق کو واضح کیا گیا ہو، اس موضوع پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو بھی پیش نظر رکھا جائے''

اس وقت میں نے مؤقر ارباب شوری سے عرض کیا تھا کہ میں ابھی تفسیر ہدایت القرآن میں مشغول ہوں، جب وہ پوری ہوجائے گی اس موضوع پر لکھنے کی کوشش کروں گا، مجلس نے میری بات قبول کرلی، اب بحمدہ تعالیٰ تفسیر پوری ہوگئی ہے، اب ان شاء اللہ اس موضوع پر لکھوں گا، والامر بیداللہ!

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

دیوبندیت کیا ہے؟ یہ پوری ملت کا موضوع ہے، اور ابھی بحمدہ تعالیٰ ملت میں بہت سے بالغ نظر حضرات موجود ہیں، جو اس سلسلہ میں میری مدد کرسکتے ہیں، میں ان کا ممنون ہوں گا اگر وہ اپنے خیالات تحریری شکل میں بھیجیں یا واٹس ایپ پر ڈالیں، تاکہ میں اپنی کتاب میں اس سے استفادہ کروں۔ **واللہ یجزی المحسنین!**

نوٹ: یہ تحریر واٹس ایپ پر ڈلوارہا ہوں، دوسرے گروپوں والے اسے آگے بڑھائیں، تاکہ اطلاع عام ہوجائے، میرے پاس واٹس ایپ (بڑا موبائل) نہیں ہے، برخوردار کا نمبر ہے اُس پر آپ اپنی تحریرات بھیج سکتے ہیں جن کا نمبر یہ ہے 9997658227 اور ڈاک کا پتہ وہ ہے جو اس تفسیر پر ہے یعنی:

مکتبہ حجاز دیوبند
ضلع سہارن پور (یو، پی)

فہرست مضامین

سورۂ ہود (علیہ السلام)

سورۂ یوسف (علیہ السلام)

سورۃ الرعد

سورۂ ابراہیم (علیہ السلام)

سورۃ الحجر

سورۃ النحل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ہود (علیہ السلام)

نمبر شمار ۱۱ نزول کا نمبر ۵۲ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۰ آیات ۱۲۳

آگے (آیات ۵۰-۶۰ میں) حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ آیا ہے، اس سے سورت کا نام رکھا گیا ہے، اگر چہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، مگر نام میں ہود علیہ السلام کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ ان کا واقعہ نبی ﷺ اور مشرکین مکہ کی ہو بہو تصویر تھی، اور مخالفین کو جو فہمائش نزولِ سورت کی تقریب سے کرنی تھی وہ بھی ان کی سرگذشت میں موجود ہے۔

ربط: سورۃ یونس (علیہ السلام) شرک کی تردید، توحید کے اثبات اور وحی کی پیروی کی تاکید پر ختم ہوئی تھی، یہ سورت بھی انہی باتوں سے شروع ہوئی ہے، سورۃ یونس کے شروع میں تھا: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴾: یہ حکمت بھری کتاب کی آیتیں ہیں، اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾: یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں، پھر ان کو کھولا گیا ہے دانا باخبر کی طرف سے! پس یہ وہی بات ہے جو زیادہ وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے، اور دونوں سورتوں کی ترتیب نزولی بھی ایک ہے، اس لئے یہ سورت اس سورت سے متصلاً آئی ہے۔

زمانۂ نزول: یہ پوری سورت ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۲ ہے، یونس کا ۵۱ تھا، یعنی یہ سورت مکی دور کے آخر میں سورۃ یونس سے متصلاً نازل ہوئی ہے، اس لئے سورت کا انداز وہی ہے جو سورۃ یونس کا تھا، یعنی دین کی دعوت، فہمائش اور تنبیہ، مگر تنبیہ کا انداز زیادہ مفصل اور پُر زور ہے۔

سورت کی اہمیت: دو حدیثوں سے اس سورت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

۱- نبی ﷺ نے جمعہ کے دن اس سورت کی تلاوت کا حکم دیا ہے[1]

۲- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ بوڑھے ہو چلے! آپؐ نے فرمایا: ''ہود، واقعہ، مرسلات، ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ اور ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ نے مجھے بوڑھا کر دیا''[2] یعنی یہ سورتیں اس قدر پُر تاثیر ہیں کہ اگر

---

(۱) رواہ الدارمی فی سُنَنِہٖ ص۴۳۴ وأبو داود فی مراسیله والبیهقی فی شعب الإیمان عن کعب (الدر المنثور ج۳ ص۳۱۹) (۲) شمائل ترمذی ص۳۰ درمنثور ج۳ ص۳۱۹ میں یہ مضمون بارہ صحابیوں سے مروی ہے۔

انسان ان کا صحیح اثر قبول کرے تو اس کی حالت دگرگوں ہو جائے۔

سورت کے مضامین: یہ سورت چار مضامین سے شروع ہوئی ہے:

۱-: اللہ پاک جل شانہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔

۲-: حضور پاک ﷺ اللہ پاک کی طرف سے مأمور ہیں اور اس لئے مامور ہیں کہ انکار و سرکشی کے نتائج سے خبردار کریں، اور ایمان اور نیک اعمال پر کامرانیوں کی خوش خبری سنائیں۔

۳-: لوگوں کو چاہئے کہ سرکشی سے باز آ جائیں۔ اور توبہ واستغفار کریں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو دونوں جہاں کی بھلائی کا وعدہ ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جائیں۔

۴-: سب لوگوں کو لوٹ کر اللہ پاک ہی کی طرف جانا ہے۔ پس ان سے ملاقات کے لئے سامان تیار کریں۔

پھر مخالفین اسلام کے ایک طرزِ عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ پاک کے سامنے ہے۔ ان کے علم سے ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں، پس انسان کے افکار و اعمال کیوں کر پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

پھر تخلیق کائنات کی غرض بیان کرتے ہوئے مسئلۂ معاد پر روشنی ڈالی ہے، اور اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب دیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ عذاب کے آنے میں جو تاخیر ہو رہی ہے، وہ دراصل ایک مہلتِ عمل ہے، جو اللہ پاک اپنے فضل سے تمہیں عطا کر رہے ہیں۔ اس مہلت کے اندر اگر تم نہ سنبھلے تو وہ عذاب آئے گا جو کسی کے ٹالے نہ ٹل سکے گا۔

پھر آیت (۹) سے کفار اور مؤمنوں کے مزاج کا فرق واضح کیا ہے۔ اور آیت (۱۲) سے مسئلہ رسالت وقرآن کو مفصل بیان کیا ہے۔ اور آیت (۱۵) سے آیت (۲۴) تک ایمان و کفر کا تفاوت اور مؤمن کی کامرانی اور کافر کی بدانجامی کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

پھر پانچ پیغمبروں کی سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں۔ ضمناً سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی آیا ہے۔ اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اور فرعون کی بدانجامی کی طرف اشارہ فرما کر سمجھایا ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ حیاتِ دنیا کے ظاہری پہلو پر اعتماد نہ کریں۔ کیونکہ جن امتوں نے ایسا کیا ہے اور پیغمبروں کی دعوت کو ٹھکرایا ہے وہ نہایت برا انجام دیکھ چکی ہیں۔ پس اب کیا ضروری ہے کہ تم بھی اسی راہ پر چلو جسے تاریخ کے مسلسل تجربات، قطعی طور پر تباہی کی راہ ثابت کر چکے ہیں، پھر معاد کا ذکر کرتے ہوئے مؤمن کے انجام کا فرق واضح کیا ہے۔ اور آخر میں جامع نصائح پر سورت کو تمام کیا ہے۔

پس بنیادی مسائل اس سورت میں یہ ہیں۔ توحید، رسالت، معاد، قرآن، اچھے اور برے اعمال کا فرق، اور ان کے انجام کا اختلاف اور ضمناً متعدد مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ مثلاً مؤمن و کافر کے مزاج کا فرق، تخلیق کائنات کی غرض، علم الٰہی کی پہنائی، قرآن پاک میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بیان کرنے کے فوائد اور مقاصد اور دین پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تاکید وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴿۴﴾

بِسْمِ	نام سے	اٰيٰتُهٗ	اس کی آیتیں	تَعْبُدُوْٓا	بندگی کرو تم
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	ثُمَّ (۲)	پھر	اِلَّا	سوائے
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	فُصِّلَتْ (۳)	کھولی گئی ہیں	اللّٰهَ	اللہ پاک (کے)
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم فرمانے والے	مِنْ لَّدُنْ (۴)	منجانب	اِنَّنِيْ	بلاشبہ میں
الٓرٰ	الف، لام، را	حَكِيْمٍ	دانا	لَكُمْ	تمہیں
كِتٰبٌ (۱)	(یہ) ایک کتاب (ہے)	خَبِيْرٍ	باخبر (کے)	مِّنْهُ	اس (کی طرف) سے
اُحْكِمَتْ	مضبوط کی گئی ہیں	اَلَّا (۵)	کہ نہ	نَذِيْرٌ	ڈرانے والا

(۱) ترکیب: كِتَابٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی اور جملہ اُحْكِمَتْ اس کی صفت ہے اور جملہ مِنْ لَدُنْ صفت ثانی بھی ہوسکتا ہے اور اُحْكِمَتْ اور فُصِّلَتْ سے متعلق بھی ہوسکتا ہے (۲) ثُمَّ حرف عطف ہے اور ماقبل سے مابعد کے مؤخر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خواہ یہ مؤخر ہونا بالذات ہو، یا باعتبار مرتبہ کے یا باعتبار وَضع کے یہاں دونوں جگہوں میں تراخی حال ووضع کے لئے ہے (روح) (۳) فَصَّلَ الْكَلَامَ تفصیل کرنا فَصَّلَ الشيئ جدا جدا کرنا، متمیز کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ فَصَّلَ العِقْدَ: ہار کے دو مہروں کے درمیان دوسرے رنگ کا مہرہ ڈالنا (۴) لَدُنْ ظرف ہے اور مبنی ہے وَهِيَ لِاَوَّلِ غَايَةِ زَمَانٍ أَوْمَكَانٍ والمرادُ هُنا الْأَخِيرُ مَجَازًا (روح) (۵) یہ دو لفظ ہیں اَنْ مصدر یہ اور لائے نہی نون اور لام میں ادغام ہوا ہے۔

وَّ بَشِيْرٌ	اور خوش خبری دینے والا	حَسَنًا	عمدہ	اَخَافُ	اندیشہ کرتا ہوں
	(ہوں)	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک مقررہ وقت تک	عَلَيْكُمْ	تمہارے حق میں
وَّ اَنِ (۱)	اور یہ کہ	مُّسَمًّى		عَذَابَ	ایک بڑے دن کے
اسْتَغْفِرُوْا	معافی طلب کرو تم	وَّيُؤْتِ	اور عطا فرمائیں گے	يَوْمٍ كَبِيْرٍ	عذاب کا
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار (سے)	كُلَّ ذِىْ	ہر زیادہ (عمل کرنے	اِلَى اللّٰهِ (۳)	اللہ پاک کی طرف (ہے)
ثُمَّ	پھر	فَضْلٍ	والے) کو	مَرْجِعُكُمْ	تمہارا پلٹنا
تُوْبُوْٓا (۲)	متوجہ ہو جاؤ	فَضْلَهٗ	اس کی زیادتی	وَهُوَ	اور وہ
اِلَيْهِ	اس کی طرف	وَاِنْ	اور اگر	عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ	ہر چیز پر
يُمَتِّعْكُمْ	بہرہ مند کریں گے تمہیں	تَوَلَّوْا	روگردانی کی تم نے	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
مَّتَاعًا	فوائد زندگانی (سے)	فَاِنِّىْٓ	تو یقیناً میں		والے ہیں

بنامِ خدا، بے حد مہربان، نہایت رحم والا!

توحید، رسالت، انابت اور آخرت

پہلے یہ بات جان لیں کہ بڑی سورتوں میں، جن میں متعدد مضامین ہوتے ہیں: شروع میں اہم مضمون ہوتا ہے، اور آخر میں جامع نصیحت ہوتی ہے، اور چھوٹی سورتوں کا ایک موضوع ہوتا ہے، وہ اسی پر مشتمل ہوتی ہے۔ سورۃ ہود بڑی سورت ہے، اس لئے اس کے شروع میں چار اہم باتیں بیان کی ہیں، جو اوپر عنوان میں مذکور ہیں۔

حروفِ مقطعات: یہ سورت انہی حروفِ ہجا سے شروع ہوئی ہے جن سے سورۃ یونس شروع ہوئی تھی، یعنی الف، لام، را، ان کا پورا مطلب تو اللہ پاک جانتے ہیں، مگر اس سے دونوں سورتوں کے مضامین کی ہم آہنگی کا اندازہ ہوتا ہے، اور سورتوں کے شروع میں حروفِ ہجاء کے استعمال میں ایک اشارہ ہے جو سورۃ یونس کے شروع میں بیان کیا ہے، اور ہم ''پورا مطلب'' اس لئے نہیں جانتے کہ ہم حروفِ ہجاء کے معانی نہیں جانتے، صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان حروف سے الفاظ بنتے ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ (محدث دہلوی) نے جو معانی بیان کئے ہیں وہ میرے پلّے نہیں پڑے۔

حروفِ مقطعات کے بعد قرآنِ کریم کا ذکر ہے، یہاں بھی اور وہاں بھی، اور نہج بدل کر ایک ہی بات بیان کی ہے،

---

(۱) اَنِ اسْتَغْفِرُوْا کا عطف اَلَّا تَعْبُدُوْا پر ہے (۲) تَابَ (ن) تَوْبًا وَتَوْبَةً کا تعدیہ جب اِلٰی کے ذریعہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور انابت کے معنی ہوتے ہیں (لغات القرآن ج۲ ص۶۲) (۳) اِلَى اللّٰهِ خبر مقدم ہے۔

وہاں فرمایا تھا کہ قرآن میں حکمت کی باتیں ہیں، یہاں بھی یہی بات فرمائی ہے کہ قرآن کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے جچی تلی، باون تولہ پاؤرتّی ہیں، اس کا کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف نہیں، عربی زبان خواہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے قرآن کی فصاحت وبلاغت میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، جو مضمون جس عبارت سے ادا ہوا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہوسکے۔ نیز ہر بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے، قرآن کا بیان نہ الجھا ہوا ہے نہ گنجلک، بلکہ غایت درجہ موزوں ہے، توحید کے دلائل اور مواعظ وقصص موقع بہ موقع سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم حکیم مطلق اور خبیر برحق کی طرف سے اتارا گیا ہے، کسی انسان کی قوتِ فکریہ کا نتیجہ نہیں، اس لئے اس کو ایسا ہی ہونا چاہئے، پس فاصلہ (آیت کے آخر) میں دلیل ہے قرآن کے مضبوط کلام ہونے کی، اور حروفِ مقطعات کے بعد قرآن کی یہ خوبی بطور تمہید بیان ہوئی ہے، کیونکہ قرآن ہی مذکورہ چار بنیادی مضامین کی دلیل ہے:

۱- توحید: —— قرآن کی خوبی بیان کرنے بعد پہلا حکم یہ دیا ہے کہ بندے صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، یہی توحید ہے، اور یہی قرآن نازل کرنے کا بڑا مقصد ہے کہ دنیا جہاں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی جائے، اور اس کا طریقہ سکھایا جائے۔

۲- رسالت: —— اور توحید کی تعلیم کے لئے ہمیشہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور اب آخری رسول تشریف لائے ہیں، اب جو ان کی دعوت قبول کرے گا اور ایک اللہ کی عبادت کرے گا اور غیر اللہ کو عبادت میں شریک نہیں کرے گا: وہ اس کو فلاح دارین کی خوش خبری سناتے ہیں، اور جو نہیں مانے گا اور کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا رہے گا، اس کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

۳- استغفار وانابت: —— استغفار کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے مانگنا کہ وہ اپنی رحمت میں ڈھانک لیں، گناہ ہوں تو ان پر قلم عفو پھیر کر اور راضی ہوکر، ورنہ بدرجۂ اولیٰ، چنانچہ انبیاء بھی استغفار کرتے ہیں، حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ کی رحمت کے سزاوار بھی ہوتے ہیں اور محتاج بھی —— اور انابت: کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے لَو لگانا، اس کا ہو رہنا، اسی کو نسبتِ حضور اور یادداشت کہتے ہیں، اور پاس انفاس یعنی ہر سانس کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا اس کا طریقہ ہے۔

پھر استغفار وانابت کا فائدہ بیان کیا ہے کہ اس میں دارین کی بھلائی ہے، دنیا میں موت تک عمدہ فوائد زندگانی (خوش حال زندگی) حاصل ہونگے، اور آخرت میں نیک کام کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ اجر ملے گا، دس گنا ثواب تو ملے ہی گا، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

۴- آخرت: —— اور یہ اجر وثواب آخرت میں ملے گا، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتے ہیں وہ جان لیں

کہ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے، قیامت (مقررہ وقت) آنے والی ہے، جو اس دنیا کا آخری دن ہوگا، اس کے بعد آخرت کی زندگی شروع ہوگی، اس دن نافرمان بندوں کو سخت عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔

اور وہ لوگ یہ بھی جان لیں کہ انسان مر کر ختم نہیں ہوجاتا، اس کی روح اللہ کے حضور میں پہنچ جاتی ہے، پس سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے، اور وہ قادر کامل ہیں، ان کو سزا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

آیاتِ پاک: الف، لام، را ـــــ یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں، پھر وہ آیتیں جدا کی گئی ہیں، دانا باخبر ہستی کی طرف سے ـــــ یعنی نازل کی گئی ہیں[1] ـــــ کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو ـــــ یہاں تک توحید کا مضمون ہے، پھر رسالت کا ذکر ہے ـــــ بلاشبہ میں تمہیں ان کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ـــــ اس کے بعد استغفار وانابت کا مضمون ہے ـــــ اور یہ کہ معافی چاہو اپنے پروردگار سے، اور نیز متوجہ رہو اس کی طرف ـــــ (فائدہ) ـــــ بہرہ مند فرمائیں گے وہ تمہیں عمدہ فوائد زندگی سے ایک مقررہ وقت تک ـــــ یعنی موت تک ـــــ اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کی زیادتی کا اجر عنایت فرمائیں گے ـــــ یعنی آخرت میں، اس میں زیادہ سے زیادہ عمل صالح کرنے کی ترغیب ہے، پھر آخرت کا مضمون ہے ـــــ اور اگر تم نے روگردانی کی تو یقیناً مجھے ڈر ہے تمہارے حق میں بڑے بھاری دن کے عذاب کا، تمہیں اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

استغفار وانابت کی تفصیل:

پھر جو بندے حدود بندگی میں واپس آجائیں، اور غیروں سے کنارہ کش ہوجائیں، ان سے قرآن پاک دو باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

پہلا مطالبہ: ـــــ استغفار کا یعنی اللہ پاک سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش طلب کرے ـــــ یعنی جب کسی مؤمن بندے سے گناہ یا نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل سرزد ہوجائے، تو چاہئے کہ وہ مؤمن بندہ سچے دل سے اللہ

(۱) یہ مطلب اس صورت میں ہے کہ مِنْ لَدُنْ، فُصِّلَتْ کا ظرف ہو، اور اگر جملہ مِنْ لَدُنْ: كِتَابٌ کی دوسری خبر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو حکیم بھی ہے اور باخبر بھی، جس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ انسان ان کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ان کے سب حالات کو بخوبی جانتے ہیں۔ اس لئے ان سب پر نظر کرکے اور عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کرکے، اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات وحوادثات کو جانچ تول کرکے، اس حکمت بھری کتاب کو نازل فرمایا ہے

پاک سے معافی اور بخشش کی درخواست کرے، تا کہ ان برے کاموں کی سزا سے بچ جائے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان جن بشری کمزوریوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، ان کی موجودگی میں، یہ بات اس کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ کامل شعوری حالت میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے۔ اور کسی وقت بھی غفلت اور بھول اس پر طاری نہ ہو، بلکہ اس کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں کہ وہ غفلت کی حالت میں یا اغوائے شیطانی سے یا خود اپنے نفس امارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے۔

قرآن پاک اس مرحلہ میں اس بندۂ خدا کو دعوت دیتا ہے کہ تیرے مالک اور مولیٰ بڑے رحیم وکریم ہیں، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں کو اور قصوروں کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتے ہیں پس تجھے ان سے معافی اور بخشش کی درخواست کرنی چاہئے ـــــ بلکہ استغفار ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قرب الٰہی کے مقامات میں سے بلند ترین مقام ہے کیونکہ استغفار کے وقت بندہ اپنی گنہگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساس پستی کی حالت میں ہوتا ہے، اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے اپنے آپ کو، مالک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ یہ بندگی اور تذلل، گنہگاری اور قصورواری کے احساس کی کیفیت ہی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اسی وجہ سے اللہ پاک کے خاص مقرب بندے، یہاں تک کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں، ان کا حال بھی یہ ہے کہ سب کچھ کر لینے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی بندگی کا حق ادا نہیں ہوسکا ہے اس وجہ سے وہ برابر توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں، بخاری شریف میں حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد مروی ہے کہ:

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.

ترجمہ: خدا کی قسم! میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ پاک کے حضور میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور جلال وجبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور واحساس ہوگا، وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو حقوق عبدیت کی ادائیگی میں قصوروار سمجھے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ یہ چیز بدرجۂ کمال حاصل تھی، اس لئے آپ ﷺ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت اور بندگی کا حق ادا نہ ہوسکا۔ اسی وجہ سے آپؐ بار بار اور مسلسل استغفار فرماتے تھے۔

دوسرا مطالبہ: ـــــ توجہ الی اللہ اور انابت کا ہے ـــــ یعنی اللہ پاک کی معرفت، اس کے جلال وجبروت اور اس کی رحمت کا دائمی استحضار اور ہمہ وقتی تعلق اور وابستگی ـــــ اسی سے عبد و معبود کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے، اور بندے کا اپنے مولیٰ سے ایک ایسا زندہ، محسوس اور جذباتی تعلق ہوجاتا ہے کہ وہ ان کو اپنا حقیقی کارساز، مشکل کشا، دست گیر اور فریادرس سمجھنے لگتا

ہے۔اوراس کوان کی قدرتِ کاملہ پرایسا بھروسہ اوران کی محبت وشفقت پرایسا ناز ہوتا ہے جیسا ایک بچہ کواپنی چاہنے والی ماں پر ہوتا ہے۔

لیکن اللہ پاک سے یہ ہمہ وقتی تعلق مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ انسان کے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے،اس کا اپنا نفس الگ تنگ کرتا ہے اور دنیا کی چیزوں کی محبت کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی،مسلم شریف میں سید العارفین ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ:

اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ(مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۲۰۳)

ترجمہ:واقعہ یہ ہے کہ میرے دل پر میل آجاتا ہے اور واللہ!میں ایک دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔

جب سید العارفین اکمل الواصلین ﷺ اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمائیں،تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ ہماری زندگی کے بیشتر لمحات تو غفلت ہی میں گزر جاتے ہیں۔حضور اقدس ﷺ تو اپنے عارضی حال پر استغفار بھی فرماتے ہیں،مگر ہم تو غفلت میں مست ہیں۔

آیات پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک بندوں سے دو باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔پہلا یہ کہ صرف اللہ پاک کی عبادت کی جائے اور بشریت کے تقاضے سے کوئی خطا سرزد ہوجائے،تو عرق ندامت سے اس کی تلافی کردی جائے،اور دوسرا یہ کہ بندہ ہر وقت اللہ پاک کو یاد رکھے،کسی لمحہ اور کسی آن اپنے مولیٰ کو نہ بھولے۔

آگے ایمان،استغفار اور انابت پر وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ پاک تمہیں عمدہ فوائد زندگانی سے ایک مقرر وقت یعنی موت تک بہرہ مند فرمائیں گے۔اللہ پاک کا یہ وعدہ بالکل برحق اور سچا ہے۔قرآنِ پاک میں بار بار یہ وعدہ دہرایا گیا ہے۔سورۂ نوح(علیہ السلام)میں ہے:حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ:

’’تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ،بے شک وہ بڑے بخشنے والے ہیں،وہ کثرت سے تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہیں اموال و اولاد میں ترقی دیں گے،اور تمہارے لئے باغات لگائیں گے۔اور تمہارے لئے نہریں بہائیں گے‘‘(آیات ۱۰-۱۲)

عمومی وعدہ اور خصوصی احوال میں تعارض:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ وعدہ ایک عمومی وعدہ ہے،اس لئے جب کبھی خصوصی احوال سے اس کا تعارض ہوگا،تو اس وقت خصوصی احوال عمل میں آئیں گے۔اور یہ عمومی وعدہ ضمنی ہوجائے گا۔اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ بعض مقبول بندے بھی پریشانیوں کا شکار ہوتے ہیں۔یہ اللہ پاک جل شانہ کے خصوصی قوانین کی کارفرمائی ہے ـــــ مثلاً کسی کو بچے سے بیحد محبت ہے اور اس نے محبت میں بچے سے متنوع وعدے بھی کر رکھے ہیں،لیکن اگر وہ بچہ کسی ایسے مرض کا شکار

ہوجائے کہ اس کی صحت کی خاطر کھانا بند کرنا پڑے یا اس کا کوئی عضو کاٹنا پڑے اور اتفاق سے باپ ڈاکٹر بھی ہو تو جس وقت وہ اس کا فاسد عضو کاٹے گا، اس وقت خصوصی حال کا اثر ہوگا۔ اور محبت کے وعدے ضمنی ہوجائیں گے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اَلَآ	سنو!	يَعْلَمُ	جانتے ہیں اللہ تعالیٰ	اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	مگر اللہ پاک پر (ہے)
اِنَّهُمْ (۱)	بے شک وہ (لوگ)	مَا يُسِرُّوْنَ	جو کچھ وہ چھپاتے ہیں	رِزْقُهَا	اس کی روزی
يَثْنُوْنَ (۲)	دوہرے کرتے ہیں	وَمَا	اور جو کچھ	وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ
صُدُوْرَهُمْ	اپنے سینوں کو	يُعْلِنُوْنَ	وہ برملا کرتے ہیں	مُسْتَقَرَّهَا (۸)	اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو
لِيَسْتَخْفُوْا (۳)	تاکہ چھپ جائیں وہ	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	وَمُسْتَوْدَعَهَا (۹)	اور اس کے امانت
مِنْهُ (۴)	اللہ سے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں		رکھے جانے کی جگہ کو
اَلَا حِيْنَ (۵)	سنو جب	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	دلوں کی باتوں کو	كُلٌّ	سب کچھ
يَسْتَغْشُوْنَ (۶)	وہ اوڑھتے ہیں	وَمَا مِنْ (۷) دَآبَّةٍ	اور نہیں کوئی جاندار	فِيْ كِتٰبٍ	صاف دفتر میں
ثِيَابَهُمْ	اپنے کپڑوں کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مُّبِيْنٍ	(ہے)

اللہ تعالیٰ کے وسعتِ علم کی دو مثالیں

تیسری آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم نے قرآنِ پاک کی دعوت سے روگردانی کی، تو مجھے تمہارے بارے میں

(۱) هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے جن کا تذکرہ تَوَلَّوْا کے ضمن میں آیا ہے (۲) يَثْنُوْنَ کی اصل يَثْنِيُوْنَ تھی جس میں يَرْمُوْنَ والی تعلیل ہوئی ہے (روح) اور مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے ثَنٰى (ض) ثَنْيًا: لپیٹنا دوہرا کرنا (۳) اِسْتِخْفَاءٌ سے مضارع جمع مذکر غائب منصوب ہے جس کے معنی ہیں پردہ کرلینا، آڑ کرلینا (۴) مِنْهُ کی ضمیر اللہ پاک کی طرف راجع ہے۔ (۵) حِيْنَ ظرف ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے اور جملہ ظرفیہ يَعْلَمُ سے متعلق ہے (روح) (۶) اِسْتِغْشَاءٌ: اوڑھنا۔ (۷) مِنْ زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے (۸) مُسْتَقَرٌّ ظرف مکان ہے، اسم مفعول کے وزن پر، قرارگاہ، زیادہ ٹھہرنے کی جگہ (۹) مُسْتَوْدَعٌ بھی ظرف مکان ہے۔ اسم مفعول کے وزن پر: امانت رکھنے کی جگہ، چند روزہ رہنے کی جگہ۔

''بڑے دن''یعنی قیامت کے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔اس دن اللہ پاک تم کو ضرور سزا دیں گے—— سزا دینے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ا-: مجرم حاضر ہو ۲-: حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو ۳-: مجرم کی ساری کارروائیاں اس کے علم میں ہوں—— چوتھی آیت میں پہلی دو باتوں کا تذکرہ تھا کہ اللہ پاک ہی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔یعنی مجرم اور غیر مجرم سب کو اللہ پاک کے یہاں حاضر ہونا ہے۔نیز فرمایا تھا کہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ان کی قدرت کامل اور اختیار عام ہے۔اب ان دو آیتوں میں تیسری بات کا تذکرہ ہے ان میں یہ بیان ہے کہ اللہ پاک کا علم محیط اور ہر چیز کو وسیع ہے وہ ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتے ہیں۔وہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہیں، ان پر بھی مطلع ہیں۔پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح ان سے مخفی رکھ کر نجات پا سکتا ہے؟

مشرکانہ ذہنیت بھی عجیب چیز ہے۔جس رخ پر پڑ جاتی ہے، انتہا پر پہنچ کر دم لیتی ہے۔زُھد اور دنیا سے بے رغبتی پر آتی ہے تو سنیاس سے وَرے نہیں رکتی۔اور دنیا کی طرف مائل ہوتی ہے تو حرام کو بھی حلال بنالیتی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ (کافر) ضروریات بشری کے وقت بھی کسی حصۂ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے، برہنہ ہونا پڑتا تو غلبۂ حیا سے جھکے جاتے اور شرمگاہ کو چھپانے کے لئے سینہ کو دوہرا کئے لیتے تھے، اور اپنے طور پر سمجھتے تھے کہ ہم نے اللہ پاک سے پردہ کر لیا[1]۔اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— سنو! وہ لوگ

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ بخاری شریف میں یہ ہیں ﴿أناس كانوا يستحيون ان يتخلَّوا فَيُفْضُوْا الى السَّمَاءِ، وأن يجامعوا نساء هم فَيُفْضُوْا الى السَّماء فنزل ذلك فيهم﴾ دوسری روایت میں ہے ﴿قال: كان الرجل يجامع امرأته فيستحيي او يتخلّٰى فيستحي فنزلت﴾ (ص ۶۷۷ ج ۲ کتاب التفسیر، سورۂ ہود) تفسیر مظہری میں بطور تشریح من المسلمین بڑھایا ہے۔فوائد عثمانی میں بھی یہی مطلب بیان کیا ہے کہ یہ مسلمانوں کا حال تھا، مگر تفسیر حقانی میں ہے کہ ''مکہ کے کفار کو جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے یہ گمان تھا کہ وہ بوقت قضائے حاجت اپنے اوپر کپڑا ڈال لینا خدا سے مخفی ہونا سمجھتے تھے'' بخاری شریف کے شارحین اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔احقر کے ناقص خیال میں چند وجوہ سے حضرت ابن عباسؓ کے قول کا صحیح مطلب وہی ہے جو تفسیر حقانی میں ہے وہ وجوہ یہ ہیں:

ا-: حضرت ابن عباسؓ کے انداز بیان سے یہی بات مفہوم ہوتی ہے أناسٌ اور كان الرجل اور الى السماء کی تعبیریں اسی کی غمازی کرتی ہیں۔

۲-: اگر یہ فعل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہوتا، تو چونکہ یہ فعل شرعاً ناپسندیدہ ہے اس لئے شارحین بخاری شریف ضرور اس سلسلہ میں گفتگو کرتے جس قسم کی گفتگو فوائد عثمانی میں ہے۔

۳-: سورت مکی ہے اور مکی دور میں اس قسم کی کسی انتہا پسندی کا رجحان صحابہ میں نہیں پایا جاتا۔مدنی دور میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایتوں میں اس قسم کے رجحان کا نشان ملتا ہے جس کی بروقت اصلاح ←

اپنے سینے خوب اہتمام [1] سے دوہرے کرتے ہیں تاکہ اس سے پردہ کرلیں ـــــ سنو! جب وہ لوگ اپنے کپڑے اوڑھے ہوتے ہیں اللہ پاک جانتے ہیں وہ سب کچھ، جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ برملا کرتے ہیں ـــــ بالیقین اللہ پاک دلوں کی باتوں کو (بھی) خوب جاننے والے ہیں ـــــ یعنی اللہ پاک کا علم سرسری اور صرف ظاہری پہلو پر منحصر نہیں کہ کچھ چیزیں تو وہ جانتے ہوں اور کچھ باتیں ان سے مخفی ہوں۔ بلکہ وہ کائنات کے ذرے ذرے سے پوری طرح باخبر ہیں۔لوگ کپڑے پہنے ہوئے اور پردوں کے پیچھے جو کچھ کرتے ہیں، وہ سب اللہ پاک پر روشن ہے۔وہ تو دلوں کے پوشیدہ اسرار کو بھی بخوبی جانتے ہیں۔ پھر کوئی مجرم کس طرح اپنے جرم کو ان سے مخفی رکھ کر نجات پا سکتا ہے؟

اس آیت پاک کے ذیل میں دو باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں:

پہلی بات: ـــــ یہ ہے کہ آیت پاک میں غلو،تعمق اور انتہا پسندی پر زَجْر (ڈانٹ) ہے کہ اگر بوقت ضرورت بھی بدن کھولنے میں اللہ پاک سے حیا آتی ہے،اس لئے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر وباطن کیا اللہ پاک کے سامنے نہیں ہوتا؟ جب انسان ان سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا،تو پھر ضروریاتِ بشریہ کے وقت اس قدر غلو سے کام لینے کی ضرورت کیا ہے؟

دوسری بات: ـــــ یہ ہے کہ حیا اور شرم شرعاً مطلوب ہے۔حدیث شریف میں حیا کو ایمان کے درخت کی ایک ٹہنی کہا گیا ہے، مثلاً یہ بات نہایت ہی بے شرمی کی ہے کہ گھر میں محرم عوتیں یا اجنبی عورتیں موجود ہوں اور ریڈیو سے فحش گانے سنے جائیں مگر حیا اور شرم اتنی ہی جائز ہے جتنی شرعاً مطلوب ہے اس میں غلو کسی طرح روا نہیں۔مثلاً کوئی شخص سسرال جائے اور وہاں اتفاق سے نہانے کی حاجت پیش آجائے،تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ شرم میں غسل نہ کرے اور ویسے ہی نماز پڑھ لے۔

دوسری مثال: ارشاد فرماتے ہیں:ـــــ اور زمین میں جو بھی جاندار ہے،اس کی روزی اللہ پاک کے ذمے ہے۔اور وہ جانتے ہیں،اس کی (مستقل) قرارگاہ کو اور (عارضی) قیام گاہ کو سب کچھ صاف دفتر میں (درج) ہے ـــــ یعنی زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمے لی ہے،جس قدر روزی جس کے لئے مقدر ← فرمادی گئی تھی۔

۴-: آیت پاک کا انداز بیان نہایت سخت ہے دو مرتبہ اَلاَ حرف تنبیہ لایا گیا ہے۔مغلوب الحال حضرات سے اس قسم کا شدید خطاب قرآن پاک کے اسلوب میں بالکل انوکھا ہے ـــــ ان وجوہ سے احقر کا ناقص ذہن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا وہی مطلب سمجھ رہا ہے جو تفسیر حقانی میں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

(۱) ''خوب اہتمام سے'' اِنَّ حرف تاکید کا ترجمہ ہے۔

ہے یقیناً پہنچ کرر ہے گی ــــ اور جب تمام جانداروں کی غذا اور معاش مہیا کرنا اللہ پاک کا کام ہے تو ضروری ہے ان کا علم بندوں کے تمام احوال پر محیط ہو۔ ورنہ ان کی خبر گیری کیسے کی جا سکے گی؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ پاک تمام جانداروں کی مستقل قرارگاہ کو بھی جانتے ہیں، جس کو وہ مستقل طور پر جائے قیام یا وطن بنائے ہوئے ہیں، اور ان کی عارضی قیام گاہ کو بھی جانتے ہیں، جہاں وہ کسی ضرورت سے ٹھہرتے ہیں۔

دنیا میں کوئی شخص یا کوئی ادارہ آپ کے رزق کی ذمہ داری لے تو اتنا کام تو بہر حال آپ کو کرنا ہوگا کہ آپ اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانا چاہیں تو اس فرد یا ادارہ کو اطلاع دینی ہوگی کہ میں فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک فلاں مقام پر رہوں گا۔ مگر حق تعالیٰ کی رزق رسانی میں اس کی کوئی ضرورت نہیں، وہ مخلوقات کی ہر نقل وحرکت سے باخبر ہیں۔ ان کی مستقل جائے قیام کو بھی جانتے ہیں، اور عارضی اقامت کی جگہ سے بھی واقف ہیں۔ اس لئے ان کا رزق وہاں منتقل کر دیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اللہ پاک جانتے ہیں بلکہ یہ سب کچھ واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے اس واضح کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے، جس میں تمام کائنات کی تفصیلی روئداد لکھی ہوئی ہے۔

رزق اور اسبابِ رزق:

رزق: وہ چیز ہے جس سے جاندار اپنی غذا حاصل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ روح کی بقا اور جسم کی نما یعنی فربہی اور بڑھوتری ہوتی ہے ــــ رزق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کا رزق ہے، وہ اس کا مالک بھی ہو۔ کیونکہ تمام جانداروں کو رزق دیا جاتا ہے مگر وہ اس کے مالک نہیں ہوتے، بلکہ ان میں مالکیت کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح چھوٹے بچے اور مہمان اپنے رزق کے مالک نہیں ہوتے، مگر رزق ان کو ملتا ہے ــــ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی، کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے کر کھالے تو یہ مال اس شخص کی غذا ضرور بنے گا۔ گو حرام طور پر بنا۔

اور رزق کی ذمہ داری اسی وقت تک ہے جب تک اس کی اَجَل مقدر یعنی عمر پوری نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ جب اس کی عمر پوری ہو جاتی ہے تو اس کو بہر حال مرنا ہے۔ اور اس جہاں سے گزرنا ہے، جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ عام سبب بیماری ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح جلنا، ڈوبنا، چوٹ کھانا وغیرہ خصوصی اسباب ہیں اسی طرح بھوکوں مر جانا بھی ایک سبب ہے۔ چنانچہ جس کے لئے یہ سبب مقدر ہوتا ہے۔ اس کا رزق بروقت بند کر دیا جاتا ہے، جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

اور بندہ جو وسائل واسباب اختیار کرتا ہے وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں، اور شریعت نے ان اسباب وتدابیر کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اللہ پاک کی قدرت ان اسباب عادیہ میں محصور نہیں۔ وہ کبھی سلسلۂ اسباب توڑ کر بھی

روزی پہنچاتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَلَىٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

ع ۱

وَهُوَ	اور وہی (ہیں)	اَیُّكُمْ (۳)	(کہ) کون تم میں (سے)	الَّذِیْنَ	(وہ لوگ) جنھوں نے
الَّذِیْ	جنھوں نے	اَحْسَنُ	بہتر (ہے)	كَفَرُوْۤا	انکار کی روش اختیار کی
خَلَقَ	پیدا کئے	عَمَلًا	عمل کے اعتبار سے	اِنْ	(کہ) نہیں (ہے)
السَّمٰوٰتِ	آسمان	وَلَىٕنْ (۴)	اور بخدا! اگر	هٰذَاۤ	یہ (بات)
وَالْاَرْضَ	اور زمین	قُلْتَ	آپ کہیں (اُن سے)	اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو
فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ	چھ دنوں میں	اِنَّكُمْ	(کہ) بے شک تم	مُّبِیْنٌ	کھلا
وَّكَانَ (۱)	درانحالیکہ تھا ان کا	مَّبْعُوْثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جانے	وَلَىٕنْ	اور اگر
عَرْشُهٗ	تخت شاہی		والے ہو	اَخَّرْنَا	مؤخر کریں ہم
عَلَى الْمَآءِ	پانی پر	مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ	مرنے کے بعد	عَنْهُمُ	ان سے
لِیَبْلُوَكُمْ (۲)	تا کہ وہ امتحان کریں تمہارا	لَیَقُوْلَنَّ (۵)	(تو) ضرور کہیں گے	الْعَذَابَ	عذاب

(۱) وَكَانَ جملہ حالیہ ہے خَلَقَ کی ضمیر فاعل سے اور قَدْ محذوف ہے (روح) (۲) لام تعلیل کا ہے اور یَبْلُوْ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب منصوب ہے، بَلاً (ن) بَلاءً سے جس کے معنی ہیں آزمانا، امتحان لینا اور کُمْ مفعول ہے (۳) اَیُّ کلمۂ استفہام ہے جو کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کی طرف مضاف ہے۔ پھر جملہ مبتداء ہے اور اَحْسَنُ عَمَلًا تمیز ہے (۴) لام قسمیہ ہے (روح ج ۱۲ ص ۱۶) (۵) لَیَقُوْلَنَّ لام کلمہ کے زبر کے ساتھ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور پیش کے ساتھ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ جہاں فاعل ضمیر ہوتی ہے وہاں فعل اس کے مطابق آتا ہے اور جہاں فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے وہاں فعل ہمیشہ واحد آتا ہے۔

اِلٰٓى اُمَّةٍ⁽¹⁾ مَّعْدُوْدَةٍ	تھوڑے دنوں تک	اَلَا يَوْمَ⁽²⁾	سنو! جس روز	وَحَاقَ بِهِمْ	اور گھیرے گا ان کو
		يَأْتِيْهِمْ	وہ (عذاب) اُن پر آپڑیگا	مَّا	وہ (عذاب)
لَّيَقُوْلُنَّ	(تو) ضرور کہیں گے وہ	لَيْسَ	نہیں	كَانُوْا	کہ تھے وہ
مَا	کس چیز نے	مَصْرُوْفًا	پھیرا جائے گا	بِهٖ	اس کا
يَحْبِسُهٗ	اسے روک رکھا ہے؟	عَنْهُمْ	ان سے	يَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے

بعث بعد الموت اور مسئلہ معاد

گفتگو یہ چل رہی ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کی دعوت سے روگردانی کرتے ہیں ان کے حق میں قیامت کے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ اب ان دو آیتوں میں اسی مناسبت سے بعث، قیامت اور مسئلہ معاد کا مدلل تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔ نیز پیغمبر ﷺ کی اس خبر پر جو لوگ پھبتیاں کستے ہیں ان کو ڈانٹا بھی جارہا ہے ارشاد فرماتے ہیں:— اللہ پاک وہی ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا[3] درانحالیکہ ان کا تخت شاہی پانی پر تھا— یعنی آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا تھا، جو آئندہ اشیاء کا مادۂ حیات بننے والا تھا۔ سورۃ الانبیاء آیت ۳۰ میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز بنائی) اور سورۃ النور (آیت ۴۵) میں ہے: ﴿وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ (اور اللہ پاک نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا)— اس وقت اللہ پاک عزاسمہ کا تخت شاہی پانی کے اوپر تھا جس طرح اب سماوات کے اوپر ہے— اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ساری کائنات رب العرش کے زیر انتظام وجود میں آئی ہے۔ اور کیوں آئی ہے؟— تاکہ وہ تمہارا امتحان کریں کہ کون تم میں سے بہتر عمل کرنے والا ہے؟— یعنی آسمان وزمین کا پیدا کرنا خود کوئی مقصد نہیں، بلکہ ان کو عمل کرنے والے انسانوں کے لئے بنایا ہے۔ انسان ہی اس کارگاہِ ہستی سے اصل مقصود ہے — اور انسان کے پیدا کرنے سے مقصود امتحان وآزمائش ہے۔ پیدا کرکے اسے شریعت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اور اس پر خلافت کا بار ڈالا گیا ہے۔ تاکہ دیکھا جائے

---

(۱) اُمَّةٌ کے معنی یہاں ''مدت'' کے ہیں اور جہاں یہ معنی ہوتے ہیں وہاں اس کا مضاف محذوف ہوتا ہے اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ تقدیر عبارت اِلٰى زَمَنِ اُمَّةٍ ہے زَمَنٌ کو حذف کرکے لفظ اُمَّةٌ کو اس کا قائم مقام سمجھا گیا ہے۔ مَعْدُوْدَةٌ اسم مفعول صیغہ واحد مؤنث ہے یعنی گنتی کے چند، تھوڑے عَدَّ (ن) عَدًّا شمار کرنا اور معدود ہونے سے کبھی کسی چیز کی قلت مراد ہوتی ہے۔ یہاں وہی مراد ہے (۲) يَوْمَ الخ لَيْسَ کی خبر اور مَصْرُوْفًا کا مفعول فیہ ہے۔ (۳) یہ مضمون پارہ نمبر گیارہ سورۂ یونس آیت ۳ میں گذرا ہے اور اس کی تفصیل سورۂ حٰم سجدہ آیت ۱۰ و ۱۱ میں آئے گی۔

کہ کون شریعت کی پابندی کرتا ہے، اور کون خلافت کی ذمہ داریوں سے باحسنِ وجوہ عہدہ برآ ہوتا ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ کون اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال، نماز، روزہ، تلاوت اور ذکر کی عملی کثرت سے زیادہ اللہ پاک کی نظر حسن عمل پر ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَیءٍ﴾[1] (اللہ پاک نے ہر چیز میں ''عمدہ کرنے'' کو لازم کیا ہے) اور حدیث میں عبادتوں کے عمدہ بنانے کا طریقہ یہ ارشاد ہوا ہے: ﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرَاكَ﴾[2] (اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم ان کو دیکھ رہے رہو، پھر اگر تم انھیں نہیں دیکھ رہے تو اللہ پاک تو تمھیں دیکھ رہے ہیں) ظاہر ہے کہ بندہ جب اس تصور کے ساتھ عبادت کرے گا، تو وہ عبادت نہایت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوگی۔

الغرض جب یہ دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات (انعام وانتقام) کا سلسلہ ہو، تاکہ شاکرین اور کافرین کو اپنے کئے کا پھل ملے، مگر منکرین کا عجیب حال ہے:— اور اگر آپ (ان سے) کہیں کہ: بالیقین تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے تو وہ لوگ جنھوں نے انکار کی روش اختیار کی ہے ضرور کہیں گے کہ: بس یہ تو کھلا ہوا جادو ہے!— یعنی منکرین کو یقین ہی نہیں آتا کہ وہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن پاک میں یا حضور اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ تذکرہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے! جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب ومسحور کرلیا ہے۔ مگر ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں!— یعنی یہ لوگ اپنی نادانی سے کائنات کو بس کسی کھلنڈرے کا گھروندا سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں کارگاہِ ہستی کی غرض وغایت سمجھائی جاتی ہے تو پھبتی کستے ہیں کہ یہ شخص تو جادوگر کی سی باتیں کرتا ہے— اور قسم بخدا! اگر ہم ملتوی رکھیں ان سے عذاب کو تھوڑے دنوں تک تو وہ ضرور کہنے لگیں گے: ''اسے کس چیز نے روک رکھا ہے؟''— یعنی جب ان کو ان کی شرارتوں پر عذابِ الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے۔ جسے اللہ پاک کی حکمت نے ایک معین مدت تک روکے رکھا ہے تو وہ لوگ قہقہہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے؟ آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے؟ فرماتے ہیں— سنو! جس روز وہ عذاب ان پر آپڑے گا، تو کسی کے پھیرے نہ پھرے گا، اور ان کو وہ عذاب آگھیرے گا جس کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں— یعنی عذاب میں تاخیر بعض حکمتوں سے ہے۔ اللہ پاک محض اپنے رحم وکرم سے سزا میں تاخیر کررہے ہیں۔ تاکہ بندے کسی طرح سنبھل جائیں۔ لیکن اگر تم نہ سنبھلے تو جب وہ اپنے وقت پر آپڑے گا تو ساری کسر نکل جائے گی۔

(۱) رواه أبو داود عن شداد بن اوس رضی الله عنه ج۲ ص۳۲ فی باب الرفق بالذبيحة (۲) حديث متفق عليه.

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
وَلَئِنْ (۱)	اور بخدا! اگر	كَفُوْرٌ (۴)	ناشکری کرنے والا (ہے)	عَنِّيْ	میرے!
اَذَقْنَا	چکھائیں ہم	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر	اِنَّهٗ	واقعی وہ
الْاِنْسَانَ (۲)	انسان کو	اَذَقْنٰهُ	چکھائیں ہم اس کو	لَفَرِحٌ (۸)	یقیناً اترانے والا
مِنَّا	اپنی طرف سے	نَعْمَآءَ (۵)	رفاہیت	فَخُوْرٌ (۹)	شیخی بگھارنے والا ہے
رَحْمَةً	مہربانی	بَعْدَ	بعد	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جو لوگ
ثُمَّ	پھر	ضَرَّآءَ	کسی تکلیف (کے)	صَبَرُوْا (۱۰)	صبر کرتے ہیں
نَزَعْنٰهَا	کھینچ لیں ہم اس کو	مَسَّتْهُ (۶)	جو پہنچی ہوا سے	وَعَمِلُوا	اور کرتے ہیں
مِنْهُ	اس سے	لَيَقُوْلَنَّ	(تو) ضرور کہنے لگے گا وہ	الصّٰلِحٰتِ	نیکیاں
اِنَّهٗ	(تو) بالیقین وہ	ذَهَبَ	(کہ) گئے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
لَيَئُوْسٌ (۳)	قطعی مایوس	السَّيِّاٰتُ (۷)	سارے دکھ درد	لَهُمْ	ان کے واسطے

(۱) لام قسمیہ ہے (روح) (۲) الف لام جنس کا ہے (۳) یَئُوْسٌ صفت مشبّہ کا صیغہ ہے یَئِسَ (س وف) یَأْسًا: ناامید ہونا، مایوس ہونا (۴) کَفُوْرٌ بھی صفت مشبہ کا صیغہ ہے کَفَرَ (ن) کُفْرَانًا: ناشکری کرنا (۵) نَعْمَآءَ: وہ انعام جس کا اثر نعمت پانے والے پر ظاہر ہو (۶) مَسَّتْهُ صفت ہے ضَرَّآءَ کی (۷) سَيِّئَةٌ کی جمع ہے جو حَسَنَةٌ کی ضد ہے امام راغب نے لکھا ہے کہ حَسَنَةُ اور سَيِّئَةُ کی دو دو قسمیں ہیں ایک شرعاً اور عقلاً اچھی اور بری چیز دوسرے طبیعت کے اعتبار سے اچھی اور بری چیز یعنی وہ چیز جسے طبیعت پسند کرے یا گراں جانے —— یہاں یہ دوسرے معنی مراد ہیں (۸) صفت مشبہ کا صیغہ ہے فَرِحَ (س) فَرِحًا: خوش ہونا، اِترانا (۹) فَخُوْرٌ مبالغہ کا صیغہ ہے فَخَرَ (ف) فَخْرًا شیخی بگھارنا ظاہری چیزوں (مال، عزت، جاہ، حکومت وغیرہ) پر اترانا (۱۰) صبر عربی زبان میں اردو محاورہ سے بہت عام معنی میں استعمال ہوتا ہے صَبَرَ (ض) صَبْرًا ثابت قدم رہنا، سہنا، رکنا—— شریعت کی اصطلاح میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے۔

مَّغۡفِرَةٌ	بخشش (ہے)	وَّ اَجۡرٌ	اور اجر (ہے)	كَبِيۡرٌ	بڑا

کمزور انسان میں عذاب سہارنے کا دل گردہ کہاں؟

پیغمبر ﷺ کی بات کا ٹھٹھا کرنے والوں نے کہا تھا کہ عذاب کہاں ہے؟ آتا کیوں نہیں؟ مگر وہ بودے اور بزدل اتنے ہیں کہ اگر اللہ پاک مدتِ دراز تک اپنی مہربانی سے عیش وآرام میں رکھنے کے بعد نعمتوں کا سلسلہ منقطع فرمادیں تو وہ پچھلی تمام مہربانیاں بھلا بیٹھیں۔اور ناامید ہوکر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھیں۔گزشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی ہی ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ایسے کمزور وجود میں عذاب سہارنے کا دل گردہ کہاں؟—— نیز اس کی سطح بینی، قلت تدبر، غیر مستقل مزاجی، عجلت پسندی اور حال میں کھوکر ماضی اور مستقبل کو بھلادینے کا حال یہ ہے کہ آج خوش حال ہے تو کل اکڑ رہا ہے، شیخی بگھار رہا ہے۔اور کل کسی مصیبت کے پھیر میں آگیا تو بلبلا اٹھتا ہے، حسرت ویاس کی تصویر بن جاتا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور قسم بخدا! اگر ہم انسان کو اپنی جانب سے مہربانی کا مزا چکھائیں، پھر ہم وہ مہربانی اس سے کھینچ لیں تو بالیقین وہ قطعی مایوس، ناشکرا ہے—— یعنی بڑا کم ہمت ہے، رحمت سے ناامید ہوکر ناشکری کرنے لگتا ہے۔اور یہ خیال تک نہیں کرتا کہ جس ذاتِ حق نے پہلے نعمتیں دی تھیں وہ پھر بھی دے سکتی ہے —— اور قسم بخدا! اگر ہم اس کو رفاہیت (خوش حالی) کا مزا چکھائیں، کسی تکلیف کے بعد، جو اسے پہنچی ہو، تو وہ ضرور کہنے لگے کہ: ''مرے سب دکھ درد دور ہوئے!''—— اب ہمیشہ کے لئے مصائب وتکالیف کا خاتمہ ہوگیا۔اور سارے دَلِدّر دور ہوگئے، اب پچھلے احوال کبھی لوٹ کر آنے والے نہیں—— بالیقین وہ ضرور اترانے والا، شیخی بگھارنے والا ہے!—— حالانکہ اس کو چاہئے تھا کہ پچھلی حالت یاد کرکے اللہ پاک کا شکر ادا کرتا، اور ان کے احسانات کے سامنے جھک جاتا—— البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو صبر کرتے ہیں، اور نیک کام کرتے ہیں—— یعنی جو حال اوپر عام انسانوں کا بیان ہوا ہے اس سے اللہ پاک کے وہ بندے مستثنیٰ ہیں، جن میں دو صفتیں پائی جاتی ہیں۔ایک صبر دوسرے عمل صالح—— صبر کے مفہوم میں تمام گناہوں اور خلاف شرع کاموں سے پرہیز کرنے کے علاوہ تکلیف ومصیبت میں ہمت سے کام لینا اور استقامت سے پیش آنے والے احوال کا مقابلہ کرنا بھی داخل ہے۔اور عمل صالح میں تمام شرعی مطالبات کی بجا آوری کے علاوہ بڑھ کر نیک کام کرنا بھی مراد ہے۔

پس آیت پاک کے معنی یہ ہوئے کہ مذکورہ بالا انسانی کمزوری سے وہ لوگ محفوظ ہیں، جو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات سے ذہنی توازن کھو نہیں بیٹھتے، بلکہ ہر حال میں صحیح رویہ پر قائم رہتے ہیں یعنی اگر حالات سازگار ہوتے ہیں، دولت مندی، اقتدار اور ناموری کے آسمانوں پر چڑھے جارہے ہیں تو بڑائی کے نشے میں مست نہیں ہوجاتے۔ بلکہ عمل صالح

کرتے ہیں۔اور اگر کسی وقت مصائب ومشکلات سے دوچار ہوجاتے ہیں،تو صبر وہمت سے کام لیتے ہیں۔بلبلا نہیں اٹھتے،تلملا کر اللہ پاک کو گالیاں نہیں دینے لگتے،اور مایوس ہوکر خودکشی نہیں کر لیتے—— انہی لوگوں کے واسطے بخشش اور بڑا اجر ہے—— یعنی اگر صبر وہمت میں کچھ کمی رہ گئی ہوگی تو اللہ پاک درگزر فرمائیں گے۔اور جو عمل صالح کئے ہیں،ان کا بڑا بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بجز مؤمنین کے،اکثر آدمی ایسے ہیں کہ ذرا سی دیر میں نڈر ہوجاتے ہیں۔اور ذرا سی دیر میں ناامید ہوجاتے ہیں۔اس لئے یہ منکرین،عذاب میں تاخیر ہونے کے سبب بےخوف ہوکر منکر ہوگئے ہیں۔اور انکار واستہزا پر اتر آئے ہیں۔آج اطمینان کے ماحول میں ہمارا پیغمبر انھیں خبردار کرتا ہے کہ اگر قرآن پاک کی دعوت پر کان نہیں دھروگے تو تم پر عذاب آئے گا۔وہ لوگ یہ بات سن کر ٹھٹھا مارتے ہیں،اور سوچتے نہیں کہ ان کی خوشحالیاں اور عذاب میں تاخیر اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے اس لئے فرمارہے ہیں کہ وہ کسی طرح سنبھل جائیں۔

ان آیتوں میں قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا کی نعمت اور کلفت دونوں چند روزہ اور آنی جانی ہیں۔قرآن کریم نے دونوں کے لئے اَذَقْنَا چکھانے کا لفظ استعمال کیا ہے،جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل نعمت اور کلفت آخرت کی ہے۔دنیا میں نہ تو راحت مکمل ہے نہ کلفت،بلکہ چکھنے اور نمونہ کے درجہ میں ہے تاکہ انسان کو آخرت کی نعمتوں اور تکلیفوں کا کچھ اندازہ ہوسکے۔یعنی یہ ساری دنیا آخرت کا "شوروم" ہے جس میں راحت وکلفت کے صرف نمونے رکھے گئے ہیں۔ اس لئے نہ دنیا کی راحت زیادہ خوش ہونے کی چیز ہے،نہ اس کی مصیبت زیادہ غم کرنے کی چیز ہے۔

زرنج وراحت گیتی مرنجاں، دل مشوخرّم ❁ کہ آئین جہاں گاہے چناں،گاہے چنیں باشد

دنیا کے رنج وراحت کا نہ غم کھا نہ خوشیاں منا ❁ کیونکہ دستور زمانہ کبھی یوں ہے کبھی ووں!

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ‌ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِيۡرٌ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌؕ ﴿۱۲﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

فَلَعَلَّكَ(۱)	سوشاید آپ	مَعَهٗ	اس کے ساتھ	مِّثْلِهٖ(۵)	اس کے مانند
تَارِكٌ	چھوڑ دینے والے ہیں	مَلَكٌ	کوئی فرشتہ	مُفْتَرَيٰتٍ(۶)	گھڑی ہوئیں
بَعْضَ	کچھ	اِنَّمَآ اَنْتَ	بس آپ	وَّ ادْعُوْا	اور بلالو
مَا	(اس میں سے) جو	نَذِيْرٌ	خبردار کرنے والے ہیں	مَنِ اسْتَطَعْتُمْ	جسے (بلا) سکو تم
يُوْحٰٓى	وحی کے ذریعہ بھیجا گیا	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَضَآئِقٌ	اور تنگ ہونے والا ہے	وَّكِيْلٌ	پورا اختیار رکھنے والے ہیں	صٰدِقِيْنَ	سچے
بِهٖ	اس کی وجہ سے	اَمْ	کیا	فَاِلَّمْ(۷)	پھر اگر نہ
صَدْرُكَ	آپ کا دل	يَقُوْلُوْنَ	یہ لوگ کہتے ہیں	يَسْتَجِيْبُوْا	جواب دیں وہ
اَنْ(۲)	(اس وجہ سے) کہ	افْتَرٰىهُ	(کہ) اس نے اسے	لَكُمْ(۸)	تمہیں
يَّقُوْلُوْا	وہ کہتے ہیں		خودگڑھ کر اللہ کے نام	فَاعْلَمُوْٓا	جو جان لو
لَوْلَآ اُنْزِلَ	کیوں نہیں اتارا گیا		لگا دیا ہے	اَنَّمَآ	(کہ) بس
عَلَيْهِ	اس (شخص) پر	قُلْ	آپ فرمائیے	اُنْزِلَ	وہ اتارا گیا ہے
كَنْزٌ	کوئی خزانہ؟	فَاْتُوْا	تو لے آؤ	بِعِلْمِ	علم سے
اَوْ جَآءَ(۳)	یا (کیوں نہیں) آیا	بِعَشْرِ سُوَرٍ(۴)	دس سورتیں	اللّٰهِ	اللہ پاک کے

(۱) ترکیب: لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل، کاف اس کا اسم اور تَارِكٌ خبر ہے بَعْضَ مفعول ہے تَارِكٌ اسم فاعل کا، کیونکہ وہ مستقبل کے معنی میں ہے۔ نیز بَعْضَ مضاف ہے مَاموصولہ کی طرف۔ اور اضافت بتوسط حرف مِنْ ہے اور جملہ يُوْحٰى صلہ ہے۔ اور ضَائِقٌ کا تَارِكٌ پر عطف ہے بِهٖ کی ضمیر بَعْضَ کی طرف لوٹتی ہے اور صَدْرُكَ فاعل ہے ضَائِقٌ کا ــــ لَعَلَّ تَرَجِّیْ (امید یا خوف) پر دلالت کرنے کیلئے موضوع ہے اور امید کا رجوع کبھی متکلم کی طرف ہوتا ہے جیسے ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ﴾ اور کبھی اس کا رجوع مخاطب کی طرف ہوتا ہے یعنی مخاطب کو امید دلانے کے لئے آتا ہے جیسے ﴿لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ اور کبھی اس کا تعلق نہ متکلم سے ہوتا ہے نہ مخاطب سے، بلکہ کسی تیسرے شخص سے ہوتا ہے جیسے ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ﴾ یعنی لوگ یہ امید رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ وحی کا کوئی حصہ ترک کردیں گے (راغب) (۲) اَنْ سے پہلے لام اَجلیہ محذوف ہے (۳) جَآءَ کا اُنْزِلَ پر عطف ہے (۴) بَا صلہ کی ہے اَتٰى بہ: لانا (۵) مِثْلِهٖ صفت ہے سُوَرٍ کی (۶) مُفْتَرَيٰتٍ دوسری صفت ہے سُوَرٍ کی (۷) فَاِلَّمْ تین لفظ ہیں فاء، اِنْ شرطیہ اور لَمْ نافیہ، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے (۸) لام صلہ کا ہے استجابَ لَهٗ: جواب دینا۔

وَاَنْ لَّآ	اور یہ (جان لو) کہ نہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	اَنْتُمْ	تم
اِلٰهَ	کوئی معبود	فَهَلْ	پھر کیا	مُّسْلِمُوْنَ	سر تسلیم خم کرنے والے ہو

رسالت اور دلیل رسالت (قرآنِ کریم) پر اعتراض

منکرین صرف مسئلہ معاد اور عذاب کی پیش خبری ہی کا مذاق نہیں اڑاتے تھے، بلکہ رسالت وقرآن کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا۔اس لئے اب ان تین آیتوں میں رسالت وقرآن کے موضوع پر گفتگو ہے۔

ان آیات پاک کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ان حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جن میں یہ نازل ہوئی ہیں۔ قرآن پاک میں شرک اور بت پرستی کی جگہ جگہ مذمت کی گئی ہے کیونکہ بری چیز کو اگر برا نہ کہا جائے تو ہدایت کیسے ہو؟ مگر مشرکین مکہ یہ مضامین سنکر سیخ پا ہوجاتے تھے۔مشرکانہ خرافات پر جس قدر نقد کیا جاتا، اسی قدر ان کے غصے کی آگ بھڑکتی اور وہ مختلف طرح سے کوشش کرتے کہ آپ ﷺ کو اس معاملہ میں ذرا ڈھیلا کریں۔اور اس بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی برتنے پر آمادہ کریں، چنانچہ وہ لوگ محض دق کرنے کے لئے نبی پاک ﷺ سے طرح طرح کی فرمائشیں کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں اور منصبِ رسالت پر مامور ہوکر آئے ہیں، تو مکہ کی سنگلاخ زمین کو پھاڑ کر پانی کا ایک چشمہ جاری فرمادیں۔کوئی کہتا کہ آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہونا چاہئے، جس میں آپؐ نہریں رواں کردیں، کوئی چاہتا کہ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان پر گرادیں۔کوئی گستاخ یہ کہتا کہ ہمارے سامنے اللہ پاک اور فرشتوں کو لے آئیں، کوئی مطالبہ کرتا کہ آپ کے لئے سونے کا ایک گھر ہونا چاہئے، کوئی کہتا آپؐ آسمان پر چڑھ کر وہاں سے ایک تحریر لے آئیں جسے ہم پڑھیں۔کوئی فرمائش کرتا کہ آپ کے پاس خدا کے یہاں سے مال ودولت کا بڑا خزانہ آنا چاہئے اور کوئی کہتا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آنا چاہئے، جو ہر طرف پھر کر آپ کی تصدیق کرے۔

علاوہ ازیں وہ لوگ آپ ﷺ کی ہر بات کا مذاق اڑاتے، آوازے اور پھبتیاں کستے اور ٹھٹھے اڑاتے، اور اپنے طور پر سمجھتے کہ ہم نے ان صاحب کو زچ کردیا۔اور امید باندھتے کہ اب آپؐ اپنی وحی کا وہ حصہ ترک کردیں گے جس میں ہمارے معتقدات کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں۔یا کم ازکم ان مضامین کی وجہ سے آپؐ تنگ دل، منقبض اور مکدر ہوجائیں گے۔جس سے امید ہے کہ ہمارے معبودوں کے معاملہ میں قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ گفتگو کرنے لگیں گے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — سو (منکرین امید باندھتے ہیں کہ) شاید آپؐ کچھ ان چیزوں میں سے چھوڑ دیں گے، جو وحی کے ذریعہ آپؐ کی طرف بھیجی جارہی ہیں اور آپ کا دل اس کی وجہ سے تنگ ہوگا، اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ — حالانکہ آپؐ نہ تو قرآن پاک کا کوئی حصہ ان کی

رعایت میں چھوڑ سکتے ہیں، اور نہ ان کی بیہودہ فرمائشوں سے پریشان ہوسکتے ہیں، جو تعلیمات بذریعہ وحی آپؐ پر منکشف ہوئی ہیں ان کے اظہار واعلان میں اور ان کی طرف دعوت دینے میں قطعاً آپؐ کو کوئی باک نہیں ہوسکتا۔ نہ آپ کے دل میں کبھی خیال گزر سکتا ہے کہ فلاں بات کیسے کہوں، جبکہ لوگ سنتے نہیں، یا سنتے ہی اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ بلکہ کوئی مانے یا نہ مانے جو بھی باتیں آپؐ کی طرف وحی کی جاتی ہیں، آپؐ اسے بے کم وکاست اور بے خوف بیان فرمادیتے ہیں، کیونکہ —— آپؐ تو بس خبردار کرنے والے ہیں، اور ہر چیز پر پورا اختیار رکھنے والے اللہ پاک ہیں —— وہ چاہیں تو کچھ حصہ چھوڑ دیں یا نرمی اور رواداری برتیں۔ کیونکہ ہر معاملہ کا پورا اختیار انہی کا ہے —— مگر جب وہ نہ چاہیں تو ان کا پیغام بر یہ کام کیسے کرسکتا ہے؟ اور منکرین اس سے ایسی فضول بات کی امید کیوں باندھتے ہیں؟

قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض ہے تو ہمیں میداں ہمیں چوگاں!

ارشادِ پاک ہے:—— کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے —— یعنی محمد ﷺ نے —— اسے خود تصنیف کرکے اللہ پاک کے نام لگادیا ہے؟—— یعنی یہ اللہ پاک کا کلام نہیں ہے، ان صاحب نے اسے خود گڑھ کر اللہ پاک کے نام باندھ دیا ہے۔ تاکہ ان کے کلام کا وزن بڑھ جائے —— اس باطل خیال کی وجہ سے وہ امید باندھے بیٹھے ہیں کہ ہمارے دق کرنے سے آپؐ اپنے کلام کا کچھ حصہ القط کردیں گے یا کم از کم اس میں لچک پیدا کریں گے —— آپؐ فرمائیے کہ: اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کے مانند گھڑی ہوئی دس سورتیں[1] لے آؤ۔ اور اللہ پاک کے سوا جن کو اپنی مدد کے لئے بلاسکتے ہو بلالو —— کیونکہ اگر تم اس خیال میں سچے ہو کہ میں نے اس قرآن کو خود تصنیف کیا ہے، تو چاہئے کہ تم بھی اس کو تصنیف کرسکو آخر تم بھی تو عرب ہو فصاحت وبلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو۔ اور تمہیں یہ بھی اجازت ہے کہ سب ملکر ایسی دس ہی سورتیں گھڑ کر پیش کردو، اور اس کام میں مدد کے لئے تمام مخلوق کو، بلکہ اپنے معبودوں کو بھی بلالو —— پھر اگر وہ تمہیں جواب نہ دیں تو جان لو کہ وہ (قرآن پاک) اللہ تعالیٰ ہی کے علم سے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں ہے —— یعنی اس ایک ہی بات میں قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت بھی ہے، اور توحید کا ثبوت بھی۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① —— اگر تمہارے نزدیک یہ قرآن میرا کلام ہے، تو دوسرے انسانوں کو بھی ایسے کلام پر قادر ہونا چاہئے۔ لہٰذا تمہارا یہ خیال کہ میں نے خود اسے تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے کہ تم بھی ایسی دس ہی سورتیں تصنیف کرکے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم سب مل کر بھی اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتے تو میرا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں۔ بلکہ یہ کتاب اللہ پاک ہی کے علم سے نازل ہوئی ہے۔

(۱) گنتی کا پہلا عقد (دہائی) ہے جس کی دلالت اقل قلیل (کم از کم) پر ہے۔

④ —— پھر جب قرآن پاک میں تمہارے معبودوں کی کھلم کھلا برائی بیان کی گئی ہے۔اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت چھوڑ دو، کیونکہ خدائی میں ان کا کوئی حصہ نہیں، تو ضرور ہے کہ تمہارے معبودوں کو بھی —— اگر فی الواقع ان میں کوئی طاقت ہے —— تاؤ آنا چاہئے۔اور میرے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے، اور قرآن پاک کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کرنی چاہئے، بالخصوص جب کہ تم نے ان کی دہائی بھی دی ہو۔لیکن اگر وہ اس فیصلہ کی گھڑی میں بھی تمہاری مدد نہیں کرتے، اور تمہارے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں پھونکتے کہ جس سے تم اس کتاب کی نظیر تیار کرسکو، تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے ان کو خواہ مخواہ معبود بنا رکھا ہے۔

پھر کیا تم سرِ تسلیم خم کرنے والے ہو؟—— یعنی واضح دلائل کے بعد بھی خدا کا فرمان بردار بننے میں کس چیز کا انتظار ہے؟

یہاں ایک خاص بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔اور سورۂ یونس آیت ۳۸ اور سورۃ البقرہ آیت ۲۳ میں ایک سورت بنا کر لانے کا چیلنج ہے، اور سورۃ الاسراء آیت ۸۸ اور سورۃ الطّور آیت ۳۴ میں پورے قرآن پاک جیسی کتاب بنا کر لانے کا چیلنج ہے —— ان تینوں چیلنجوں میں طبعی اور عقلی ترتیب یہی ہوسکتی ہے کہ سب سے پہلے پورے قرآن پاک جیسی کتاب لانے کا چیلنج دیا جائے پھر نیچے اتر کر دس سورتوں سے چیلنج دیا جائے، اور جب وہ اس سے بھی عاجز ہوجائیں تو آخر میں ایک سورت سے چیلنج کیا جائے —— اس طبعی ترتیب پر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ سورۂ ہود اور سورۂ یونس دونوں مکی ہیں اور ترتیب نزولی میں سورۂ یونس کا نمبر اکیاون ہے، اور سورۂ ہود کا باون۔یعنی سورۂ یونس پہلے نازل ہوئی ہے۔اور سورۂ ہود اس کے بعد۔اور سورۂ یونس میں ایک سورت سے چیلنج دیا گیا ہے۔اور یہاں دس سورتوں سے، جو طبعی ترتیب کے خلاف ہے، کیونکہ عقلاً یہ بات ناموزوں ہے کہ پہلے ایک سورت سے چیلنج دیا جائے، اور جب وہ اس سے عاجز ہوجائیں تو دس سورتوں سے چیلنج دیا جائے۔

اس اشکال کو حل کرنے کے لئے تفسیروں میں بڑی بحثیں ہیں، مگر احقر کے ناقص خیال میں ان بحثوں کی ضرورت نہیں۔کیونکہ قرآن کا نزول نجماً نجماً (قسط وار) ہوا ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ ہر سورت پوری ایک ساتھ نازل ہوئی ہو، اور ترتیب نزولی سورت کی بیشتر آیتوں کے زمانہ نزول کے اعتبار سے ہے۔پس یہ ممکن ہے کہ سورۂ یونس نزول میں مقدم ہو اور سورۂ ہود مؤخر۔مگر سورۂ یونس کی آیت ۳۸ کا نزول سورۂ ہود کی اس آیت کے بعد ہوا ہو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ

مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

مَنْ[1] كَانَ يُرِيْدُ[2]	جو طالب ہوتا ہے	وَهُمْ فِيْهَا	اور وہ دنیا میں	اِلَّا النَّارُ	مگر آگ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگانی (کا)	لَا يُبْخَسُوْنَ	کمی نہیں کیے جاتے	وَحَبِطَ	اور برباد ہوا
وَ زِيْنَتَهَا	اور اس کی رونق (کا)	اُولٰٓئِكَ	یہ	مَا صَنَعُوْا	جو کچھ بنایا انھوں نے
نُوَفِّ[3]	(تو) پورا پہنچادیتے ہیں ہم	الَّذِيْنَ	وہ لوگ (ہیں)	فِيْهَا	دنیا میں
اِلَيْهِمْ	ان تک	لَيْسَ	(کہ) نہیں (ہے)	وَ بٰطِلٌ	اور ملیامیٹ ہوا
اَعْمَالَهُمْ[4]	ان کے کاموں (کا بدلہ)	لَهُمْ	ان کے لئے	مَّا كَانُوْا	جو کچھ وہ
فِيْهَا	دنیا میں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے

جن کے دل ودماغ پر دنیا چھائی ہے وہ قرآن کی بات کہاں قبول کریں گے؟

قرآن پاک سے جو لوگ روگردانی کرتے ہیں اور اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، وہ اس کو رد کرنے کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور بیہودہ معجزات کی فرمائشیں کرتے ہیں، مگر یہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔ پہلی چیز جو اس انکار کا اصل سبب ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے دل ودماغ پر دنیا چھائی ہوئی ہے۔ وہ دنیا اور اس کے مادی فائدوں سے باہر سوچ ہی نہیں سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا سے متمتع ہونے کی پوری آزادی حاصل رہے، اگر وہ دین وشریعت کے حلقہ بگوش ہوجاتے ہیں، تو ان کی اس نفسانی خواہش پر قدغن (روک) لگتا ہے۔ اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور قرآن پاک کے پیغام کو رد کرنے کے لئے اعتراضات کرتے ہیں، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— جو لوگ دنیوی زندگانی اور اس کی رونق کے طلبگار ہیں: ہم دنیا میں ان تک ان کے کاموں کا پورا بدلہ پہنچادیتے ہیں۔ اور وہ دنیا میں کچھ کمی نہیں کئے جاتے—— یعنی جو لوگ دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی فانی ٹیپ ٹاپ ہی کو مقصود زندگی بنائے ہوئے ہیں، اور اس کی وجہ سے قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے، اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنے کے لئے آمادہ نہیں: ان کی کوششوں کا پورا پھل دنیا ہی میں ان کو دے دیا جاتا ہے۔ دنیا میں ان کے لئے کچھ کمی نہیں ہوتی مگر—— یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

(۱) مَنْ موصولہ شرط کے معنی کو متضمن ہے۔ اور جواب نُوَفِّ ہے (۲) كَانَ يُرِيْدُ ماضی استمراری ہے (۳) وَفّٰی تَوْفِيَةً حرف جر کے بغیر متعدی ہوتا ہے اور یہاں اِلٰى کے ذریعہ تعدیہ اَوْصَلَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے (روح) (۴) مضاف محذوف ہے ای أجود اعمالِهِمْ (روح)

آخرت میں بجز آگ کے کچھ نہیں — کیونکہ انھوں نے نہ تو آخرت کو مانا ہے، نہ اس کے لئے کوئی تیاری کی ہے۔ بلکہ دنیا پرستی میں اندھے بن کر نہ جائز دیکھا ہے نہ ناجائز۔

آدمی جب اپنے آپ کو اللہ پاک کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا، اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا، بلکہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی کو سمجھ لیتا ہے۔ تو اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ دنیا میں شتر بے مہار اور بے نتھی کا بیل بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کی سزا جہنم کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ — اور جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا تھا وہ سب برباد ہوا — ان کی زندگی بھر کی کوششیں اور جاہ وحشمت، مال ودولت اور کروفر موت کی آخری ہچکی کے ساتھ رخصت ہوا — اور وہ جو کچھ کیا کرتے ہیں وہ سب ملیا میٹ ہو گیا — یعنی دنیا پرستوں نے جو نیکیاں کی تھیں، وہ بھی آخرت میں خراب گئیں۔ کچھ کام نہ آئیں۔ کیونکہ اعمال کی روح ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر اعمال بے حقیقت ہیں وہ وقت پر بھلا کیا کام آسکتے ہیں؟

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑰

اَفَمَنْ (۱)	کیا پس جو شخص	شَاهِدٌ	ایک گواہ	اِمَامًا (۶)	پیشوا
كَانَ	ہے	مِّنْهُ (۴)	اس سے	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی (کیا اس
عَلٰى بَيِّنَةٍ (۲)	قوی دلیل پر	وَمِنْ قَبْلِهٖ (۵)	اور اس کے پہلے ہے		کے برابر ہے جو ایسا
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	كِتٰبُ	کتاب		نہیں؟
وَيَتْلُوْهُ (۳)	اور اس کے پیچھے ہے	مُوْسٰى	موسیٰ کی	اُولٰٓئِكَ (۷)	وہ لوگ

(۱) ہمزہ استفہام: استخبار کے لئے ہے، یعنی کسی چیز کے متعلق کوئی بات دریافت کرنے کے لئے ہے، پھر وہ تسویہ کے لئے ہے، یعنی دو چیزوں کے درمیان برابری ثابت کرنے کے لئے ہے، جب وہ اثبات میں ہوتا ہے تو نفی کرتا ہے، یعنی جواب منفی ہوتا ہے...... اور فاء عاطفہ ہے، **من كان يريد الحيوة الدنيا** پر عطف ہے...... اور مَن: موصولہ عام ہے، اس لئے آگے أولئک (اسم اشارہ جمع) آیا ہے، پس تقدیر عبارت ہے: **اَفَمَنْ كَانَ كَذَلک كَمَنْ ليس كذلک**؟ اور جواب: **لا**: ہے، یعنی دونوں شخص برابر نہیں (۲) بَيِّنَةٍ کی تنوین تعظیم کی ہے اور اس سے مراد قرآن ہے (۳) تَلاَ(ن) تِلُوًّا: پیچھے چلنا، ساتھ ساتھ رہنا (۴) مِنْهُ: کائن محذوف سے متعلق ہو کر شَاهِدٌ کی صفت ہے، اور ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ (۵) مِنْ قَبْلِهٖ کی ضمیر کا مرجع بھی قرآن ہے (۶) اِمَامًا اور رَحْمَةً: کتاب کے احوال ہیں (۷) اُولٰٓئِکَ کا مشارٌ الیہ مَنْ ہے، وہ معنیً جمع ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ	مانتے ہیں	مَوْعِدُهٗ (۲)	اس کے وعدے کی جگہ ہے	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے پروردگار کی
بِهٖ	اس (بات) کو	فَلَا تَكُ (۳)	پس نہ ہوتو		طرف سے
وَمَنْ	اور جو	فِيْ مِرْيَةٍ	کسی شک میں	وَلٰكِنَّ	لیکن
يَّكْفُرْ	نہیں مانتا	مِّنْهُ	اس (قرآن) کے بارے	اَكْثَرَ	اکثر
بِهٖ	اس (قرآن) کو		میں	النَّاسِ	لوگ
مِنَ الْاَحْزَابِ (۱)	گروہوں میں سے	اِنَّهُ	بے شک وہ (قرآن)	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے
فَالنَّارُ	تو دوزخ	الْحَقُّ	برحق ہے	۞	۞

ایک جامع آیت، جس میں تین باتیں ہیں

یہ آیت اہم ہے اور گذشتہ آیت سے مربوط ہے، گذشتہ آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جو دنیوی زندگی اور اس کی رونق کے طلب گار ہیں، اور اس آیت میں تین باتیں ہیں:

۱- قرآن پر ایمان لانے والے اور نہ لانے والے یکساں نہیں، اور ضمناً قرآنِ کریم کی حقانیت کے داخلی اور خارجی شواہد ہیں۔

۲- مذاہبِ عالَم میں سے جو بھی قرآن پر ایمان نہیں لائے گا جہنمی ہوگا۔

۳- قرآنِ کریم اللہ کی برحق کتاب ہے، پس اس پر بے کھٹک ایمان لاؤ۔

پہلی بات: سوال کیا ہے جس کا جواب بالکل واضح ہے، بتاؤ، جو قرآن پر ایمان لایا ہے اور جو ایمان نہیں لایا، دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتے، کیونکہ دونوں کا انجام مختلف ہے۔

اور ضمناً یہ بات بیان کی ہے کہ جو ایمان لایا ہے: وہ کیوں لایا ہے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن کی حقانیت کی داخلی اور خارجی دلیلیں موجود ہیں:

داخلی دلیل: قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے، اس کے مانند کوئی نہیں بنا سکتا، اور اس میں انسانوں کے لئے ہمہ گیر احکام ہیں، جو خالق کائنات کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

خارجی دلیل: تورات کی تصدیق ہے، تورات قرآنِ کریم کے بعد اللہ کی سب سے اہم کتاب ہے، وہ بنی اسرائیل کے لئے پیشوا اور رحمت تھی، اس نے قرآن کی خبر دی ہے، پس جو قرآن پر ایمان لایا ہے وہ پکی بات پر ایمان لایا ہے۔

(۱) الأحزاب سے تمام مذاہبِ عالَم مراد ہیں (۲) مَوْعِد: ظرف مکان ہے۔ (۳) فلا تک: دراصل فلاتکن تھا، تخفیفاً نون حذف ہوا ہے۔

دوسری بات: اور جب قرآن کی صداقت ثابت ہوگئی تو جو بھی مذاہب عالم میں سے اس پر ایمان نہیں لائے گا: جہنمی ہوگا، اور جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوسکتے، اس طرح پہلے سوال کا جواب دوسری بات سے نکل آیا۔

تیسری بات: جب قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی برحق کتاب ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ اس پر بے کھٹک ایمان لائیں اور جنت کے حقدار بنیں۔

آیتِ کریمہ: (پہلی بات:) کیا پس جو شخص قوی دلیل پر ہے اپنے پروردگار کی جانب سے —— یعنی قرآنِ کریم پر ایمان لایا ہے، جو کہ قوی برہانِ رب ہے —— اور اس کے ساتھ ہے ایک گواہ اسی سے —— یعنی اس کی فصاحت اور اس کے احکام کی ہمہ گیری جو اس کی حقانیت کی داخلی دلیل ہے —— اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) ہے، جو پیشوا اور مہربانی ہے اور وہ لوگ (یہود) اس کو مانتے ہیں —— یعنی یہود کو خواہی نخواہی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ تورات نے قرآن کی خبر دی ہے، پس یہ خارجی دلیل ہے، یہاں سوال پورا ہوا کہ کیا ایسی پکی دلیل پر ایمان لانے والے اور ایمان نہ لانے والے برابر ہوسکتے ہیں؟

(دوسری بات:) اور گروہوں (مذاہبِ عالم) میں سے جو اس (قرآن) کو نہیں مانتا تو اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہے —— اس دوسری بات سے سوال کا باقی حصہ نکل آیا اور جواب بھی۔

(تیسری بات:) پس تو اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک میں مت پڑ، بے شک وہ (قرآن) تیرے پروردگار کی طرف سے برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے!

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع

وَمَنْ	اور کون ہے	اَلَا لَعْنَةُ	سنو! پھٹکار ہے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا
اَظْلَمُ (۱)	بڑا ظالم	اللّٰهِ	خدا (کی)	لَهُمْ	ان کے لئے
مِمَّنِ	اس شخص سے جو	عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں پر	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا
افْتَرٰى	گھڑے	الَّذِيْنَ	جو کہ	مِنْ (۳) اَوْلِيَآءَ	کوئی حامی
عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	يَصُدُّوْنَ	روکتے ہیں	يُضٰعَفُ	دوہرا کیا جائے گا
كَذِبًا	جھوٹ؟	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کی راہ سے	لَهُمُ	ان کے لئے
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	وَيَبْغُوْنَهَا	اور چاہتے ہیں وہ اس کو	الْعَذَابُ	عذاب
يُعْرَضُوْنَ	پیش کئے جائیں گے	عِوَجًا (۲)	ٹیڑھا کرنا	مَا	نہیں
عَلٰى رَبِّهِمْ	اپنے رب کے سامنے	وَهُمْ	اور وہ	كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ	طاقت رکھتے وہ
وَيَقُوْلُ	اور کہیں گے	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کے	السَّمْعَ	سننے کی
الْاَشْهَادُ	گواہ	هُمْ كٰفِرُوْنَ	بھی منکر (ہیں)	وَمَا	اور نہیں
هٰٓؤُلَآءِ	یہ لوگ ہیں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ	دیکھتے تھے وہ
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	لَمْ يَكُوْنُوْا	نہیں تھے وہ	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ ہیں
كَذَبُوْا	جھوٹ باندھا	مُعْجِزِيْنَ	عاجز کرنے والے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
عَلٰى رَبِّهِمْ	اپنے رب پر	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	خَسِرُوْٓا	گھاٹے میں ڈالا

(۱) اَظْلَمُ اسم تفضیل ہے ظُلْمٌ سے، ظلم کے معنی ہیں ناانصافی۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ ظلم تین طرح کا ہوتا ہے ۱-: وہ ناانصافی جو انسان اللہ پاک کے حق میں کرتا ہے۔ اس قسم میں سب سے بڑی ناانصافی کفر وشرک اور نفاق ہے ۲-: وہ ناانصافی جو انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں ۳-: وہ ناانصافی جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے۔ یہاں پہلی قسم مراد ہے (۲) عَوِجَ (س) عَوَجًا اور عِوَجًا کج ہونا۔ ٹیڑھا ہونا — جو کجی آنکھوں سے نظر آئے اس کے لئے عَوَج بالفتح آتا ہے اور جو عقل وشعور سے سمجھ میں آئے، آنکھ سے نظر نہ آئے اس کے لئے عِوَج بکسر العین آتا ہے۔ اور سبیل کا وصف، مصدر سے مبالغۃً لایا گیا ہے جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ۔ (۳) مِنْ زائدہ نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے۔

أَنفُسَهُمْ	اپنے آپ کو	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	الْفَرِيقَيْنِ	دونوں فریقوں (کی)
وَضَلَّ	اور کھویا گیا	آمَنُوا	ایمان لائے	كَالْأَعْمَىٰ	جیسے اندھا
عَنْهُم	ان سے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَالْأَصَمِّ	اور بہرہ
مَّا	(وہ سب کچھ) جو	الصَّالِحَاتِ	نیک کام	وَالْبَصِيرِ	اور بینا
كَانُوا يَفْتَرُونَ	گھڑا کرتے تھے وہ	وَأَخْبَتُوا (۱)	اور فروتنی کی انھوں نے	وَالسَّمِيعِ	اور شنوا
لَا جَرَمَ	اس میں شک نہیں	إِلَىٰ رَبِّهِمْ	اپنے پروردگار کے سامنے	هَلْ يَسْتَوِيَانِ	کیا یکساں ہو سکتے ہیں
أَنَّهُمْ	کہ وہ	أُولَٰئِكَ	یہ لوگ		دونوں
فِي الْآخِرَةِ	آخرت میں	أَصْحَابُ الْجَنَّةِ	جنت والے ہیں	مَثَلًا	حالت میں
هُمُ	وہی	هُمْ فِيهَا	وہ اس میں	أَفَلَا	کیا پس نہیں
الْأَخْسَرُونَ	سب سے زیادہ گھاٹے	خَالِدُونَ	ہمیشہ رہنے والے (ہیں)	تَذَكَّرُونَ	سبق لیتے تم؟
	میں رہنے والے ہیں	مَثَلُ	مثال	❁	❁

مؤمنین اور منکرینِ قرآن کے انجام کا اختلاف

پچھلی آیت میں یہ مضمون آیا ہے کہ قرآن پاک کی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے کبھی برابر نہیں ہوسکتے، کیونکہ دونوں کا انجام مختلف ہے۔ اب ان آیتوں میں اسی اختلافِ انجام کا بیان ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور اس شخص سے بڑا ناانصاف کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑے؟ ـــــ مثلاً یہ کہے کہ اللہ پاک کے ساتھ الوہیت میں دوسرے بھی شریک ہیں، یا یہ کہے کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نہ تو کوئی کتاب بھیجی ہے اور نہ کوئی رسول، یا خود تراشیدہ باتوں کو مذہب بنالے یہ سب باتیں اللہ پاک کے حق میں بڑی ناانصافی ہیں پس سنو! اس ناانصافی کا انجام ـــــ یہ لوگ اپنے رب کے حضور میں پیش کئے جائیں گے ـــــ یعنی محشر میں یہ لوگ علی رؤس الاشہاد اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اور ان کی شرارتوں کے دفتر کھولے جائیں گے ـــــ اور گواہی دینے والے (فرشتے) کہیں گے: ”یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے نام پر جھوٹ باندھا ہے“ ـــــ اور گواہیاں گزر جانے پر اعلان ہوگا کہ ـــــ سنو! اللہ پاک کی پھٹکار ہے ظالموں پر! ـــــ اس اعلان ہی سے سمجھ میں آجائے گا کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے؟

(۱) أَخْبَتَ کے اصلی معنی ہیں کشادہ اور پست زمین میں آنا اور أَخْبَتَ إِلَى اللهِ کے معنی ہیں عاجزی، تواضع، خشوع وخضوع اور فروتنی کرنا۔

آ گے ان ظالموں کا تعارف ہے جن پر وہاں خدا کی لعنت کا اعلان ہوگا فرماتے ہیں ـــــ جو لوگ اللہ پاک کی راہ سے روکتے ہیں ـــــ دوسروں کو بھی خدا کی راہ پر چلنے نہیں دیتے ـــــ اور خواہشمند رہتے ہیں وہ اس کی کجی کے ـــــ یعنی جو سیدھی راہ ان کے سامنے پیش کی جارہی ہے اسے پسند نہیں کرتے، بلکہ چاہتے ہیں کہ یہ راہ بھی ان کی خواہشاتِ نفس اور اوہام وتخیلات کے مطابق ٹیڑھی ہوجائے تو وہ اسے قبول کرلیں۔ان کا مزاج ہی یہ واقع ہوا ہے:

اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَایَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلاً، وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلاً (الاعراف۱۴۶)

ترجمہ: اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔

اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں ـــــ اور جو آخرت کے منکر ہوتے ہیں، وہ ہر وقت برائیوں میں سرشار رہتے ہیں۔ کیونکہ جب آدمی اللہ پاک کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ نہیں سمجھتا اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا، بلکہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی پوری زندگی غلط ہوکر رہ جاتی ہے۔وہ نہایت برے اخلاق واوصاف والا آدمی ہوجاتا ہے، اور اللہ پاک کی زمین کو ظلم وفساد اور فسق وفجور سے بھر دیتا ہے اور ایسے شخص کی سزا جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟!

یہ لوگ زمین میں (بھاگ کر) اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ـــــ یعنی وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے؟ ان کو کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا ـــــ اور نہ ان کے لئے اللہ پاک کے سوا کوئی حامی ہوگا ـــــ یعنی اللہ پاک کو چھوڑ کر وہ جن معبودوں کی عبادت کرتے تھے وہ سب غائب ہوجائیں گے وقت پر کوئی کام نہیں آئے گا ـــــ دوگنا کیا جائے گا ان کے لئے عذاب ـــــ ایک عذاب تو خود گمراہ ہونے کا دوسرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کا اور اللہ پاک کے راستہ سے روکنے کا ـــــ وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے تھے ـــــ یعنی دنیا میں ایسے اندھے، بہرے بنے ہوئے تھے کہ نہ حق بات کو سن سکتے تھے اور نہ خدائی نشانیوں کو دیکھ پاتے تھے ـــــ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا ـــــ کسی نے ان کا نقصان نہیں کیا ـــــ اور ان سے وہ سب کچھ کھویا گیا جو وہ گھڑا کرتے تھے ـــــ یعنی ان کے وہ سب نظریات پادر ہوا ہوگئے جو انھوں نے خدا، کائنات اور اپنی ہستی کے متعلق گھڑ رکھے تھے، اور وہ سب بھروسے جھوٹے ثابت ہوئے جو انھوں نے اپنے معبودوں اور سفارشیوں پر کررکھے تھے۔اور وہ تمام قیاسات غلط نکلے جو انھوں نے زندگی بعد الموت کے بارے میں قائم کئے تھے۔پس ـــــ اس میں کوئی شک نہیں کہ آخرت میں وہی سب سے زیادہ گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

اب مؤمنین کا انجام سنئے! ـــــ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی

کی، بالیقین یہ لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں سدا رہنے والے ہیں۔

اس آیت میں ہمارے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اس میں جنتیوں کی لازمی صفات کے طور پر تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جس سے ان تینوں چیزوں کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے ایک ایمان، دوسری عمل صالح اور تیسری عاجزی، تواضع، خشوع وخضوع اور فروتنی جو تمام عبادتوں کی روح ہے —— پس جو جنت کا متمنی ہے، اور کون اس کا متمنی نہیں! اس کو چاہئے کہ ان تینوں چیزوں پر خاص دھیان دے۔

الحاصل دونوں فریقوں کا حال آپ نے پڑھ لیا، اب غور فرمائیے کہ جب دونوں کا طرز عمل مختلف ہے تو دونوں کا انجام کیسے یکساں ہوسکتا ہے؟ —— دونوں فریقوں کی مثال جیسے اندھا، بہرہ اور بینا شنوا —— یعنی پہلا فریق اندھا ہے، اس لئے اسے راہ نہیں سوجھتی اور بہرہ بھی ہے اس لئے نہ کسی ایسے شخص کی بات سنتا ہے جو اسے سیدھا راستہ بتا رہا ہو۔ اور دوسرا فریق بینا ہے خود بھی راستہ دیکھ رہا ہے۔ اور شنوا بھی ہے اس لئے واقفِ راہ کی ہدایت سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے —— کیا یہ دونوں حالت میں یکساں ہوسکتے ہیں؟ —— کبھی نہیں! پہلا شخص کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ منزل تک دوسرا فریق ہی پہنچے گا —— کیا پس تم نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟ —— کارے نہ کنی کز اں پشیماں شوی! (کف افسوس ملنا پڑے وہ کام ہرگز نہ کرو)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣٠﴾

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	الْمَلَاُ	سردارانِ قوم (نے)	وَمَا نَرٰىكَ	اور نہیں دیکھتے ہم
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	لَكُمْ	تمہارے لئے
نُوْحًا	نوح (علیہ السلام) کو	كَفَرُوْا	ان کی بات نہیں مانی	عَلَيْنَا	اپنے اوپر
اِلٰى قَوْمِهٖٓ	ان کی قوم کی طرف	مِنْ قَوْمِهٖ	ان کی برادری میں سے	مِنْ فَضْلٍ	کوئی برتری
اِنِّيْ	بے شک میں	مَا نَرٰىكَ	نہیں دیکھتے ہم تم کو	بَلْ	بلکہ
لَكُمْ	تمہارے لئے	اِلَّا بَشَرًا	مگر ایک انسان	نَظُنُّكُمْ	سمجھتے ہیں ہم تمہیں
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	صاف صاف خبردار	مِّثْلَنَا	اپنے جیسا	كٰذِبِيْنَ	جھوٹے
	کرنے والا ہوں	وَمَا نَرٰىكَ	نہیں دیکھتے ہم تم کو	قَالَ	کہا (نوح نے)
اَنْ لَّا (۱)	کہ نہ	اتَّبَعَكَ	(کہ) پیروی کی ہو	يٰقَوْمِ	(کہ) اے میری قوم
تَعْبُدُوْٓا	بندگی کرو تم		تمہاری	اَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ
اِلَّا اللّٰهَ	مگر اللہ پاک (کی)	اِلَّا	مگر	اِنْ كُنْتُ	اگر ہوں میں
اِنِّيْٓ	تحقیق میں	الَّذِيْنَ	(ان لوگوں نے) جو	عَلٰى بَيِّنَةٍ	حجت پر
اَخَافُ	ڈرتا ہوں		کہ (ہیں)	مِّنْ رَّبِّيْ	اپنے رب کی طرف سے
عَلَيْكُمْ	تمہارے حق میں	هُمْ	وہ	وَاٰتٰىنِيْ	اور بخشی ہے اس نے
عَذَابَ	عذاب سے	اَرَاذِلُنَا	ہم میں نیچ		مجھے
يَوْمٍ اَلِيْمٍ	دردناک دن (کے)	بَادِيَ (۲)	سرسری	رَحْمَةً	رحمت
فَقَالَ	پس کہا	الرَّاْيِ	رائے والے	مِّنْ عِنْدِهٖ	اپنے پاس سے

(۱) اَنْ سے پہلے بامحذوف ہے، اور جملہ اَرْسَلْنَا سے متعلق ہے (۲) نَصَبُ بَادِيَ عَلَى الظَّرْفِ اى: وقت حدوث أول رأيهم (جلالين)

فَعُمِّيَتْ (۱)	پھر نہ سوجھی ہو وہ	مُّلٰقُوْا	ملاقات کرنے والے ہیں	وَلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں
عَلَيْكُمْ	تمہیں	رَبِّهِمْ	اپنے رب (سے)	اِنِّىْ	کہ میں
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا (۲)	(تو) کیا ہم اس کو تمہارے	وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ	مگر میں دیکھتا ہوں تم کو	مَلَكٌ	فرشتہ (ہوں)
	سر منڈھ دیں	قَوْمًا	ایسے لوگ	وَّلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں
وَّاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	تَجْهَلُوْنَ	(جو) جہالت پر اترے	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے بارے
لَهَا	اس سے		ہوئے ہو		میں جن کو
كٰرِهُوْنَ	نفرت کرنے والے (ہو)	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری قوم!	تَزْدَرِىْٓ (۳)	حقیر سمجھتی ہے
وَيٰقَوْمِ	اے میری قوم!	مَنْ يَّنْصُرُنِىْ	کون بچائے گا مجھ کو	اَعْيُنُكُمْ	تمہاری آنکھیں
لَآ اَسْئَلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کے عذاب سے	لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ	(کہ) ہرگز نہیں دیں
عَلَيْهِ	اس پر	اِنْ طَرَدْتُّهُمْ	اگر ہانک دوں میں انکو		گے ان کو
مَالًا	کچھ مال	اَفَلَا	کیا پس نہیں	اللّٰهُ	اللہ پاک
اِنْ	نہیں (ہے)	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوتے تم	خَيْرًا	بھلائی (ثواب)
اَجْرِىَ	میرا معاوضہ	وَلَآ اَقُوْلُ	اور نہیں کہتا میں	اَللّٰهُ	اللہ پاک
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	مگر اللہ پاک پر	لَكُمْ	تم سے	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
وَمَآ اَنَا	اور نہیں (ہوں) میں	عِنْدِىْ	(کہ) میرے پاس	بِمَا	جو کچھ (ہے)
بِطَارِدِ	ہانک دینے والا	خَزَآئِنُ	خزانے (ہیں)	فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ	ان کے دلوں میں
الَّذِيْنَ	(ان لوگوں کو) جو	اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	اِنِّىْٓ اِذًا	بے شک میں تب تو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلَآ اَعْلَمُ	اور نہیں جانتا میں	لَّمِنَ	یقیناً ناانصافی کرنیوالوں
اِنَّهُمْ	تحقیق وہ	الْغَيْبَ	غیب (کو)	الظّٰلِمِيْنَ	میں سے (ہوجاؤں گا)

(۱) **عُمِّيَتْ**: ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے **عَمّٰی تَعْمِيَةً**: پوشیدہ رکھنا، چھپا دینا نظروں سے اوجھل کر دینا (۲) **نُلْزِمُكُمُوْهَا** فعل مضارع صیغہ جمع متکلم ہے اور **كُمْ** ضمیر جمع مذکر حاضر پہلا مفعول ہے اور **هَا** دوسرا مفعول ہے **اَلْزَمَ ، اِلْزَامًا**: چمٹانا، سر منڈھ دینا (۳) **تَزْدَرِىْ**: فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ **اِزْدَرٰى اِزْدِرَاءً**: حقیر سمجھنا۔ باب افتعال سے ہے، جس کی تاء دال سے بدل گئی ہے۔

پانچ انبیائے کرام کے واقعات

۱-ابوالبشر ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت

اب یہاں سے پانچ انبیاء کرام کی سرگزشتیں شروع ہورہی ہے۔اور ترتیب بیان غالباً تاریخی ہے،یعنی اس سورت میں جس پیغمبر کی سرگزشت جس جگہ بیان ہوئی ہے غالباوہی اس کا تاریخی مقام ہے۔چنانچہ سب سے پہلی سرگزشت سیدنا نوح علیہ السلام کی ہے—— حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا[۱]۔آپ ابوالبشر ثانی یا آدم ثانی (یعنی انسانوں کے دوسرے باپ) ہیں۔اور انسانی گمراہی کی تاریخ کا آغاز بھی آپ ہی کی قوم سے ہوا ہے۔حق وباطل کی کشمکش اور مجرمین کی سزایابی کا سلسلہ بھی آپ کے زمانہ سے شروع ہوا ہے۔اس لئے قدرتی طور پر یہ تذکرہ آپ ہی کی سرگزشت سے شروع ہونا چاہئے۔

قرآن پاک کا عام اسلوب خطاب یہ ہے کہ وہ پہلے معقول دلائل اور دل کو لگنے والی نصیحتوں سے سمجھا تا ہے۔پھر واقعات وایام کے ذریعہ فہمائش کرتا ہے—— یہ سورت مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔جسکا مطلب یہ ہے کہ منکرین کو دس،گیارہ سال تک مسلسل سمجھایا گیا۔مگر وہ بجائے اسکے کہ اپنی گمراہیوں پر نظر ثانی کرتے،الٹے نبی پاک ﷺ کے دشمن ہوگئے،حالانکہ آپ کسی ذاتی غرض کیلئے نہیں،بلکہ انہی کے فائدے کیلئے جدوجہد فرمارہے تھے۔اس سورت میں ان لوگوں کو پانچ نبیوں کی سرگزشتوں کے عنوان سے وہ سب کچھ سنایا جارہا ہے،جس کے حالات متقاضی تھے اور جس کا سورت کی موعظت سے تعلق ہے۔

قرآن عزیز کا اسلوب یہ بھی ہے کہ جب وہ کوئی تاریخی واقعہ بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد ''وعظ وتذکیر'' کے پیش نظر واقعہ کی ان ہی جزئیات کو نقل کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (ان لوگوں سے آپ نے کہا:) ''بالیقین میں تمہارے حق میں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں،کہ اللہ پاک کے سوا کسی کی بندگی مت کرو،بالیقین میں تمہارے حق میں دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں!''—— یہی بات نبی پاک ﷺ کے ذریعہ اس سورت کے شروع میں کہلوائی گئی ہے—— ''درد ناک دن'' سے مراد وہ دن ہے،جس میں المناک اور دردانگیز حوادث کا وقوع ہوگا،قیامت کا دن ہو یا وہ دن ہو جس میں عذاب آئے۔

(۱) جس انسان پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے وہ ''نبی'' ہے اور جس کو نئی شریعت بھی عطا کی گئی ہو وہ ''رسول'' ہے۔

قوم کا جواب:—— ان کی برادری کے ان سرداروں نے، جنھوں نے ان کی بات نہیں مانی، جواب دیا کہ: "ہم تمہیں اپنے جیسا ہی ایک انسان سمجھتے ہیں!—— یعنی تم بھی ہماری طرح انسان ہو، کھاتے پیتے ہو، چلتے پھرتے ہو، سوتے جاگتے ہو اور بال بچے رکھتے ہو۔ پھر آخر ہم کیسے مان لیں کہ تم اللہ پاک کی طرف سے پیغمبر مقرر ہو کر آئے ہو۔ بعینہ یہی اعتراض مکہ کے لوگ بھی رسول پاک ﷺ پر کرتے تھے۔ جس کا تذکرہ سورۂ الفرقان (آیت ۷) وغیرہ میں آیا ہے۔

دوسرا اعتراض:—— اور ہم نہیں دیکھتے کہ ہم میں سے نیچ قوم کے سوا کسی نے تمہاری پیروی کی ہو، اور وہ بھی سرسری رائے سے!—— یعنی آپ کے ساتھ ہے کون؟ حقیر و ذلیل کمتر لوگ! اگر تمہاری بات صحیح ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اس کو قبول کرتے، ان رذیل لوگوں کا قبول کرنا تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی بات ہی قبول کرنے کے لائق نہیں۔ دانشمندوں کو آپ کی دعوت کوئی اپیل نہیں کرتی—— رہی ان نیچ لوگوں کی پیروی تو وہ اندھی تقلید ہے۔ یہ سطحی لوگ بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تأمل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آئے ہیں۔ ان کا مان لینا تمہاری صداقت کی دلیل نہیں بن سکتا یہ نہ ذی رائے ہیں کہ ہماری طرح اپنی گرہ کی عقل سے کام لیں اور نہ ذی شعور ہیں کہ حقیقتِ حال کو سمجھیں—— بلکہ ہم کو تو ان لوگوں سے گھن آتی ہے۔ یہ اور ہم ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر تم ان کو اپنے پاس سے نکال دو تو ہم تمہاری بات سنیں—— یہ بھی وہی بات ہے جو مکہ کے لوگ نبی پاک ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ ہے کون؟ چند سر پھرے لڑکے! جنھیں دنیا کا کچھ تجربہ نہیں، یا پھر کچھ غلام اور ادنی طبقہ کے عوام جو عقل کے کورے اور اعتقاد کے بودے ہیں۔

تیسرا اعتراض:—— اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں!—— یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز حاصل ہونا چاہئے، مگر ہم تم میں کوئی سرخاب کا پر لگا ہوا نہیں دیکھتے۔ پھر کیوں کر ہم تمہاری صداقت کے قائل ہو جائیں؟ تم آخر کس چیز میں بڑھے ہوئے ہو کہ ہم تمہیں "اللہ کا رسول" مان لیں؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی جھوٹے ہو، تم نے ایک بات بنائی اور چند بے وقوفوں نے ہاں میں ہاں ملائی تا کہ اس ملی بھگت سے اپنا الو سیدھا کر لو۔

(نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ: "اے میرے برادری کے لوگو! اگر میں اپنے رب کی جانب سے حجت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی ہے، پھر وہ تمہیں نہ سوجھی، تو بتلاؤ کیا ہم اس کو تمہارے سر منڈھ دیں حالانکہ تم اس سے نفرت کرنے والے ہو؟—— یہ پہلے تیسرے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے ممتاز ہونا چاہئے۔ لیکن وہ امتیاز مال و دولت، ملک اور حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں ہوتا، بلکہ صریح آیات

ونشانات پیش کرنے سے اس کو امتیاز حاصل ہوتا ہے وہ وحی الٰہی اور دلائل ربانی کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتا ہے۔اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں اس پر بارش کی طرح برستی ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہیں لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی ،تمہاری آنکھیں بھی اس نور الٰہی کے دیکھنے سے قاصر ہیں ،تو کیا میں زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کراؤں!

دوسرے اعتراض کا جواب:—— اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا ، میرا معاوضہ تو بس اللہ پاک پر ہے—— یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا۔میں ایک بے غرض ناصح ہوں ،اپنے کسی فائدے کے لئے نہیں ، بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے کوشاں ہوں۔نہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت ، میں اپنی مزدوری اپنے پروردگار سے لوں گا۔میری نظر میں مالدار اور غریب دونوں برابر ہیں—— اور میں ان لوگوں کو ہانک دینے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں——یعنی اگر تم ان کے افلاس یا پیشہ کے حقیر وذلیل ہونے کی وجہ سے میری پیروی سے ناک بھوں چڑھاتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں ہوں جو دولتِ ایمان کے سرمایہ داروں کو ان کی ظاہری خستہ حالی کی وجہ سے جانوروں کی طرح دھکے دیکر نکال دوں!—— یقیناً وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں—— وہیں پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں کی حالت کیا تھی۔مگر یہاں میں ظاہر حال کے خلاف کیوں کر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض دکھاوے کا اور سرسری ہے؟ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں—— ان کی قدر وقیمت جو کچھ ہے وہ ان کے رب کو معلوم ہے ،اور اسی کے حضور جا کر وہ کھلے گی۔اگر یہ قیمتی ہیرے ہیں تو تمہارے ان کو نظروں سے گرادینے کی وجہ سے وہ پتھر نہیں بن جائیں گے—— ہاں میں تم کو ایسے لوگ دیکھ رہا ہوں جو جہالت پر اترے ہوئے ہیں!—— تم جہالت وحماقت سے ان کے انجام پر نظر نہیں کرتے۔صرف ان کی ظاہری شکستگی اور خستہ حالی کو دیکھ کر ان کو حقیر سمجھتے ہو ،اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو ہٹادیا جائے تو ہم تمہارے قریب آئیں—— اور اے میری برادری کے لوگو! اگر میں ان کو ہانک دوں تو مجھ کو اللہ پاک (کی خفگی) سے کون بچائیگا؟—— یعنی اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دیدیئے تو اللہ کی سزا اور گرفت سے مجھے کون بچا سکے گا؟—— تو کیا تم اتنی (موٹی) بات بھی نہیں سمجھتے؟

پہلے دو اعتراضوں کا جواب: اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ پاک کے خزانے ہیں ، اور نہ میں غیب جانتا ہوں ، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ، اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہتا ہوں کہ ہرگز ان کو اللہ پاک بھلائی نہیں دیں گے! اللہ پاک خوب جانتے ہیں ، جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔تب تو ضرور میں ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا!

یہ مخالفین کے دونوں اعتراضوں کا جواب ہے، ان کا پہلا اعتراض تھا کہ تم ہم جیسے ایک انسان ہو، ہم سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ واقعی میں ایک انسان ہوں، فرشتہ نہیں ہوں، نہ خدا نے اپنے خزانے میرے تصرف واختیار میں دیدئے ہیں۔ نہ میں تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں۔ میں نے کبھی بھی اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ میں اللہ پاک کا رسول ہوں۔ اللہ پاک نے مجھے علم وعمل کا سیدھا راستہ دکھایا ہے، اس کی آزمائش تم جس طرح چاہو کرلو۔

ان کا دوسرا اعتراض تھا کہ تم پر جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب حقیر وذلیل لوگ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نظریں جن غریب، بے سرمایہ لوگوں کو حقیر وذلیل دیکھتی ہیں میں تمہاری طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ پاک ان کو کوئی خیر اور بھلائی نہ دیں گے، خیر اور بھلائی کا تعلق مال ودولت اور پیشہ سے نہیں ہے؛ بلکہ انسان کے دل سے ہے، اور دلوں کا حال اللہ پاک ہی جانتے ہیں— اگر میں بھی تمہاری طرح ان کو حقیر وذلیل سمجھنے لگوں تو میں ظالم ٹھہروں گا۔

ایک تجربہ کی بات:

تجربہ شاہد ہے کہ جاہ ومال کا ایک نشہ ہوتا ہے، جو بہت سی معقول اور صحیح باتوں کو سمجھنے اور قبول کرنے سے روک دیتا ہے۔ مگر معمولی آدمی کی نظر کے سامنے یہ رکاوٹیں نہیں ہوتیں، اس لئے وہ حق اور صحیح بات قبول کرنے میں سبقت کرتا ہے، اسی وجہ سے پیغمبروں پر اول ایمان لانے والے ہمیشہ غرباء اور فقراء ہی رہے ہیں۔ ہرقل شاہِ روم کے پاس جب نبی پاک ﷺ کا دعوتی والا نامہ پہنچا تھا تو اس نے تحقیق حال کے لئے عربوں کے ایک تجارتی قافلہ سے چند سوالات کئے تھے اس نے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس مدعیٔ نبوت کی اتباع کرنے والے قوم کے کمزور اور غریب لوگ ہیں، یا وہ ہیں جو قوم کے بڑے کہلاتے ہیں۔ ابوسفیان نے بتلایا تھا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ یہ سچے نبی ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اول اول اتباع کرنے والے یہی کمزور اور غریب لوگ ہوتے ہیں۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

قَالُوْا	ان لوگوں نے کہا	قَالَ	جواب دیا (نوح نے)	اِنْ اَرَدْتُّ	اگر چاہوں میں
یٰنُوْحُ	اے نوح	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اَنْ اَنْصَحَ	کہ خیر خواہی کروں میں
قَدْ	تحقیق	یَاْتِیْكُمْ	لے آویں گے تمہارے پاس	لَكُمْ	تمہاری
جٰدَلْتَنَا	جھگڑا کیا تو نے ہم سے	بِهٖ(۱)	اس کو	اِنْ كَانَ	اگر ہو
فَاَكْثَرْتَ	پھر بہت کیا تو نے	اللّٰهُ	اللہ پاک	اللّٰهُ	اللہ پاک
جِدَالَنَا	ہمارے ساتھ جھگڑا	اِنْ شَآءَ	اگر چاہیں گے وہ	یُرِیْدُ	ارادہ کرتے
فَاْتِنَا	اب لے آ	وَمَآ اَنْتُمْ	اور نہیں (ہو) تم	اَنْ یُّغْوِیَكُمْ(۲)	کہ بہکا دیں تمہیں
بِمَا(۱)	جو کچھ	بِمُعْجِزِیْنَ	عاجز کرنے والے	هُوَ	وہ
تَعِدُنَآ	وعدہ کرتا ہے تو ہم سے	وَلَا	اور نہیں	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار ہیں
اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	یَنْفَعُكُمْ	فائدہ دے گی تم کو	وَاِلَیْهِ	اور انہی کی طرف
مِنَ الصّٰدِقِیْنَ	سچوں میں سے	نُصْحِیْٓ	میری خیر خواہی	تُرْجَعُوْنَ	پھیرے جاؤ گے تم

قوم نے عذاب مانگا؟

حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ قوم سمجھ جائے اور رحمتِ الٰہی کے آغوش میں آ جائے، ساڑھے نو سو برس شب و روز کھلے چھپے انھیں نصیحت کرتے رہے، تبلیغ و تفہیم اور بحث و مناظرہ میں صدیاں گزر گئیں مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں محنت ہوتی اسی قدر قوم کی جانب سے عناد بڑھتا، آخر میں تنگ آ کر —— ان لوگوں نے کہا: اے نوح! واقعہ یہ ہے کہ تم نے ہم سے جھگڑا کیا، اور بہت کر چکے تم ہم سے جھگڑا، اب اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو —— تا کہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو!

حضرت نوح علیہ السلام نے —— جواب دیا: "اس کو تو اللہ پاک ہی لائیں گے، اگر چاہیں گے، اور تم ان کو تھکانے والے نہیں! —— یعنی عذاب میرے قبضہ میں نہیں۔ اللہ پاک جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہیں گے نازل فرمائیں گے۔ اور تم اتنا بل نہیں رکھتے کہ اسے روک دو۔

اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی، گو میں کیسی ہی تمہاری خیر خواہی کروں، جب کہ اللہ پاک نے تمہارے

(۱) دونوں جگہ باء صلہ کی ہے أتی به: لانا (۲) اِغْوَاءٌ سے فعل مضارع منصوب صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے معنی ہیں گمراہ کرنا کج راہ کرنا۔

بھٹکا دینے کا اردہ کرلیا ہو—— یعنی اگر اللہ پاک نے تماری ہٹ دھرمی اور خیر سے بے رغبتی دیکھ کر یہ فیصلہ کرلیا ہو کہ تمہیں راست روی کی توفیق نہ دیں، اور جن راہوں میں تم خود بھٹکنا چاہتے ہو انہی میں تمہیں بھٹکتا چھوڑ دیں تو اب تمہاری بھلائی کے لئے میری کوشش کارگر نہیں ہو سکتی:

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ❁ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(ترجمہ) قسمت کے بھٹکے ہوؤں کو رہبر کامل سے کیا حاصل؟ حضرت خضر کی رفاقت کے باوجود سکندر آب حیات سے محروم ہی لوٹا!

وہی تمہارے پروردگار ہیں۔ اور انہی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے—— پھر وہ تمہارے سارے کفر وعناد کی کسر نکال دیں گے۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ‌ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اسے خود گڑھ کر اللہ کے نام پر لگا دیا ہے؟	قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ	آپ فرمائیے اگر خود گڑھ لیا ہے میں نے اس کو تو مجھ پر (ہے)	اِجۡرَامِىۡ (۱) وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ (۲)	میرا جرم کرنا اور میں بری ہوں تمہارے جرائم سے

نوح علیہ السلام اور نبی ﷺ کا معاملہ یکساں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جو اعتراضات اوپر ذکر ہوئے ہیں وہ صرف اسی قوم کے اعتراضات نہیں تھے۔ بلکہ مکہ کے مشرکین بھی وہی اعتراضات نبی پاک ﷺ پر کرتے تھے، اس وجہ سے جب نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے مشرکین مکہ نے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا، تو کہنے لگے کہ محمدؐ نے یہ قصے خود بنا کر اس لئے پیش کئے ہیں کہ ہم پر چسپاں کریں، یعنی جو چوٹیں وہ ہم پر براہِ راست نہیں کر سکتے تھے ان کے لئے ایک قصہ گڑھتے ہیں تاکہ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں ہم پر چوٹ کریں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے—— یعنی محمد ﷺ نے—— اسے—— یعنی نوح علیہ السلام کے اس واقعہ کو—— گھڑ کر اللہ پاک کے نام لگا دیا ہے؟ آپ فرمائیے کہ اگر اسے میں نے خود گڑھ لیا ہے تو مجھ پر میرے جرم کی ذمہ داری ہے۔ اور میں تمہارے جرم کی ذمہ داری سے بری ہوں

(۱) اِجۡرَام مصدر ہے باب افعال کا اور مضاف ہے یاء متکلم کی طرف (۲) مَا مصدریہ ہے (روح)

—— یعنی اگر یہ داستان میں نے گڑھ کر اللہ پاک کی طرف منسوب کردی ہے، تو اپنے جرم کا میں ذمہ دار ہوں۔ اور اس کی سزا مجھی کو بھگتی ہوگی لیکن اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ پاک کی طرف سے یہ قصہ بیان ہو رہا ہے۔ تو پھر جس جرم کا تم ارتکاب کر رہے ہو اس کی ذمہ داری تم پر ہے، مجھ پر اس کی کچھ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

آیت پاک کا یہ مطلب شان نزول کے اعتبار سے ہے۔ اور یَقُوْلُوْنَ اور قُلْ کی دلالت اس مطلب پر نہایت صاف ہے۔ مگر اس آیت کو اس محل میں اس لئے بھی رکھا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی یہی بدگمانی کی تھی۔ یعنی جب قوم نے عذاب کا مطالبہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس کو تو اللہ پاک ہی لائیں گے، اگر چاہیں گے، تو قوم نے کہا: دیکھو نوح اب کنی کاٹ رہا ہے۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ جن باتوں کو اللہ پاک کی طرف منسوب کرتا ہے وہ سب اس کی گھڑنت تھی ورنہ چاہئے تھا کہ عذاب لے آتا۔ اللہ پاک نے ان کو نوح علیہ السلام کی زبان سے یہ جواب دیا کہ ان سے کہو: ”اگر اسے میں نے خود گڑھ لیا ہے تو مجھ پر میرے جرم کی ذمہ داری ہے، پس مجھی کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی، مگر بصورتِ دیگر تم اپنی خیر مناؤ، میں تمہارے جرم کی ذمہ داری سے بری ہوں“

خلاصہ یہ کہ آیتِ پاک کا تعلق نوح علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے حالات سے بھی، اس لئے شانِ نزول کی رعایت سے یَقُوْلُوْنَ اور قُلْ فرمایا۔ قَالُوْا اور قَالَ نہیں فرمایا۔ اور نوح علیہ السلام کے قصہ میں ان کی قوم کے سوالات کی فہرست میں اس آیت کو جگہ دے کر دوسرا مطلب اخذ کیا گیا —— یہ بات میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر سے سمجھی ہے۔ اگر ان کی تفسیر نہ ہوتی تو ہم اس کا صاف مطلب یہی سمجھتے کہ اس کا تعلق صرف حضور اکرم ﷺ کے حالات سے ہے۔

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۹﴾

وَ اُوْحِیَ	اور وحی کی گئی	اِلٰی نُوْحٍ	نوح (علیہ السلام) کی طرف	اَنَّهٗ (۱)	(کہ) شان یہ ہے کہ

(۱) ہٗ ضمیر شان ہے جو اَنَّ کا اسم ہے اور جملہ لَنْ یُّؤْمِنَ اس کی خبر ہے۔

لَنۡ	ہرگز نہیں	ظَلَمُوۡا (۲)	ناانصافی کی	فَاِنَّا	تو البتہ ہم
يُّؤۡمِنَ	ایمان لائیں گے	اِنَّهُمۡ	تحقیق وہ لوگ	نَسۡخَرُ	ٹھٹھا کرتے ہیں
مِنۡ قَوۡمِكَ	آپ کی قوم میں سے	مُّغۡرَقُوۡنَ	ڈبودیئے گئے (ہیں)	مِنۡكُمۡ	تمہارے ساتھ
اِلَّا مَنۡ	مگر جو	وَيَصۡنَعُ	اور بنانے لگے وہ	كَمَا	جیسا
قَدۡ اٰمَنَ	تحقیق ایمان لاچکے	الۡفُلۡكَ	کشتی	تَسۡخَرُوۡنَ	تم ٹھٹھا کرتے ہو
فَلَا تَبۡتَٮِٕسۡ (۱)	پس نہ غم کھائیے	وَكُلَّمَا	اور جب کبھی	فَسَوۡفَ	پس عنقریب
بِمَا	(ان کاموں پر) جو	مَرَّ	گزرتا	تَعۡلَمُوۡنَ	جان لوگے تم
كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ	کیا کرتے تھے وہ	عَلَيۡهِ	ان پر	مَنۡ (۳)	اس شخص کو
وَاصۡنَعِ	اور بنائیے	مَلَاٌ	کوئی رئیس گروہ	يَّاۡتِيۡهِ	(کہ) آئے گا اس پر
الۡفُلۡكَ	کشتی	مِّنۡ قَوۡمِهٖ	ان کی قوم کا	عَذَابٌ	(ایسا) عذاب
بِاَعۡيُنِنَا	ہماری آنکھوں کے سامنے	سَخِرُوۡا	(تو) ہنسی کرتا ہے وہ	يُّخۡزِيۡهِ	(جو) رسوا کردے
وَوَحۡيِنَا	اور ہماری وحی (کے	مِنۡهُ	اس سے		گا اس کو
	مطابق)	قَالَ	کہا اس نے	وَيَحِلُّ	اور اتر پڑے گا
وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ	اور نہ گفتگو کیجئے مجھ سے	اِنۡ	اگر	عَلَيۡهِ	اس پر
فِى الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے بارے	تَسۡخَرُوۡا	تم ٹھٹھا کرتے ہو	عَذَابٌ	عذاب
	میں جنھوں نے	مِنَّا	ہمارے ساتھ	مُّقِيۡمٌ	اٹل

ظاہر بیں آدمی جس چیز کو دانشمندی سمجھتا ہے حقیقت شناس کی نظر میں وہ بے وقوفی ہوتی ہے

جب قوم کی ہدایت سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہوگئے، اور قوم کی باطل کوشی، عناد اور ہٹ دھرمی آپ پر واضح ہوگئی، اور ساڑھے نوسو سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا لوگوں پر کوئی اثر نہ دیکھا تو آپ سخت ملول اور پریشان خاطر ہوئے، اللہ پاک نے آپ کی تسلی فرمائی:— اور نوح (علیہ السلام) پر وحی کی گئی کہ: ”آپ کی قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو واقعی

(۱) اِبۡتِئَاسٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے، جس کے معنی ہیں غم کھانا، غمگین ہونا۔ اور اس پر لائے نہی داخل ہے اس لئے فعل نہی ہے (۲) آیت نمبر ۱۸ کے حاشیہ میں جو ظلم کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے یہاں پہلی قسم مراد ہے یعنی اللہ پاک کے حق میں کی جانے والی ناانصافی (۳) جملہ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ مفعول ہے تَعۡلَمُوۡنَ کا۔

ایمان لا چکے ہیں اور کوئی شخص ہر گز ایمان نہیں لائے گا پس جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر غم نہ کھائیے! — جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی دعوت و تبلیغ میں کچھ کوتاہی نہیں، بلکہ خود نہ ماننے والوں کی استعداد کا قصور ہے اور ان کی اپنی سرکشی کا نتیجہ ہے، تب آپ نے قوم کے لئے بددعا فرمائی۔ بارگاہِ خداوندی سے جواب آیا — اور ہماری نگرانی میں، اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنائیے، اور کچھ گفتگو نہ کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ناانصافی کی، بالیقین وہ ڈبو دیئے گئے ہیں — یعنی عنقریب پانی کا سخت طوفان آنے والا ہے، جس میں یہ سب ظالمین و مکذبین یقیناً ڈبو دیئے جائیں گے۔ ان کے حق میں اب فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اس لئے آپ ایک کشتی تیار کریں تا کہ اس کے ذریعہ آپ اور مؤمنین اس عذاب سے محفوظ رہ سکیں — اور چونکہ انسان کے ہاتھوں بننے والی یہ پہلی کشتی تھی اس لئے اس کی ہیئتِ ترکیبی وغیرہ کے بارے میں بذریعہ وحی ہدایت دی گئی اور نگرانی بھی رکھی گئی، تا کہ ٹھیک ٹھیک بنے — اور حضرت نوحؑ کو خصوصی ہدایت یہ دی گئی کہ آپ کسی ظالم کی سفارش وغیرہ کے سلسلہ میں ہم سے کوئی بات نہ کریں، آنے والا عذاب بالکل اٹل ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

① — جب نبی کا پیغام کسی قوم کو پہنچ جاتا ہے تو اسے صرف اس وقت تک مہلت ملتی ہے جب تک اس میں کچھ بھلے آدمیوں کے نکل آنے کا امکان ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے صالح اجزاء سب نکل آتے ہیں، اور وہ صرف فاسد عناصر ہی کا مجموعہ رہ جاتی ہے تو اللہ پاک پھر اس قوم کو کوئی مہلت نہیں دیتے اور ان کی رحمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اس فاسد عضو کو کاٹ دیا جائے۔

② — انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے حق میں شفیق باپ سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ اس لئے امکان تھا کہ وہ وقت پر سفارش کرنے لگیں، اس لئے خصوصیت سے یہ ہدایت دی گئی کہ کسی ظالم کی سفارش نہ فرمائیں۔

اور وہ کشتی بنانے لگے — کہتے ہیں کہ وہ سالہا سال میں تیار ہوئی تھی۔ کشتی کیا تھی ایک بڑا جہاز تھا، جس میں الگ الگ درجے تھے — اور جب کبھی ان کے پاس سے ان کی قوم کا رئیس گروہ گزرتا تو وہ اس سے ہنسی کرتا — وہ ہنس ہنس کر کہتے کہ بڑے میاں کی دیوانگی آخر کو یہاں تک پہنچی ہے کہ اب آپ خشکی میں جہاز چلائیں گے، اور آپس میں کہتے کہ اگر تمہیں پہلے اس شخص کے پاگل پن میں کچھ شبہ تھا تو لو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ یہ کیا حرکت کر رہا ہے! خشک زمین پر ڈوبنے کا بچاؤ کر رہا ہے — اس کو سب جگہ عذاب ہی عذاب نظر آتا ہے! ان مذاق کرنے والوں سے — آپؑ فرماتے: اگر تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو تو واقعی ہم (بھی) تم سے ٹھٹھا کرتے ہیں ویسا ہی جیسا تم ٹھٹھا کرتے ہو — یعنی ہمیں تمہاری جہالت اور بے خبری پر اور پھر تمہارے احمقانہ اطمینان پر الٹی ہنسی آتی ہے کہ شامت تمہارے سروں پر تلی کھڑی

ہے، میں تمہیں خبردار بھی کرچکا ہوں کہ وہ بس آیا ہی چاہتی ہے۔اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اس سے بچنے کی تیاری بھی کررہا ہوں مگر تم مطمئن بیٹھے ہو، بلکہ الٹا مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہو —— یہ مطلب اس صورت میں ہے کہ نَسْخَرُ کا ترجمہ بصیغۂ حال کیا جائے۔اور اگر اس کو استقبال کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آج تم ہمیں احمق بتاتے ہو اور ہنستے ہو لیکن وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کے جواب میں تمہاری حماقت اور سفاہت پر ہم کو ہنسنے کا موقع ملے گا جب تم اپنے جرائم کی پاداش میں سزایاب ہوؤ گے —— اور عنقریب تم اس شخص کو جان لوگے، جس پر ایسا عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر کے رکھ دے گا، اور جس پر اٹل عذاب اتر پڑے گا —— یعنی اب زیادہ تاخیر نہیں، جلد آشکارا ہو جائے گا کہ دنیا کا رسوا کن عذاب اور آخرت کا دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْــرٖ۩ىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

حَتّٰٓى (۱)	تا آنکہ	مِنْ كُلٍّ (۴)	ہر قسم میں سے	وَمَنْ	اور (ان لوگوں کو) جو
اِذَا جَآءَ	جب آگیا	زَوْجَيْنِ	جوڑا	اٰمَنَ	ایمان لائے
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	اثْنَيْنِ	دو عدد	وَمَآ اٰمَنَ	اور نہیں ایمان لائے
وَفَارَ	اور ابل پڑا	وَاَهْلَكَ	اور اپنے گھر والوں کو	مَعَهٗٓ	اُن کے ساتھ
التَّنُّوْرُ (۲)	تندور	اِلَّا مَنْ	مگر جو	اِلَّا	مگر
قُلْنَا	(تو) کہا ہم نے	سَبَقَ	(کہ) پہلے ہو چکی	قَلِيْلٌ	تھوڑے
احْمِلْ	سوار کر لیجئے	عَلَيْهِ	اس پر	وَقَالَ	اور کہا نوح (علیہ السلام) نے
فِيْهَا (۳)	اس (کشتی) میں	الْقَوْلُ	بات		

(۱) حَتّٰى ابتدائیہ ہے۔یعنی ایسا حرف ہے جس کے بعد جملوں کی ابتدا ہوتی ہے چنانچہ جملہ جآء شرط ہے اور جملہ قُلْنَا جزاء ہے (۲) تنُّور: تندور، روٹی پکانے کی بھٹی (۳) ھَا ضمیر الفلک کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر مؤنث اس وجہ سے لائی گئی ہے کہ فُلْکٌ بتاویل سَفِيْنَةٌ ہے (۴) مِنْ تبعیضیہ ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے أي: من كل صنف اور جار مجرور کا تعلق زَوْجَيْنِ سے ہے اور زَوْجَيْنِ مفعول ہے اِحْمِلْ کا اور اِثْنَيْنِ اس سے بدل ہے۔

اِرْكَبُوْا	کہ سوار ہو جاؤ تم	مَجْرٖىهَا (۲)	اس کا چلنا	رَبِّیْ	میرے پروردگار
فِيْهَا	اس (کشتی) میں	وَمُرْسٰهَا (۳)	اور اس کا ٹھیرنا ہے	لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑے بخشنے والے
بِسْمِ اللّٰهِ (۱)	نام سے اللہ (کے)	اِنَّ	تحقیق	رَّحِيْمٌ	بہت مہربان (ہیں)

جن کو بچانا تھا ان کو کشتی میں لے لیا

حضرت نوح علیہ السلام کشتی تیار کرتے رہے — یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا — یعنی اللہ پاک کے وعدۂ عذاب کا وقت قریب آیا — اور تندور ابل پڑا — یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے اس پہلی علامت کو دیکھ لیا، جس کا ذکر ان سے کیا گیا تھا[۴] یعنی ایک خاص تندور کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا — تو ہم نے فرمایا: ''کشتی میں ہر قسم میں سے جوڑا یعنی دو عدد رکھ لیجئے'' — یعنی جن جانوروں کی ضرورت ہے اور نسل باقی رہنی مقدر ہے ان میں سے ایک ایک جوڑا یعنی دو عدد (ایک نر ایک مادہ) کافی ہے۔ زیادہ رکھنے کی ضرورت نہیں — اور اپنے گھر والوں کو بھی بٹھا لیجئے۔ مگر وہ مستثنیٰ ہیں، جن کے بارے میں پہلے سے بات طے ہو چکی ہے — یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرقاب کئے جائیں گے۔ جیسا کہ ابھی سینتیسویں آیت میں گزرا — اس سے نوح علیہ السلام کے بیٹے ''یام'' جس کا لقب ''کنعان'' تھا اور اس کی والدہ ''واعلہ'' کا استثنا کرنا مقصود ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے گھر والوں میں سے یہ دونوں علاحدہ رہے اور غرقاب ہوئے — اور ان لوگوں کو بھی بٹھا لیجئے جو ایمان لائے، اور نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (اللہ تعالیٰ پر) بس تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے — جن کی صحیح تعداد قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں مذکور نہیں، البتہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کی تعداد اسّی (۸۰) بیان فرمائی ہے۔

اور کہا نوح نے: ''سوار ہو جاؤ تم اس کشتی میں، اللہ پاک کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بالتحقیق میرے رب واقعی بڑے بخشنے والے، بہت مہربانی فرمانے والے ہیں — حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم بنام خدا کشتی پر سوار ہو جاؤ، کچھ فکر مت کرو اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ پاک کے اذن و حکم اور ان کے نام کی برکت سے

(۱) بسم اللہ خبر مقدم ہے (۲) مَجْرٰی مصدر میمی ہے جَرَیٰ (ض) جَرْيًا سے اور ھَا کی طرف مضاف ہے حفص رحمہ اللہ کی قرأت میں یہاں امالہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر راء کے بعد ایسا الف ہو جو یاء سے بدلا ہوا ہو، تو راء کی حرکت کو یاء کی طرف مائل کر کے پڑھتے ہیں۔ حضرت حفص رحمہ اللہ جن کی قرأت اس وقت تقریباً ساری دنیا میں پڑھی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں صرف اس جگہ امالہ کرتے ہیں۔ باقی اور جگہ فَتح (امالہ کی ضد) کرتے ہیں (۳) مُرْسٰی بھی مصدر میمی ہے اور ھَا کی طرف مضاف ہے (۴) دیکھئے سورۃ المومنون آیت ۲۷

ہے، غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، میرے پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف فرمانے والے اوران پر بیحد مہربانی فرمانے والے ہیں، وہ اپنے فضل وکرم سے صحیح سلامت رکھیں گے۔

مؤمن کی اصلی شان یہی ہوتی ہے۔ وہ عالم اسباب میں ساری تدبیریں اختیار کرتا ہے مگر اس کا بھروسہ ان تدبیروں پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ پاک پر ہوتا ہے۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ اس کی کوئی تدبیر نہ تو ٹھیک شروع ہو سکتی ہے، نہ ٹھیک چل سکتی ہے اور نہ آخری مقصد تک پہنچ سکتی ہے جب تک اللہ پاک کا فضل اوران کا رحم وکرم شامل حال نہ ہو۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

وَهِيَ	اور وہ (کشتی)	يٰبُنَيَّ (۳)	اے میرے پیارے بیٹے	مِنَ الْمَآءِ	پانی سے
تَجْرِيْ	بہہ رہی ہے	ارْكَبْ (۴)	سوار ہو جا	قَالَ	فرمایا (نوحؑ نے)
بِهِمْ	ان لوگوں کو لے کر	مَّعَنَا	ہمارے ساتھ	لَا عَاصِمَ	نہیں کوئی بچانے والا
فِيْ مَوْجٍ	لہروں میں	وَلَا تَكُنْ	اور نہ ہو تو	الْيَوْمَ	آج
كَالْجِبَالِ (۱)	پہاڑوں جیسی	مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے ساتھ	مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حکم سے
وَنَادٰى	اور آواز دی	قَالَ	جواب دیا (اس نے)	اِلَّا مَنْ (۷)	لیکن وہ شخص
نُوْحُ	نوح (علیہ السلام) نے	سَاٰوِيْٓ	ابھی پناہ لیتا ہوں میں	رَّحِمَ	(کہ) مہربانی فرمائی
ابْنَهٗ	اپنے بیٹے کو	اِلٰى جَبَلٍ (۵)	کسی (ایسے) پہاڑ کی		اس نے
وَكَانَ	درانحالیکہ وہ تھا		طرف	وَحَالَ	اور حائل ہوگئی
فِيْ مَعْزِلٍ (۲)	علاحدہ مقام میں	يَّعْصِمُنِيْ (۶)	(جو) بچالے گا مجھے	بَيْنَهُمَا (۸)	دونوں کے درمیان

(۱) كالجبال فی موضع الصفة لموج (روح) (۲) مَعْزِل ظرف مکان ہے: الگ جگہ (۳) التصغير للشفقة (۴) با کا میم میں ادغام ہوا ہے اس لئے باء نہیں پڑھی جائے گی (۵) اِلٰی صلہ کا ہے اَوَیٰ (ض) اَوِيًّا واِوَاءً الى البيت ٹھکانا لینا، پناہ لینا (۶) جملہ يَعْصِمُنِيْ صفت ہے جَبَلٍ کی (۷) استثناء منقطع ہے أی: لكن مَن رحمهُ الله تعالى ←

الْمَوْجُ	موج	فَكَانَ	پس تھا وہ	مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ	ڈوبے ہوؤں میں سے

نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا ایمان نہیں لایا اور ڈوب مرا!

سب لوگ کشتی پر سوار ہوگئے اور اس اثنا میں پانی بڑھ گیا ــــ اور کشتی ان کو لئے ہوئے پہاڑوں جیسی لہروں میں بہہ رہی تھی ــــ یعنی کشتی پہاڑوں جیسی موجوں میں جھکولے کھاتی چلی جارہی تھی کہ اچانک آپ کو اپنا لڑکا جس کا نام ''یام'' اور لقب '' کنعان'' تھا، کسی علحدہ مقام میں نظر آیا، جہاں وہ پناہ گزیں تھا ــــ اور نوح نے اپنے بیٹے کو، جو کسی علاحدہ مقام میں تھا، آواز دی: اے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجا، اور کافروں کے ساتھ نہ رہ ــــ یعنی ان بدبخت کافروں کی معیت چھوڑ، ایمان لا، اور ہمارے ساتھ سوار ہوجا تاکہ طوفان سے نجات پاسکے ــــ کشتی میں سوار ہونے کے لئے چونکہ ایمان شرط تھا، پس یہ دعوت درحقیقت ایمان کی دعوت ہے کہ ایمان لاکر ہمارے ساتھ آجا ــــ اس نے جواب دیا: ''میں ابھی کسی ایسے پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں، جو مجھ کو پانی سے بچالے گا'' ــــ یعنی میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا ــــ نوح نے فرمایا: ''آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں، ہاں جس پر وہی رحم فرمائیں!'' ــــ یعنی تو کس خبط میں پڑا ہے یہ معمولی سیلاب نہیں، عذابِ الٰہی کا طوفان ہے، پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے، کوئی چیز آج عذاب سے نہیں بچاسکتی، ہاں اللہ پاک ہی کسی پر رحم فرمائیں تو وہ بچ سکتا ہے۔ اور اللہ پاک کی مہربانی آج صرف ایمانداروں کے لئے ہے۔ پس آج نجات کسی پہاڑ کی پناہ لینے سے ہرگز نہیں مل سکتی، بلکہ ایمان کی پناہ لینی ضروری ہے۔ پس اے پیارے بیٹے! ایمان لا اور آجا ــــ باپ بیٹے کی یہ گفتگو ابھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ پانی کی ایک موج نے درمیان میں حائل ہوکر دونوں کو ہمیشہ کے لئے جدا کردیا ــــ اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی، پس وہ ڈوبے ہوؤں میں شامل ہوگیا!

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَي الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

وَقِيْلَ	اور کہا گیا	ابْلَعِيْ (۱)	نگل جا	وَيٰسَمَاۗءُ	اور اے آسمان
يٰٓاَرْضُ	اے زمین	مَاۗءَكِ	اپنا پانی	اَقْلِعِيْ (۲)	تھم جا

← فهو المرحوم (روح) (۸) ضمیر تثنیہ سے مراد باپ بیٹا ہیں۔

(۱) بَلَعَ (ف) بَلْعًا الشيئَ: نگلنا، فعل امر کا صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے (۲) اَقْلِعِيْ بھی اِقْلاَع سے فعل امر صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے اَقْلَعَ عن كذا: باز رہنا۔

وَغِيْضَ (۱)	اور کم کردیا گیا	الْاَمْرُ	فیصلہ	وَقِيْلَ	اور کہا گیا
الْمَآءُ	پانی	وَاسْتَوَتْ (۲)	اور ٹھہر گئی کشتی	بُعْدًا (۳)	لعنت ہو
وَقُضِيَ	اور چکادیا گیا	عَلَى الْجُوْدِيِّ	جودی پر	لِّلْقَوْمِ (۴) الظّٰلِمِيْنَ	ظالم لوگوں پر

جب طوفان تھم گیا تو کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری

ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے، اور زمین کے سُوتے ٹوٹ گئے، درخت اور پہاڑ تک پانی میں چھپ گئے اور کشتی ایک مدت تک اللہ پاک کی حفاظت میں پانی پر تیرتی رہی، اور تمام منکرین غرقاب ہو گئے اللہ پاک کے قانون جزاء کے مطابق سب اپنے کیفر کردار کو پہنچے — اور حکم (خداوندی) آگیا کہ: "اے زمین اپنا پانی پی لے، اور اے آسمان تھم جا" — پھر کیا مجال تھی کہ دونوں تعمیل حکم میں لمحہ بھر کی تاخیر کرتے، چنانچہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا اور بادل تھم گئے — اور پانی گھٹا دیا گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا — یعنی جو کام اللہ پاک نے چاہا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، اور اعلان کر دیا گیا کہ: ناانصافی کرنے والوں پر لعنت ہے!

اس آیتِ پاک کے ضمن میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

① — اس آیت میں اللہ پاک نے آسمان اور زمین کو خطاب کر کے حکم دیا ہے، اس پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ تو ذی شعور مخلوق نہیں ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

خاک وباد وآب وآتش زنده اند ❁ بامن وتومرده، باحق زنده اند!

یعنی آگ پانی، ہوا، مٹی سب زندہ اور ذی شعور چیزیں ہیں، ہمارے حق میں، خواہ وہ مردہ اور غیر ذی شعور ہوں مگر اللہ پاک کی بہ نسبت وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ ذی شعور بھی ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ پاک کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو، قرآن پاک میں اس کی صراحت ہے، اور ظاہر ہے کہ حمد و ثنا اللہ پاک کی معرفت پر موقوف ہے۔ اور معرفت عقل و شعور پر۔ پس معلوم ہوا کہ ہر چیز میں اپنی استعداد کے مطابق عقل و شعور موجود ہے۔

---

(۱) غِيْضَ ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے غَاضَ (ض) الْمَاءَ پانی کم کرنا (۲) اِسْتِوَاءٌ سے ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اِسْتِوَاءٌ کا استعمال جب علی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے معنی استقرار (ٹھہرنا) اور ارتفاع (بلند ہونے اور چڑھنے) کے ہوتے ہیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں (۳) بُعْدًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا، جس کو محذوف رکھنا واجب ہے ای: بَعُدَ بُعْدًا. اور بُعد ضد ہے قرب کی، موت، ہلاکت اور لعنت میں بھی چونکہ دوری ہوتی ہے اس لئے بُعْد کے معنی ہلاکت، تباہی اور لعنت کے ہوتے ہیں (۴) لام صلہ کا ہے (روح)

(۲) ــــ جُودی پہاڑ کُردستان میں واقع ہے۔اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔قدیم تاریخوں میں بھی کشتی کے ٹھہرنے کی یہی جگہ بتائی گئی ہے۔ یہ پہاڑ حضرت نوح علیہ السلام کے وطن اصلی موصل (عراق) کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیہ کی سرحد پر واقع ہے۔

(۳) ــــ یہ طوفان عالمگیر طوفان تھا، یا اس خاص علاقہ میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ ہمیشہ اس سلسلہ میں دو رائیں رہی ہیں۔ محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ طوفان تمام کرۂ ارضی پر نہیں آیا تھا، بلکہ صرف اس خطہ میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی ان کے نزدیک طوفان کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ طوفان عام ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کے آثار کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پائے جاتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت محدود تھی۔ ابھی حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا۔ ساری انسانی آبادی صرف ایک ہی خطہ میں بسی ہوئی تھی۔ اس لئے اسی علاقہ میں عذاب کا طوفان آیا تھا، باقی کرۂ زمین کو اس سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔

آج سے ہزاروں سال پہلے ایک قوم نے اللہ پاک کی نافرمانی کی، اور ان کے بھیجے ہوئے ہادی حضرت نوح علیہ السلام کے پیغام کو جھٹلایا، اور انکار پر اصرار کیا، تو اللہ پاک نے ان سرکشوں کو طوفان بادوباراں کی نذر کر دیا، اور حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کی مختصر جماعت کو محفوظ رکھ کر نجات دی۔ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَـقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَـيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ ‌ۖ فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَلَكَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۴۷﴾

وَنَادٰی	اور پکارا	نُوۡحٌ	نوح نے	رَّبَّهٗ	اپنے پروردگار کو

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
فَقَالَ	پس عرض کیا	مِنْ اَهْلِكَ	تیرے گھر والوں میں سے	بِكَ	آپ کی
رَبِّ (۱)	اے میرے رب!	اِنَّهٗ عَمَلٌ	بے شک وہ عمل	اَنْ (۴)	اس سے کہ
اِنَّ ابْنِيْ	بالتحقیق میرا بیٹا	غَيْرُ صَالِحٍ (۲)	غیر مفید (ہے)	اَسْئَلَكَ	درخواست کروں میں
مِنْ اَهْلِيْ	میرے گھر والوں میں	فَلَا	پس نہ		آپ سے
	سے ہے	تَسْئَلْنِ	درخواست کر تو مجھ سے	مَا لَيْسَ	اس بات کی (کہ) نہیں ہے
وَاِنَّ	اور بے شک	مَا	اس چیز کی	لِيْ	مجھے
وَعْدَكَ	آپ کا (کافروں کو	لَيْسَ	(کہ) نہیں (ہے)	بِهٖ	اس کے بارے میں
	ہلاک کرنے کا) وعدہ	لَكَ	تجھے	عِلْمٌ	کوئی علم
الْحَقُّ	بالکل سچا (ہے)	بِهٖ	اس کے بارے میں	وَاِلَّا (۵)	اور اگر نہ
وَاَنْتَ	اور آپ	عِلْمٌ	کوئی علم	تَغْفِرْ لِيْ	مغفرت فرمائیں گے آپ
اَحْكَمُ	بڑے حکم فرمانے والے	اِنِّيْٓ	بے شک میں		میری
	(ہیں)	اَعِظُكَ	نصیحت کرتا ہوں تجھے	وَتَرْحَمْنِيْٓ (۶)	اور (نہ) رحم فرمائیں
الْحٰكِمِيْنَ	سب حکم کرنے والوں	اَنْ تَكُوْنَ (۳)	کہیں ہوجائے تو		کہ آپ مجھ پر
	(میں)	مِنَ الْجٰهِلِيْنَ	نادانوں میں سے	اَكُنْ	(تو) ہوجاؤں گا میں
قَالَ	ارشاد فرمایا	قَالَ	عرض کیا (اس نے)	مِّنَ	(ایسے لوگوں) میں سے جو
يٰنُوْحُ	اے نوح	رَبِّ	اے میرے پروردگار	الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹے میں رہنے
اِنَّهٗ لَيْسَ	تحقیق وہ نہیں (ہے)	اِنِّيْٓ اَعُوْذُ	بیشک میں پناہ مانگتا ہوں		والے ہیں

نوح علیہ السلام کی بیٹے کے لئے دعا اور اس پر عتاب

بیالیسویں اور تینتالیسویں آیات میں آپ نے پڑھا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا ''یام'' جس کا لقب

(۱) رَبِّ کی اصل یَارَبِّیْ ہے (۲) عَمَلٌ مصدر ہے اور عَامِلٌ کے معنی میں ہیں، جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ، مبالغہ کرنے کے لئے مصدر لایا گیا ہے اور وہ اِنَّ کی خبر ہے (مظہری) اور غَیْرُ صَالِحٍ جملہ اضافیہ عَمَلٌ کی صفت ہے (۳) اَنْ تَکُوْنَ سے پہلے بَا محذوف ہے (۴) اَنْ سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔ (۵) اِلَّا دو لفظ ہیں اِنْ حرف شرط اور لا نافیہ، نون اور لام میں ادغام ہوا ہے (۶) تَرْحَمْنِیْ کا تَغْفِرْ پر عطف ہے۔

''کنعان'' تھا، آپ کی آنکھوں کے سامنے ڈوب گیا تھا، آپ نے اسے آخری بار ایمان کی دعوت دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا ـــــ حضرت نوح علیہ السلام جب اس سے مایوس ہوگئے تو اللہ پاک کو پکارا، کیونکہ وہی آخری آسرا ہے ـــــ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پالنہار! واقعہ یہ ہے کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بے شک (کافروں کو ہلاک کرنے کا) آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے، اور آپ احکم الحاکمین ہیں ـــــ نہ تو کسی فیصلہ کے آپ پابند ہیں اور نہ کسی فیصلہ پر مجبور ہیں، پس اگر آج کی گھڑی میں آپ اپنا فیصلہ بدل دیں اور میرے خاندان کی رعایت فرما کر میرے بیٹے کو دولتِ ایمان سے نواز دیں اور عذاب سے بچالیں تو یا ربّنا! آپ قادر مطلق ہیں، آپ کے فیصلہ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرسکتا ـــــ لیکن بارگاہِ خداوندی میں حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا کو شرفِ باریابی حاصل نہیں ہوا ـــــ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ـــــ ''اے نوح! وہ قطعاً تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے'' ـــــ یعنی یہ بگڑا ہوا انسان تمہارے صالح خاندان کا فرد نہیں ہے۔ وہ تمہارے نسبی خاندان کا ایک رکن ہو تو ہوا کرے مگر تمہارے ایمانی خاندان سے اس کا کوئی رشتہ نہیں، اور آج جو فیصلہ کیا جارہا ہے وہ نسلی یا قومی نزاع کا نہیں ہے کہ ایک نسل والے بچائے جائیں، اور دوسری نسل والے غارت کردئے جائیں بلکہ یہ کفر وایمان کے نزاع کا فیصلہ ہے، جس میں صرف صالح بچائے جائیں گے۔ اور فاسد مٹا دیے جائیں گے ـــــ بالیقین وہ سرتا پا بدعمل ہے ـــــ یعنی وہ اپنی ایمانی استعداد بالکل ضائع کرچکا ہے، اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، اس میں خیر وصلاح کا شائبہ تک نہیں رہا۔ اور ایسے شخص کو ایمان کی توفیق دینا گو اللہ پاک کی قدرت میں ہے، مگر ان کی سنت کے خلاف ہے ـــــ پس تم مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں ـــــ کہ درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں ـــــ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ دعا کرنے لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کرلے کہ جس کام کی وہ دعا کرنے جارہا ہے وہ جائز وحلال ہے یا نہیں؟ کیونکہ مشتبہ حالت میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے روح المعانی میں قاضی بیضاوی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جب اس آیت سے مشتبہ حالت میں دعا کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے تو جس معاملہ کا ناجائز اور حرام ہونا قطعی طور پر معلوم ہو اس کے لئے دعا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ تم نادانوں میں سے ہوجاؤ ـــــ یہ دربارِ خداوندی سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کو ڈانٹ پڑی ہے کہ جو دعا تم نے کی ہے وہ تمہاری شایانِ شان نہیں ہے۔ (۱)

(۱) حضرت نوح علیہ السلام اپنی اسی پیغمبرانہ لغزش کو اس وقت بھی یاد کریں گے جب محشر میں مخلوق آپ سے شفاعت کی درخواست کرے گی۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ فرمائیں گے: ﴿ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ سُؤَالَهُ ←

نوح نے عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! بیشک میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں آپ سے ایسی بات کی درخواست کروں، جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، اور اگر آپ میری مغفرت نہ فرمائیں، اور مجھ پر رحم نہ فرمائیں تو میں گھاٹے میں رہنے والوں میں شامل ہو جاؤں گا —— یعنی ڈانٹ سنتے ہی حضرت نوح علیہ السلام کانپ اٹھے اور فوراً توبہ کی —— یہی پیغمبرانہ شان ہے کہ جب ان سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو جوں ہی ان کو اس کا احساس ہوتا ہے فوراً توبہ کرتے ہیں۔ اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں انھیں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں ہوتا —— اور توبہ میں یہ نہیں کہا کہ الٰہی! میں پھر ایسا نہیں کروں گا کیونکہ اس میں سے دعویٰ نکلتا ہے اور بندہ کو کیا مقدور ہے؟ بلکہ چاہئے کہ اسی کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر ایسا نہ ہو۔

نوح علیہ السلام کے لڑکے کا یہ قصہ بیان کرکے اللہ پاک نہایت مؤثر پیرایہ میں یہ بات سمجھاتے ہیں کہ اللہ پاک کا انصاف کس قدر بے لاگ اور ان کا فیصلہ کیسا دوٹوک ہوتا ہے۔ مکہ کے مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی کام کریں مگر ہم پر خدا کا غضب نازل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے بھی ایسے ہی گمان تھے اور ہیں۔ اور بہت سے مسلمان بھی اسی قسم کے زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ہمارا فلاں بزرگ سے تعلق ہے، یا ہم فلاں بزرگ کے دامن گرفتہ ہیں۔ یہ سب لوگ خوب غور سے دیکھیں کہ ایک جلیل القدر پیغمبر اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لختِ جگر کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور تڑپ کر بیٹے کی معافی اور ایمان کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ لیکن دربار خداوندی سے الٹی ان پر ڈانٹ پڑ جاتی ہے۔ اور باپ کی پیغمبری بھی ایک بدعمل بیٹے کو عذاب سے نہیں بچاسکتی:

پسرِ نوح بابداں بہ نشست ❁ خاندان نبوتش گم شد

(نوح علیہ السلام کا بیٹا جب بروں کی صحبت میں بیٹھا تو خاندان نبوت کی برکتوں سے محروم ہوگیا)

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ

← رَبَّهُ بغیر علم ﷺ (مشکوۃ ج۲ ص۴۸۸) ترجمہ: شفاعت میرے بس کا کام نہیں ہے اور آپ اپنی اس لغزش کو یاد کریں گے جو بغیر علم کے درخواست کرنے سے آپ سے سرزد ہوگئی تھی۔ یعنی آپ فرمائیں گے کہ میں نے بغیر علم کے ایک شفاعت کی تھی وہی نامناسب ثابت ہوئی اس لئے اب دوسری شفاعت کی میرے اندر ہمت نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی نامناسب ثابت ہو، اور آج اللہ پاک اس قدر ناراض ہیں کہ نہ ایسے کبھی ناراض ہوئے، نہ آئندہ کبھی ہوں گے اس لئے مجھے تو معاف رکھو!

اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

قِيْلَ	کہا گیا:	وَاُمَمٌ (۲)	اور (تم میں سے ہوں	نُوْحِيْهَآ	وحی کررہے ہیں ہم اس کو
يٰنُوْحُ	اے نوح		گی) ایسی جماعتیں	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
اهْبِطْ	اترو	سَنُمَتِّعُهُمْ (۳)	کہ ان کو کچھ مدت ہم	مَا كُنْتَ	نہیں تھے
بِسَلٰمٍ	سلامتی کے ساتھ		سامان عیش دیں گے	تَعْلَمُهَآ	جانتے اس کو
مِّنَّا	ہماری طرف سے	ثُمَّ يَمَسُّهُمْ	پھر پہنچے گا ان کو	اَنْتَ (۵)	آپ
وَبَرَكٰتٍ	اور برکتوں (کیساتھ)	مِّنَّا	ہماری طرف سے	وَلَا قَوْمُكَ	اور نہ آپ کی قوم
عَلَيْكَ	تم پر	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب	مِنْ قَبْلِ هٰذَا	قبل ازیں
وَعَلٰٓى اُمَمٍ	اور جماعتوں پر	تِلْكَ	یہ (قصہ)	فَاصْبِرْ	سو صبر کیجئے
مِّمَّنْ (۱)	ان لوگوں میں سے جو	مِنْ اَنْۢبَآءِ (۴)	منجملہ اخبار	اِنَّ الْعَاقِبَةَ	بالتحقیق نیک انجام
مَّعَكَ	آپ کے ساتھ (ہیں)	الْغَيْبِ	غیب (ہے)	لِلْمُتَّقِيْنَ	متقیوں کے لئے ہے

طوفان کے بعد کے حالات

طوفان تھم گیا، حادثہ ختم ہوا، مگر ایسے طوفان وسیلاب کے بعد ملک کی جو حالت ہوگئی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔ وہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہوگئی ہوگی۔ اس وحشت کدہ میں اب زندگی کیسے بسر ہوگی؟ وحی نازل ہوئی ـــ حکم آگیا کہ اے نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اترو، جو آپ پر نازل ہوں گی، اور ان جماعتوں پر جو آپ کے ساتھیوں سے وجود میں آئیں گی ـــ یعنی تمہارے لئے خوف کی کوئی بات نہیں، زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آئیں گی، اجڑی ہوئی زمین کو اللہ پاک دوبارہ آباد کریں گے۔ اور اس کی رونق وبرکت پھر لوٹ آئے گی ـــ اور تم میں سے ایسی جماعتیں (بھی) وجود میں آئیں گی جن کو ہم کچھ مدت تک سامان عیش دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ـــ یعنی سلامتی اور برکتیں تمہاری نسل کے مؤمنوں کے لئے ہیں اور جو ان میں

(۱) مِنْ ابتدائیہ ہے یعنی جو آپ کے ساتھیوں کی نسل سے پیدا ہوں گی (۲) اُمَمٌ مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے أی وَمِنْکُمْ اُمَمٌ (۳) اَمَمٌ کی صفت ہے (۴) مِنْ تبعیضیہ ہے اور جملہ پہلی خبر ہے تلک کی اور نوحیھا دوسری خبر ہے اور ماکنت الخ تیسری خبر ہے ـــ اور اَنباء جمع ہے نَبَأٌ کی یعنی وہ خبر جس سے بڑا فائدہ اور یقین یا ظن غالب حاصل ہو (۵) اَنْتَ ضمیر متصل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ اس پر وَلَا قَوْمُکَ کا عطف کیا جاسکے۔

سے کافر ہوں گے، ان کو ہم کچھ عرصہ تک سامان عیش دیں گے، مگر بالآخر وہ تباہی میں پڑیں گے۔

نوح علیہ السلام کا واقعہ تمام ہوا، اب آخری ارشاد سنئے:۔۔۔ یہ قصہ منجملۂ اخبارِ غیب ہے، ہم آپ کی طرف اس کی وحی کررہے ہیں۔ قبل ازیں نہ آپ اس کو جانتے تھے، نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجئے، بلاشبہ نیک انجامی متقیوں کے لئے ہے ۔۔۔ یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کا اور ان کے ساتھیوں کا بالآخر بول بالا ہوا، اسی طرح آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا بھی بول بالا ہوگا، اللہ پاک کا قانون یہی ہے کہ شروع میں چاہے دشمنانِ حق کامیاب ہوں مگر آخری کامیابی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو متقی ہیں۔ پس آپ کفار کی ایذاؤں پر صبر کریں، جس طرح نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک صبر کیا تھا، کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے!

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

وَاِلٰى عَادٍ(۱)	اور (بھیجا ہم نے) عاد	مَا لَكُمْ	نہیں تمہارے لئے	عَلَيْهِ	اس (تبلیغ) پر
	کی طرف	مِّنْ اِلٰهٍ(۳)	کوئی خدا	اَجْرًا	کچھ مزدوری
اَخَاهُمْ	ان کے بھائی	غَيْرُهٗ(۴)	اس کے سوا	اِنْ اَجْرِيَ	نہیں ہے میرا معاوضہ
هُوْدًا	ہود کو	اِنْ اَنْتُمْ	نہیں (ہو) تم	اِلَّا	مگر
قَالَ	کہا (اس نے)	اِلَّا مُفْتَرُوْنَ(۵)	مگر جھوٹ باندھنے والے	عَلَي الَّذِيْ	اس (ہستی) پر جس نے
يٰقَوْمِ(۲)	اے میری قوم	يٰقَوْمِ	اے میری برادری!	فَطَرَنِيْ	مجھ کو پیدا کیا
اعْبُدُوا اللّٰهَ	بندگی کرو اللہ (کی)	لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے	اَفَلَا	کیا پس نہیں

(۱) نوح علیہ السلام کی سرگذشت کے شروع میں جو وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا آیا ہے اسکے قرینہ سے یہاں وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا محذوف ہے اِلٰى عَادٍ اسی سے متعلق ہے اور اَخَاهُمْ اس کا مفعول ہے اور هُوْدًا عطف بیان ہے اَخَاهُمْ کا (۲) يٰقَوْمِ کی اصل يَاقَوْمِيْ ہے۔ (۳) مِنْ نفی کی تاکید کے لئے ہے (۴) غَيْرُهٗ صفت ہے اِلٰهٍ کی اِلٰهٍ محل رفع میں ہے (۵) مُفْتَرُوْنَ اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے اصل مُفْتَرِيُوْنَ تھا۔ مصدر افتراء (افتعال) ہے۔

تَعۡقِلُوۡنَ	سمجھتے تم	اِلَيۡهِ	اس کی طرف	وَّيَزِدۡكُمۡ	اور بڑھائیں وہ تمہارے
وَ يٰقَوۡمِ	اے میری قوم!	يُرۡسِلِ	(تاکہ) چھوڑیں وہ	قُوَّةً	زور (کو)
اسۡتَغۡفِرُوۡا	معافی چاہو	السَّمَآءَ	آسمان کو	اِلٰى قُوَّتِكُمۡ	تمہارے زور پر
رَبَّكُمۡ	اپنے پروردگار سے	عَلَيۡكُمۡ	تم پر	وَلَا تَتَوَلَّوۡا	اور مت منہ موڑو تم
ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا	پھر متوجہ رہو	مِّدۡرَارًا (۱)	موسلا دھار برسنے والا	مُجۡرِمِيۡنَ	جرم کرتے ہوئے

دوسری سرگذشت

توبہ واستغفار سے رزق اور مال واولاد میں برکت ہوتی ہے

یہاں سے دوسری سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی اور ان کی قوم "عاد" کی سرگذشت ہے —— "عاد" عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا۔ جس کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح علیہ السلام بتلایا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اس کو ﴿مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۶۹) کہہ کر قوم نوحؑ کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔

عاد کا مرکزی مقام احقاف تھا، جو حضر موت کے شمال میں واقع ہے۔ یہ لوگ اپنے ڈیل ڈول اور قوت وشجاعت کے اعتبار سے پورے عالم میں ممتاز تھے اور منکر خدا نہیں تھے۔ بلکہ دوسری قوموں کی طرح ان کی گمراہی بھی شرک وصنم پرستی تھی۔ اللہ پاک نے ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

ارشاد فرماتے ہیں —— اور (ہم نے) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا) —— حضرت ہود علیہ السلام عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک معزز فرد تھے، سرخ وسپید رنگ، وجیہ چہرہ اور داڑھی گھنی تھی[۲] —— انھوں نے کہا: "اے میری قوم! اللہ پاک کی بندگی کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں، تم محض جھوٹ باندھنے والے ہو —— یعنی وہ تمام دوسرے معبود جن کی تم بندگی کررہے ہو، حقیقت میں وہ کسی قسم کی خدائی صفات اور کوئی طاقت نہیں رکھتے، تم نے خواہ مخواہ ان کو معبود بنا رکھا ہے۔ بندگی اور پرستش کا استحقاق صرف اللہ پاک کو حاصل ہے، ان کے سوا کسی کو لائق عبادت سمجھنا محض جھوٹ اور افتراء ہے —— اے میری برادری کے لوگو! میں تم سے اس (تبلیغ کی محنت) پر کسی قسم کی مزدوری کا طلب گار نہیں ہوں، میرے کام کا معاوضہ بس اس ہستی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے —— یعنی میرا پیدا کرنے والا ہی میری تمام دنیوی ضروریات کا کفیل ہے، تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں —— پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ —— ایک شخص جو بے طمع اور بے غرض ہے، محض دردمندی اور خیر خواہی سے تمہاری صلاح وفلاح کی بات کہتا ہے کیا اس کی

(۱) مِدۡرَارًا مبالغہ کا صیغہ ہے، دَرٌّ بمعنی دودھ ہے (۲) عینی شرح بخاری شریف جلد ہفتم کتاب الانبیاء۔

بات اتنی بے وزن ہے کہ اس پر سنجیدہ غور وفکر بھی نہ کیا جائے؟ —— اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے معافی مانگو، اور اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر موسلا دھار برسنے والے بادل بھیجے گا، اور تمہارا زور بالائے زور کرے گا، اور تم مجرم بنتے ہوئے منہ نہ موڑو! —— شروع سورت میں یہی بات نبی پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس طرح کہلوائی تھی: ''اپنے پروردگار سے معافی چاہو، اور ان کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو اچھا سامان زندگی دے گا''

کہتے ہیں: وہ لوگ تین سال سے خشک سالی اور قحط کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ ایمان لاکر اللہ پاک سے لَو لگالو، یہ مصیبت دور ہوگی۔ اور اللہ پاک تمہاری مالی اور بدنی قوت بڑھائیں گے۔ اولاد میں برکت دیں گے۔ خوشحالی میں ترقی ہوگی۔ بشرطیکہ اللہ پاک کی طرف متوجہ رہو، ان کی اطاعت سے مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

قَالُوْا	جواب دیا ان لوگوں نے	وَّمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	لَكَ	تمہارا
یٰهُوْدُ	اے ہود	بِتَارِكِیْٓ (۲)	چھوڑنے والے	بِمُؤْمِنِیْنَ	یقین کرنے والے
مَا جِئْتَنَا	نہیں لائے تم ہمارے	اٰلِهَتِنَا	اپنے معبودوں کو	اِنْ نَّقُوْلُ	نہیں کہتے ہیں ہم
	پاس	عَنْ قَوْلِكَ	تمہارے کہنے سے	اِلَّا	مگر
بِبَیِّنَةٍ (۱)	کوئی صریح دلیل	وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	اعْتَرٰىكَ (۳)	(یہ کہ) رخ کیا ہے تمہارا

(۱) باصلہ کی ہے جآء به: لانا اخذبه پکڑنا (۲) جس طرح لَیْسَ کی خبر پر با آتی ہے اسی طرح ما مشابہ بلیس کی خبر پر بھی باء آتی ہے اور یہ باء ما اور لیس کے اسم وخبر میں تعلق کو پختہ کرتی ہے (۳) اِعْتَرَاهُ: قصد عَرَاهُ وَ الْعَرَاءُ؛ الناحية (راغب وروح)

بَعْضُ	کسی	ثُمَّ	اور	تَوَلَّوْا	منہ موڑا تم نے
اٰلِهَتِنَا	معبودوں نے ہمارے	لَا تُنْظِرُوْنِ	مہلت نہ دو مجھ کو	فَقَدْ	تو واقعۃً
بِسُوْٓءٍ	برائی کے ساتھ	اِنِّیْ	بالتحقیق میں نے	اَبْلَغْتُكُمْ	پہنچا چکا میں تم کو
قَالَ	کہا (آپؑ نے)	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا ہے	مَّآ	وہ چیز
اِنِّیْٓ اُشْهِدُ(۱)	بیشک میں گواہ بناتا ہوں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اُرْسِلْتُ	(کہ) بھیجا گیا ہوں میں
اللّٰهَ	اللہ پاک کو	رَبِّیْ	(جو) میرے رب (ہیں)	بِهٖٓ	اس کے ساتھ
وَاشْهَدُوْٓا	اور گواہ رہو تم	وَرَبِّكُمْ	اور تمہارے رب (ہیں)	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف
اَنِّیْ	کہ میں	مَا	نہیں (ہے)	وَيَسْتَخْلِفُ	اور جانشین بنائیں گے
بَرِیْٓءٌ	بالکل بے تعلق ہوں	مِنْ دَآبَّةٍ	کوئی حرکت کرنے والا	رَبِّیْ	میرے پروردگار
مِّمَّا	ان (معبودوں) سے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ	قَوْمًا غَيْرَكُمْ	تمہارے علاوہ لوگوں کو
	جن کو	اٰخِذٌ	پکڑنے والے ہیں	وَلَا	اور نہیں
تُشْرِكُوْنَ	تم شریک کرتے ہو	بِنَاصِيَتِهَا	اس کی چوٹی کو	تَضُرُّوْنَهٗ	نقصان پہنچا سکو گے
مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ پاک سے نیچے رتبہ	اِنَّ	بالتحقیق		تم اس کو
	رکھنے والی چیزوں میں سے	رَبِّیْ	میرے پالنہار	شَيْئًا	کچھ بھی
فَكِيْدُوْنِیْ	پس داؤ گھات کرلو تم	عَلٰى صِرَاطٍ	راستے پر (ہیں)	اِنَّ رَبِّیْ	بالیقین میرے پروردگار
	میرے لئے	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
جَمِيْعًا	سب مل کر	فَاِنْ	اب اگر	حَفِيْظٌ	نگہبان (ہیں)

حضرت ہود اور قوم میں مکالمہ

حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کا قوم نے کیا جواب دیا؟ ارشاد فرماتے ہیں:— لوگوں نے جواب دیا: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی صریح دلیل نہیں لائے— یعنی تم نے کوئی ایسی کھلی علامت اور واضح نشانی پیش نہیں کی جس سے ہم غیر مشتبہ طور پر معلوم کرلیں کہ واقعی اللہ پاک نے تمہیں بھیجا ہے، اور جو بات تم پیش کررہے ہو وہ حق ہے— اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، اور نہ ہم تمہاری بات کا یقین کرنے والے ہیں— یہ ان لوگوں کی کھلی

(۱) اشهاد باب افعال سے گواہ بنانا۔

ہٹ دھرمی تھی۔ کیونکہ اللہ پاک جسے پیغمبری کے عہدہ پر فائز فرماتے ہیں، اسے ضرور کھلی دلیل، تقرری کی سند اور پیغمبری کا پروانہ عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ: ''جو بھی نبی مبعوث ہوئے ان کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے ،جس پر لوگ ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے تھے'' — اس لئے بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے ضرور صریح دلیل پیش کی ہوگی، مگر لوگ ہٹ دھرمی سے یہی کہتے رہے کہ تم نے کوئی کھلی دلیل تو پیش نہیں کی، صرف زبانی بات ہے، پس محض تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو کیسے چھوڑ دیں؟ اور تمہاری رسالت پر کیسے ایمان لے آئیں؟ تمہارے بارے میں — ہم صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ: ''تم پر ہمارے کسی معبود کی مار پڑی ہے!'' — جس کی وجہ سے تم بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے — فرمایا: میں اللہ پاک کو گواہ بناتا ہوں — یہ لوگوں کی پہلی بات کا جواب ہے کہ ہود علیہ السلام نے کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اللہ پاک کی شہادت پیش کرتا ہوں کہ جو باتیں میں نے تم سے بیان کی ہیں، وہ سراسر حق ہیں۔ ان میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں — اور تم گواہ رہو کہ میں ان معبودوں سے بالکل بے تعلق ہوں، جن کو تم اللہ پاک کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، جو اللہ پاک سے نیچے ہیں — یہ ان کی دوسری بات کا جواب ہے کہ ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا بھی یہ فیصلہ سن لو کہ میں تمہارے ان معبودوں سے قطعی بے زار ہوں — پس تم سب مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کر لو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو — یہ ان کی تیسری بات کا جواب ہے کہ ہمارے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑی ہے، فرمایا کہ وہ بیچاری بے جان پتھر کی مورتیں مجھے کیا گزند پہنچا سکتی ہیں!، اب تم سب جو بڑے شہ زور، تنومند اور طاقت ور ہو، اپنے دیوتاؤں کے ساتھ مل کر مجھ یکہ و تنہا پر پوری قوت سے حملہ کر دیکھو، تم میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ — بالیقین میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے، جو میرے بھی پروردگار ہیں اور تمہارے بھی پروردگار ہیں، وہ ہر متحرک کی چوٹی پکڑے ہوئے ہیں — کسی کی مجال نہیں کہ ان کے قبضۂ اختیار سے نکل بھاگے یا ان کے منشا کے بغیر کسی کو کوئی تکلیف پہنچا سکے — بالیقین میرے پروردگار سیدھے راستہ پر ہیں — ان کا ہر کام عدل و انصاف پر مبنی ہے، پس یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تم بدکار اور گمراہ ہو کر فلاح پاؤ۔ اور میں راست باز اور نیکوکار ہو کر تکلیف میں پڑوں — اب بھی اگر تم نے منہ موڑا، تو میں واقعۃً وہ ساری باتیں تم کو پہنچا چکا ہوں جن کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں — یہ ان کی اس بات کا جواب ہے کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ فرمایا کہ اگر تم نہ مانو گے تو میرا کیا نقصان کرو گے۔ میں فرضِ تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا ہوں اب تم اپنی فکر کرو — اور میرے پروردگار تمہارے علاوہ لوگوں کو تمہارا جانشیں بنائیں گے۔ اور تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے —

یعنی اب ضروری ہے کہ تمہاری ہٹ دھرمی اور تعصب وعناد پر آسمان سے عذاب آئے۔ مگر اللہ پاک کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہوگی۔ وہ دوسرے لوگوں کو تمہارا جانشیں بنادیں گے، ان کا ملک خراب نہ ہوگا—— بالیقین میرے پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہیں—— پس وہ اپنے ملک اور ضروری چیزوں کی حفاظت اپنی قدرت کاملہ سے کریں گے!

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾

ع ٥

وَلَمَّا جَآءَ	اور جب آیا	وَتِلْكَ	اور یہ (ہیں)	فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا	اس دنیا میں
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	عَادٌ	عاد		
نَجَّیْنَا	نجات دی ہم نے	جَحَدُوْا	انکار کیا انھوں نے	لَعْنَةً	پھٹکار
هُوْدًا	ہود کو	بِاٰیٰتِ	آیتوں کا	وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ	اور قیامت کے دن
وَّالَّذِیْنَ	اور (ان لوگوں کو) جو	رَبِّهِمْ	اپنے پروردگار کی	اَلَآ اِنَّ عَادًا	سنو بیشک عاد (نے)
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَعَصَوْا	اور نافرمانی کی انھوں نے	كَفَرُوْا	کفر کیا
مَعَهٗ	ان کے ساتھ	رُسُلَهٗ	اپنے رسولوں کی	رَبَّهُمْ	اپنے رب کا
بِرَحْمَةٍ (۱)	مہربانی سے	وَاتَّبَعُوْٓا (۳)	اور پیروی کی انھوں نے	اَلَا	سنو!
مِّنَّا	اپنی طرف سے	اَمْرَ	حکم (کی)	بُعْدًا	لعنت ہو
وَنَجَّیْنٰهُمْ	اور نجات دی ہم نے ان کو	كُلِّ جَبَّارٍ	ہر سرکش	لِّعَادٍ	عاد پر
مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ (۲)	سخت عذاب سے	عَنِیْدٍ	دشمن حق (کے)	قَوْمِ	یعنی قوم
		وَاُتْبِعُوْا	اور پیچھے لگادیئے گئے وہ	هُوْدٍ (۴)	ہود (پر)

(۱) بِرَحْمَةٍ کا تعلق نَجَّیْنَا سے ہے (۲) غَلِیْظ صفت مشبہ ہے بمعنی گاڑھا، شدید، سخت۔ (۳) اِتْبَاعٌ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے یعنی اُن کے پیچھے لگادی گئی (۴) عادٍ کا عطف بیان ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا آخری انجام

ارشاد فرماتے ہیں — اور جب ہمارا حکم پہنچا — یعنی آندھی کا طوفان آیا — تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود (علیہ السلام) کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دی، اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچالیا — اور عاد کو ہولناک عذاب نے آگھیرا، آٹھ دن اور سات راتیں پیہم تیز و تند ہوا کے طوفان اٹھے اور ان لوگوں کو اور ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھدیا۔ تنومند اور دیوہیکل انسان، جو اپنی قوتوں کے گھمنڈ میں سرمست تھے، اس طرح بے حس و حرکت پڑے نظر آ رہے تھے، جس طرح آندھی سے تناور درخت جڑوں سے اکھڑ کر گر جاتا ہے۔

اور یہ ہیں عاد جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر سرکش دشمن حق کی پیروی کی — جس کا خمیازہ انھوں نے دنیا ہی میں بھگتا — اور ان کے پیچھے لگادی گئی پھٹکار اس دنیا میں (بھی) اور قیامت کے دن (بھی) — کیونکہ وہ اسی کے مستحق تھے! — اللہ پاک کی لعنت دنیا میں ان کے پیچھے لگادی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے، اور قیامت تک جہاں ان کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو۔ بلکہ قیامت کے بعد بھی وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ ہمیشہ لعنت کا طوق ان کے گلے کا ہار بنا رہے گا۔

اور یہ جو فرمایا کہ "انھوں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی" یعنی ان کے پاس حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اور بھی رسول تشریف لائے ہوں گے، یا ایک ہی رسول کی تکذیب کو تمام رسولوں کی تکذیب قرار دیا۔ کیونکہ ہود علیہ السلام نے جو دعوت ان کے سامنے پیش کی تھی، وہی ہمیشہ تمام انبیاء پیش کرتے رہے ہیں۔ اس لئے ایک رسول کی بات نہ ماننے کو سارے رسولوں کی بات نہ ماننا قرار دیا گیا۔

سنو! بے شک عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! عاد یعنی ہود کی قوم پر لعنت ہو! — یہ ہے "عادِ اُولیٰ" یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کی داستانِ عبرت! جو اپنے اندر چشم عبرت پذیر کے لئے بے شمار پند و نصائح رکھتی ہے اور خدائے برتر کے احکام کی تعمیل کی جانب دعوت دیتی ہے۔ اور شرارت، سرکشی اور اللہ پاک کے احکام سے بغاوت کے انجام بد سے ڈراتی ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی﴾ (بے شک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ پاک سے ڈرتا ہے!)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ ؕ

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

وَاِلٰى ثَمُوْدَ[1]	اور (بھیجا ہم نے) ثمود	فَاسْتَغْفِرُوْهُ	پس معافی مانگو ان سے	مَا	(ان چیزوں کی) جن کی
	کی طرف	ثُمَّ تُوْبُوْٓا	پھر متوجہ رہو	يَعْبُدُ	پرستش کرتے تھے
اَخَاهُمْ	ان کے بھائی	اِلَيْهِ	ان کی طرف	اٰبَآؤُنَا	ہمارے اسلاف
صٰلِحًا	صالح کو	اِنَّ رَبِّيْ	بے شک میرا پالنہار	وَاِنَّنَا	اور بے شک ہم
قَالَ	کہا (انھوں نے)	قَرِيْبٌ	نزدیک ہے	لَفِيْ شَكٍّ	البتہ شک میں (ہیں)
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	مُّجِيْبٌ	دعا قبول کرنے والا ہے	مِّمَّا	اُس (دین) کے بارے میں
اعْبُدُوا	بندگی کرو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	تَدْعُوْنَآ	بلاتا ہے تو ہم کو
اللّٰهَ	اللہ پاک (کی)	يٰصٰلِحُ	اے صالح	اِلَيْهِ	اس کی طرف
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	قَدْ كُنْتَ	تحقیق تھا تو	مُرِيْبٍ[4]	خلجان میں ڈالنے والے
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	فِيْنَا	ہم میں	قَالَ	کہا
غَيْرُهٗ	اس کے سوا	مَرْجُوًّا[2]	ہونہار	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!
هُوَ اَنْشَاَكُمْ	اسی نے پیدا کیا ہے تم کو	قَبْلَ هٰذَآ	قبل ازیں	اَرَءَيْتُمْ	بتاؤ
مِّنَ الْاَرْضِ	زمین سے	اَتَنْهٰنَآ	کیا روکتا ہے تو ہم کو	اِنْ كُنْتُ	اگر ہوں میں
وَاسْتَعْمَرَكُمْ	اور بسایا ہے تم کو	اَنْ[3]	اس سے کہ	عَلٰى بَيِّنَةٍ	حجت پر
فِيْهَا	اس میں	نَّعْبُدَ	پرستش کریں ہم	مِّنْ رَّبِّيْ	میرے رب کی طرف سے

(۱) ترکیب آیت ۵۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں (۲) مَرْجُوًّا اسم مفعول ہے رَجَاءٌ مصدر، امید گاہ جس سے امید لگی ہو (۳) اَنْ سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔ (۴) مُرِيْبٍ اسم فاعل واحد مذکر اِرَابَةٌ مصدر باب افعال سے رَيْبٌ مادہ یعنی متردد بنا دینے والا، بے چین کر دینے والا شکٌّ کی صفت ہے۔

وَ اٰتٰىنِيْ	اور بخشی اس نے مجھے	يَنْصُرُنِيْ	بچائے گا مجھ کو	فَمَا	سو نہیں
مِنْهُ	اپنے پاس سے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک (کی خفگی) سے	تَزِيْدُوْنَنِيْ (۱)	بڑھاؤ گے تم میرا
رَحْمَةً	رحمت	اِنْ	اگر	غَيْرَ	سوائے
فَمَنْ	پھر کون	عَصَيْتُهٗ	نافرمانی کروں میں ان کی؟	تَخْسِيْرٍ	خسارے (کے)

تیسری سرگذشت: صالح علیہ السلام اور ثمود کی

یہاں سے تیسری سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ''ثمود'' کی سرگذشت ہے۔۔۔ ثمود بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور اس کا شمار عرب بائدہ (ہلاک شدہ عربی نسل) میں ہوتا ہے۔ اس کو ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے نسب نامہ کے جداعلیٰ کا نام ثمود ہے۔ ''عاد اولیٰ'' یعنی ہود علیہ السلام کی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد جو مؤمنین ہود علیہ السلام کے ساتھ ہلاکت سے بچ گئے تھے انہی کی یہ نسل ہیں۔ اور اسی وجہ سے ''عاد ثانیہ'' کہلاتے ہیں ثمود کی آبادیاں حِجر میں تھیں حجاز اور شام کے درمیان وادیٔ قریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے وہ سب ثمود کا مقامِ سکونت تھا۔۔۔ ثمود کے زمانہ کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تھا۔۔۔ ثمود بھی اپنے پیشرؤوں کی طرح بت پرست تھے، وہ خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کے پرستار تھے۔ اور شرک میں مبتلا تھے، ان کی اصلاح کے لئے انہی کے قبیلہ میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ تا کہ وہ ان کو راہِ راست پر لائیں، ان کو خدا کی نعمتیں یاد دلائیں۔ جن سے وہ صبح وشام محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان پر واضح کریں کہ عبادت کی حقدار صرف ایک ذات ہے ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔ اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (مبعوث فرمایا) انھوں نے کہا:۔۔۔ ''اے میری قوم! اللہ پاک کی بندگی کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں۔ انہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ اور تم کو اس میں بسایا۔۔۔ حضرت صالح علیہ السلام نے یہ اپنے دعویٰ کی دلیل بیان فرمائی ہے کیونکہ مشرکین اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ان کے خالق اللہ پاک ہی ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی مسلمہ حقیقت پر بنائے استدلال قائم کر کے فرماتے ہیں کہ جب اللہ پاک ہی نے تم کو زمین کے بے جان مادوں کی ترکیب سے وجود بخشا ہے۔ اور اس کے بعد تمہاری بقا کا سامان کیا ہے، اور تمہیں زمین کو آباد کرنے کی ترکیبیں بتلائی ہیں، تو پھر اللہ پاک کے سوا خدائی اور کس کی ہوسکتی ہے؟ اور کسی دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے؟۔۔۔ پس تم اس سے معافی چاہو۔۔۔ یعنی ان کی شان میں اب تک جو

(۱) تَزِيْدُوْنَ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر، نون وقایہ اور یاء ضمیر واحد متکلم ہے۔

کوتاہیاں کرتے رہے ہو،اس کی معافی چاہو—— اوران کی طرف متوجہ رہو، بیشک میرے پروردگار نزدیک ہیں، دعا قبول فرمانے والے ہیں—— یعنی وہ تم سے بالکل نزدیک ہیں، ہر بات خود سنتے ہیں، پس اگر تم صدق دل سے توبہ واستغفار کروگے،تو وہ اس کو سن کر قبول فرمائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے اس مختصر ارشاد میں مشرکین کی ایک بہت بڑی غلط فہمی دور کی ہے جو عموماً تمام مشرکین میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ مشرک اللہ پاک کو اپنے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں۔جن کے دربار میں عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی، جن کے حضور میں درخواست پہنچانے کے لئے مقربین بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے،اس غلط قیاس کی وجہ سے مشرکین سمجھتے ہیں کہ خداوند عالم کا آستانہ بھی عام انسانوں کی دست رس سے بالاتر ہے۔ان کے دربار تک کوئی عام آدمی پہنچ ہی نہیں سکتا، جب تک پاک روحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈھا جائے ان تک رسائی ممکن نہیں۔

یہی وہ غلط فہمی ہے جس کی وجہ سے مشرکین نے اپنے اور اللہ پاک کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا ایک جم غفیر کھڑا کردیا ہے۔حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ یہ خیال غلط ہے کہ وہ تم سے دور ہیں۔ اور یہ خیال بھی غلط ہے کہ تم براہِ راست ان کو پکار کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کرسکتے۔وہ اگرچہ بالاو برتر ہیں مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہیں،تم میں سے ہر شخص اپنے پاس ہی ان کو پاسکتا ہے،ان سے سرگوشی کرسکتا ہے، دعائیں مانگ سکتا ہے۔اوروہ براہِ راست اپنے ہر بندے کی دعا کا جواب بھی دیتے ہیں۔پس جب اللہ پاک کا دربارِ عام ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا ہے،تو یہ تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ بتوں کا اور پاک روحوں کا واسطہ اور وسیلہ ڈھونڈتے ہو!

ان لوگوں نے کہا: ''اے صالح!اس سے پہلے تو تم واقعۃً ہم میں بڑے ہونہار تھے—— تمہاری ہوشمندی ، ذکاوت،متانت،اور پروقار شخصیت سے ہم بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھےلیکن افسوس تم نے ایسی باتیں شروع کردیں کہ ہماری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا[1]—— کیا تم ہم کواُن معبودوں کی پرستش سے روکتے ہو،جن کی پرستش ہمارے اسلاف کرتے آئے ہیں؟—— یہ ان جاہلوں کی شرک کے جواز پر دلیل ہے کہ ان بتوں کی پوجا اس لئے ہوتی رہنی چاہئے کہ باپ دادا کے وقتوں سے ان کی عبادت ہوتی چلی آئی ہے۔یعنی مکھی پر مکھی صرف اس لئے ماری جاتی رہنی چاہئے

(۱) جب کبھی غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں، اوراس سے بڑی امیدیں باندھتے ہیں۔لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جوان کے طور وطریق کے خلاف ہوتی ہے تو لوگ گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نکما نکلا، ہماری ساری امیدیں خاک میں ملادیں۔

کہ ابتداء میں کسی بیوقوف نے اس جگہ مکھی ماردی تھی —— اور بے شک ہم خلجان میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں، اس دین کے بارے میں جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو —— یعنی جو دین تم ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو، وہ کسی طرح ہمارے گلے نہیں اترتا۔

حضرت صالح نے جواب دیا کہ: اے میری قوم! اگر میں اپنے رب کی طرف سے حجت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی ہے، پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو بتلاؤ مجھے کون اللہ پاک کی پکڑ سے بچالے گا؟ —— یعنی اگر میں ربانی حجت اور منصب نبوت کے خلاف کام کروں اور لوگ جس بات کو حق سمجھتے ہیں، اس کی پیروی کروں، اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دوں، اور جو بات مجھے برہان الٰہی اور رحمتِ ربانی سے حق معلوم ہوئی ہے، اس کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دوں تو بتلاؤ اللہ پاک کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا؟ —— سو تم تو خسارے کے سوا میرا کچھ بھی نہ بڑھاؤ گے! —— یعنی تمہاری وجہ سے تو میرا جرم اور زیادہ سنگین ہو جائے گا۔ اللہ پاک مجھے اس بات کی مزید سزا دیں گے کہ میں نے تم کو سیدھا راستہ بتانے کے بجائے جان بوجھ کر الٹی راہ چلایا اور گمراہ کیا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع ۷

وَيٰقَوْمِ	اور اے میری برادری کے لوگو	لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْٓ اَرْضِ	زمین میں
		اٰيَةً (۱)	نشانی	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)
هٰذِهٖ نَاقَةُ	یہ اونٹنی ہے	فَذَرُوْهَا	پس چھوڑے رکھو اس کو	وَلَا	اور نہ
اللّٰهِ	اللہ پاک کی	تَاْكُلْ (۲)	(کہ) کھائے وہ	تَمَسُّوْهَا	ہاتھ لگاؤ اس کو

(۱) آیۃً حال ہے نَاقَةُ اللّٰهِ کا (۲) تَاْكُلْ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

بِسُوْٓءٍ	برائی کے ساتھ	نَجَّيْنَا	(تو) نجات دی ہم نے	ظَلَمُوا	ناانصافی کی
فَيَاْخُذَكُمْ	پس پکڑلے تم کو	صٰلِحًا	صالح کو	الصَّيْحَةُ	ہولناک آواز (نے)
عَذَابٌ	عذاب	وَّالَّذِيْنَ	اور (ان لوگوں کو) جو	فَاَصْبَحُوْا	پس رہ گئے وہ
قَرِيْبٌ	جلدی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فِيْ دِيَارِهِمْ	اپنے گھروں میں
فَعَقَرُوْهَا (۱)	پس مار ڈالا انھوں نے اس کو	مَعَهٗ	ان کے ساتھ	جٰثِمِيْنَ (۳)	اوندھے پڑے ہوئے
فَقَالَ	پس فرمایا صالح نے	بِرَحْمَةٍ	رحمت سے	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں
تَمَتَّعُوْا	فائدہ اٹھالو	مِّنَّا	ہماری	يَغْنَوْا	بسے تھے وہ
فِيْ دَارِكُمْ	اپنے گھروں میں	وَمِنْ خِزْيِ	اور (بچالیا) رسوائی سے	فِيْهَا	ان (گھروں) میں
ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ	تین دن	يَوْمِئِذٍ	اس دن کی	اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا	سنو! بیشک ثمود (نے)
ذٰلِكَ وَعْدٌ	یہ وعدہ (ہے)	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	كَفَرُوْا	کفر کیا
غَيْرُ	نہیں	هُوَ الْقَوِيُّ	وہی زوروالے	رَبَّهُمْ	اپنے رب کا
مَكْذُوْبٍ (۲)	جھوٹا	الْعَزِيْزُ	زبردست (ہیں)	اَلَا	سنو!
فَلَمَّا جَآءَ	پھر جب آیا	وَاَخَذَ	اور پکڑلیا	بُعْدًا	لعنت ہو
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	الَّذِيْنَ	(ان لوگوں کو) جنھوں نے	لِّثَمُوْدَ	ثمود پر!

قوم صالح کا آخری انجام

حضرت صالح علیہ السلام کی مغرور اور سرکش قوم نے آپ کی پیغمبرانہ دعوت اور نصیحت قبول کرنے سے انکار کردیا، اور معجزہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، آپ کی دعا قبول ہوئی۔ آپؑ نے اپنی قوم سے پوچھا کہ تمہیں کس قسم کی نشانی مطلوب ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا بستی کے فلاں پتھر میں سے

(۱) عَقَرَ (ن) عَقْرًا کونچیں کاٹنا کونچیں پاؤں کے پٹھوں کو کہتے ہیں جو پیچھے کی طرف ایڑی کے پاس ہوتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جب اونٹ کو ذبح کرنا ہوتا تو پہلے اس کی کونچیں کاٹتے تاکہ بھاگ نہ جائے پھر اس کو ذبح کرتے —— لفظ عُقْر کا استعمال عام طور پر صرف کونچیں کاٹنے کے لئے ہوتا ہے مگر کبھی کبھی نحر کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ نحر کونچیں کاٹنے کے بعد ہی ہوا کرتا ہے یہاں عَقر سے مار ڈالنا مراد ہے (۲) مَكْذُوْبِ اسم مفعول بمعنی حاصل مصدر ہے (۳) جَثَمَ (ن ض) جَثْمًا وَ جُثُوْمًا سینہ کے بل اوندھے منہ زمین پر پڑنا۔

جو کنارہ پر نصب ہے، ایک ایسی اونٹنی برآمد کرو، جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے، حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اسی وقت ان سب کے سامنے پہاڑ یا پتھر میں سے حاملہ اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ دیا — یہ معجزہ دیکھ کر، ان کے سرداروں میں سے صرف ایک شخص مشرف باسلام ہوا۔ باقی سرداروں کو مہنتوں اور کاہنوں نے اسلام قبول کرنے سے باز رکھا اور عام لوگوں کو بھی مسلمان نہیں ہونے دیا۔

تب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی تمام قوم سے بطور تنبیہ فرمایا — اور اے میری برادری کے لوگو! یہ اللہ پاک کی اونٹنی ہے، تمہارے لئے نشانی، پس اس کو آزاد چھوڑ دو تا کہ اللہ پاک کی زمین میں چرے۔ اور اذیت دینے کی نیت سے اسے ہاتھ نہ لگاؤ، ورنہ فوری عذاب تمہیں آ پکڑے گا — قوم اگرچہ اس حیرت زا معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہیں لائی تھی مگر متأثر ہوئی تھی۔ چنانچہ ان میں یہ دستور جاری رہا کہ گھاس پانی کی باری جہاں ایک دن اونٹنی کی رہتی، تو ایک دن قوم کے تمام جانوروں کی۔ مگر آہستہ آہستہ یہ بات ان کو کھٹکنے لگی، اور آپس میں صلاح مشورے ہونے لگے کہ اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے، تا کہ باری کے قصے سے نجات ملے۔

یہ باتیں ہوتی رہیں مگر کسی کو اس کے قتل کی ہمت نہ ہوئی تا آنکہ ایک خوب صورت عورت نے خود کو ایک شخص کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک دوسری مالدار عورت نے اپنی خوب صورت لڑکی کو دوسرے شخص کے سامنے پیش کیا کہ وہ دونوں اونٹنی کو ہلاک کریں اور ان کے ساتھ عیش کریں — پس ان لوگوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، پھر — جب حضرت صالح علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی تو قوم سے مخاطب ہو کر حسرت و یاس کے ساتھ — آپ نے فرمایا: ''تم اپنے گھروں میں تین دن رہ بس لو، یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں'' — یعنی اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو، تین دن کے بعد نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا، جو تم سب کو تہس نہس کر ڈالے گا — روح المعانی میں لکھا ہے کہ عذاب آنے کی علامتیں اگلی صبح ہی سے شروع ہو گئی تھیں۔ پہلے دن سب کے چہرے زرد پڑ گئے، دوسرے دن سرخ ہو گئے۔ اور تیسرے دن سب کے چہرے سیاہ ہو گئے — پھر جب ہمارا حکم آیا، تو ہم نے اپنی مہربانی سے صالح کو، اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دی، اور اس دن کی رسوائی سے بچالیا، بالیقین آپ کے رب ہی زور والے، زبردست ہیں۔ اور ان لوگوں کو ہولناک آواز نے پکڑ لیا جنھوں نے ناانصافی کی تھی سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! ثمود پر لعنت ہو!

چو ز قومے یکے بے دانشی کرد ❁ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

(جب قوم کا کوئی فرد حماقت کرتا ہے تو پھر نہ بڑے کا رتبہ باقی رہتا ہے نہ چھوٹے کا)

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

وَلَقَدْ جَآءَتْ	اور البتہ تحقیق آئے ہمارے	سَلٰمٌ (۲)	(تم پر بھی) سلام (ہو)	لَا تَصِلُ	(کہ) نہیں پہنچتے
رُسُلُنَآ	بھیجے ہوئے (فرشتے)	فَمَا	پھر نہیں	اِلَيْهِ	اس (بچھڑے) تک
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم (علیہ السلام)	لَبِثَ	دیر لگائی (انھوں نے)	نَكِرَهُمْ (۵)	(تو) اوپرا سمجھا ان کو
	کے پاس	اَنْ جَآءَ	کہ لائے (وہ)	وَاَوْجَسَ (۶)	اور محسوس کیا (آپ نے)
بِالْبُشْرٰى	خوش خبری لے کر	بِعِجْلٍ (۳)	بچھڑا	مِنْهُمْ	ان سے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	حَنِيْذٍ (۴)	تلا ہوا	خِيْفَةً (۷)	خوف
سَلٰمًا (۱)	(آپ پر) سلام (ہو)	فَلَمَّا رَآٰ	پھر جب دیکھا (آپ نے)	قَالُوْا	انھوں نے کہا
قَالَ	(آپ نے) جواب دیا	اَيْدِيَهُمْ	ان کے ہاتھوں کو	لَا تَخَفْ	آپ نہ ڈریئے

(۱)منصوب بفعل محذوف ای:نسلم علیک سلاما والجملة مقول القول(روح)(۲)ای:علیکم سلام أوسلام علیکم (روح)(۳) با صلہ کی ہے(۴)حَنِيْذٍ بریاں، تلا ہوا، بھنا ہوا صفت مشبہ کا صیغہ مفعول کے معنی میں ہے(۵)نَكِرَ(س) نكرًا الرَّجُلَ: نہ پہچاننا(۶) اَوْجَسَ اِيْجَاسًا الرجلُ: محسوس کرنا، دل میں چھپانا(۷)خِيْفَةً مصدر ہے خَافَ يَخَافُ کا بمعنی خوف ڈر۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ	تحقیق ہم بھیجے گئے ہیں	اِنَّ ھٰذَا	بالیقین یہ	الْبُشْرٰی	خوش خبری
اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ	لوط (علیہ السلام) کی	لَشَیْءٌ	ضروربات (ہے)	یُجَادِلُنَا	(تو) جھگڑنے لگے وہ ہم سے
	قوم کی طرف	عَجِیْبٌ	عجیب!	فِیْ قَوْمِ	لوط (علیہ السلام) کی
وَامْرَاَتُہٗ	اور ان کی بیوی	قَالُوْآ	کہا فرشتوں نے	لُوْطٍ	قوم کے بارے میں
قَآئِمَۃٌ	کھڑی (تھی)	اَتَعْجَبِیْنَ (۲)	کیا تم تعجب کرتی ہو	اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ	بیشک ابراہیم (علیہ السلام)
فَضَحِکَتْ	پس وہ ہنس پڑی	مِنْ اَمْرِ اللہِ	اللہ پاک کے حکم کے	لَحَلِیْمٌ	یقیناً بردبار
فَبَشَّرْنٰھَا	سو خوش خبری دی ہم		بارے میں؟	اَوَّاہٌ	نرم دل
	نے اس کو	رَحْمَتُ	رحمتیں (ہیں)	مُّنِیْبٌ	اللہ پاک کی طرف رجوع
بِاِسْحٰقَ	اسحاق کی	اللہِ	اللہ پاک (کی)		ہو کر رہنے والے ہیں
وَمِنْ وَّرَآءِ	اور پیچھے	وَبَرَکٰتُہٗ	اور ان کی برکتیں (ہیں)	یٰٓاِبْرٰھِیْمُ	اے ابراہیم
اِسْحٰقَ	اسحاق (کے)	عَلَیْکُمْ	تم پر	اَعْرِضْ	چھوڑیے
یَعْقُوْبَ	یعقوب (کی)	اَھْلَ الْبَیْتِ (۳)	اے (نبی کے) گھر والو!	عَنْ ھٰذَا	اس (جھگڑے) کو
قَالَتْ	وہ بولیں	اِنَّہٗ	تحقیق وہ	اِنَّہٗ	بے شک شان یہ ہے
یٰوَیْلَتٰٓی	میں موئی!	حَمِیْدٌ	نہایت قابل تعریف	قَدْ جَآءَ	(کہ) تحقیق آگیا (ہے)
ءَاَلِدُ	کیا میں بچہ جنوں گی	مَّجِیْدٌ	بڑی شان والے (ہیں)	اَمْرُ	حکم
وَاَنَا	درانحالیکہ میں	فَلَمَّا	پس جب	رَبِّکَ	آپ کے رب کا
عَجُوْزٌ	بڑھیا (ہوں)	ذَھَبَ	دور ہوئی	وَاِنَّھُمْ	اور بے شک وہ لوگ
وَّھٰذَا	اور یہ	عَنْ اِبْرٰھِیْمَ	ابراہیم (علیہ السلام) سے	اٰتِیْھِمْ	آنے والا ہے ان پر
بَعْلِیْ	میرے شوہر (ہیں)	الرَّوْعُ (۴)	گھبراہٹ	عَذَابٌ	عذاب
شَیْخًا (۱)	بوڑھے	وَجَآءَتْہُ	اور آئی ان کے پاس	غَیْرُ مَرْدُوْدٍ (۵)	نہ ٹالا جانے والا

(۱) نصبه على الحال (۲) تَعْجَبِيْنَ باب سمع سے فعل مضارع، صیغہ واحد مؤنث حاضر ہے **(۳) نُصِبَ على المدح أو الاختصاص** (روح) (۴) رَاعَ (ف) رَوْعًا: گھبرانا۔ (۵) مَرْدُوْدٍ اسم مفعول ہے رَدٌّ سے لوٹایا جانے والا، ٹالا جانے والا۔

چوتھی سرگذشت کی تمہید میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

اب چوتھی سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی سرگزشت ہے مگر اس کی تمہید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ مقصدِ اصلی حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اور ان کی نشو ونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آغوش میں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے سب سے پہلے آپ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ہجرت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام سَدُّوم اور عَمُورہ کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اُرْدُن کی وہ جانب جہاں آج بحرِ مَیِّت یا بحیرۂ لوط (DEAD SEA) ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں یہ بستیاں آباد تھیں۔ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے خشک زمین تھی اور اس پر یہ شہر آباد تھے۔ جب ان لوگوں پر عذاب آیا۔ اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا تو یہ سرزمین تقریباً چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا جو اب بحرِ میت کہلاتا ہے۔

یہاں کے باشندے اس قدر بدکاریوں میں مبتلا تھے کہ خدا کی پناہ! دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں نہ ہو۔ سرکشی، تمرد، بداخلاقی اور بداطواری کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث فعل تَلَذُّذْ بالمِثل کی لعنت میں گرفتار تھی۔ دنیا کی کسی قوم میں اس وقت تک اس عمل کا قطعاً کوئی وجود نہ تھا، اسی بدبخت قوم نے یہ ناپاک عمل ایجاد کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان کی بے حیائی اور خباثت پر ملامت کی، اور شرافت وطہارت کی رغبت دلائی، مگر ان بدبختوں پر مطلق اثر نہ ہوا۔ بلکہ الٹا اثر ہوا انھوں نے لوط علیہ السلام کا ٹھٹھا اڑایا اور بستی بدر کرنے کی یا سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی مشفقانہ نصیحتوں کو سن کر قوم غم وغصہ سے تلملا اٹھی اور کہنے لگی: ''لوط! بس یہ نصیحتیں ختم کر، اگر ہمارے اعمال سے تیرا خدا ناراض ہے تو وہ عذاب لاکر دکھا جس سے تو بار بار ہم کو ڈراتا ہے''

اِدھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ انکے پاس تین آدمی آئے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور سچا واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے — انھوں نے کہا: ''آپؑ پر سلام ہو!'' — آپؑ نے جواب دیا: ''آپ لوگوں پر بھی سلام ہو!'' — حضرت ابراہیمؑ نہایت متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ہمیشہ آپ کا دسترخوان مہمانوں کے لئے بچھا رہتا تھا۔ اس لئے آپ مہمانوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے — اور کچھ دیر نہ لگائی کہ آپ تلا ہوا بچھڑا لے آئے — یعنی بچھڑا ذبح کر کے تکے بنائے اور بھون کر مہمانوں کے سامنے لے آئے — پھر جب آپؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو آپ

نے ان کو بے گانہ سمجھا اور ان سے خطرہ محسوس کیا ــــ کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ کس غرض سے آئے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے! ماجرا کیا ہے؟ دشمن تو نہیں ہیں؟ برے ارادے سے تو نہیں آئے؟ غرض طرح طرح کے اندیشے دل میں جنم لینے لگے ــــ فرشتوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کا اضطراب دیکھا تو ــــ انھوں نے کہا کہ ''آپ نہ ڈریئے، ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے ہوئے فرشتے ہیں'' ــــ یعنی ہم خدا کے فرشتے ہیں اور قومِ لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں ــــ اور آپؑ کی بیوی ــــ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہیں ــــ کھڑی ــــ سن رہی ــــ تھیں، پس وہ ہنس دیں ــــ کہ لو بھئی کھودا پہاڑ نکلی چوہیا! ہم نے تو مہمان جان کر کس قدر اہتمام کیا اور وہ نکلے فرشتے! ــــ پس ہم نے ان کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد (ان کے بیٹے) یعقوب کی خوش خبری سنائی ــــ یہ بشارت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے سنائی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پہلے ہی سے موجود تھے۔ البتہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک لاولد تھیں۔ اور اس بنا پر ان کا دل غمگین تھا اور تمنا رکھتی تھیں کہ ان کو بھی بیٹا ملے، مگر بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں، اس لئے فرشتوں نے اللہ پاک کی طرف سے ان کو یہ خوش خبری سنائی ــــ وہ بولیں: ''میں موئی! کیا میں بچہ جنوں گی، جبکہ میں بڑھیا ہو گئی اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے! یہ تو واقعی بڑی عجیب بات ہے'' ــــ اس آخری بات سے کہ: ''یہ تو واقعی بڑی عجیب بات ہے'' معلوم ہوا کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بشارت کی صداقت کا پورا یقین تھا ــــ اور ''میں موئی'' یہ زنانہ اندازِ گفتگو ہے ــــ فرشتوں نے کہا: ''تم اللہ پاک کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟'' ــــ یعنی عادۃً اگرچہ اس عمر میں اولاد نہیں ہوتی، مگر اللہ پاک کی قدرت سے اولاد ہونا کچھ بعید نہیں، پس جب ہم اللہ پاک کی طرف سے تم کو خوش خبری دے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ تمہیں حیرت ہو ــــ اے نبیؑ کے گھر والو! تم پر تو اللہ پاک کی رحمتیں اور برکتیں ہوتی ہی رہتی ہیں ــــ یعنی جس گھرانے پر اللہ پاک کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہوں، اور جنھیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہو، کیا ان کے لئے بھی یہ کوئی عجیب بات ہے؟ ان کا تعجب کرنا تو خود قابلِ تعجب ہے۔ انھیں تو یہ لائق تھا کہ خوش خبری سن کر تعجب کے بجائے اللہ پاک کی تحمید و تمجید کرتے، کیونکہ ــــ بالیقین اللہ پاک نہایت قابلِ تعریف، بڑی شان والے ہیں۔

پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہوئی، اور ان کو خوش خبری مل گئی تو وہ ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگے ــــ یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِدھر سے اطمینان ہو گیا، تو آپ کی نرم دلی اور جذبۂ ہمدردی ابھر آیا، اور آپ نے قومِ لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کی۔ فرمانے لگے: تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جا رہے ہو جس میں لوط جیسا برگزیدہ نبی موجود ہے؟ ــــ ابراہیم درحقیقت بردبار، نرم دل اور ہر حال میں اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے

ہیں—— یہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیمؑ کی اس سعی کی مدح فرمائی جو انہوں نے قوم لوط کے سلسلہ میں کی کہ یہ ان کے حلم، رحم، شفقت اور تعلق مع اللہ کا نتیجہ ہے—— اے ابراہیم! اس بات کو جانے دیجئے، بالتحقیق آپ کے رب کا حکم ہو چکا ہے، اوران پر ضرور وہ عذاب آنے والا ہے جو کسی کے پھیرے نہیں پھر سکتا—— یعنی اب بات ٹلنے والی نہیں، وقت آ پہنچا ہے، البتہ لوط علیہ السلام اوران کے خاندان کو ہم عذاب سے بچا لیں گے مگر لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کی حمایت اوران کی بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں شرکت کی وجہ سے قوم لوط ہی کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ، حضرت لوط علیہ السلام کی سرگذشت کی تمہید میں دو وجہ سے سنایا گیا ہے:

① —— فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی تھی ایک یہ کہ قوم لوط کی ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ دوسری یہ کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اوران سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے فرشتوں نے ایک ہی وقت میں یہ دونوں باتیں بتلائیں ہیں، جن میں سے ایک سے ایمان اور نیک عملی کی کامرانی کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسری سے انکار و بدعملی کی ہلاکت کا۔

> جس دن یہ بات بتلائی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے، اسی دن یہ بشارت بھی دی گئی کہ نیک عملی کے نتیجہ میں ایک نئی نسل تیار ہونے والی ہے جو عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرے گی۔

② —— نزول سورت کے وقت مخاطب قریش کے لوگ تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس گھمنڈ میں مبتلا تھے کہ ہم کچھ بھی کریں ہمارے لئے نجات یقینی ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کرنے کو موجود ہیں—— ان کو پہلے تو حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کا واقعہ سنایا، اس کے بعد اب یہ دوسرا واقعہ سنایا کہ ایک طرف تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بے پایاں عنایات ہیں، مگر ابراہیم خلیل اللہ جب قوم لوط کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں تو ان کے اصرار و الحاح کے باوجود ان کی سفارش رد کر دی جاتی ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ ع

وَلَمَّا جَاءَتْ	اور جب آئے	عَصِيبٌ (۳)	سخت (ہے)	هٰٓؤُلَاءِ	یہ
رُسُلُنَا	ہمارے بھیجے ہوئے	وَجَاءَهُ	اور آئی ان کے پاس	بَنَاتِي	میری بیٹیاں (ہیں)
	(فرشتے)	قَوْمُهُ	ان کی قوم	هُنَّ أَطْهَرُ	وہ پاکیزہ (ہیں)
لُوطًا	لوط (کے پاس)	يُهْرَعُونَ	درانحالیکہ وہ دوڑ رہے تھے	لَكُمْ	تمہارے لئے
سِيءَ (۱)	(تو) غمگین کئے گئے وہ	إِلَيْهِ	ان کی طرف	فَاتَّقُوا	پس ڈرو تم
بِهِمْ	ان کی وجہ سے	وَمِن قَبْلُ	اور پہلے سے	اللّٰهَ	اللہ پاک (سے)
وَضَاقَ	اور تنگ ہوئے وہ	كَانُوا	تھے وہ	وَلَا	اور نہ
بِهِمْ	ان کی وجہ سے	يَعْمَلُونَ	کیا کرتے	تُخْزُونِ	رسوا کرو مجھ کو
ذَرْعًا (۲)	دل میں	السَّيِّئَاتِ	بدکاریاں	فِي ضَيْفِي	میرے مہمانوں میں!
وَقَالَ	اور کہا (اس نے)	قَالَ	کہا اس نے	أَلَيْسَ	کیا نہیں ہے
هٰذَا يَوْمٌ	یہ دن	يَا قَوْمِ	اے میری قوم!	مِنكُمْ	تم میں

(۱) سَاءَ (ن) سَوْءً افلانًا: غمگین کرنا، سِيءَ فعل ماضی مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب غمگین کیا گیا (۲) ذَرْعٌ مصدر ہے ہاتھ کا پھیلاؤ مجازاً طاقت، وسعت مراد ہوتی ہے اور ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا کے معنی دل تنگ ہونے اور کڑھنے کے ہیں (۳) عَصِيبٌ صفت مشبہ کا صیغہ، عَصَبَ (ض) عَصْبًا: سخت کسنا، باندھنا۔

رَجُلٌ	کوئی آدمی	اِنَّا	بے شک ہم	مَوْعِدَهُمُ	ان کے وعدہ کا وقت
رَّشِيْدٌ	بھلا!	رُسُلُ	بھیجے ہوئے (ہیں)	الصُّبْحُ	صبح ہے
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	رَبِّكَ	آپ کے رب کے	اَلَيْسَ	کیا نہیں ہے
لَقَدْ	البتہ تحقیق	لَنْ	ہرگز نہیں	الصُّبْحُ	صبح
عَلِمْتَ	جانتا ہے تو	يَّصِلُوْٓا	پہنچیں گے وہ	بِقَرِيْبٍ	نزدیک؟
مَا	(کہ) نہیں (ہے)	اِلَيْكَ	آپ تک	فَلَمَّا جَآءَ	پس جب آیا
لَنَا	ہمارے لئے	فَاَسْرِ	سو لے چلئے آپ	اَمْرُنَا	ہمارا حکم
فِيْ بَنٰتِكَ	تیری بیٹیوں میں	بِاَهْلِكَ	اپنے گھر والوں کو	جَعَلْنَا	(تو) کیا ہم نے
مِنْ حَقٍّ	کوئی حصہ	بِقِطْعٍ	کسی حصہ میں	عَالِيَهَا(۲)	ان بستیوں کے اوپر
وَاِنَّكَ	اور بالتحقیق تو	مِّنَ الَّيْلِ	رات کے		کے حصہ کو
لَتَعْلَمُ	البتہ جانتا ہے	وَلَا	اور نہ	سَافِلَهَا	ان بستیوں کا نیچے کا حصہ
مَا نُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں ہم	يَلْتَفِتْ	مڑ کر دیکھے	وَاَمْطَرْنَا	اور برسائے ہم نے
قَالَ	کہا (لوط نے)	مِنْكُمْ	تم میں سے	عَلَيْهَا(۲)	ان بستیوں پر
لَوْ اَنَّ لِيْ(۱)	اگر ہوتی مجھ میں	اَحَدٌ	کوئی	حِجَارَةً	پتھر
بِكُمْ	تم سے (نمٹنے کی)	اِلَّا	مگر مستثنیٰ ہے	مِّنْ سِجِّيْلٍ(۳)	کھنگر کے
قُوَّةً	طاقت	امْرَاَتَكَ	آپ کی بیوی	مَّنْضُوْدٍ	لگاتار (تابڑتوڑ)
اَوْ اٰوِيْٓ	یا پناہ پکڑتا میں	اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے	مُّسَوَّمَةً(۴)	نشانی کئے ہوئے
اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ	کسی مضبوط پایہ کی!	مُصِيْبُهَا	(کہ) اس کو پہنچنے والا	عِنْدَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے پاس
			(ہے)	وَمَا هِيَ	اور نہیں ہیں وہ (بستیاں)
قَالُوْا	کہا (مہمانوں نے)	مَآ اَصَابَهُمْ	جو پہنچا ان کو	مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں سے
يٰلُوْطُ	اے لوط!	اِنَّ	بالیقین	بِبَعِيْدٍ	کچھ دور

(۱) لَوْ شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور بِكُمْ حال ہے قُوَّةً سے (روح) (۲) ضمیر ھا اور ھی کا مرجع قوم لوط کی بستیاں ہیں (۳) السِّجِّيْلُ: الطينُ الْمُتَحَجِّرُ (روح) (۴) مسوَّمۃ صفت ہے حجارۃ کی۔

چوتھا واقعہ: لوط علیہ السلام کی قوم کا

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر سَدُوم پہونچے۔اور لوط علیہ السلام کے یہاں مہمان ہوئے۔یہ اپنی شکل وصورت میں حسین وخوب صورت اور عمر میں لونڈے تھے[۱] حضرت لوط علیہ السلام ان مہمانوں کو دیکھ کر گھبرائے،اور ڈرے کہ نہ معلوم بد بخت قوم ان معزز مہمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی،اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں

—— اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے،تو وہ ان کی وجہ سے غمگین اور تنگ دل ہوا اور کہنے لگا: ''یہ سخت دن ہے!''—— یعنی آپؑ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بدمعاش ان مہمانوں کا پیچھا کریں گے،مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل،اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی مشکل!

ابھی حضرت لوط علیہ السلام اسی الجھن میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی—— اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی آئی۔اور پہلے سے وہ بدکاریاں کرتے تھے—— یعنی وہ اس خبیث عمل کی نحوست سے اس قدر بے حیا ہو چکے تھے کہ بَرمَلا حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ آئے،اور مطالبہ کرنے لگے کہ مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔

لوط نے کہا: ''اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں[۲] ہیں۔وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔پس اللہ کا خوف کرو،اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟!—— حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ اپنی شہوت فطری اور جائز طریقوں سے پوری کرو،اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں،تمہارے گھروں میں میری بیٹیاں تمہاری رفیقۂ حیات موجود ہیں،جو تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہیں۔پس تم اللہ کا خوف کرو،اس ملعون اور خبیث کام پر اصرار نہ کرو یا کم از کم میری ہی رعایت کرو کہ میں ان مہمانوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوؤں۔کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں جسے میری بات اپیل کرے؟

ان لوگوں نے جواب دیا: ''تم جانتے ہو کہ ہمارا تمہاری بیٹیوں میں کوئی حصہ نہیں''—— یعنی ہمیں اپنی بیویوں میں کوئی رغبت نہیں—— اور ''تمہاری بیٹیوں'' طنز ہے—— اور بالیقین تم وہ بات بھی جانتے ہو جو ہم چاہتے ہیں—— پھر اتنی حجت وتکرار کیوں کرتے ہو؟ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورا کئے بغیر ہٹنے والے نہیں!

(۱) لونڈا وہ لڑکا جس کی ڈاڑھی مونچھ نہ نکلی ہو (۲) حضرت لوط علیہ السلام کا اشارہ قوم کی لڑکیوں کی طرف تھا،جو بیوی کی حیثیت سے ان کے گھروں میں موجود تھیں۔اپنی صاحبزادیوں کی طرف اشارہ نہیں تھا،کیونکہ مشہور قول کے مطابق آپ کی صرف دو صاحبزادیاں تھیں (روح) اس لئے اگر اپنی صاحب زادیاں مراد ہوتیں تو آپ بَنَاتِيْ جمع کے بجائے بِنْتَايَ تثنیہ فرماتے —— قرآن کریم واقعہ نقل کرتا ہے جس میں حکایت کا محکی عنہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

لوط نے کہا: ''کاش مجھ میں تم سے نمٹنے کا بَل ہوتا، یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑے ہوئے ہوتا!— حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے یہ بات انتہائی پریشانی کی حالت میں بے ساختہ نکلی ہے کہ اگر مجھ میں بذاتِ خود تم سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی، یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا کنبہ اور جتھا ہوتا تو میں تم سب کو تمہاری شرارتوں کا مزہ چکھاتا۔

لوط علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں، کنبہ، خاندان اور جتھے سے بھی زیادہ مضبوط پایے کی یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑے ہوئے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ ﴿يَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطاً لَقَدْ كَانَ يَاوِىْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ﴾[1] اللہ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائیں! قسم بخدا! وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کئے ہوئے تھے یعنی درحقیقت وہ بے سہارا نہیں تھے۔ مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے چینی کی وجہ سے اُدھر خیال نہ گیا، بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی، اس سے لوط علیہ السلام کی دل تنگی اور پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت آپ کس قدر پریشان ہوئے ہوں گے؟ ترمذی شریف میں یہ بھی ہے: ﴿فَمَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ نَبِيّاً اِلَّا فِىْ ذِرْوَةٍ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ [2] یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ پاک نے قبیلہ کی معزز شاخ ہی میں نبی بھیجے

غرض جب حضرت لوط علیہ السلام کے اضطراب اور بے چینی کی حد ہوگئی تو— مہمانوں نے کہا: ''اے لوط! بیشک ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں'' — آپ مطلق پریشان نہ ہوں— یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہونچ سکتے — کہتے ہیں کہ وہ بدمعاش دروازہ توڑ کر دیوار پھاند کر اندر گھسے جاتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے باذن الٰہی اپنا ایک بازو ان ملعونوں کی طرف ہلایا تو سب کے سب اندھے ہوگئے۔ اور ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے، اور کہنے لگے کہ بھاگو! بھاگو! لوط کے گھر میں جادوگر ہیں!

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت دی کہ— اب آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصہ میں لے چلئے — یعنی آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر چپکے سے یہاں سے نکل جائیے— اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے— یعنی آپ لوگوں کو بس یہ فکر ہونی چاہئے کہ کسی طرح جلد سے جلد اس علاقے سے نکل جائیں— مگر آپ کی بیوی مستثنیٰ ہے، بالیقین اسے وہ عذاب پہنچ کر رہے گا جو اور لوگوں کو پہنچنے والا ہے— یعنی آپ کی بیوی ان ہی بے حیاؤں کی رفاقت میں رہے گی اور آپ لوگوں کا ساتھ نہ دے گی— چنانچہ رات کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت سَدُوم سے رخصت ہوگئے۔ اور ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کردیا یا وہ راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم

(۱) بخاری شریف ص ۴۷۹ (۲) ج ۲ ص ۱۳۹ ابواب التفسیر۔

واپس گئی۔اور قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی۔

فرشتوں نے یہ بھی بتلایا کہ —— ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے، صبح ہونے میں اب دیر ہی کیا ہے؟—— یعنی صبح ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائے گا۔

پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ان بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا —— یعنی تل پٹ کر دیا —— غالباً یہ عذاب سخت دھماکے، شدید زلزلے اور آتش فشانی انفجار کی شکل میں رونما ہوا ہوگا، زلزلے نے سب بستیوں کو تل پٹ کر دیا —— اور ان بستیوں پر ہم نے کھنگر کے پتھر تابڑ توڑ برسائے، جو آپ کے رب کے پاس سے نشان زدہ تھے —— یعنی پتھر اللہ پاک کی طرف سے نامزد کیا ہوا تھا کہ اسے کس مجرم پر پڑنا ہے —— یہ زور کا پتھراؤ ان لوگوں پر آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ہوا تھا —— کھنگر یعنی پکی ہوئی مٹی سے مراد وہ مُتَحَجَّر مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیر زمین حرارت اور لاوے کے اثر سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے —— اور وہ بستیاں ناانصافوں سے کچھ دور نہیں! —— یعنی زمانے کے اعتبار سے بھی قریب ہیں کیونکہ عاد و ثمود کے بعد ہی ان کا وجود ہوا تھا اور جگہ کے اعتبار سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ وہ بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھیں اور مشرکین مکہ کے تجارتی قافلے ہر سال ان کھنڈرات کا مشاہدہ کرتے تھے۔

سَدُّوم اور عَمُورَہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا مگر لوگوں کی بدعملیوں کی پاداش میں ایسا اجڑا کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکا!

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

وَاِلٰى مَدْيَنَ	اور مدین کی طرف (بھیجا ہم نے)	اَخَاهُمْ شُعَيْبًا	ان کے بھائی شعیب کو	قَالَ يٰقَوْمِ	کہا انھوں نے اے میری قوم!

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
اعْبُدُوا	عبادت کرو تم	اَخَافُ	اندیشہ محسوس کرتا ہوں	وَلَا تَعْثَوْا (۷)	اور نہ خرابی مچاؤ تم
اللّٰهَ	اللہ پاک (کی)	عَلَيْكُمْ	تمہارے بارے میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	عَذَابَ	عذاب کا	مُفْسِدِيْنَ (۸)	بگاڑ پھیلاتے ہوئے
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی معبود	يَوْمٍ مُّحِيْطٍ (۴)	گھیرنے والے دن (کا)	بَقِيَّتُ اللّٰهِ (۹)	برکت اللہ کی
غَيْرُهٗ	ان کے سوا	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری قوم!	خَيْرٌ	بہتر (ہے)
وَلَا تَنْقُصُوا	اور نہ گھٹاؤ تم	اَوْفُوا (۵)	پورا کیا کرو تم	لَّكُمْ	تمہارے لئے
الْمِكْيَالَ (۱)	ناپ	الْمِكْيَالَ	ناپ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم ہو
وَالْمِيْزَانَ (۲)	اور تول	وَالْمِيْزَانَ	اور تول	مُّؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والے
اِنِّيْٓ	بالیقین میں	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	وَمَآ	اور نہیں (ہوں)
اَرٰىكُمْ	دیکھتا ہوں تم کو	وَلَا تَبْخَسُوا (۶)	اور نہ گھاٹا دو تم	اَنَا	میں
بِخَيْرٍ (۳)	آسودہ حال	النَّاسَ	لوگوں (کو)	عَلَيْكُمْ	تم پر
وَّاِنِّيْٓ	اور یقیناً میں	اَشْيَآءَهُمْ	ان کی چیزوں (میں)	بِحَفِيْظٍ (۱۰)	نگہبان

پانچویں سرگذشت: شعیب علیہ السلام کی قوم مدین والوں کا واقعہ

یہاں سے پانچویں سرگذشت شروع ہوتی ہے۔ یہ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم مدین کی سرگذشت ہے ـــ ''مدین'' قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے مدین یا مدیان کی نسل سے تھا، جو آپ کی تیسری حرم حضرتِ قطورا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل اس خاندان کو ''بنی قطورا'' کہتے تھے۔

حضرت مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں

(۱) اَلْمِكْيَال (اسم آلہ) ناپنے کا پیمانہ كَالَ (ض) كَيْلًا ناپنا (۲) اَلْمِيْزَان (اسم مصدر اور اسم آلہ) تول، ترازو (۳) بَخَيْرٍ محذوف سے متعلق ہے أی: متلبسين بثروة واسعة (روح) اور اَرٰی کا دوسرا مفعول ہے (۴) مُحِيْط باب افعال سے اسم فاعل ہے اَحَاطَ اِحَاطَةً: ہر طرف سے گھیر لینا (۵) اَوْفُوْا فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اَوْفٰى بِالْوَعْدِ: پورا کرنا (٦) بَخَسَ (ف) بَخْسًا: گھٹانا (۷) عَثَا يَعْثُوْا عُثُوًّا: فساد میں مبالغہ کرنا (۸) مُفْسِدِيْنَ حال ہے تَعْثَوْا کی ضمیر فاعل سے (۹) بقية الله، اى بقية من الله: تجارت میں ملنے والا نفع (۱۰) حَفِيْظ بروزن فَعِيْل: بمعنی فاعل: نگہبان، حفاظت کرنے والا۔

حجاز ہی میں آباد ہوگئے تھے۔آپ کا خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا اور آپ کے نام پر قبیلہ کی بستی کا نام بھی ''مدین'' مشہور ہوا۔۔۔ بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سَیناء کے درمیان گزری ہے جسے اب خلیج عقبہ کہتے ہیں، اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا۔یہ جگہ عرب کے مغرب شمال میں واقع ہے، ملکِ شام سے متصل ہے اور حجاز کا آخری حصہ کہی جاسکتی ہے، یہ جگہ تبوک کے بالمقابل واقع ہے ۔۔۔ آب وہوا کی لطافت اور نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو سرسبز وشاداب علاقہ بنادیا تھا۔یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کی اس قدر بہتات تھی کہ سارا ملک گل وگلزار بن گیا تھا، ہر طرف باغات وچمن پھیلے ہوئے تھے، نہایت خوب صورت اور شاداب گھنے درختوں نے پورے علاقہ کو دلہن کی طرح سجا رکھا تھا، الغرض اللہ پاک کا فضل ہر چیز سے عیاں تھا۔۔۔ مگر لوگ اللہ پاک کے نافرمان بن چکے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ ملت کو خیرباد کہہ چکے تھے۔سچے مذہب کی قدروں کو بھلا چکے تھے اور ساری قوم گمراہی کے بھنور میں پھنس چکی تھی۔اپنی بداعمالیوں میں اس قدر سرمست، سرشار اور دیوانی ہوچکی تھی کہ لمحہ بھر کے لئے اسے احساس نہیں ہوتا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ معصیت اور اللہ پاک کی نعمتوں کی ناقدری ہے۔۔۔ خداپرستی اور توحید کی جگہ بت پرستی اور مشرکانہ رسم ورواج نے لے لی تھی۔لین دین میں پورا لینا اور کم دینا ان کی فطرت بن گئی تھی، معاملات میں گھاٹا دینا اور لوگوں کی راہ مارنا ہنر بن گیا تھا۔۔۔ ایسے وقت میں سنت اللہ کے مطابق ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ارشاد ہے۔۔۔ اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔۔۔ تاکہ لوگ اوروں کی نہ سنیں تو اپنے بھائی کی تو سنیں۔۔۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین قبیلہ ہی کے ایک ہونہار فرد تھے، بڑے فصیح اور نہایت بلیغ مقرر تھے، شیریں کلامی، حسن خطابت، طرزِ بیان میں آپ کا جواب نہیں تھا۔مفسرین کرام آپؑ کو خطیب الانبیاء (انبیاء کے مقرر) کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔آپ نے اپنی گمراہ قوم کو راہِ راست دکھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔آپ نے سب سے پہلے ان کو تین باتوں کی دعوت دی:

(۱) ۔۔۔ توحید۔۔۔ یعنی صرف اللہ پاک کی عبادت کی جائے۔

(۲) ۔۔۔ معاملات میں دیانت داری۔۔۔ یعنی ناپ تول میں انصاف ملحوظ رکھا جائے۔

(۳) ۔۔۔ اصلاح معاشرت۔۔۔ یعنی ملک میں فساد نہ مچایا جائے۔

اور سب سے زیادہ زور آپؑ نے دوسری بات پر دیا۔اسلوب بدل بدل کر ان کو سمجھایا۔کیونکہ معاملات میں بددیانتی مدین والوں کا ایسا روگ تھا جو صدیوں پرانا ہوچکا تھا۔

خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب تفصیل پڑھیں۔۔۔ انھوں نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ پاک کی عبادت کرو، اس کے

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں!''— حضرت شعیب علیہ السلام نے سب سے پہلے قوم کو خدا پرستی اور توحید کی دعوت دی، کیونکہ کفر وشرک سب گناہوں کی جڑ ہے۔ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو سب سے پہلے ایمان ہی کی دعوت دی جاتی ہے۔ نجات وعذاب کی بنیاد بھی ایمان وکفر ہے۔ اس وجہ سے سب نبیوں نے اپنی قوموں کو سب سے پہلے توحید ہی کی دعوت دی ہے۔

غور کیجئے! انسان کو اللہ پاک نے پیدا فرمایا، اسے زندگی دی اور زندگی کا تمام سامان دیا، اسے عقل وفہم سے بہرہ ور فرمایا۔ اب یہ عقل کا اندھا خالق ومالک کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجنے لگا۔ بتلائیے اس سے بڑا کوئی ظلم ہوسکتا ہے؟ ناانصافی کی آخر کوئی تو حد ہو، ایسا تو نہ ہو کہ انسان اپنے خالق ومالک ہی کو بھول جائے اور جن چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں، ان کو پروردگار کے مرتبہ میں تو نہ لا اتارے — مگر ہائے انسان کی بدقسمتی! وہ برابر یہ غلطی کئے چلا جارہا ہے۔ اللہ پاک کے مخلص بندوں نے پوری دل سوزی سے ہمیشہ اس کو اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ اللہ پاک کے سوا کوئی معبود نہیں — مگر نہ معلوم نادان انسان کن چیزوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اور اپنے سب سے قیمتی سرمایہ ''عبادت'' کو اس طرح برباد کررہا ہے! اسے چاہئے تھا کہ صرف اللہ پاک کی عبادت کرتا، جو اس کے اور کائنات کے ذرے ذرے کے خالق ومالک اور سچے پروردگار ہیں۔

''اور تم ناپ تول نہ گھٹاؤ''— یعنی ناپنے تولنے میں خیانت نہ کرو، نہ حق سے زیادہ لو، نہ حق سے کم دو— مدین والوں میں شرک وصنم پرستی کے علاوہ متعدد اخلاقی بیماریاں جڑ پکڑے ہوئے تھیں۔ وہ لوگ کاروبار میں خیانت کرتے تھے۔ ناپ تول میں انصاف سے ناآشنا تھے۔ اس وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ ان کو اس معصیت سے روکا۔ آپ نے ان کو سمجھایا کہ خرید وفروخت کے معاملہ میں ہمیشہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جس کا جو حق ہے وہ اس کو پورا پورا ملے۔ کاروبار کی یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے متزلزل ہوجانے سے ہر قسم کی زیادتی، فسق وفجور، مہلک خرابیاں اور اخلاقی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

آج بھی ہماری غلطیوں میں سب سے بڑی مہلک غلطی یہ ہے کہ ہم قرآنِ عزیز کی تعلیم سے یکسر غافل ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسلامی زندگی بس ''عبادات'' ہی کا نام ہے۔ معاملات میں درست کاری اور اصلاح معاشرہ کو اسلام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ آپ کو اچھے خاصے پرہیزگار لوگ بھی حقوق العباد اور معاملات میں بے پروا نظر آئیں گے۔ حالانکہ حقوق العباد کی حفاظت، کاروبار میں امانت اور معاملات میں دیانت کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے وعظ فرمایا ہو اور یہ

ارشاد نہ فرمایا ہو کہ: ''جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں''(۱) — حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سچا اور امانت دار سوداگر، انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''(۲) — حضرت رِفاعہ رضی اللہ عنہ حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: ''تاجر قیامت کے دن فاجر (بدکار) اٹھائے جائیں گے۔ البتہ وہ تاجر اس سے مستثنیٰ ہیں جو کاروبار میں تقویٰ، نیکی، حسن سلوک اور سچائی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے''(۳)

خود قرآن پاک میں پچھلی امتوں اور قوموں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ سرمایہ صد ہزار عبرت ہیں۔ غور فرمایئے اللہ پاک کے جلیل القدر پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام مدین والوں کو ایمان و توحید کی دعوت کے بعد فوراً ہی کاروبار میں اصلاح کا مشورہ دے رہے ہیں۔

یہاں ایک خاص بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ناپ تول کی کمی سے اصل مراد یہ ہے کہ کسی کا جو حق اپنے ذمہ ہے اس کو پورا ادا نہ کیا جائے بلکہ اس میں کمی کی جائے۔ خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا دوسری طرح کی۔ پس اگر کوئی ملازم اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے یا کسی دفتر کا ملازم یا کوئی مزدور اپنے کام کے مقررہ وقت میں کمی کرتا ہے یا مقررہ کام کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ بھی تَطْفِیف (ناپ تول میں کمی کرنے) کا مجرم ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص نماز کے آداب وسنن پورے طور پر بجا نہیں لاتا وہ بھی تطفیف کا مجرم ہے۔ انسانی کردار کا یہ کمال ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور ان کے بندوں کے تمام حقوق پوری طرح ادا کئے جائیں اور کسی موقع اور کسی حالت میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

''بالیقین میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں'' — مدین قبیلہ جہاں آباد تھا وہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا سنگم اور نقطۂ اتصال تھی، سورۃ الحجر میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ ''بڑی شاہراہ پر آباد تھے'' یعنی بڑی تجارتی سڑک ان کے علاقہ سے گزرتی تھی، اس وجہ سے مدین شہر تجارت کی بڑی منڈی بن گیا تھا اور لوگ خوش حال ہو گئے تھے۔ اسی خوش حالی کی نعمت کو حضرتِ شعیب علیہ السلام یاد دلا رہے ہیں کہ میں تم لوگوں کو آسودہ حال پاتا ہوں، تم کوئی مفلوک الحال، کنگال اور محتاج نہیں ہو، پھر کاروبار میں خیانت کیوں کرتے ہو؟ تمھیں تو یہ چاہئے کہ اللہ پاک کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔ اپنی مالداری اور خوش حالی سے لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ آخر یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ الٹے دوسروں کا حق مارتے ہو۔ تمہارا یہ طریقہ پوری نسل کے لئے شدید خطرہ ہے، اس سے ملک میں فسادِ عظیم پھیل جائے گا۔

''اور (سنو! اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو) بالیقین مجھے دھڑکا لگا ہوا ہے تم پر چھا جانے والے دن کے عذاب

---

(۱) رواہ البیهقی فی شعب الإیمان (مشکوٰۃ ج۱ ص۱۵) (۲) رواہ الترمذی والدارمی والدار قطنی عن ابی سعید، وابن ماجه عن ابن عمر (مشکوٰۃ ص۲۴۳) (۳) رواہ الترمذی وابن ماجة والدارمی (مشکوٰۃ ص۲۴۴)

کا‘‘ـــــ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تمہاری یہ حرکت ایسی ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر ایسا کوئی عذاب نہ آجائے جو پوری قوم کو گھیر لے اور تم میں سے کوئی نہ بچے۔

حقیقی عذاب آخرت کا عذاب ہے جس کا آغاز عام طور پر عالم قبر (برزخ) سے ہوتا ہے۔ مرتے ہی ہر مجرم کو عذاب پکڑ لیتا ہے۔ مگر کبھی یہ عذاب اسی دنیا سے شروع ہوجاتا ہے۔ اسی دنیا میں خاص بدکار لوگوں پر یا پوری قوم پر عذاب نازل ہوجاتا ہے۔ یہ دنیوی عذاب، اخروی عذاب ہی کا ایک معمولی حصہ ہوتا ہے۔

جب عذاب کا کوئی حصہ اس دنیا میں نمودار ہوتا ہے تو اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ بادلوں سے آگ برسنا، زمین میں زلزلہ آجانا، بارش کا نہ تھمنا، قحط سالی، گرانی اشیاء، باہمی افتراق اور گروہ بندیاں عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔

اور قانون فطرت میں کسی قسم کی بے ضابطگی نہیں، بلکہ عذاب نازل ہونے کے اصول مقرر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صاف آگاہ کیا ہے کہ فلاں فلاں گناہ ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے پوری قوم برباد ہوجاتی ہے اور فلاں فلاں گناہ ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے خاص گنہ گاروں اور مجرموں پر عذاب نازل ہوتا ہے مثلاً زنا کاری، تلذذ بالمثل، بھلائیوں کا حکم نہ دینے اور برائیوں سے نہ روکنے اور ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال پوری قوم پر نازل ہوتا ہے۔ جو گناہوں میں ملوث نہیں وہ بھی عذاب سے نہیں بچتے اور سود خوری کا وبال خاص سود خوار ہی پر نازل ہوتا ہے۔

اسی طرح محسن انسانیت ﷺ نے اس بات سے بھی آگاہ کردیا ہے کہ کونسا گناہ کرنے سے کونسا عذاب نازل ہوتا ہے۔ مثلاً خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ سود خور خبطی ہوجاتا ہے اور حدیث شریف میں اللہ پاک کے سچے رسول ﷺ کا بالکل سچا ارشاد مروی ہے کہ: جس قوم میں خیانت کی وبا پھوٹ پڑتی ہے اس پر مرعوبیت چھا جاتی ہے اور جس قوم میں زنا عام ہوجاتا ہے ان میں مرنے والوں کی کثرت ہوجاتی ہے۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے اس کی روزی اللہ پاک بند کردیتے ہیں اور جو قوم ناحق فیصلے کرنے لگتی ہے اس میں خوں ریزی شروع ہوجاتی ہے اور جو قوم بے وفائی کرنے لگتی ہے اس پر دشمن مسلط ہوجاتا ہے [1]

’’اور اے میری برادری! تم انصاف سے ناپ اور تول پورا کیا کرو‘‘ـــــ یہ معاملات میں دیانتداری کی اہمیت کو ایک دوسرے انداز سے سمجھایا ہے کیونکہ ناپ تول میں کمی کرنے کی مخالفت میں پورا ناپنا تولنا خود ہی ضروری ہوجاتا ہے۔ مگر چونکہ خرید و فروخت میں حق تلفی مدین والوں کی ایک ایسی بیماری تھی جو صدیوں پرانی ہوچکی تھی اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے مختلف انداز سے قوم کو سمجھایا تاکہ کسی طرح بات ان کی سمجھ میں آجائے ـــــ آپ نے فرمایا کہ لوگو! انصاف کا

(۱) رواہ مالک عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (مشکوٰۃ ص ۴۵۹)

تقاضا ملحوظ رکھو، عدل کی ترازو کبھی ہاتھ سے نہ دو، خرید وفروخت میں ناپ تول پورا کیا کرو —— ''اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو'' —— کیونکہ اس سے انسانی شرافت کا خون ہوتا ہے، اخوت اور مؤدت کا رشتہ منقطع ہوتا ہے۔ لالچ، حرص، خود غرضی، خِسّت اور دنائت جیسے رذائل نفس میں جنم لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ستیاناس ہو جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورے پیمانے سے لیتے ہیں مگر جب دینے کا وقت آتا ہے تو پیمانہ اوچھا بھرتے ہیں یا ترازو کی ڈنڈی مارتے ہیں۔

''اور زمین میں فساد مت مچایا کرو'' —— یعنی لوٹ مار نہ کرو۔ ملک میں شر وفساد نہ پھیلاؤ۔ راہزنی اور ڈاکہ زنی چھوڑو۔ کیونکہ اللہ پاک کی زمین میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں!

''اللہ پاک کی عنایت فرمودہ بچت تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو'' —— یعنی ایک ایماندار بندے کے لئے کاروبار میں ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کرنے کے بعد جو اللہ پاک کا دیا ہوا نفع بچ رہتا ہے وہی بہتر ہے، چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اس میں برکت ہوگی۔ اور حرام طریقوں سے یا لوگوں کے حقوق مار کر جو بہت سارا مال اکھٹا کیا جاتا ہے وہ اگرچہ دیکھنے میں بہت نظر آتا ہے مگر اس میں کوئی بہتری نہیں ہوتی نہ اس میں برکت ہوتی ہے۔

''اور —— آخری بات حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ فرمائی کہ —— میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں'' —— یعنی میرا تم پر کوئی زور نہیں۔ میں تو بس ایک خیر خواہ ہوں۔ دلسوزی سے سمجھا رہا ہوں، آگے تمہیں اختیار ہے، چاہو مانو، چاہو نہ مانو۔ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑوں، تمہارے معاملات پر نگہبان اللہ پاک ہیں۔ تمہیں ان کی باز پرس سے ڈرنا چاہئے اور شرک وکفر اور معاملات میں بددیانتی سے باز آجانا چاہئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

قَالُوْا	انھوں نے جواب دیا	الْحَلِيْمُ	بردبار	اِلٰى مَآ	ان کاموں کی طرف
يٰشُعَيْبُ	اے شعیبؑ	الرَّشِيْدُ	راستباز (ہے)	اَنْهٰكُمْ	روکتا ہوں میں تم کو
اَصَلٰوتُكَ	کیا تیری نماز	قَالَ	آپ نے کہا	عَنْهُ	ان سے
تَاْمُرُكَ	تجھے حکم دیتی ہے	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	اِنْ اُرِيْدُ	نہیں چاہتا میں
اَنْ(۱)	کہ (تو ہمیں حکم دے)	اَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ	اِلَّا الْاِصْلَاحَ	مگر اصلاح
نَّتْرُكَ	(کہ) چھوڑ دیں ہم	اِنْ كُنْتُ(۳)	اگر ہوں میں	مَا اسْتَطَعْتُ	جہاں تک میرا بس چلے
مَا	وہ (چیزیں) جن کی	عَلٰى بَيِّنَةٍ	کھلی دلیل پر	وَمَا(۵)	اور نہیں (ہے)
يَعْبُدُ	پرستش کرتے تھے	مِّنْ رَّبِّيْ	اپنے رب کی طرف سے	تَوْفِيْقِيْٓ	میری توفیق
اٰبَآؤُنَآ	ہمارے باپ دادا	وَرَزَقَنِيْ	اور روزی عطا فرمائی	اِلَّا بِاللّٰهِ	مگر مدد خدوندی سے!
اَوْ اَنْ(۲)	یا یہ کہ		انھوں نے مجھے	عَلَيْهِ	انہی پر
نَّفْعَلَ	ہم کریں	مِنْهُ	اپنے ہاں سے	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے
فِيْٓ اَمْوَالِنَا	اپنے مالوں میں	رِزْقًا حَسَنًا	اچھی روزی	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف
مَا نَشٰٓؤُا	جو چاہیں؟	وَمَآ اُرِيْدُ	اور نہیں چاہتا میں	اُنِيْبُ	رجوع کرتا ہوں میں
اِنَّكَ	واقعی تو	اَنْ(۴) اُخَالِفَكُمْ	کہ تمہارے پیچھے آپ	وَيٰقَوْمِ	اور اے برادرانِ قوم!
لَاَنْتَ	تو البتہ		جاؤں	لَا يَجْرِمَنَّكُمْ(۶)	نہ کموائے تم سے

(۱) تقدیر عبارت اس طرح ہے تَاْمُرُكَ اَنْ تَاْمُرَنَا بِاَنْ نَتْرُكَ الخ درمیان سے تَاْمُرَنَا بِاَنْ کو حذف کیا گیا ہے (بیان القرآن) (۲) اَوْ عاطفہ ہے اور اَنْ نَفْعَلَ کا عطف مَايَعْبُدُ پر ہے (روح) (۳) جواب شرط محذوف ہے کیونکہ ابھی حضرت صالح علیہ السلام کی سرگذشت میں جواب مذکور ہو چکا ہے جو کافی قرینہ ہے یہاں کے جواب کے لئے۔ اور خود شرط سے بھی جواب مترشح ہو رہا ہے (روح البیان) (۴) ای: أقصده بعد ماولیتم عنه فاستبد به دونكم يقال: خالفني فلان إلى كذا: اذا قصده وانت مول عنه (روح) (۵) مَا مصدریہ زمانیہ (ظرفیہ) ہے جیسے مَادُمْتُ حَيًّا اپنی زندگی بھر فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ امکان بھر اللہ پاک سے ڈرتے رہو (۶) جَرَمَ (ض،ن) جَرْمًا متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے اور متعدی بدو مفعول بھی پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا کمانا جیسے جَرَمَ زَيْدٌ ذَنْبًا: زید نے گناہ کمایا، اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کموانا جیسے جَرَمْتُهُ ذَنْبًا میں نے اس سے گناہ کموایا۔ آیت پاک میں متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول ضمیر كُمْ ہے اور دوسرا مفعول اَنْ يُصِيْبَكُمْ ہے اور شِقَاقِيْ فاعل ہے (روح البیان)

شِقَاقِيْٓ (۱)	میری ضد	صٰلِحٍ	صالح (پر)	ثُمَّ (۲)	اور نیز
اَنْ يُّصِيْبَكُمْ	(یہ بات) کہ پڑے تم پر	وَمَا قَوْمُ	اور نہیں (ہے) قوم	تُوْبُوْٓا	متوجہ رہو تم
مِّثْلُ	جیسا	لُوْطٍ	لوط کی	اِلَيْهِ	اس کی طرف
مَآ اَصَابَ	کچھ پڑا	مِّنْكُمْ	تم سے	اِنَّ رَبِّيْ	بیشک میرے پروردگار
قَوْمَ نُوْحٍ	قوم نوح (پر)	بِبَعِيْدٍ	کچھ دور	رَحِيْمٌ	بڑے مہربان
اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ	یا قوم ہود (پر)	وَاسْتَغْفِرُوْا	اور معافی طلب کرو تم	وَّدُوْدٌ (۳)	بڑی محبت فرمانے
اَوْ قَوْمَ	یا قوم	رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار (سے)		والے (ہیں)

توحید اور معاملات میں دیانتداری کی دعوت کو قوم نے کیسے لیا؟

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید اور معاملات میں دیانتداری کی دعوت اس خوبی سے دی کہ اس سے بہتر ممکن نہیں، آپؑ نے اپنے حسن بیان سے لوگوں کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش میں انتہاء کردی۔ مگر لوگوں نے سب کچھ سننے کے بعد کیا جواب دیا؟ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر پھبتیاں کسیں، ٹھٹھا اڑایا، اور آپ کو کوسنا شروع کیا—— انھوں نے کہا: ''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے اموال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کریں؟ بس تم ہی تو عالی ظرف راستباز ہو!''—— قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے تمہارا وعظ سن لیا۔ کیا ہم صرف تمہارے کہنے سے بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کے ہو رہیں؟ کیا ہمارے سارے بزرگ جاہل اور احمق تھے، جو ہمیشہ ان کی عبادت کرتے رہے؟ اور کیا ہماری دولتوں میں ہمارا کوئی مالکانہ اختیار نہیں؟ مال ہم نے کمایا، محنت کر کے خون پسینہ ہم نے ایک کردیا پھر کیا اب ہمیں اس میں خودمختارانہ تصرف کرنے کا کوئی حق ہی نہیں رہا؟ تم یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟ کیا ساری قوم میں بس تم ہی ایک عالی ظرف، باوقار، نیک چلن اور راستباز آدمی ہو؟ کیا اس قسم کی باتیں کرنے کی تعلیم تمہیں تمہاری نماز دیتی ہے؟

لیجئے بیچاری نماز کی شامت آئی، وہی کوسی جانے لگی:

قوم یہ کہہ رہی ہے کہ یہ ساری بلا اسی کی لائی ہوئی ہے—— نماز، دینداری اور تقدس کو برا بھلا کہنے کا مرض آج بھی اس

(۱) شِقَاق باب مفاعلہ کا مصدر ہے جیسے خِلَاف خَالَفَ کا مصدر ہے اور ضِرَاب، ضَارَبَ کا مصدر ہے۔ شِقَاق کے معنی ہیں ضد، مخالفت، مقابلہ، اپنے دوست کی شق (جانب) کو چھوڑ کر دوسری شق میں ہونا (۲) ثُمَّ تراخیٔ حال وضع کیلئے ہے (دیکھئے سورۂ ہود کی شروع کی آیتیں) (۳) وَدُوْد مبالغہ کا صیغہ ہے وَدَّ (س) وُدًّا و مَوَدَّۃً: دل سے چاہنا۔

سوسائٹی میں پوری طرح موجود ہے جواللہ پاک سے غافل اورفسق وفجور میں ڈوبی ہوئی ہے۔فاسق لوگ دینداری کوسب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ نمازی اپنے عمل پر قانع نہیں رہتا، دوسروں کو بھی درست کرنے کی فکر کرتا ہے۔ خود گناہوں سے بچتا ہے اور دوسروں کو بھی سمجھاتا ہے۔اس وجہ سے فاسقوں کو کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اب یہ شخص دماغ کھائے گا۔ پھر اگر وہ نمازی دین سے غافل لوگوں کو انکے اندیشوں کے مطابق سمجھانے لگتا ہے تو وہ سیدھے نماز کو آ لیتے ہیں، اسی کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور اسکو اس طرح کوسنے لگتے ہیں کہ گویا یہ ساری بلا اسی کی لائی ہوئی ہے۔

غور فرمایئے حضرت شعیب علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے کتنی معقول بات رکھی تھی۔ آپؑ نے فرمایا تھا کہ اللہ پاک کی بندگی کے سوا جو بھی طریقہ ہے وہ غلط ہے۔اس کی ہرگز پیروی نہ کرنی چاہئے۔اور اللہ پاک کی بندگی صرف ''عبادات'' کے محدود دائرے میں نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ سیاست وتمدن، اخلاق ومعاملات اور معاشرت ومعیشت کے تمام شعبوں میں ہونی چاہئے اور انصاف کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ پاک ہی کا ہے۔ انسان کسی چیز میں احکام خداوندی سے آزاد ہوکر تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

مگر لوگوں نے اس معقول بات کے جواب میں کیسی نامعقول بات کہی۔انھوں نے کہا کہ باپ دادا سے جو بھی طریقہ چلا آرہا ہو، انسان کو اس کی پیروی کرنی چاہئے اور اس کے جواز کے لئے بس اس کے علاوہ کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔اور مذہب کا تعلق صرف ''عبادات'' سے ہے، دنیوی معاملات میں ہم پوری طرح آزاد ہیں، جس طرح چاہیں کریں۔

یہی بات آج بھی بہت سے ناسمجھ لوگ کہتے ہیں کہ دین کا دائرہ صرف ''عبادات'' تک محدود ہے۔ معاملات میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ ہر شخص اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے اس پر کوئی پابندی لگانا دین کا کام نہیں ـــــ اور اس طرزِ فکر کو یہ لوگ روشن خیالی سمجھتے ہیں۔مگر آپ نے دیکھا کہ انسانی زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں تقسیم کرنے کا تخیل کوئی نیا تخیل نہیں ہے، بلکہ آج سے ہزاروں سال پہلے حضرت شعیبؑ کی کافر قوم بھی اس پر مصر تھی۔ پس یہ تقسیم کوئی ''روشن خیالی'' نہیں، بلکہ جاہلیت کا نظریہ ہے۔

قوم کی ان جاہلانہ باتوں کو سن کر ـــــ آپؑ نے کہا: ''بھائیو! تم خود ہی سوچو! اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی حجت پر ہوں، اور اللہ پاک نے اپنے پاس سے مجھے اچھی روزی عطا فرمائی ہے'' ـــــ تو کیا پھر بھی میں ان کی نافرمانی کروں؟ اس صورت میں بتلاؤ مجھے اللہ پاک کی پکڑ سے کون بچالے گا؟ ـــــ یعنی اگر میں ربانی حجت اور منصبِ نبوت کے خلاف کام کروں، اور میرے پروردگار نے جو علم حق مجھے عطا فرمایا ہے اور نعمت نبوت سے مجھے نوازا ہے اس کی ناشکری

کروں، اور لوگ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسی کی پیروی کروں، اور جان بوجھ کر گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں ان کا ساتھ دوں، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دوں، اور جو بات مجھے برہان الٰہی اور رحمتِ ربانی سے حق معلوم ہوئی ہے اس کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دوں تو بتلاؤ مجھے اللہ پاک کی پکڑ سے کون بچالے گا؟

اور (میری سچائی کا تم اس بات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ) میں نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے خود ان کاموں کی طرف جاؤں جن سے میں تم کو روکتا ہوں —— بلکہ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اس پر خود عمل کرتا ہوں۔ اگر ایسا ہوتا کہ میں تمہیں تو غیر اللہ کے آستانوں سے روکتا اور خود کسی آستانہ پر جبہ سائی کرتا تو تمہارے لئے میری بات کی سچائی میں شبہ کی گنجائش تھی اسی طرح اگر میں تم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے روکتا اور خود اپنے کاروبار میں بے ایمانیاں کرتا تو تمہارے لئے ضرور شبہ کی گنجائش تھی۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ میں خود ان برائیوں سے بچتا ہوں جن سے تمہیں روکتا ہوں۔ میری اپنی زندگی ان دھبوں سے بالکل پاک ہے جن سے تمہیں پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے لئے بھی اسی طریقہ کو پسند کیا ہے جس کی تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ یہ چیز اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہے کہ میں اپنی دعوت میں سچا ہوں۔ تم مجھ پر یہ الزام کسی طرح نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی پر مبنی ہے—— پیغمبروں کی یہی شان ہوتی ہے ان کی کتابِ زندگی اور کتابِ دعوت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کی زندگی اور دعوت میں کمال مطابقت ان کی صداقت کی ایسی مضبوط دلیل ہے کہ کٹر سے کٹر دشمن بھی اس کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا کہ —— میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرا بس چلے اصلاح حال کی کوشش کروں —— یعنی میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ کسی طرح تمہاری حالت سنور جائے۔ اصلاح کے مقصد کے سوا میرا کوئی دوسرا مقصد نہیں، اسی مقصد کی خاطر ساری جدوجہد کر رہا ہوں، تمہیں بار بار سمجھا کر مقدور بھر اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں —— اور (یہ کوشش بھی درحقیقت میرے اپنے اختیار کی چیز نہیں ہے، بلکہ) مجھے جو کچھ بھی توفیق ہو جاتی ہے وہ صرف مددِ خداوندی سے ہوتی ہے —— ورنہ میرے بس میں کچھ نہیں —— اللہ پاک ہی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، اور انہی کی طرف (ہر کام میں) رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی گفتگو کے آخر میں دو بہت ہی کام کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

① —— اگر کسی نیک بندے کو کسی دینی کام کی توفیق ہو جائے تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اس میں اس کے کسی کمال کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ وہ اچھا کام مددِ خداوندی سے ہوا ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ شکرِ خداوندی بجالائے اور یہ گھمنڈ کبھی نہ کرے کہ اس نے ایسے ایسے اچھے کام کئے ہیں۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی ❁ منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

(یہ احسان نہ جتلاؤ کہ تم شاہ کی خدمت کرتے ہو÷ اس کے احسان مند رہو کہ اس نے تمہیں خدمت میں رکھا)

④ —— حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور ہر کام میں انہی کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی کوئی کام اپنے اعتماد پر یا کسی کے اعتماد پر کبھی نہیں کرتا، صرف اللہ پاک کے اعتماد پر کرتا ہوں۔ اور ہر کام میں اللہ پاک کی خوشنودی ملحوظ رکھتا ہوں کسی کام میں اسکے علاوہ میری کوئی نیت نہیں ہوتی۔

یہ کمالِ بندگی اور انتہائی اخلاص ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جہاں بہت بڑی ہستیاں ہیں، وہیں اللہ پاک کے کامل بندے اور مخلص عبادت گزار بھی ہیں اور یہ کمال عبدیت ہی ان کے کمالات کا سبب ہے، جو بندگی میں گوئے سبقت لے جاتا ہے وہی مراتب میں بھی آگے بڑھ جاتا ہے —— پس خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اپنے اندر کمال بندگی اور انتہائی اخلاص کی شان پیدا کرتے ہیں۔ جو ہر کام میں اللہ پاک ہی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے کاموں کا مقصد اللہ پاک کی رضا جوئی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں رکھتے۔

اس پند و نصیحت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے، ایک چونکا دینے والی بات کہی، آپؑ نے فرمایا —— اور اے برادران قوم! میری ضد تم پر ویسا ہی عذاب نہ لا ڈالے جیسا قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح پر آیا تھا —— یعنی میری مخالفت، ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں نہ کر بیٹھنا، جو تم کو گزشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں۔ حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی وجہ سے جو عذاب آئے وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہیں —— اور قومِ لوط تو تم سے کچھ دور نہیں! —— ان کا واقعہ تو ابھی تازہ ہی ہے۔ ان کی تباہی پر تو چھ سات سو برس ہی گزرے ہیں، اور تمہارے قریب ہی کے علاقے میں وہ واقعہ پیش آیا ہے، اس سے عبرت حاصل کرو اور اپنی ضد سے باز آ جاؤ —— اور اپنے پروردگار سے معافی چاہو، نیز ان کی طرف متوجہ رہو۔ میرے پروردگار بیشک بڑے مہربان، بڑے ہی محبت فرمانے والے ہیں —— یعنی اللہ پاک بے رحم نہیں، ان کو اپنی مخلوق سے کوئی دشمنی بھی نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو تباہ کر کے خوش ہوتے ہوں بلکہ اللہ پاک نہایت مہربان، بے پایاں محبت فرمانے والے ہیں۔ تم نے خواہ کتنے ہی قصور کئے ہوں لیکن اگر تم اپنے افعال پر نادم ہو کر ان سے معافی چاہو، اور ان کی طرف پلٹو، تو وہ تمہیں اپنے دامن رحمت میں چھپا لیں گے تم ان کی رحمت کو بہت وسیع اور ان کو بے حد محبت کرنے والا پاؤ گے:

بازآ، بازآ، ہر آنچہ کردی بازآ ❁ گر کافر و گبر و بُت پرستی باز آ

کیں درگہ ما، درگہ نومیدی نیست ❁ صدبار گر تو بہ شکستی باز آ

(توبہ کر، توبہ کر، جو کچھ بھی کر چکا ہے توبہ کر، چاہے تو کافر رہا ہو، آتش پرست رہا ہو یا بت پرست رہا ہو، توبہ کر، کہ ہماری بارگاہ، ناامیدی کی بارگاہ نہیں، چاہے سو بار توبہ توڑی ہو پھر بھی توبہ کر!)

اللہ پاک کو اپنے بندوں سے کتنی محبت ہے، اور صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے تو اللہ پاک کو کتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے:۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا کہ تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھو گیا ہو اور اس کے کھانے پینے کا سامان اسی اونٹ پر لدا ہوا ہو اور وہ شخص اس کو ڈھونڈ ھ کر مایوس ہو چکا ہو، یہاں تک کہ زندگی سے ناامید ہو کر ایک درخت کے نیچے پڑ گیا ہو اور عین اس حالت میں یکا یک وہ دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے، تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس کو ہوگی اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ پاک کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے [1]

ذرا تصور کیجئے اس مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اسی پر لاد کر، دور دراز کے سفر پر، کسی ایسے راستہ سے چلا ہو جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہ ہو۔ دوران سفر وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اترا اور آرام کرنے کے ارادے سے لیٹ گیا، اس تھکے ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ غائب ہے۔ وہ بے چارہ حیران و سراسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لبِ دم کر دیا۔ اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل میں لکھی ہے، اور اب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے۔ اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کے لئے آ کر پڑ گیا، اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے —— ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کر اس مسافر کو، جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا ہے کس قدر خوشی ہوگی!

حضور پاک ﷺ نے اس حدیث میں قسم کھا کر فرمایا کہ: ”خدا کی قسم! بندہ جب جرم و گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور سچے دل سے توبہ کر کے ان کی طرف پلٹ آتا ہے تو رحیم و کریم پروردگار کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس مسافر کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوتی ہے“

دوسری مثال اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی، جس کا شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا، اور وہ مامتا کی ماری ایسی

(۱) متفق علیہ حدیث ہے (مشکوٰۃ ص۲۰۳)

بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسی کو چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔ نبی پاک ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر صحابہؓ سے پوچھا: ''کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا ہرگز نہیں، اگر اس کے بس کی بات ہو تو وہ کبھی نہیں ڈال سکتی، اس پر حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَلّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا(۱) ترجمہ: اللہ پاک کا پیار اور رحم اپنے بندوں پر اس سے زیادہ ہے جتنا کہ اس ماں کو اپنے بچہ سے ہے!

یہاں اگر کسی کو خیال پیدا ہو کہ جب اللہ پاک ماں سے زیادہ مہربان ہیں تو پھر مجرموں کو سزا کیوں دیتے ہیں؟ اس کا جواب بھی حدیث شریف میں پڑھ لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کون لوگ ہو؟ انھوں نے بتلایا کہ ہم مسلمان ہیں، ان میں ایک عورت کھانا پکا رہی تھی، اس کے ساتھ اس کا ایک ننھا بچہ تھا، جب چولھے کی آگ تیز ہوتی تو وہ اپنے بچے کو لے کر دور ہٹ جاتی۔ وہ عورت دربار نبویؐ میں حاضر ہوئی۔ اس نے پوچھا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا، اس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ پاک ارحم الرحمین نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں! اس نے پوچھا کیا اللہ پاک کا پیار اپنے بندوں پر اس سے زیادہ نہیں جتنا ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں! اس پر وہ کہنے لگی کہ ماں تو کبھی اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈال سکتی؟ حضور پاک ﷺ نے سر جھکالیا اور آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا پھر آپؐ نے سر مبارک اٹھایا اور اس عورت سے ارشاد فرمایا کہ: اللہ پاک اپنے بندوں میں سے صرف سرکش نافرمانوں ہی کو سزا دیں گے جو اللہ پاک کی نافرمانی کرتے ہیں، جو **لا إلٰه إلا الله** کہنے سے انکار کرتے ہیں(۲)

آپ نے اپنی زندگی میں بارہا یہ یا اس سے ملتی جلتی مثال دیکھی ہوگی کہ کسی گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا اس میں سے نکلا۔ اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی ہے جب بچہ دروازہ سے باہر ہو گیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کر دیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا، بلکتا، بڑبڑاتا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا، اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جا سکتا ہوں، اور کون مجھے اپنے پاس رکھے گا؟ یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ بچہ اپنے گھر کی طرف لوٹ گیا، دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے، وہ بے چارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کر سو گیا، وہ سویا ہوا تھا کہ ماں آئی اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کر سویا ہوا دیکھ کر اس کا دل بھر

(۱) مسلم شریف ج۲ ص ۳۵۶۔ (۲) رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص ۲۰۸)

آیا اور مامتا کا جذبہ ابھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی اور کہنے لگی ''بیٹے! تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے۔ تو نے نالائقی، نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں، میری فطرت اور مامتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ سے پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہونچانے کی کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں، میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے!''

اب سوچئے کیسے محروم قسمت ہیں وہ بندے جو نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے رحیم وکریم پروردگار کی رحمت سے خود کو محروم کر لیتے ہیں اور ان کے قہر وغضب کو بھڑ کاتے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو اپنے پروردگار کی طرف قدم بڑھا کے وہ پیار حاصل کر سکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیار کچھ بھی نہیں

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں ❁ راہ دکھلائیں کسے، رہرو منزل ہی نہیں

جو بندہ استغفار کو لازم پکڑتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں، اس کی ہر پریشانی کو دور کر کے اطمینان عطا فرماتے ہیں اور اس کو ایسی صورتوں سے روزی عطا فرماتے ہیں کہ جن کا اسے سان گمان بھی نہیں ہوتا (حدیث شریف)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

قَالُوْا	انھوں نے جواب دیا	مَا	نہیں	كَثِيْرًا	بہت (سی باتیں)
يٰشُعَيْبُ	اے شعیبؑ	نَفْقَهُ (۱)	سمجھے	مِّمَّا	ان (باتوں) میں سے جو

(۱) فَقِهَ (س) فَقْهًا وَتَفَقَّهَ الْكَلَامَ اَوِ الشَّيْئَ: سمجھنا۔

تَقُوْلُ	تم کہتے ہو	اَرَهْطِيْٓ	کیا میرا خاندان	عَامِلٌ	کام کرنے والا ہوں
وَاِنَّا	اور بے شک ہم	اَعَزُّ	زیادہ گرامی قدر (ہے)	سَوْفَ	جلد ہی
لَنَرٰىكَ	البتہ تحقیق دیکھتے ہیں	عَلَيْكُمْ	تمہاری نگاہ میں	تَعْلَمُوْنَ	تم جان لوگے
	تجھ کو	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے	مَنْ (۳)	اس (شخص) کو
فِيْنَا	اپنے درمیان	وَاتَّخَذْتُمُوْهُ	اور ڈال دیا تم نے ان کو	يَّاْتِيْهِ	(کہ) آئے گا اس پر
ضَعِيْفًا	کمزور	وَرَآءَكُمْ	پس پشت	عَذَابٌ	(ایسا) عذاب
وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	ظِهْرِيًّا (۲)	بھلایا ہوا!	يُّخْزِيْهِ (۴)	(جو) رسوا کر دیگا اس کو
رَهْطُكَ	تمہارا خاندان	اِنَّ رَبِّيْ	بیشک میرے پروردگار	وَمَنْ (۵)	اور اُس (شخص) کو
لَرَجَمْنٰكَ	(تو) البتہ سنگسار کر	بِمَا	ان (کاموں) کو جو		(بھی)
	دیتے ہم تمہیں	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	هُوَ	(کہ) وہ
وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں (ہو) تم	مُحِيْطٌ	گھیرنے والے ہیں	كَاذِبٌ	جھوٹا (ہے)
عَلَيْنَا (۱)	ہماری نگاہ میں	وَيٰقَوْمِ	اور اے میری برداری	وَارْتَقِبُوْٓا	اور انتظار کرو تم
بِعَزِيْزٍ	گرامی قدر	اعْمَلُوْا	تم کام کئے جاؤ	اِنِّيْ	بے شک میں
قَالَ	آپ نے کہا	عَلٰى مَكَانَتِكُمْ	اپنے طریقہ پر	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	اِنِّيْ	بے شک میں	رَقِيْبٌ (۶)	انتظار کرنے والا (ہوں)

شعیب علیہ السلام کو قوم کی دھمکی اور اس کا جواب

مدین والے جب حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب سے لاجواب ہوگئے تو برسر پیکار ہوگئے اور — انھوں نے کہا: ”اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں — نہ معلوم تم کیا مجذوبوں کی بڑ ہانک رہے ہو

(۱) عَلَيْنَا متعلق ہے بِعَزِيْزٍ سے اور باء زائدہ ہے۔ (۲) ظِهْرِيًّا: بھولا بسرا، فراموش کردہ، پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا، ظَهْر (پیٹھ) کی طرف منسوب ہے اور ظاء کا کسرہ نسبت کے تغیرات میں سے ہے جیسے اَمْس (گذشتہ روز) کی طرف نسبت کرتے ہوئے اِمْسِيٌّ کہتے ہیں — جو چیز پیٹھ پیچھے ڈال کر بھلادی جائے وہ ظِهْرِيٌّ کہلاتی ہے (۳) مَنْ موصولہ ہے اور جملہ يَاْتِيْهِ صلہ ہے، موصول صلہ مل کر تَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے (۴) جملہ يُخْزِيْهِ صفت ہے عذابٌ کی (۵) وَمَنْ الخ معطوف ہے پہلے وَمَنْ پر (۶) رَقِيْبٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور رَاقِبٌ کے معنی ہیں، منتظر، راہ دیکھنے والا۔

— اور بالیقین ہم تمہیں اپنے درمیان ایک کمزور آدمی دیکھتے ہیں— ہمارے سامنے تمہاری ہستی ہی کیا ہے! چہ پدّی اور چہ پدّی کا شوربا!— اور اگر تمہارے خاندان کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو ہم یقیناً تمہیں سنگسار کردیتے— یعنی ہمیں بس تمہارے کنبہ کا خیال آتا ہے، ورنہ تمہارا جرم تو ایسا ہے کہ ہم تمہیں سنگسار کردیں اور نہایت بری موت ماریں۔ کیونکہ تم بزرگوں کی رَوِش سے پھر گئے ہو— اور تم ہماری نگاہ میں کچھ گرامی قدر نہیں ہو'— چار پیسے کے آدمی ہو، اگر تمہارا وجود نہیں رہے گا تو ہمارا کیا نقصان ہوگا! خس کم جہاں پاک!

آپ نے قوم کا تیز وتند لہجہ دیکھ لیا جانتے ہو اتنا کڑوا جواب کس بات کا دیا جارہا ہے؟ اس بات کا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ بس ایک اللہ کی عبادت کرو اور بت پرستی چھوڑ دو۔ معاملات میں دیانتداری کو شعار بناؤ اور ناپ تول میں کمی نہ کرو— کتنی صاف باتیں تھیں، مگر قوم یہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں! کیوں؟ حضرت شعیب علیہ السلام کسی غیر زبان میں کلام کرتے تھے؟ یا ان کی باتیں کچھ پیچیدہ ہوتی تھیں؟ ہرگز نہیں! باتیں تو سب صاف اور سیدھی تھیں اور قوم ہی کی زبان میں کہی گئی تھیں مگر ان کے ذہن کا سانچا مذہبی تعصّبات کی وجہ سے اور حسد اور ذاتی خصومت کی وجہ سے اس قدر ٹیڑھا ہو چکا تھا کہ ایسی صاف اور سیدھی باتیں بھی کسی طرح اس میں اتر نہیں سکتی تھیں— جب انسان تعصّبات یا خواہش نفس کی وجہ سے کسی خاص طرزِ خیال پر جامد ہو جاتا ہے تو اول تو وہ کوئی ایسی بات سن ہی نہیں سکتا جو اس کے خیالات سے مختلف ہو، اور اگر سن بھی لے تو اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئے گا کہ یہ کس دنیا کی باتیں کہی جارہی ہیں!

قوم نے دوسری بات یہ کہی کہ تمہاری ہمارے درمیان ہستی ہی کیا ہے۔ بس تمہارے خاندان کا پاس ہے، ورنہ تمہاری تو ہم تکا بوٹی کردیتے۔ ہماری نگاہ میں تمہارا ہونا نہ ہونا برابر ہے، ہمارے نزدیک تم مکرم و معظم نہیں ہو!

باطل کی بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے پاس دلائل کی روشنی نہیں ہوتی، نہ وہ روشن دلائل کو برداشت کرسکتا ہے، بلکہ جب اس کے سامنے روشنی آتی ہے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، آنکھیں بند کرلیتا ہے، دلائل کا جواب غصہ، دھمکی اور قتل سے دینے لگتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے دھمکیاں سن کر نہایت دردمندی سے— فرمایا: ''بھائیو! کیا میرا خاندان تمہاری نگاہ میں اللہ پاک سے زیادہ گرامی قدر ہے کہ تم نے اللہ پاک کو تو فراموش کرکے پس پشت ڈال دیا ہے''— یعنی افسوس! تم انسانوں کا تو پاس کرتے ہو مگر سچائی کا کوئی پاس نہیں کرتے۔ میرے خاندان کی وجہ سے تو میری رعایت کرتے ہو مگر اس وجہ سے رعایت نہیں کرتے کہ میں اللہ پاک کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا

وقار اللہ پاک سے زیادہ ہے تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا مگر خدا کا نہ ہوا، خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات نہیں انھیں تو تم نے بھلا کر پس پشت ڈال دیا۔ مگر سن لو! — میرے پروردگار یقیناً تمہارے سب کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں — تمہارا کوئی عمل ان سے پوشیدہ نہیں۔ تم کوئی کام کرو، اور کسی حالت میں کرو، ایک آن کے لئے بھی تم ان کے قابو سے باہر نہیں!

پھر جب حضرت شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوگئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں پر کوئی نصیحت کارگر نہیں تو بالآخر آپ نے فرمایا — اور اے میری قوم! تم اپنے طریقہ پر کام کئے جاؤ، میں بھی اپنا کام کرتا ہوں — تم اپنی راہ لو، میں اپنی راہ چل رہا ہوں، اور نتیجہ کا انتظار کرو — جلد ہی تم اس شخص کو جان لوگے جس پر رسوا کن عذاب آئے گا اور اس کو بھی جو جھوٹا ہے — یعنی مستحق عذاب کون ہے اور جھوٹا کون ہے یہ جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا — اور تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور مدین والوں کی سرگزشت پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ بعینہ یہی صورتِ حال ان آیات کے نزول کے وقت مکہ شریف کی تھی۔ قریش کے لوگ بھی مدین والوں کی طرح حضور پاک ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ چاہتے تھے کہ آپؐ کی زندگی کا خاتمہ کردیں۔ بس اس وجہ سے آپؐ پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے کہ بنی ہاشم آپؐ کی پشت پر تھے — حضرت شعیب علیہ السلام اور مدین والوں کی یہ سرگزشت باشندگان مکہ کو سنا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ دانا کے لئے کافی ہے صرف ایک اشارہ!

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

وَلَمَّا جَآءَ	اور جب آیا	شُعَیْبًا	شعیب (کو)	مَعَهٗ	ان کے ساتھ
اَمْرُنَا	ہمارا حکم	وَّالَّذِیْنَ	اور ان (لوگوں) کو جو	بِرَحْمَةٍ(۱)	مہربانی سے
نَجَّیْنَا	(تو) بچالیا ہم نے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے تھے	مِّنَّا	اپنی

(۱) بِرَحْمَةٍ متعلق ہے نَجَّیْنَا سے اور آمَنُوْا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے۔

وَاَخَذَتِ	اور پکڑ لیا	فِیْ دِیَارِهِمْ	اپنے گھروں میں	اَلَا	سنو
الَّذِیْنَ	(ان لوگوں کو) جنھوں نے	جٰثِمِیْنَ [۲]	اوندھے منہ پڑے ہوئے	بُعْدًا [۳]	لعنت ہو
ظَلَمُوْا	ظلم کیا تھا	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں	لِّمَدْيَنَ	مدین پر
الصَّيْحَةُ	سخت آواز (نے)	يَغْنَوْا	بسے تھے وہ	كَمَا بَعِدَتْ	جیسی لعنت ہوئی
فَاَصْبَحُوْا [۱]	پس صبح کی انھوں نے	فِيْهَا	ان (گھروں) میں!	ثَمُوْدُ	ثمود (پر)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا آخری انجام

ارشاد فرماتے ہیں — اور جب ہمارا حکم پہنچا — تو زمین میں دل ہلا دینے والا زلزلہ آیا اور ایک نہایت خوفناک آواز پیدا ہوئی — تو ہم نے اپنی مہربانی سے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دی — اور حسبِ دستور ان کو اس بستی سے نکال لیا — اور ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا (زلزلے کی) سخت آواز نے پکڑ لیا، سو انھوں نے اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے صبح کی! گویا وہ ان گھروں میں بسے ہی نہیں تھے — جن گھروں میں وہ زندگی بھر دادِ عیش دیتے رہے وہاں آج نام کو بھی بستی نہ تھی اور جن تمدنی ترقیوں پر انھیں غرہ تھا وہ وقت پر کچھ کام نہ آئیں، سب ٹھاٹھ پڑا رہ گیا جب لاد چلا بنجارا! — سنو! مدین پر لعنت ہو جیسی ثمود پر ہوئی! — مدین اور ثمود کی بستیاں قریب قریب تھیں۔ دونوں قومیں کفر اور رہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں، دونوں عرب قومیں تھیں، اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں۔ اس لئے فرمایا کہ مدین پر ثمود جیسی لعنت ہو۔ یعنی مدین کی ہلاکت بھی ویسی ہی ہوئی جیسی ثمود کی۔ دونوں قومیں صَیْحَۃ (زلزلہ کی سخت آواز) سے ہلاک ہوئیں۔

یہ ہے مدین والوں کی داستان عبرت! یہ سرگذشت اپنے اندر چشمِ عبرت پذیر کے لئے صدہا نصائح رکھتی ہے اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتی ہے اور شرارت، سرکشی اور کفر و بغاوت کے انجام بد سے ڈراتی ہے۔ سو کیا کوئی عبرت پکڑنے والا ہے، یا کوئی ہے جس کی روح جاگ اٹھے کیونکہ غافل دل اگر بیدار ہو جائے تو منزل کا

(۱) اَصْبَحُوْا افعال ناقصہ میں سے ہے: وہ ہو گئے، انھوں نے صبح کی، مصدر اِصْبَاحٌ ہے (۲) جَثَمَ الطَّائِرُ: سینہ کو زمین سے لگانا جَاثِمٌ (اسم فاعل) اوندھے منہ پڑنے والا، سینہ کے بل اوندھے منہ زمین پر گرنے والا، پھر اس لفظ کے ثانوی معنی پیدا ہوئے ہیں "ٹھہرا رہنے والا، پڑا رہنے والا" پھر مجازاً مردے کو جَاثِم کہنے لگے (روح) زانو کے بل گرنا اس لفظ کے معنی نہیں، یہ معنی جَثَا (ن) جُثُوًّا اور جُثِّی (ض) جِثِیًّا کے ہیں جس سے قرآن پاک میں لفظ جَاثِیَۃ (سورۃ الجاثیہ پ ۲۵ آیت ۲۸) آیا ہے (۳) بَعُدَ (ک) بُعْدًا: ہلاک ہونا، مرنا اور بُعْدًا لَہٗ: بددعا ہے یعنی اللہ اس کو ہلاک کرے یا خیر سے محروم کرے۔

پانا کچھ مشکل نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
وَلَقَدْ (۱)	اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے	اَمْرَ	حکم	وَبِئْسَ	اور بری (ہے)
اَرْسَلْنَا	(کہ) بھیجا ہم نے	فِرْعَوْنَ	فرعون (کی)	الْوِرْدُ	گھاٹ
مُوْسٰى	موسیٰ (کو)	وَمَآ اَمْرُ	اور نہیں ہے حکم	الْمَوْرُوْدُ (۵)	اترنے کی جگہ
بِاٰيٰتِنَا	اپنی نشانیوں کے ساتھ	فِرْعَوْنَ	فرعون (کا)	وَاُتْبِعُوْا	اور پیچھے لگا دیئے گئے وہ
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ	اور واضح حجت (کے ساتھ)	بِرَشِيْدٍ (۳)	کچھ راست	فِيْ هٰذِهٖ	اس دنیا میں
		يَقْدُمُ	پیشوائی کرے گا وہ	لَعْنَةً	پھٹکار
اِلٰى فِرْعَوْنَ	فرعون کے پاس	قَوْمَهٗ	اپنی قوم کی	وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن
وَمَلَا۟ئِهٖ (۲)	اور اس کی حکومت کے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِئْسَ	برا (ہے)
	ارکان (کے پاس)	فَاَوْرَدَهُمُ (۴)	پس لا اُتارے گا ان کو	الرِّفْدُ (۶)	صلہ
فَاتَّبَعُوْٓا	پس پیروی کی انھوں نے	النَّارَ	آگ (میں)	الْمَرْفُوْدُ (۷)	انعام دیا ہوا

(۱) لام قسم محذوف کے جواب میں ہے اور قَدْ تحقیق کے لئے ہے، جس کا ترجمہ ہے: واقعہ یہ ہے یعنی یہ ہو چکا (۲) اَلْمَلَاءُ اسم جمع ہے اور اس کے معنی سورۂ یونس آیت ۷۵ کے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں یہاں چونکہ اس کی اضافت ضمیر فرعون کی طرف ہوئی ہے اس لئے ترجمہ ''ارکان دولت'' اور ''کابینہ'' کیا گیا ہے (۳) رَشِيْدٍ کی تنوین تنکیر کے لئے ہے جس کا ترجمہ ''کچھ'' کیا گیا ہے (۴) اَوْرَدَهٗ اِيْرَادًا: گھاٹ پر لانا۔ وَرَدَ يَرِدُ وُرُوْدًا الماءَ: پانی پر آنا، صفت وَارِدٌ — اَلْوِرْدُ (اسم) گھاٹ — اَلْمَوْرُوْدُ اسم مفعول بمعنی ظرف مکان (۵) مخصوص بالذم دونوں جگہ محذوف ہے (۶) اَلرِّفْد (اسم) صلہ، عطا، انعام جمع اِرْفَادٌ اور رُفُوْدٌ (۷) اَلْمَرْفُوْدُ اسم مفعول: انعام دیا ہوا — رَفَدَ (ض) رَفْدًا: دینا۔

پانچ پیغمبروں کی سرگذشتوں کے بعد ایک اور سرگزشت کی جھلک

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ملعون کے اس واقعہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی سرگذشت کا تتمہ سمجھنا چاہئے جس طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ لوط علیہ السلام کی سرگذشت کی تمہید تھا۔ کیونکہ یہ بات اختلافی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے یا نہیں؟ مگر دونوں پیغمبروں کے زمانہ کے قریب قریب ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے ہیں۔ بلکہ مفسرین نے تو ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام روتے بہت تھے، اتنا روتے تھے کہ بینائی جاتی رہی، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: شعیب! اس قدر کیوں روتے ہو جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ شعیب علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! آپ کے دیدار کا خیال کر کے روتا ہوں۔ جب آپ کا دیدار ہوگا تو نہ معلوم آپ کیا معاملہ فرمائیں گے۔

زہاد خلد خواہند واوباش عیش نقد ❁ ماخود بدولت ِ غمت از ہر دورستہ ایم

(عابد بہشت، اور آوارہ مزیدار زندگی چاہتے ہیں ❁ ہم تیرے غم کی بدولت ہر دو سے آزاد ہیں)

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تمہیں ہمارا دیدار مبارک! اے شعیب! اسی وجہ سے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہاری خدمت کے لئے کھڑا کر دیا ہے —— لہٰذا مخدوم کی سرگذشت پڑھ لینے کے بعد اب خادم کی سرگذشت ملاحظہ فرمایئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے —— اور قسم بخدا واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح حجت کے ساتھ، فرعون اور اس کی کابینہ کی طرف بھیجا، سو انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی۔ اور فرعون کا حکم کچھ راست نہ تھا! —— اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں سندِ نبوت کے طور پر عطا فرمائی تھیں، جو نویں پارے کے شروع میں سورۃ الاعراف (آیات ۱۳۰-۱۳۶) میں مذکور ہیں۔ ان میں سے عصائے موسیٰ اور ید بیضاء مشہور ہیں —— ان نو نشانیوں کے علاوہ اللہ پاک جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح حجت بھی عنایت فرمائی تھی، جس کا ذکر سورۃ القصص (آیت ۳۵) میں ہے، یہ واضح حجت کیا تھی؟ ایک خاص شوکت تھی، موسیٰ علیہ السلام جب کسی بڑے سے بڑے آدمی سے گفتگو کرتے تو دبتے بالکل نہیں تھے بلکہ نہلے پر دہلہ رکھتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ مخاطب چاہے بات نہ مانے لیکن لاجواب ضرور ہو جاتا تھا۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو مکالمے فرعون کے ساتھ مذکور ہیں ان کے پڑھنے سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ وہ مکالمہ پڑھیں جس کا ذکر سورۃ الشعراء (آیات ۱۶-۳۳) میں ہے اور وہ بھی جو سورہ طٰہٰ (آیات ۴۹-۵۴) میں ہے —— مگر ان خدائی نشانات اور موسوی شوکت سے بھی نہ تو فرعون راہِ راست پر آیا، نہ اس کی کابینہ نے

بات پر کان دھرا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہر بات حق وصداقت کی ترازو میں تلی ہوئی تھی، مگر لوگ اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے، جس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہیں تھی۔ آخر کار وہ خود بھی ڈوبا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبا! اب —— وہ اپنی قوم کی قیامت کے دن قیادت کرے گا، اور ان کو آگ میں لا اتارے گا، اور وہ اترنے کی بری گھاٹ ہے! —— جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کردینے والی آگ ملے گی، جہاں نہ پیاس دور ہوگی نہ آرام وآسائش ملے گی، بلکہ ایسی آگ سے واسطہ پڑے گا جس سے کلیجہ کباب ہوجائے گا۔ وہاں جو پانی پینے کو ملے گا اس سے پیاس اور بڑھ جائے گی اور زبان چھاتی پر لٹک پڑے گی۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جولوگ دنیا میں کسی جماعت کے راہنما ہوتے ہیں وہی قیامت کے روز بھی اس کے راہنما ہوں گے۔ جو سچائی کے داعی ہیں، قیامت کے دن ان کے پیروکاران کے جھنڈے تلے ہوں گے اور اپنے راہنماؤں کو دعائیں دیتے، مدح وتحسین کے پھول برساتے، جنتِ نعیم کا رخ کریں گے اور جو گمراہی کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، ان کی اتباع کرنے والے قیامت کے دن ان کے پیچھے ہوں گے۔ ان کو گالیاں دے رہے ہوں گے، لعنتوں کی بوچھار کر رہے ہوں گے اور اپنی ساری مصیبتوں کا ذمہ داران کو ٹھہرا رہے ہوں گے اور اس طرح شور وغل کرتا ہوا یہ جم گھٹا جہنم کا راستہ لے گا۔ حضور پاک ﷺ کے ایک ارشاد سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ: ”قیامت کے دن جاہلیت کی شاعری کا جھنڈا امرؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور جاہلیت کے تمام شعراء اسی کی پیشوائی میں دوزخ کی راہ لیں گے“[1] ——

اور ان کے پیچھے اس دنیا میں پھٹکار لگادی گئی، اور قیامت کے دن بھی، اور وہ (پھٹکار) انعام میں ملا ہوا برا صلہ ہے —— یعنی اللہ پاک کی لعنت اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لگادی گئی کہ جو نام لے گا وہ علیہ اللعنۃ کہے گا اور قیامت تک جہاں بھی ان کا ذکر ہوگا لعنت کے ساتھ ہی ہوگا بلکہ قیامت کے دن بھی وہ لعنت ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی، ہمیشہ ہی لعنت ان کے گلے کا ہار بنی رہے گی۔ کیسا برا صلہ ہے یہ جو فرعون اور اس کے لوگوں کو ملا۔

جولوگ دنیا میں کسی جماعت کے راہنما ہوتے ہیں، وہی قیامت کے دن بھی اس کے راہنما ہوں گے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ

(۱) رواه الإمام أحمد رحمه الله (البداية والنهاية ج۲ص۲۱۸)

اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

ذٰلِكَ(۱)	یہ	اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر	زَادُوْهُمْ	بڑھایا انھوں نے ان کا
مِنْ اَنْۢبَآءِ	کچھ حالات (ہیں)	فَمَآ	سو نہیں	غَيْرَ	سوائے
الْقُرٰى	بستیوں (کے)	اَغْنَتْ عَنْهُمْ(۴)	کام آئے ان کے	تَتْبِيْبٍ(۶)	ہلاکت (کے)
نَقُصُّهٗ	بیان کرتے ہیں ہم اس کو	اٰلِهَتُهُمُ	اُن کے (وہ) معبود	وَكَذٰلِكَ	اور ایسی (ہوتی ہے)
عَلَيْكَ	آپ کے سامنے	الَّتِيْ	جن کو	اَخْذُ	پکڑ
مِنْهَا	کچھ ان (بستیوں) میں سے	يَدْعُوْنَ	پوجتے تھے وہ	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار (کی)
قَآئِمٌ(۲)	کھڑی (ہیں)	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے نیچے	اِذَآ اَخَذَ	جب وہ پکڑتے ہیں
وَّحَصِيْدٌ(۳)	اور (کچھ) کٹ چکی	مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	الْقُرٰى	بستیوں (کو)
	(ہیں)	لَّمَّا	جبکہ	وَهِيَ	دراں حالے کہ وہ
وَمَا	اور نہیں	جَآءَ اَمْرُ	آ پہنچا حکم	ظَالِمَةٌ	ظلم کر رہی ہوتی (ہیں)
ظَلَمْنٰهُمْ	ظلم کیا ہم نے ان پر	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار (کا)	اِنَّ اَخْذَهٗۤ	بے شک ان کی پکڑ
وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا	بلکہ انھوں نے ظلم کیا	وَمَا(۵)	اور نہیں	اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ	دردناک سخت (ہے)

کفر وتکذیب کا دنیوی انجام

اب بیان شدہ سرگذشتوں سے نتائج اخذ کئے جارہے ہیں اور ان عبرتوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جو اس سلسلۂ موعظت سے مقصود ہیں — ان آیات میں جن کی ہم تلاوت کررہے ہیں کفر وتکذیب کا دنیوی انجام ذکر فرمایا

(۱) ذٰلِکَ مبتدا ہے مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰی پہلی خبر ہے مِنْ تبعیضیہ ہے، نَقُصُّہٗ عَلَیْکَ دوسری خبر ہے (۲) قَائِمٌ مقابل ہے حَصِیْدٌ کا: کھڑی ہوئی کھیتی — حَصِیْدٌ بروزن فَعِیْلٌ بمعنی مَحْصُوْدٌ کٹی ہوئی کھیتی (۳) مبتدا محذوف ہے أی وَمِنْھَا حَصِیْدٌ اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے (۴) عَنْ صلہ ہے اَغْنٰی عَنْہُ: کام آنا، کافی ہونا۔ ھُمْ مفعول بہ ہے آلِھَتُھُمْ فاعل ہے اَلَّتِیْ اپنے صلہ کے ساتھ فاعل کی صفت ہے من دون اللہ حال ہے من شيئٍ مفعول مطلق ہے ای : شيئا من الإغناء، لَمَّا جَآءَ مفعول فیہ ہے، وقت بتلا رہا ہے — پس اس جملہ میں فعل فاعل تین مفعول، ایک حال اور اس کی صفت جمع ہیں (۵) نفی اثبات حصر کے لئے ہیں (۶) تَتْبِیْب مصدر ہے تَبَّ (ن) تَبًّا وتَبَابًا وَتَتْبِیْبًا: ہلاک کرنا کہا جاتا ہے تَبًّا لہ یعنی اللہ پاک اس کے لئے خسران وہلاکت لازم کریں تَبَّتْ یَدَاہُ: اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

ہے اور ان کے بعد جو آیتیں آ رہی ہیں ان میں اخروی انجام مذکور ہوگا — ارشاد یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کفر و تکذیب کا انجام دنیا کے اعتبار سے بھی برا ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی، جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے، ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں اور وہ داستان عبرت بن کر رہ گئے اور رہا آخرت کا معاملہ تو وہ بد سے بدتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے — یہ بستیوں کے کچھ حالات ہیں — ان کے حالات کا استقصا نہیں کیا[1] — ہم آپ کو سنا رہے ہیں — تاکہ آپ ان کو سن کر عبرت پکڑیں — ان میں سے کچھ کھڑی ہیں اور کچھ کٹ چکی ہیں — یعنی کچھ اب تک آباد ہیں اور کچھ اجڑ گئی ہیں۔ مصر جو فرعون کا مقام تھا اب بھی آباد ہے، کچھ کے صرف کھنڈر باقی ہیں اور کچھ کا نام ونشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے — اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انھوں نے اپنے اوپر ستم ڈھایا — یعنی اللہ پاک نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا کہ بلا قصور ہلاک کر دیا ہو۔ بلکہ اللہ پاک نے پہلے ان کو نصیحت کی اور نافرمانی کے بعد بھی ان کو فوراً نہیں پکڑا، بلکہ ان کو مہلت دی۔ مگر جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلے پر مستعد ہو گئے اور کسی طرح کفر و عناد سے باز نہ آئے، تب اللہ پاک نے ان کو ہلاک کیا — سو جب آپ کے پروردگار کا حکم پہنچا تو ان کے کچھ کام نہ آئے ان کے وہ معبود جن کی وہ اللہ سے نیچے پرستش کرتے تھے — یعنی جن دیوتاؤں کا انھیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ کام نہ آئے — اور انھوں نے ان کی بربادی ہی میں اضافہ کیا — یعنی وہ معبود کام تو کیا آتے، الٹے ہلاکت کا سبب بنے۔ یہ روزِ بد، ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنے کی وجہ سے، ان سے امیدیں قائم کرنے کی وجہ سے، ان پر چڑھاوے چڑھانے کی وجہ سے اور ان کے سامنے ڈنڈوت کرنے کی وجہ سے دیکھنا پڑا، یہ باطل معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا سبب بنے — اور ایسی ہوتی ہے آپ کے رب کی پکڑ، جب وہ پکڑتے ہیں بستیوں کو، جب کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں — چنانچہ آج جن کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، جن کی قوتوں اور شوکتوں کے ڈنکے بج رہے تھے، جو سر بفلک عمارتوں میں دادِ عیش دیتے تھے، اور جن کی فکر و عمل کی سرگرمیاں تھیں، وہ آج بس ایک داستان عبرت ہیں۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ پاک ظالم کو

(۱) قرآن پاک کا مقصود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوموں کی سرگذشتیں بیان کرنے سے واقعات کا استقصاء نہیں ہے جو تاریخ کا موضوع ہے، بلکہ قرآن پاک کا مقصود صرف تذکیر و موعظت اور پند ونصیحت ہے اور اس مقصد کے لئے قرآن کریم پوری سرگذشت میں سے صرف وہ حصے منتخب کرتا ہے جو اس مقصد کی تکمیل کرتے ہیں اور یہ انتخاب موقع ومحل کی رعایت سے مختلف ہوتا ہے۔ یہاں سورت کی موعظت کا جن اجزاء سے تعلق تھا وہی حصے بیان ہوئے ہیں

مہلت دیتے ہیں، پھر جب اس کو پکڑتے ہیں تو چھوڑتے نہیں"(۱)— بلاشبہ پروردگار کی پکڑ دردناک، سخت ہوتی ہے!

جب دنیوی کامرانیوں کے ساتھ ظلم، سرکشی اور غرور کسی کا شعار بن جائے تو سمجھ لو کہ اس کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝۱۰۳ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝۱۰۴ۭ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝۱۰۵ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝۱۰۶ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۰۷ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝۱۰۸

اِنَّ	بلاشبہ	مَّجْمُوْعٌ	(کہ) جمع کئے جاوینگے	اِلَّا	مگر
فِيْ ذٰلِكَ	اُس (دردناک پکڑ) میں	لَّهُ	اس کے لئے	لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ	تھوڑی مدت کے لئے
لَاٰيَةً (۲)	بڑی ہی نشانی (ہے)	النَّاسُ (۳)	تمام لوگ	يَوْمَ يَاْتِ	جس وقت آئے گا وہ
لِّمَنْ خَافَ	اس کے لئے جو ڈرتا ہے	وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ	اور وہ دن (ہے)		(دن)
عَذَابَ	عذاب سے	مَّشْهُوْدٌ (۴)	حاضری والا	لَا تَكَلَّمُ (۵)	نہ بات کرسکے گا
الْاٰخِرَةِ	آخرت کے	وَمَا	اور نہیں	نَفْسٌ	کوئی متنفس
ذٰلِكَ يَوْمٌ	وہ (ایسا) دن (ہے)	نُؤَخِّرُهٗٓ	ملتوی کئے ہوئے ہیں ہم اس کو	اِلَّا	مگر

(۱) حدیث متفق علیہ عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ (۲) اٰيَةً کی تنوین تعظیم کی ہے جس کا ترجمہ "بڑی ہی" کیا گیا ہے (۳) اَلنَّاسُ نائب فاعل ہے مَجْمُوْعٌ کا اور مَجْمُوْعٌ صفت ہے يَوْمٌ کی اور يَوْمٌ خبر ہے ذٰلِكَ کی (۴) مَشْهُوْدٌ اسم مفعول: حاضر کئے گئے اصل مَشْهُوْدٌ فِيْهِ ہے۔ فِيْهِ حذف کرکے يَوْمٌ کی صفت بنائی گئی ہے: حاضری والا دن (۵) تَكَلَّمُ میں ایک تا تخفیفاً محذوف ہے اصل تَتَكَلَّمُ ہے

بِاِذْنِہٖ	اللہ پاک کی اجازت سے	فِیْهَا	اس میں	سُعِدُوْا(۷)	نیک بخت بنائے گئے
فَمِنْهُمْ	پھر ان میں سے کچھ	مَا دَامَتِ(۴)	جب تک ہیں	فَفِی الْجَنَّةِ	تو (وہ) جنت میں
شَقِیٌّ	بد بخت (ہیں)	السَّمٰوٰتُ	آسمان		جائیں گے
وَّسَعِیْدٌ	اور (کچھ) نیک بخت ہیں	وَالْاَرْضُ	اور زمین	خٰلِدِیْنَ	ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے
فَاَمَّا الَّذِیْنَ	سو رہے وہ لوگ جو	اِلَّا(۵)	مگر		ہیں وہ
شَقُوْا(۱)	بد بخت ہیں	مَا شَآءَ	جو چاہیں	فِیْهَا	اس میں
فَفِی النَّارِ	تو (وہ) دوزخ میں	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	مَا دَامَتِ	جب تک ہیں
	جائیں گے	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	السَّمٰوٰتُ	آسمان
لَهُمْ فِیْهَا	ان کے لئے وہاں	فَعَّالٌ(۶)	پورا اختیار رکھنے والے	وَالْاَرْضُ	اور زمین
زَفِیْرٌ(۲)	لمبی لمبی آہیں		ہیں	اِلَّا مَا شَآءَ	مگر جو چاہیں
وَّشَهِیْقٌ(۳)	اور سسکیاں (ہیں)	لِمَا	ان کاموں کا جن کو	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار
خٰلِدِیْنَ	ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے	یُرِیْدُ	چاہیں وہ	عَطَآءً(۸)	بخشش
	ہیں وہ	وَاَمَّا الَّذِیْنَ	اور رہے وہ لوگ جو	غَیْرَ مَجْذُوْذٍ(۹)	غیر منقطع

کفر وتکذیب کا اخروی انجام

ربط: ابھی کفر وتکذیب کا دنیوی انجام بیان ہوا تھا۔ اب کفر وتکذیب کا اخروی انجام بیان فرماتے ہیں۔ عقلمند وہ ہے

(۱) شَقُوْا فعل ماضی معروف، صیغہ جمع مذکر غائب ہے شَقِیَ (س) شَقَاوَةً بد بخت ہونا اس لفظ میں تعلیل ہوئی ہے اصل شَقِیُوا ہے، ضمہ یا پر ثقیل تھا اس لئے ماقبل کو دیا اور دو ساکنوں کے اجتماع کی وجہ سے یاء کو حذف کر دیا (۲) زَفِیْرٌ مصدر ہے زَفَرَ (ض) زَفْرًا وَزَفِیْرًا الرجلُ: لمبی لمبی سانس لینا۔ زَفَرَ الْحِمَارُ: گدھے کا رینکنا شروع کرنا (۳) شَهِیْقٌ بھی مصدر ہے شَهِقَ (ف، ض، س) شَهِیْقًا الحمارُ: گدھے کا رینکنا۔ شَهِقَ الرجلُ: رونے میں سسکی لینا (۴) مَادَامَ فعل ناقص ہے جس میں ما مصدریہ زمانیہ (ظرفیہ) ہے۔ (۵) خُلُوْد سے استثناء ہے (۶) فَعَّالٌ مبالغہ کا صیغہ ہے زبردست کام کرنے والا خود مختاری سے کرنے والا (۷) سُعِدُوْا فعل ماضی مجہول، صیغہ جمع مذکر غائب باب فتح سے ہے اور مَسْعُوْدٌ اسم مفعول ہے باب سمع سے لازم آتا ہے سَعِدَ الرَّجُلُ: نیک بخت ہونا — علمائے لغت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ سعادت، شقاوت کی ضد ہے اس لئے لازم ہی مستعمل ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ باب فتح سے متعدی بھی آتا ہے (۸) عَطَاءً مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا (۹) مَجْذُوْذٌ اسم مفعول ہے جَذَّهٗ (ن) جَذًّا: کاٹنا، توڑنا۔

جو وقت سے پہلے اپنا انجام سوچ لے تا کہ فیصلہ کے دن کفِ افسوس نہ ملنا پڑے۔

ارشاد فرماتے ہیں ـــــ یقیناً اس (دردناک گرفت) میں بڑی ہی نشانی ہے اس کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے ـــــ یعنی ہر وہ انسان جو آخرت کے عذاب سے بے خوف نہیں، اس کے لئے مذکورہ سرگذشتوں میں اور تاریخ کے ہر اس واقعہ میں جس میں کسی بستی یا قوم کو ظلم وشرک اور شرارت وطغیانی کی وجہ سے سخت پکڑا گیا ہے: بڑی نشانی ہے۔ ان واقعات سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ پاک کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں، دنیا ہی میں شرک وکفر اور تکذیبِ انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور نہایت دردناک ملتی ہیں، وہیں ان سرگذشتوں میں اس بات کی بھی بڑی نشانی ہے کہ عذابِ آخرت ضرور پیش آنے والا ہے اور اس کے متعلق پیغمبروں کی دی ہوئی خبریں بالکل سچی ہیں اور وہ عذاب بے حد سخت ہے، جس سے رستگاری کی کوئی صورت نہیں۔ پس دانائی یہ ہے کہ آدمی اپنا انجام پہلے سوچ لے۔ عقلمند کے لئے ان واقعات میں بڑی ہی عبرت ونصیحت ہے۔

غور فرمایئے جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے؟ اور ان کی پکار کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انھوں نے زور دیا؟ ان کا طریقہ کار کیا تھا جس پر وہ برابر کاربند رہے؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے وہ کس قسم کے تھے؟ اگر کوئی شخص ان تمام باتوں پر غور کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا، اور ہر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی کہ اللہ پاک کی بندگی کرو، ان کے سوا کوئی معبود نہیں! سب نے کہا کہ ظلم وبدعملی سے باز آجاؤ، اس کا نتیجہ ہلاکت ہے ـــــ پھر نتیجہ بھی ہمیشہ یکساں رہا، ہمیشہ ہی فیصلہ یہ ہوا کہ مؤمنوں نے نجات پائی اور سرکش لوگ ہلاک ہوئے۔

یہ سب کچھ اس حقیقت کی طرف کھلا اشارہ ہے کہ انسان اس کائنات میں کسی منظّم قانون کی فرمان روائی میں ہے، اندھے طبیعاتی قوانین کا کھلونا نہیں ـــــ نیز ان واقعات پر مزید غور کرنے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں جو عذاب آیا وہ جرم کی پوری سزا نہیں تھی، نہ ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا ملی۔ کیونکہ دنیا میں جو عذاب آیا اس نے صرف اس نسل کو پکڑا جو عذاب کے وقت موجود تھی۔ مگر جو نسلیں شرارتوں کے بیج بوکر رخصت ہوچکی تھیں انھوں نے اپنے کرتوتوں کی ابھی تک کوئی سزا نہیں پائی۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسری دنیا ہو جہاں تمام ظالموں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے۔

اس دوسرے عالم کے پہلے دن کا نام آخرت ہے ـــــ وہ ایسا دن ہے جس کے لئے تمام لوگ اکھٹا کئے جائیں گے ـــــ یعنی وہ دن نہایت مہتم بالشان ہے، اس دن کی خاطر بڑا ہی اہتمام کیا جائے گا۔ تمام اولین وآخرین اس دن کے لئے

اکھٹا کئے جائیں گے ـــــ اور وہ حاضری کا دن ہے ـــــ یعنی اس دن کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ وہ دن خدائی عدالت کا سب سے بڑا دن ہوگا، اس لئے ممکن نہ ہوگا کہ کوئی شخص غائب رہ جائے اور حاضر نہ ہو ـــــ اور ہم اس کو صرف گنی چنی مدت کے لئے ملتوی کئے ہوئے ہیں ـــــ یعنی اس دن کے آنے میں کچھ دیر نہیں ہے، وہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ اللہ پاک کے یہاں ہر بات کے لئے ایک حساب ہے اور ہر کام کے لئے ایک میعاد مقرر ہے، جونہی یہ میعاد پوری ہوگی کہ وہ آیا ـــــ جس وقت وہ دن آئے گا اللہ پاک کی اجازت کے بغیر کوئی متنفس بات نہ کر سکے گا ـــــ پس جو لوگ دوسروں کی سفارش کے بھروسے پر اپنے نامۂ اعمال سیاہ کر رہے ہیں انھیں اس دن سخت مایوسی ہوگی ـــــ آج بے وقوف اس بھروسے میں ہیں کہ یہ دیوی دیوتا، اور پیر داتا، ہماری سفارش کر کے ہمیں بچا لیں گے اور اس وجہ سے ان کے استھانوں اور آستانوں پر نذریں اور نیازیں، بھینٹیں اور قربانیاں چڑھا رہے ہیں مگر وہ جان لیں اور خوب اچھی طرح سن لیں کہ اس دن کسی بڑے سے بڑے انسان اور کسی معزز سے معزز فرشتے کو مجال دم زدن نہ ہوگی اور اگر کوئی کچھ کہہ بھی سکے گا تو اس وقت جبکہ احکم الحاکمین کے دربار سے عرض کرنے کی اجازت ملے۔

قیامت کے دن کچھ لوگ بد بخت ہونگے کچھ لوگ نیک بخت

پھر ان (اہل محشر) میں سے کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ لوگ نیک بخت ـــــ سو رہے وہ لوگ جو بد بخت ہوئے تو وہ دوزخ میں جائیں گے، وہاں ان کی لمبی لمبی آہیں اور سسکیاں ہوں گی، وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، جب تک آسمان وزمین (برقرار) ہیں، مگر آپ کے پروردگار جو چاہیں، آپ کے پروردگار بالیقین ہر طرح کر سکتے ہیں جو چاہیں ـــــ اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت بنائے گئے وہ بہشت میں جائیں گے، وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، جب تک آسمان وزمین (برقرار) ہیں، مگر آپ کے پروردگار جو چاہیں، بخشش ہے بے انتہا!

تصور کیجئے قیامت کے دن کیا حال ہوگا! میدانِ محشر تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہوگا، دربارِ خداوندی اپنی پوری شان سے سجا ہوا ہوگا، ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی کہ فیصلے شروع ہوں گے اور کیا فیصلے ہوں گے؟ بس دو ہی فیصلے۔ کچھ لوگوں کو بدبختی اور حرمان نصیبی کا پروانہ ملے گا اور کچھ لوگوں کو نیک بختی اور خوش قسمتی کا اعزاز ملے گا۔ پھر جن کے حصے میں بدنصیبی آئے گی وہ دوزخ کی راہ لیں گے اور خوش قسمت جنت کو روانہ ہوں گے۔

دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ اُن کو کبھی عذاب سے نجات ملے گی اور نہ اِن کی کبھی راحت چھینی جائے گی، وہ ابدالآباد تک آہیں بھرتے رہیں گے اور سسکیاں لیتے رہیں گے۔ اور یہ ابدالآباد تک ناز و نعم میں پرورش پاتے رہیں گے۔ جب تک آسمان وزمین برقرار ہیں دونوں فریقوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ دوزخیوں

کے لئے یہ ان کے کرتوتوں کی لامتناہی سزا ہے، اور جنتیوں کے لئے یہ ایک ایسی بخشش ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔

اور اللہ پاک کا یہ ارشاد کہ ''جب تک آسمان وزمین برقرار ہیں جہنمیوں کو آگ کا عذاب ہوتا رہے گا اور جنتی جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے'' یہ بات محاورہ کے طور پر فرمائی گئی ہے۔ جب ہم طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے۔ عربوں کے محاورات میں بھی دوام وابدیت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے یہ محاورہ مستعمل ہے۔ اور قرآن پاک چونکہ عربوں کے محاورات میں نازل ہوا ہے اس لئے اس محاورہ کی مدد سے عذابِ جہنم کی ابدیت اور نعمت ہائے بہشت کی ہمیشگی بیان فرمائی ہے۔ جس کی دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ ''بخشش ہے بے انتہا''

اور اللہ پاک کا یہ ارشاد: ''مگر آپ کے پروردگار جو چاہیں'' اس ارشاد میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ شَقُوۡا سے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ تک آیتِ پاک تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ: ''اگر اللہ پاک بدبختوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمانا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں''[۱] یعنی بدنصیب کافر جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، کوئی ان کو وہاں سے نکال نہیں سکتا۔ ہاں اللہ پاک چاہیں تو نکال سکتے ہیں اس لئے کہ ان کو ہر طرح قدرت ہے، پس اگر ان کو نکالنا منظور ہو تو دوسری بات ہے اور اس مطلب کی دلیل خود اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ: ''بالیقین ہر طرح سے جو چاہیں کر سکتے ہیں'' مگر باوجود قدرتِ کاملہ کے وہ ایسا نہیں کریں گے، نہ جہنمیوں کو کبھی جہنم سے نکالیں گے اور نہ اہل جنت کو کبھی جنت سے نکالیں گے۔

علمی زبان میں اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جنتیوں اور جہنمیوں کا خلود واجب لذاتہ نہیں، بلکہ واجب لغیرہ ہے اور کفار کا چھٹکارا پانا گو ممکن بالذات ہے یعنی اللہ پاک کی قدرت میں ہے مگر ممتنع بالغیر ہے یعنی بارادۂ خداوندی ہمیشہ کے لئے منتفی ہے ـــــ اسی طرح اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ نہ رہنا گو ممکن بالذات ہے یعنی اللہ پاک کی قدرت میں ہے مگر ممتنع بالغیر ہے یعنی اللہ پاک کے ارادۂ خلود فرمالینے کی وجہ سے ہمیشہ ان کے لئے جنت سے نکلنا منتفی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی اور طاقت تو ایسی نہیں جو کفار کو دائمی عذاب سے بچا سکے، البتہ اگر اللہ پاک ہی کسی کے انجام کو بدلنا چاہیں تو انھیں ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے کیونکہ ان پر کوئی بالاتر قانون ایسا نہیں جو ان کے اختیارات کو محدود کرتا ہو ـــــ یہی حال جنتیوں کے جنت میں ٹھہرنے کا ہے اللہ پاک ان کو ہمیشہ کے لئے جنت میں رکھنے کے لئے مجبور نہیں، بلکہ یہ سراسر اللہ پاک کی عنایت ہے کہ وہ ان کو وہاں رکھیں گے اگر وہ ان کی بھی قسمت بدلنا چاہیں تو انھیں بدلنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

ان آیتوں میں ایک خاص بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ کافروں کے بارے میں تو ارشاد فرمایا کہ: ''وہ لوگ جو بدبخت

---

(۱) أخرجه ابن مردُوَيه (درمنثور ص۳۵۰ ج۳)

ہوئے'' اور جنتیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''وہ لوگ جو نیک بخت بنائے گئے'' یعنی بدبختی، کفر و معصیت اور نالائقی انسان خود کرتا ہے اور بدبخت خود بنتا ہے، اپنی ناعاقبت اندیشی سے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے، مگر نیک بختی، ایمان و اعمالِ صالحہ اور لائق بننے میں مددِ خداوندی شامل رہتی ہے۔ اللہ پاک کا ایک ارشاد سورۃ النساء (آیت ۷۸) میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ: ''جو کچھ بھی تجھے اچھائی میسر آتی ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھے برائی پیش آتی ہے وہ تیری ہی وجہ سے ہے''

آیت پاک میں جہنمیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ: ''وہاں ان کے لئے لمبی لمبی آہیں اور سسکیاں ہیں'' یعنی وہ وہاں چیخیں گے، چلائیں گے، روئیں گے، پیٹیں گے اور گدھوں کی طرح ڈھیچوں ڈھیچوں کریں گے اور رینکیں گے — مگر جنتیوں کا جنت میں کیا حال ہوگا، یہ بات بیان نہیں فرمائی، کیونکہ جنت اور جہنم ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک ضد سے دوسری ضد پہچانی جاسکتی ہے پس جہنمیوں کے حال سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جنتی جنت میں خوش وخرم، مسہریوں پر آمنے سامنے بیٹھے، مزے لے لے کر آپس میں باتیں کریں گے اور شکرِ خداوندی بجالائیں گے، وہاں انھیں ہر طرف سے سلام پہنچے گا،

اسی طرح پہلی جگہ استثناء کے بعد فرمایا کہ: ''آپ کے پروردگار ہر طرح سے جو چاہیں کر سکتے ہیں'' مگر یہ بات دوسری جگہ استثناء کے بعد نہیں فرمائی کیونکہ ایک جگہ تذکرہ کافی ہے — اور دوسری جگہ جو فرمایا کہ: ''بخشش ہے بے انتہا'' اس کا مقابل پہلی آیت میں محذوف ہے یعنی جہنمیوں کے لئے دوزخ سزا ہے بے انتہا، جو ابدالآباد تک ملتی رہے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی!

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝۱۰۹ۧ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱

ع ۹

فَلَا تَكُ (۱) فِيْ مِرْيَةٍ	سو نہ ہوں آپ کسی خلجان میں	مِّمَّا (۲)	ان چیزوں کے متعلق جن کو	يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ	پوجتے ہیں یہ لوگ

(۱) فَلَا تَكُ کی اصل فَلَا تَكُنْ ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے نون حذف ہوگیا ہے۔ (۲) مِمَّا میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور ما موصولہ ہے۔

مَا يَعْبُدُوْنَ	نہیں پوجتے وہ	فَاخْتُلِفَ	پس اختلاف کیا گیا	مُرِيْبٍ (۳)	اور خلجان میں ڈالنے
اِلَّا كَمَا	مگر جس طرح	فِيْهِ	اس میں		والے
يَعْبُدُ	پوجتے تھے	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتی	وَاِنَّ (۴)	اور بے شک
اٰبَآؤُهُمْ	ان کے باپ دادا	كَلِمَةٌ	ایک بات	كُلًّا	(اختلاف کرنے والوں
مِّنْ قَبْلُ	پہلے سے	سَبَقَتْ	طے شدہ		میں سے) ہر ایک (کو)
وَاِنَّا	اور بے شک ہم	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے پروردگار	لَّمَّا	قسم بخدا! البتہ جو
لَمُوَفُّوْهُمْ (۱)	ضرور بھرپور دیں گے		کی طرف سے	لَيُوَفِّيَنَّهُمْ	ضرور پورا پورا دیں
	انہیں	لَقُضِيَ	(تو) ضرور فیصلہ چکا		گے انہیں
نَصِيْبَهُمْ	ان کا حصہ		دیا گیا ہوتا	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار
غَيْرَ مَنْقُوْصٍ (۲)	بغیر کمی (کے)	بَيْنَهُمْ	ان (اختلاف کرنے	اَعْمَالَهُمْ	ان کے اعمال
وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے		والوں) کے درمیان	اِنَّهٗ	یقیناً وہ
اٰتَيْنَا	(کہ) ہم نے عطا فرمائی	وَاِنَّهُمْ	اور یقیناً وہ	بِمَا	اس سے جو
مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام کو)	لَفِيْ شَكٍّ	شک میں مبتلا ہیں	يَعْمَلُوْنَ	کرتے ہیں وہ
الْكِتٰبَ	کتاب	مِّنْهُ	اس (قرآن) کی طرف سے	خَبِيْرٌ	پوری طرح باخبر ہیں

اب ان دو تین آیتوں میں دو غلط فہمیاں دور کی جاتی ہیں، جو اس مقام میں پیدا ہو سکتی ہیں۔

(۱) مُوَفُّوْا اسم فاعل جمع مذکر ہے اصل میں مُوَفِّيُوْنَ تھا ضمہ یاء پر ثقیل تھا اس لئے ماقبل کو منتقل کر دیا پھر یاء دو ساکنوں کے اجتماع کی وجہ سے حذف ہوگئی اور آخر سے نون جمع هُمْ کی طرف اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا وَفّٰى تَوْفِيَةً: پورا پورا دینا (۲) مَنْقُوْص اسم مفعول ہے نَقَصَ (ن) نَقْصًا: کم کرنا غَيْرَ مَنْقُوْصٍ حال مؤکدہ ہے نَصِيْبَهُمْ کے لئے (۳) دیکھئے سورۂ ہود آیت ۶۲ کا حاشیہ (۴) یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے اہم ہے اس لئے بغور پڑھیں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، كُلًّا لَّمَّا اس کا اسم ہے اور جملہ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ اس کی خبر ہے — كُلًّا کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اِنَّ كُلَّ الْمُخْتَلِفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ — لَمَّا بدل ہے كُلًّا سے اور لَمَّا میں لام قسمیہ ہے اور مَّا کی اصل مِنْ مَا ہے اس میں مِنْ جارہ ہے اور مَا موصولہ ہے چونکہ نون ساکن میم کے ساتھ جمع ہوگیا ہے اس لئے ادغام واجب ہوا ہے پھر جب ادغام کرنے کے لئے نون کو میم سے بدلا تو تین میم جمع ہوگئے اس لئے درمیان والا میم حذف کر دیا تو مَّا ہوگیا۔ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ کا لام جواب قسم کا لام ہے۔

۱-شرک و بت پرستی کی بنیاد علم وہدایت اور عقل وفہم پر نہیں، بلکہ باپ دادا کی اندھی تقلید پر ہے

پہلی غلط فہمی: کفر کے شیوع اور پھیلاؤ سے پیدا ہوسکتی ہے کہ اتنی بڑی مخلوق شرک وبت پرستی کے راستہ پر پڑی ہوئی ہے جس میں بڑے بڑے عقلمند، چوٹی کے دانشور اور اہل علم ومفکرین ہیں۔ یہ سب لوگ جوان معبودوں کی پرستش کرنے اور ان سے دعائیں اور مرادیں مانگنے میں لگے ہوئے ہیں: آخر کچھ تو انھوں نے دیکھا ہوگا، جس کی وجہ سے یہ ان سے نفع کی امیدیں رکھتے ہیں۔ یہ سب نہ تو بے وقوف ہیں نہ ناعاقبت اندیش، پھر کیوں کر مان لیں کہ شرک وکفر سراسر غلط چیز ہے؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں— تو آپ ان چیزوں کے بارے میں جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں کسی خلجان میں مبتلا نہ ہوں— یہ خطاب عامۃ الناس سے ہے کہ کسی بھی سمجھدار آدمی کو باطل معبودوں کے بارے میں کسی خلجان میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ— یہ لوگ تو بس (لکیر کے فقیر ہیں) اسی طرح پوجا پاٹ کیے جارہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا پہلے کرتے تھے— یعنی جھوٹے معبودوں کی یہ پرستش، نذریں اور نیازیں، التجائیں اور عبادتیں کسی علم، تجربے یا حقیقی مشاہدے کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ نری اندھی تقلید ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادا کی کورانہ تقلید کررہے ہیں۔ انھیں بت پرستی اور گمراہی ان کے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے— اور ہم یقیناً انہیں ان کا بھرپور حصہ بے کم وکاست ضرور دیں گے— اور یہ جھوٹے معبود ان کے کچھ کام نہ آئیں گے— وہ دنیا ہی میں کیا کام آئے؟ آخر یہی آستانے پچھلی قوموں میں بھی موجود تھے اور ایسی ہی ان کی کرامتیں ان میں بھی مشہور تھیں، مگر جب اللہ کا عذاب آیا تو وہ تباہ ہوگئے اور یہ آستانے یوں ہی دھرے کے دھرے رہ گئے۔

۲-قرآن برحق ہے تو سب لوگ اس کو کیوں مان نہیں لیتے؟

دوسری غلط فہمی: یہ ہوسکتی ہے کہ جب قرآن پاک کی باتیں برحق ہیں تو کیوں سب لوگ اسے مان نہیں لیتے؟ یہ ایک ایسا خیال ہے جو اچھے اچھے لوگوں کا دامن پکڑ لیتا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں— اور واللہ! یہ ہو چکا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی تھی، تو اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا— کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا، پس یہ کوئی نئی بات نہیں کہ آج لوگ اس قرآن کے بارے میں مختلف کیوں ہورہے ہیں: کوئی مان رہا ہے اور کوئی منہ موڑ رہا ہے؟ کیونکہ پہلے سے یہی ہوتا آیا ہے پس تمہیں یہ دیکھ کر بالکل بددل نہیں ہونا چاہئے کہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں قرآن کریم میں پیش کی جاتی ہیں اور پھر بھی لوگ ان کو قبول نہیں کرتے۔

اور تمام آسمانی کتابوں میں سے مثال کے لئے تورات کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ قرآن پاک کے بعد تورات

ہی کا مرتبہ ہے، عظمت واہمیت میں اور تفصیل وتبیین میں۔اس لئے اگر مثال بڑی نہیں دی جاسکتی تو چھوٹی مثالوں میں سے نسبۃ بڑی مثال دینی چاہئے۔قرآن پاک کے علاوہ تمام آسمانی کتابوں میں، سب سے بڑی کتاب تورات ہے اس لئے اس کی مثال دی ہے ورنہ تورات کی کوئی تخصیص نہیں، اللہ پاک کی ہر کتاب کے بارے میں اختلاف کیا جاچکا ہے، پس اگر آج قرآن پاک کے بارے میں لوگ مختلف ہورہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔

اور کسی کو اس بات کے لئے بے چین نہیں ہونا چاہئے کہ جولوگ قرآن پاک کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں ان کا فیصلہ جلدی کیوں نہیں کردیا جاتا؟ انھیں مہلت کیوں مل رہی ہے؟ اللہ پاک اپنے کلام کی مخالفت کرنے والوں کو کیوں گوارا فرمارہے ہیں؟ ان کا پتہ صاف کیوں نہیں کردیتے؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان ضرور فیصلہ چکادیا گیا ہوتا — مگر چونکہ اللہ پاک پہلے ہی سے یہ بات طے فرماچکے ہیں کہ فیصلہ وقتِ مقرر سے پہلے نہ کیا جائے گا اس لئے ان اختلاف کرنے والوں کو مہلت مل رہی ہے — اور وہ لوگ یقیناً اس قرآن کی طرف سے خلجان میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں — یعنی اللہ پاک کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن پاک کی باتیں کسی طرح ان کے گلے نہیں اترتیں تاہم قانون امہال کی وجہ سے انھیں مہلت مل رہی ہے۔مگر یہ مہلت چندروزہ ہے — اور قسم بخدا! آپ کے پروردگار یقیناً اختلاف کرنے والے فریقوں میں سے ہرایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ضرور دیں گے — یعنی ابھی تو وقت نہیں آیا کہ ہرایک عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائے لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کردیا جائے گا — اختلاف کرنے والے فریقوں میں سے ہر فریق کو، ماننے والے مؤمنوں کو اور نہ ماننے والے کافروں کو، سب کو ان کے اعمال پورے پورے مل جائیں گے، کسی کے اعمال کا ایک حبہ ضائع نہ ہوگا — اور وہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں اس سے اللہ پاک یقیناً پوری طرح باخبر ہیں — پس عذاب میں تاخیر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ پاک کو اختلاف کرنے والوں کے اعمال کی خبر نہیں۔اللہ پاک پر ان لوگوں کا کوئی عمل مخفی نہیں۔اور جلدی ہی قرآن پاک کے منکروں کو بھرپور بدلہ ملنے والا ہے، اور جولوگ قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں ان کو بھی ان کے کاموں کا بھرپور صلہ ملا ہی چاہتا ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

فَاسْتَقِمْ(۱)	پس آپ مستقیم رہیں	تَعْمَلُوْنَ	تم کر رہے ہو	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے ورے
كَمَآ	جیسا	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	مِنْ اَوْلِيَآءَ	کوئی مددگار
اُمِرْتَ	حکم دیئے گئے ہیں آپ	وَلَا تَرْكَنُوْٓا(۵)	اور نہ جھکو تم	ثُمَّ لَا(۷)	پھر نہ
وَمَنْ(۲)	اور (وہ لوگ بھی) جو	اِلَى	طرف	تُنْصَرُوْنَ	مدد پہنچے تمہیں (اللہ
تَابَ(۳)	لوٹ گئے ہیں	الَّذِيْنَ	ان کے جنھوں نے		کی طرف سے)
مَعَكَ	آپ کے ساتھ	ظَلَمُوْا	ناانصافی کی	وَاَقِمِ	اور اہتمام کرو
وَلَا	اور نہ	فَتَمَسَّكُمُ	کہیں چھولے تمہیں	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)
تَطْغَوْا(۴)	حد سے تجاوز کرو تم	النَّارُ	آگ	طَرَفَيِ(۸)	دونوں سروں پر
اِنَّهٗ	بے شک اللہ پاک	وَمَا(۶)	درانحالیکہ نہ (ہو)	النَّهَارِ	دن (کے)
بِمَا	ان (کاموں) کو جو	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَزُلَفًا(۹)	اور ابتدائی حصے (میں)

(۱) اِسْتَقِمْ امر حاضر ہے اِسْتَقَام اِسْتِقَامَةً: سیدھا ہونا، اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ کسی طرف ذرا سا بھی جھکاؤ نہ رہے (۲) وَمَنْ کا عطف اِسْتَقِمْ کی پوشیدہ ضمیر فاعل پر ہے اور كَمَا اُمِرْتَ کے فصل کی وجہ سے ضمیر منفصل سے تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہی (۳) تَابَ کا صلہ اِلٰی آتا ہے یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہے وَمَنْ تَابَ اِلَى اللّٰهِ وَصَارَ مَعَكَ (۴) تَطْغَوْا باب سمع سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر طَغِيَ طُغْيَانًا: حد سے بڑھ جانا (۵) رَكَنَ (ن س) اليه: مائل ہونا (۶) وَمَالَكُمْ جملہ حالیہ ہے فَتَمَسَّكُم میں مفعول كُمْ سے (۷) ثُمَّ حرف عطف ہے اور تراخی حال کے لئے آتا ہے دیکھئے سورۂ ہود کی پہلی آیت کا حاشیہ (۸) طَرَفَيِ کا نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے اور جملہ ناقصہ مفعول فیہ ہے اَقِمْ کا (۹) زُلَفًا کا عطف طَرَفَي پر ہے اور یہ بھی مفعول فیہ ہے اس کا مفرد زُلْفَةٌ ہے: رات کا ابتدائی حصہ۔

مِّنَ الَّيْلِ	رات کے	لَا يُضِيْعُ	نہیں ضائع کرتے	اِلَّا قَلِيْلًا	سوائے چند (نفوس) کے
اِنَّ	بے شک	اَجْرَ	اجر (ثواب)	مِّمَّنْ	ان میں سے جن کو
الْحَسَنٰتِ	نیکیاں	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں (کا)	اَنْجَيْنَا	بچالیا ہم نے
يُذْهِبْنَ	مٹادیتی ہیں	فَلَوْلَا (۳)	سو کیوں نہ	مِنْهُمْ	ان (قوموں) میں سے
السَّيِّاٰتِ	برائیاں	كَانَ (۴)	ہوئے	وَاتَّبَعَ (۶)	اور پیچھے پڑے رہے
ذٰلِكَ (۱)	یہ	مِنَ الْقُرُوْنِ	(ان) قوموں میں سے جو	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
ذِكْرٰى (۲)	بڑی یاد (ہے)	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے گذر چکے ہیں	ظَلَمُوْا	ناانصافی کی
لِلذّٰكِرِيْنَ	یاد کرنے والوں کے لئے	اُولُوْا بَقِيَّةٍ (۵)	سمجھ دار لوگ	مَآ	اس (عیش) کے
وَاصْبِرْ	اور صبر کرو	يَّنْهَوْنَ	(کہ) روکتے	اُتْرِفُوْا فِيْهِ (۷)	جس میں وہ سرکش
فَاِنَّ	پس بے شک	عَنِ الْفَسَادِ	فساد سے		بنادیئے گئے تھے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَكَانُوْا	اور تھے وہ

(۱) ذٰلِکَ اسم اشارہ بعید بمعنی ھٰذَا (اسم اشارہ قریب) ہے جیسے ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ مشار الیہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اسم اشارہ بعید لایا گیا ہے (۲) ذِکْریٰ مصدر ہے ذَکَرَ یَذْکُرُ کا، جو ذکر سے زیادہ بلیغ ہے اور کثرت ذکر کے لئے بولا جاتا ہے (۳) لَوْلَا یہاں نفی کے لئے مستعمل ہے اور تخصیص ضمنی ہے تفصیل کے لئے سورۂ یونس آیت ۹۸ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (۴) کَانَ ناقصہ ہے اس کا اسم اُولُوْا بَقِیَّۃٍ ہے اور خبر جملہ یَنْھَوْنَ ہے —— مِنْ قَبْلِکُمْ محذوف سے متعلق ہوکر الْقُرُوْنَ کی صفت ہے —— مِنَ الْقُرُوْنِ میں مِنْ اضافت کا ہے اور اضافت بیانیہ ہے اصل عبارت اس طرح ہے اُولُوْا بَقِیَّۃٍ مِّنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ —— اِلَّا استثناء متصل ہے اُولُوْا بَقِیَّۃٍ سے —— مِمَّنْ میں پہلا مِنْ بیانیہ ہے (۵) اُولُوْا (والے) جمع ہے اس کا واحد نہیں آتا بعض لوگ ذو کو اس کا واحد کہتے ہیں۔ حالت رفعی میں ہے۔ نصب و جر کی حالت میں اُولِیْ ہوگا —— بَقِیَّۃ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بَقَاءٌ سے بچی ہوئی چیز، باقی ماندہ —— اور اُولُوا بَقِیَّۃٍ کے معنی ہیں سمجھ دار لوگ، اہل الرائے انسان کی یہ عادت ہے کہ جو چیز اُسے سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اس کو ہر حال میں باقی رکھنے کا اہتمام کرتا ہے اور ضرورت پڑنے پر دوسری چیزوں کو اس پر قربان کردیتا ہے اور ''عقل و بصیرت'' انسان کی وہ متاع ہے جو اُسے سب سے زیادہ عزیز ہے اس وجہ سے ''عقل و بصیرت'' کو بَقِیَّۃٌ کہنے لگے پس اُولُوا بَقِیَّۃٍ کے معنی ہوئے عقل والے، اہل بصیرت، سمجھ دار لوگ (۶) جملہ اِتَّبَعَ مستقل جملہ ہے اور واؤ عاطفہ جملوں کو جوڑنے کے لئے ہے —— اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فاعل ہے اِتَّبَعَ کا —— اور مَا اُتْرِفُوْا فِیْہِ مفعول بہ ہے —— مَا موصولہ ہے اور جملہ اُتْرِفُوْا فِیْہِ اس کا صلہ ہے (۷) اُتْرِفُوْا ماضی مجہول کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے اَتْرَفَہُ المال: سرکش بنادینا، خراب کردینا۔

مُجْرِمِيْنَ	مجرم	لِيُهْلِكَ[1]	کہ تباہ کریں	وَّ اَهْلُهَا	درانحالے کہ ان کے
وَمَا كَانَ	اور (ایسے تو) نہیں	الْقُرٰى	بستیوں (کو)		باشندے
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	بِظُلْمٍ[2]	ناحق	مُصْلِحُوْنَ	نیکوکار (ہوں)

سورت کے خاتمہ میں پانچ قیمتی باتیں

اب سورت کی آخری موعظتیں شروع ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہم سورت کا بڑا حصہ تلاوت کر آئے۔ آیئے اب توفیق خداوندی سے یہ آخری باتیں بھی سمجھ لیں ــــ سورت کے خاتمہ میں اللہ پاک جل شانہ اپنے بندوں کو پانچ نہایت قیمتی احکام عنایت فرماتے ہیں۔ جن کی پابندی بندوں کے لئے نہایت ضروری ہے اور ان کی پابندی ہی میں دنیا وآخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ یہ پانچ احکام درج ذیل ہیں:

① ــــ استقامت ــــ ٹھیک ٹھیک دین پر ثابت قدم رہنا۔ راہِ راست سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹنا۔ شریعت پر استواری کے ساتھ گامزن ہونا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ تمام دینی کاموں میں اللہ پاک کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکلنا۔

② ــــ ظالموں کی طرف نہ جھکنا ــــ ناانصافی کرنے والوں سے کوئی تعلق نہ رکھنا۔ شکل وصورت، رہن سہن، رسم ورواج وغیرہ میں ان کی پیروی نہ کرنا۔

③ ــــ نمازوں کا اہتمام کرنا ــــ سبھی نمازوں کا اہتمام کرنا، خصوصاً دن کے دونوں سروں پر، اور رات کے ابتدائی حصے میں پڑھی جانے والی نمازوں کا اہتمام کرنا، کیونکہ نماز سے برائیاں مٹتی ہیں اور نماز اللہ پاک کو یاد رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

④ ــــ صبر وہمت سے کام لینا ــــ ثابت قدمی سے رہنا، ہر معاملہ میں مضبوطی کو شعار بنانا۔

⑤ ــــ دعوت وارشاد ــــ لوگوں کو بھلائیوں کی تعلیم دینا، برائیوں سے روکنا اور زمین میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے سے باز رکھنا۔

یہ پانچ احکام نہایت اہم ہیں۔ ان کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ہم انھیں تفصیل سے سمجھیں۔ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان بیش قیمت احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

(۱) لِيُهْلِكَ میں لام نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس کے بعد اَنْ محذوف ہے جس نے يُهْلِكَ کو نصب دیا ہے اور جملہ كَانَ کی خبر ہے (۲) بِظُلْمٍ حال ہے يُهْلِكَ کے فاعل سے۔

۱-ٹھیک ٹھیک دین پر ثابت قدم رہنا

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ جب قرآن پاک پر ایمان لانے والوں کا اور اس سے اختلاف کرنے والوں کا حال آپ جان چکے —— تو (اب) آپؐ اور جو لوگ آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہیں، جیسا کہ آپ حکم دیئے گئے ہیں —— یعنی جو راہ آپ کو بتلائی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں —— افراط وتفریط سے کنارہ کش ہو کر، کجی اور انحراف سے منہ موڑ کر صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں۔ ہمیشہ اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کریں۔ تمام اوامر ونواہی اور جملہ احکامِ خداوندی کا صحیح مکمل اور دائمی اتباع کریں۔ یہی ''استقامت'' ہے اور بندوں کے لئے اس سے آگے کوئی مقام نہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ: ''استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے''

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضرت سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور پاک ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی شافی بات بتایئے کہ آپ کے بعد کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں، ؟ آپؐ نے شافی بات یہ ارشاد فرمائی: ''کہو میں اللہ پاک پر ایمان لایا، اور پھر ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو'' یعنی ایمان کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا زندگی کا دستور بنالو، بس یہی بات شافی کافی ہے۔

آیتِ پاک میں استقامت کا حکم رسول پاک ﷺ کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے، جس سے مقصود حکم کی اہمیت ظاہر کرنا ہے کہ استقامت کا حکم ایک ایسا حکم ہے جس کے مخاطب سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین ﷺ بھی ہیں۔

استقامت کیا ہے؟

''استقامت'' لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس کے مفہوم میں نہایت درجہ وسعت ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسبِ معاش اور آمد وصرف کے تمام ابواب میں اللہ پاک کے بتلائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے۔ کسی عمل اور کسی حال میں باطل کی طرف جھکاؤ نہ ہو، دین میں کسی قسم کی کمی زیادتی اور افراط وتفریط نہ ہونے پائے ورنہ استقامت باقی نہیں رہے گی۔

انسانوں میں جو گمراہیاں اور عملی خرابیاں آتی ہیں ان کا سبب کیا ہے؟ آپ غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ بس ایک ہی سبب ہے اور وہ استقامت سے ہٹ جانا ہے۔ جب عقائد میں استقامت باقی نہیں رہتی تو بدعات کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے، بلکہ کفر وشرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ توحید اور ذات وصفات کے مسائل میں جو معتدل راہ شریعت نے قائم فرمائی ہے اس میں افراط وتفریط یا کمی بیشی کرنا، خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو، گمراہی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور

اولیاء رحمہم اللہ کی عظمت ومحبت کی حدود مقرر ہیں۔ان میں کمی کرنے والے اور زیادتی کرنے والے دونوں ہی گمراہ ہیں۔ عبادات اور تقرب الی اللہ کے طریقے قرآن پاک اور احادیث میں متعین فرمادیئے گئے ہیں ان میں ذراسی کمی اور کوتاہی انسان کو استقامت سے گرادیتی ہے اوران میں اپنی طرف سے معمولی سی زیادتی بھی استقامت کو برباد کردیتی اور بدعات میں ملوث کردیتی ہے۔انسان بڑی نیک نیتی سے یہ سمجھتا رہتا ہے کہ وہ اللہ پاک کو خوش کررہا ہے مگر حقیقت میں اللہ پاک ان کاموں سے ناراض ہوتے ہیں—— اسی طرح معاملات،اخلاق اور معاشرت کا جو صحیح راستہ اللہ اور رسول ﷺ نے قائم کردیا ہے اور دوستی دشمنی،نرمی گرمی،غصہ،بردباری،سخاوت اور کنجوسی کا جو معیار شریعت نے قائم فرمادیا ہے اس پر ٹھیک ٹھیک چلنا ہی استقامت ہے،اسی سے انسان،انسان کامل بنتا ہے،اور منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔

پس جو لوگ غلط زندگی کو خیرباد کہہ کر پلٹ آئے ہیں اور کفروشرک سے توبہ کرکے حضور ﷺ کی معیت اختیار کرچکے ہیں اور اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں اور قرآن پاک پر ایمان لاچکے ہیں انھیں چاہئے کہ اب نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ احکاماتِ خداوندی پر جمے رہیں اور جادۂ استقامت پر قدم ایسا جمادیں کہ اس میں کبھی کسی قسم کا تزلزل نہ آنے پائے۔

استقامت منفی پہلو سے:

استقامت کا حکم مثبت انداز میں دینے کے بعد اب اس کا منفی پہلو سامنے لایا جاتا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور تم حد سے تجاوز نہ کرو،یاد رکھو!اللہ پاک ان کاموں کو جو تم کررہے ہو خوب دیکھ رہے ہیں—— یعنی تم دین کے دائرے سے کبھی قدم باہر نہ نکالو اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ تمہاری اطاعت وفرماں برداری اور معصیت ونافرمانی سب اللہ پاک کی نظروں کے سامنے ہے[1]

لاتَطْغَوْا کا مصدر **طُغْيَانٌ** ہے۔طغیانی نام ہے حد سے نکل جانے کا،دریا کے چڑھاؤ اور جوش کے لئے لفظِ ''طغیانی'' مستعمل ہے۔پس طغیان ضد ہے استقامت کی۔آیت پاک میں پہلے استقامت کا حکم مثبت انداز میں دیا ہے۔پھر اس

(۱) قرآن پاک کا یہ حسن بیان نہایت دلکش اور ادب آموز ہے کہ جس کام کا حکم مثبت انداز میں دیا اس میں تو رسول اللہ ﷺ کو مخاطب بنایا اور امت مرحومہ کو تبعاً شامل کیا جیسے، فَاسْتَقِمْ، اَقِمِ الصَّلٰوةَ اور اِصْبِرْ مگر نہی کا مخاطب صرف امت کو بنایا جس سے مقصود عظمت رسول کا اظہار ہے کہ جو کام قابل ترک ہیں ان سے تو رسول اللہ ﷺ خود ہی پرہیز کرتے ہیں اس لئے ان کو تو منع کرنے کی حاجت ہی نہیں صرف امت کو نہی کی حاجت ہے۔اس لئے ان کاموں سے بچنے کی ہدایت براہ راست امت کو دی۔قربان جایئے قرآن کی بلاغت اور حسن بیان پر۔

پر اکتفانہیں کیا، بلکہ اس کا منفی پہلو صراحۃً ذکر فرمایا۔ اس سے استقامت کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پس مؤمن کو چاہیئے کہ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ تمام اعمال میں اللہ پاک کی اور رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ حدود سے باہر قدم نہ نکالے بلکہ ٹھیک ٹھیک دین پر چلتا رہے۔

۲-ظالموں کی طرف نہ جھکنا

اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ناانصافی کی، کبھی تمہیں دوزخ کی آگ چھولے، اور تمہارے لئے اللہ پاک سے نیچے کوئی مددگار نہ ہو، نیز تمہیں (اللہ پاک کی طرف سے بھی) مدد نہ پہنچے — یہ حکم ایک اہم ہدایت نامہ ہے۔ ہماری ذلت اور بگاڑ کا بڑا سبب اس فرمانِ الٰہی پر عمل نہ کرنا ہے۔ اس لئے اس کو تفصیل سے پڑھیں:

ظلم کے معنی ہیں ناانصافی۔ اور ناانصافی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ۱-: وہ ناانصافی جو انسان اللہ پاک کے حق میں کرتا ہے۔ اس قسم میں سب سے بڑی ناانصافی کفر و شرک اور نفاق ہے ۲-: وہ ناانصافی جو لوگ باہم دیگر کرتے ہیں۔ ۳-: وہ ناانصافی جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے آیت پاک میں حکم یہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ ناانصاف ہیں، شرک و کفر میں مبتلا ہیں، نفاق کے روگی ہیں، دوسروں پر ظلم و جور کرتے ہیں یا غلط زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں، خواہشاتِ نفس، رسم و رواج اور فیشن کی پیروی کر کے اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں، ان لوگوں کی طرف ذرا بھی میلان اور جھکاؤ نہ ہونا چاہیئے۔ ان سے دوستی، رفاقت، ساتھ اٹھنا بیٹھنا، تعظیم و تکریم، مدح و ثنا، ظاہری مشابہت، اشتراکِ عمل، غرض ہر بات میں حتی الامکان ان لوگوں سے بچے رہنا چاہیئے۔ مبادا آتش دوزخ کی لپٹ نہ لگ جائے، ان کی گمراہی کی چھینٹ نہ پڑ جائے، جبکہ انسان کے لئے اللہ پاک کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور نہ اللہ پاک ہی کی طرف سے اسے کوئی مدد پہنچے۔

''کبھی تمہیں دوزخ کی آگ چھولے'' اس اندازِ بیان سے گنہگار مؤمن کے جہنم میں جانے کا اور کافر کے جہنم میں جانے کا فرق واضح ہوتا ہے۔ گنہگار مؤمن کا دوزخ میں جانا بس ایسا ہے جیسے میلے کپڑوں کا دھوبی کی بھٹی میں جانا، جہاں کپڑے کو آگ کی گرمی پہنچتی ہے اور اس کا میل کچیل دور کرتی ہے پھر جب وہ صاف ستھرا ہو جاتا ہے تو اپنے گھر واپس آ جاتا ہے — اور کافر کا دوزخ میں جانا ایسا ہے جیسا کسی چیز کا نمک کی کان میں جانا کہ ''ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد!'' وہاں سے کبھی اس کی واپسی کا امکان نہیں رہتا اور کافر جہنم میں جا کر فنا نہیں ہو جائے گا بلکہ جب بھی اس کے جسم کا گوشت گل جائے گا، ہر بار نیا گوشت مل جائے گا تا کہ برابر دردناک عذاب کا مزہ چکھتا رہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''تمہارے لئے اللہ پاک سے نیچے کوئی مددگار نہ ہو'' اس ارشاد سے اظہارِ واقعہ مقصود ہے کہ اگر تمہیں

دوزخ میں جانا پڑا تو اللہ پاک کے علاوہ کونسی طاقت ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ — ہاں مؤمن کو خیال آ سکتا ہے کہ اور تو کوئی طاقت نہیں، مگر اللہ پاک تو غفور رحیم ہیں، انہی کی مدد شامل حال ہو جائے گی اس شبہ کو دور کرنے کے لئے مزید فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے بھی تمہیں مدد نہ پہنچے کیونکہ اللہ پاک جہاں بڑے بخشنے والے نہایت مہربان ہیں وہیں ان کی گرفت بھی نہایت سخت ہے۔ پس کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے۔

آیت پاک میں جو حکم دیا گیا ہے اس پر ایک بار پھر غور فرمائیے، ظالموں کے ساتھ صرف دوستی اور گہرے تعلقات ہی سے نہیں روکا بلکہ ان کی طرف ادنی درجہ کے میلان اور جھکاؤ اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کی بھی ممانعت فرما دی گئی، پس مؤمن کو چاہئے کہ کافروں سے، گناہوں کے رسیا لوگوں سے اور بدعتیوں کی صحبت سے پرہیز کرے اگر کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے تو قضائے حاجت کی حد تک ہو۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ انسان کی صلاح وفلاح میں اور بننے اور بگڑنے میں سب سے بڑا دخل صحبت اور ماحول کا ہوتا ہے:

صحبتِ صالح ترا صالح کند ❁ صحبت طالح ترا طالح کند
(نیک آدمی کی صحبت تجھے نیک بنائے گی ❁ اور بدکار کی صحبت تجھے بدکار بنائے گی)
باد چوں برفضائے بد گزرد ❁ بوئے بدگیرد از ہوائے خبیث
(ستھری ہوا جب گندی فضا سے گذرتی ہے ❁ تو گندی فضا سے بدبودار ہو جاتی ہے)

۳- نمازوں کا اہتمام کرنا

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے ابتدائی حصہ میں نماز کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو! نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں یہ بڑی یاد ہے یاد کرنے والوں کے لئے — نہار (دن) سورج طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے تک کے وقت کا نام ہے۔ اس کے ابتدائی سرے پر فجر کی نماز ہے اور آخری سرے پر مغرب کی نماز ہے[1] — اور زَلَفَ کے مادہ میں قرب، نزدیکی اور آگے ہونے کا مفہوم ہے اس لئے زُلَفَة رات کے ابتدائی حصہ کو کہتے ہیں اس میں عشاء کی نماز ہے — پس حکم یہ دیا گیا ہے کہ فجر، مغرب اور عشاء کا خصوصی اہتمام رکھو۔

فجر کی نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے: فجر کے قرآن (نماز) کا اہتمام کرو، کیونکہ فجر میں قرآن کا پڑھنا فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے آیت (۷۸) فجر کی نماز کی اہمیت کی وجہ سے حضور پاک ﷺ فجر کی نماز میں طویل قراءت کا اہتمام فرماتے تھے اور اسی کی پیروی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کی، اور تمام ائمہ

(۱) طَرَفَيِ النَّهَارِ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ؒ نے اسے مستحب قرار دیا۔

مغرب کی نماز وتر النہار ہے وہ دن کی تمام نمازوں کو طاق بناتی ہے اور اللہ پاک کو طاق پسند ہے — عشاء کی نماز اس امت کے لئے خصوصی عطیہ ہے، پچھلی امتوں میں یہ نماز نہیں تھی — اس لئے ان نمازوں کا خصوصی اہتمام ضروری ہے۔

نماز کی پابندی کے دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: — یہ ہے کہ نماز بہت بڑی نیکی ہے اور نیکیوں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو بھی مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لئے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع کے ساتھ، رکوع سجدوں کو اچھی طرح ادا کرتے ہوئے نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے، اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی[۱] — ایک حدیث میں حضور پاک ﷺ نے یہ بات ایک دلچسپ مثال سے سمجھائی۔ فرمایا: ''بتلاؤ، اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو، جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ شخص نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اللہ پاک ان کے ذریعہ خطائیں مٹا دیتے ہیں[۲]

اس سے بھی زیادہ دلچسپ مثال سنئے: ایک بار سردی کے زمانہ میں حضور پاک ﷺ شہر سے باہر تشریف لے گئے، خزاں کا موسم تھا، درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑ کر ہلائیں تو ایک دم اس کے پتے جھڑنے لگے حضور پاک ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ابوذر!'' انھوں نے جواب دیا لبیک! آپؐ نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن بندہ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں[۳]

دوسرا فائدہ: — نماز میں اللہ پاک کو کثرت سے یاد کرنا ہے اور اللہ پاک کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ عاشق سے کوئی پوچھے تجھے محبوب کی یاد میں کیا ملتا ہے؟ وہ خود تو کچھ نہیں بتلا سکے گا مگر اس کی وارفتگی سب کچھ بتا دے گی — ذکر، اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور آبِ حیات ہے۔ اللہ پاک کی یاد ہی سے ان کے دلوں کی دنیا آباد ہے۔ نمازیں اللہ پاک کو یاد رکھنے کا بڑا ذریعہ ہیں جو لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کو یاد رکھیں، اپنے پروردگار کو نہ بھولیں ان کے لئے نمازیں مشروع

(۱) رواه مسلم عن عثمان رضی الله عنه (۲) حديث متفق عليه عن ابی هريرة رضی الله عنه. (۳) رواه أحمد عن ابی ذر رضی الله عنه۔

کی گئی ہیں جس کے ذریعہ وہ اپنے محبوب کو بار بار یاد کرتے ہیں، جس کا صلہ انھیں ملاقات کے وقت مل جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے لوگوں کو اللہ پاک اپنا سایہ عنایت فرمائیں گے، جن میں وہ بندہ بھی شامل ہے کہ جب وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلتا ہے تو اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، یہاں تک کہ دوسری نماز اسے لوٹا لاتی ہے۔

نمازوں کا اہتمام کرو، نمازیں برائیوں کو مٹاتی ہیں اور اللہ پاک کی بڑی یاد کا ذریعہ ہیں

۴- صبر و ہمت سے کام لینا

اور ہمت سے کام لو کیونکہ اللہ پاک نیکو کاروں کا اجر قطعاً ضائع نہیں فرماتے — سورۂ ہود مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اس وقت مسلمان نہایت کٹھن دور سے گزر رہے تھے اس لئے حضور پاک ﷺ اور مسلمانوں کو جو مظلومی کی حالت سے گزر رہے تھے ہمت سے کام لینے کا حکم دیا گیا، وعدہ کیا گیا کہ اللہ پاک کی مدد آرہی ہے، کیونکہ اللہ پاک نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

اللہ پاک کے اس ارشاد سے اور دوسرے ارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امدادِ خداوندی حاصل کرنے میں دو چیزوں کا خاص دخل ہے۔ ایک نماز کا دوسرے صبر کا۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ پاک جل شانہ نے انہی دو چیزوں سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہاں بھی نماز کی تاکید کے بعد صبر ہی کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مؤمن بندہ خدا کی عبادت اور فرمانبرداری میں ثابت قدم رہتا ہے، اور کسی دکھ درد کی پروا نہیں کرتا تو اسے مددِ خداوندی ضرور پہنچتی ہے۔ اللہ پاک کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں فرماتے بلکہ اندازے سے زیادہ عنایت فرماتے ہیں۔

جو شخص آخرت کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے اللہ پاک اس کے دنیا کے کام سنوار دیتے ہیں

۵- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت

تو چند نفوس کو چھوڑ کر، یعنی ان لوگوں کو (مستثنیٰ کر کے) جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا ان قوموں میں سے جو تم سے پہلے ہو چکیں، سمجھدار لوگ نہ ہوئے کہ وہ زمین میں فساد مچانے سے روکتے۔ اور ناانصاف لوگ اس عیش کے پیچھے پڑے رہے جس میں وہ سرکش بنا دئے گئے تھے اور وہ جرائم کے خوگر ہو گئے تھے — یعنی ماضی میں جتنی قومیں تباہ ہوئیں وہ اس وجہ سے تباہ ہوئیں کہ ان میں سمجھدار لوگ معدوم ہو گئے، کوئی نہیں رہا جو لوگوں کو شر و فساد سے روکتا۔ عام طور پر لوگ عیش

وعشرت کے نشے میں چور ہوکر جرائم کا ارتکاب کرنے لگے۔ ترفہاتِ زندگی کے دلدادہ بن گئے، جس نے ان کی حالت بگاڑ کر رکھ دی، وہ خوش حالی کے نشے میں بدمست ہوکر زمین میں فساد برپا کرنے لگے، اور ان کو سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ ان کا اجتماعی ضمیر اس قدر بگڑ گیا کہ ان میں بھلائیوں کی تعلیم دینے والا اور برائیوں سے روکنے والا کوئی نہیں رہا، یہی چیز ہے جس کی بدولت وہ قومیں آخر کار اللہ کے غضب کی مستحق ہوئیں — اور آپ کے پروردگار ایسے تو نہیں کہ ناحق بستیوں کو تباہ کریں، جبکہ ان کے باشندے نیکوکار ہوں — یعنی اللہ پاک کو اپنے بندوں سے کوئی دشمنی نہیں کہ وہ تو بھلے کام کر رہے ہوں اور اللہ پاک خواہ مخواہ ان کو تباہ کر دیں۔

یہ پانچویں بات اللہ پاک نے عجیب انداز سے بیان فرمائی ہے۔ پچھلی تباہ شدہ قوموں کی تاریخ سے استدلال کر کے اسے نہایت وزنی بنایا ہے اور اس امت کو ابھارا ہے کہ وہ اسے ضرور اختیار کرے۔ کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ ایسی بات ہے جس پر پوری قوم کی صلاح وفلاح کا مدار ہے۔ پس ضرورت ہے کہ امت اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھے اور وہ غلطی نہ دہرائے جو تمام تباہ شدہ قومیں کرتی رہی ہیں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں امتِ مسلمہ دعوت وارشاد کا کام کرتی رہی چنانچہ سو سال کے مختصر وقفہ میں اسلام یورپ، افریقہ اور اقصائے ایشیا تک پھیل گیا مگر بعد کی صدیوں میں یہ حالت باقی نہ رہی، جس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوا کہ اشاعتِ اسلام کی وہ پہلی والی برق رفتاری نہ رہی۔ دوسری طرف خود مسلمان رفتہ رفتہ دین سے ناآشنا ہو گئے اور ہزار سال کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ اہل علم اور اہل دعوت وارشاد اِکا دُکا رہ گئے اور عام حالت یہ ہوگئی کہ دعوت وارشاد کی اہمیت ہی لوگوں کے ذہنوں سے غائب ہوگئی۔

حالانکہ ان پانچ باتوں کا تقاضا، جنھیں ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں، یہ تھا کہ مسلمانوں کی محنت دو میدانوں میں ہوتی رہتی، ایک عمل کے میدان میں دوسرے دعوت وارشاد کے میدان میں۔ پہلی چار باتیں یعنی استقامت، ظالموں کی طرف نہ جھکنا، نمازوں کا اہتمام کرنا اور صبر شعار بننا شخصی عمل کے میدان ہیں اور یہ آخری بات یعنی لوگوں کو بھلائیوں کی تعلیم دینا، برائیوں سے باز رکھنا اور زمین میں فساد برپا کرنے والوں کا ہاتھ پکڑنا: دعوت وارشاد کا میدان ہے۔

اور دونوں کام نہایت ضروری ہیں اور کوئی بھی ایک کام دوسرے کام سے مستغنی کرنے والا نہیں، جہاں خود دین پر عمل کرنا ضروری ہے وہاں دوسروں کی فکر کرنی بھی ضروری ہے اور جہاں دوسروں کو کہنا ضروری ہے وہاں خود بھی عمل کرنا ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، وہاں اس کی آنتیں نکل کر ڈھیر ہو جائیں گی اور وہ اپنی انتڑیوں کے گرد چکی کے گدھے کی طرح گھومے گا، اس کے پاس جہنمیوں کا ٹھٹ لگ

جائے گا، وہ اس سے کہیں گے: ارے فلانے! تیرا یہ کیا حال ہے! کیا تو ہمیں بھلائیوں کی تعلیم نہیں دیتا تھا؟ اور کیا تو ہمیں برائیوں سے نہیں روکتا تھا؟ وہ جواب دے گا کہ میں ضرور تمہیں بھلائیوں کی تعلیم دیتا تھا مگر خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے تمہیں روکتا تھا مگر خود ان کا ارتکاب کرتا تھا[۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو دعوت دینا اور خود کو بھول جانا اور شخصی عمل کے میدان میں خالی ہاتھ رہ جانا کتنا بڑا وبال ہے!—— دوسری طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطاب عام میں ارشاد فرمایا کہ: ''لوگو! تم اللہ پاک کے ارشاد: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، جب کہ تم سیدھی راہ پر ہو۔

کی تلاوت کرتے ہو اور (سمجھتے ہو کہ دعوت وارشاد کی کوئی اہمیت نہیں، نجات کے لئے بس اپنا کافی ہے، مگر یاد رکھو یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ) میں نے نبی پاک ﷺ سے سنا ہے کہ: ''جب لوگ کوئی غیر شرعی بات دیکھیں، ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں، لوگوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھیں اور اصلاح حال کی فکر نہ کریں ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، لوگوں کو گناہوں سے روک سکتے ہوں مگر نہ روکیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ پاک اس جرم کی سزا سبھی کو دیدیں''[۲]

آیت پاک پر مکرر نظر ڈالیے، اس میں امتِ مرحومہ کو ابھارا گیا ہے کہ ان میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت وارشاد کا کام کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہئیں اور بکثرت احادیث میں آیا ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے نہ روکا جائے، لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر بیٹھیں تو قریب ہے کہ اللہ پاک ایسا عام عذاب بھیج دیں جو کسی کو نہ چھوڑے اور اچھے لوگ دعائیں کریں مگر وہ دعائیں ٹھکرا دی جائیں۔

دعوت وارشاد فرض ہے اور فرض کے تین درجے ہیں:

۱- فرض عین—— وہ کام جو امت کے ہر ہر فرد پر فرض ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

۲- فرض خاص—— وہ کام جو امت کے مخصوص افراد پر فرض عین ہے جیسے تاجروں پر تجارت کا علم، جائز و ناجائز معاملات کا جاننا، مالدار پر زکوٰۃ کا علم، صاحبِ نصاب پر حج کا علم۔

۳- فرض کفایہ—— یعنی فرض بقدر کفایہ—— وہ کام جو لا علی التعیین اتنے افراد پر فرض ہو جتنے افراد اس کام کے لئے ضروری ہیں اور باقی کے لئے مستحب ہو۔ مثلاً جنازے کی تجہیز و تکفین کے لئے جتنے آدمی ضروری ہیں ان پر تجہیز و تکفین

(۱) حدیث متفق علیه عن أسامة بن زید رضی اللہ عنهما (مشکوٰۃ ص ۴۳۶) (۲) هذا ملتقط من روایات شتی (مشکوٰۃ ص ۴۳۶)

فرض ہے اور باقی کے لئے مستحب —— اور اس میں چونکہ وہ افراد متعین نہیں ہوتے جن پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے اس لئے ہر شخص کو اپنے بارے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ مجھ پر یہ کام فرض ہے۔

آیاتِ زیر نظر میں جو پانچ احکام دئے گئے ہیں ان میں سے پہلے چار کام فرض عین ہیں اور یہ آخری حکم فرض کفایہ ہے یعنی استقامت، ظالموں کی طرف میلان نہ رکھنا، نمازوں کا اہتمام کرنا اور صبر کو شعار بنانا فرضِ عین ہے، امت کے ہر ہر فرد پر فرض ہیں اور دعوت وارشاد کا کام فرض کفایہ ہے یعنی اس کے لئے جتنے آدمی ضروری ہیں اتنے اس میں مشغول رہنے چاہئیں۔ اگر گنتی کے چند افراد یہ کام کرتے رہے اور اکثر لوگ اس کام سے غافل رہے تو فرض ادا نہ ہوگا اور ساری امت ماخوذ ہوگی۔

چند سمجھ دار نفوس:

آیتِ پاک میں جن چند سمجھ دار نفوس کا استثناء فرمایا گیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے، جن کو قوموں کی تباہی کے وقت اللہ پاک نے عذاب سے بچالیا، یہ چونکہ گنتی کے چند نفوس تھے اس لئے ان کی صدا نقار خانہ میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی۔ انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پوری کوشش کی۔ مگر ان کی محنت قوم کو تباہی کے گڑھے میں جانے سے روک نہ سکی اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ خود عذاب سے بچ گئے۔ اگر یہ سمجھ دار لوگ معتد بہ مقدار میں ہوتے اور قوم انکی باتوں پر کان دھرتی تو ہلاک نہ ہوتی۔

انتظار مت کرو، کام شروع کرو:

آیتِ پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سمجھدار لوگوں کو اس انتظار میں نہیں رہنا چاہئے کہ جب مصلحین ومرشدین کی معتد بہ مقدار فراہم ہوگی تب دعوت وارشاد کا کام شروع کریں گے۔ جب چند لوگوں کے کرنے سے قوم تباہی سے نہیں بچ سکتی تو فضول محنت کیوں کی جائے! —— اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ قوم تباہی سے تو بیشک اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب کہ معتد بہ مقدار یہ فریضہ انجام دے لیکن اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو جو چند سمجھدار لوگ موجود ہیں وہی کام کا آغاز کریں، ممکن ہے آگے چل کر انھیں ساتھی مل جائیں اور اگر ایسا نہ ہو سکا اور قوم تباہ ہوگئی تو کم از کم وہ تو تباہ ہونے سے بچ جائیں گے اور یہ کیا کم فائدہ ہے!

> دعوت وارشاد فرض کفایہ ہے یعنی جتنے افراد قوم کی اصلاح کے لئے ضروری ہیں اتنے اس میں مشغول رہنے ہی چاہئیں

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	مُخْتَلِفِيْنَ[۳]	مختلف	كَلِمَةُ[۶]	بات (وعید)
رَبُّكَ	آپ کے رب	اِلَّا مَنْ[۴]	مگر جن پر	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار (کی)
لَجَعَلَ	(تو) ضرور بنادیتے	رَّحِمَ	مہربانی فرمائی	لَاَمْلَئَنَّ	البتہ ضرور بھروں گا میں
النَّاسَ[۱]	تمام لوگوں کو	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار (نے)	جَهَنَّمَ	دوزخ (کو)
اُمَّةً	امت (ملت)	وَلِذٰلِكَ[۵]	اور اسی (مہربانی کے) واسطے	مِنَ الْجِنَّةِ[۷]	جنات سے
وَّاحِدَةً	ایک (متحد)	خَلَقَهُمْ	ان کو پیدا کیا ہے	وَالنَّاسِ	اور انسانوں (سے)
وَّلَا يَزَالُوْنَ[۲]	اور ہمیشہ رہیں گے وہ	وَتَمَّتْ	اور پوری ہوگئی	اَجْمَعِيْنَ	اکٹھے

تین الجھنیں: ۱- لوگ داعیوں کی بات کیوں قبول نہیں کرتے؟ ۲- کفر و شرک اور برائیاں کیوں ختم نہیں ہوتیں؟ ۳- یہ چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں تو ان کو ہونے کیوں دیتے ہیں؟

① — داعی کو یہ الجھن پیش آتی ہے کہ آخر بات کیا ہے، ہم تو لوگوں کو دل سوزی سے سمجھاتے ہیں، ان کو ان کی بھلائی کی بات بتلاتے ہیں مگر لوگ کسی طرح مان کر نہیں دیتے — یہ احساس بعض مرتبہ اتنا بڑھتا ہے کہ داعی کبیدہ ہوجاتا ہے۔ اس پر آس و قنوط چھاجاتی ہے۔ وہ لمحہ بھر کے لئے یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ شاید میرے طریقۂ دعوت میں کچھ قصور ہے آخر لوگ میری دعوت قبول کیوں نہیں کرتے؟ جب میں ان کو راہِ راست دکھارہا ہوں تو وہ اس کی طرف کیوں نہیں لپکتے؟

(۱) النَّاسُ کا الف لام استغراقی ہے (۲) لَایَزَالُوْنَ فعل ناقص، مضارع منفی، صیغہ جمع مذکر غائب: وہ برابر رہیں گے، ہمیشہ رہیں گے (۳) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ کے حواشی میں لکھا ہے کہ عرف میں اختلاف کی نسبت اہل باطل کی طرف کی جاتی ہے، اہل حق کی طرف نہیں کی جاتی (۴) اِلَّا استثناء متصل ہے لَایَزَالُوْنَ کے فاعل سے (۵) اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس: ولذلک خلقهم قال للرحمة (درمنثور ج ۳ ص ۳۵۶) واللام لام العاقبة والصیر ورة (روح) (۶) قد تفسر الكلمة بالوعيد مجازا (روح) (۷) اَلْجِنَّةُ یا تو اَلْجِنُّ کے ہم معنی ہے اور تا مبالغہ کی ہے یا اس کی جمع ہے اور تا جمع کی ہے۔

۲— اور ایک مفکر کے سامنے یہ الجھن آتی ہے کہ اللہ پاک نے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، رسولوں، داعیوں اور مرشدوں نے محنتیں کیں مگر پھر بھی کفر وشرک اور برائیاں دنیا سے ختم نہ ہوئیں، آخر ماجرا کیا ہے؟ کیا لوگ بے عقل ہیں؟ کیا ان میں بھلے برے کی تمیز نہیں یا وجہ کیا ہے؟

۳— اور متشککین کو یہ الجھن پیش آتی ہے کہ جب کفر وشرک اللہ پاک کو ناپسند ہیں اور اللہ پاک چاہتے ہیں کہ لوگ کفر وشرک اور برائیوں سے باز آجائیں تو پھر اللہ پاک لوگوں کو ایمان واطاعت پر مجبور کیوں نہیں کرتے؟ اللہ پاک کو تو ہر طرح قدرت حاصل ہے۔ انکے منشا کے خلاف کوئی دم نہیں مار سکتا!— یہ خیال جب بڑھتا ہے تو کافرانہ خیال بن جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہی ہو رہا ہے چنانچہ مشرکین کہتے ہیں کہ ہم جو شرک کرتے ہیں وہ اللہ پاک کی مرضی سے کرتے ہیں۔ اگر اللہ پاک نہ چاہتے تو ہم ہرگز بتوں کو نہ پوجتے، اگر اللہ پاک کو ہمارا طریقہ پسند نہ ہوتا تو وہ ہمیں روک دیتے انھیں ہر طرح قدرت حاصل ہے۔

ان آیات سے ان الجھنوں کو دور کیا جاتا ہے مگر یہ خیال رہے کہ اصل مسئلہ دعوت وارشاد اور داعی کا چل رہا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں— اور اگر آپ کے پروردگار چاہتے تو ضرور تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتے— یعنی اگر اللہ پاک چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی قبول اسلام پر مجبور کر دیتے۔ سب کے سب مسلمان ہوتے، ان میں کوئی اختلاف نہ رہتا— مگر اللہ پاک نے ایسا نہیں چاہا۔ وہ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتے بلکہ انھوں نے انسان کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے، جس سے وہ اچھا یا برا، جو عمل چاہے کر سکتا ہے— اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے بجز ان کے جن پر آپ کے پروردگار نے مہربانی فرمائی— یعنی کچھ لوگ ہمیشہ دین حق سے اختلاف کرتے رہیں گے اس کو ماننے سے منہ موڑتے رہیں گے۔ بس وہی لوگ دین حق کی پیروی کریں گے جن پر اللہ پاک کی مہربانی ہوگی— اور اسی (مہربانی) کے لئے (اللہ پاک نے) ان کو پیدا کیا ہے— یعنی اللہ پاک نے تو انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ان کی مہربانی کے سزاوار بنیں۔ ان کی اطاعت وعبادت کر کے ان کی جنت کے حقدار بنیں۔ مگر لوگ ہیں کہ بھلا برا سوچے بغیر پروانوں کی طرح دوزخ پر گر رہے ہیں— اور (اس طرح) آپ کے پروردگار کی وعید پوری ہوگئی کہ: ''میں ضرور ہی جنات اور انسانوں سے اکٹھے دوزخ کو بھروں گا!''— یعنی بظاہر تو اس فرمودۂ خداوندی کے پورا ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، بھلا کون دوزخ میں جانے کو پسند کرے گا؟— مگر بہت سے انسانوں اور جنّوں نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ انھیں جہنم بہت پیاری ہے، وہ اسی میں جانا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ دوڑ دوڑ کر جہنم والے کام کر رہے ہیں اور دوزخ کے کاموں پر ٹوٹے پڑتے ہیں اور اس طرح فرمودۂ خداوندی ایک حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ صدق اللہ العظیم!

ان آیتوں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اللہ پاک کی مشیت انسانوں اور جنّوں کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ حیوانات ونباتات کی طرح ان کو بھی پیدائشی طور پر ایک لگے بندھے راستے کا پابند بنادیا جائے، جس سے ہٹ کر وہ چل ہی نہ سکیں اگر اللہ پاک کی ایسی مشیت ہوتی تو پھر انبیاءؑ کو بھیجنے کی، کتابیں نازل فرمانے کی اور ایمان کی دعوت دینے کی ضرورت کیا تھی؟ سارے انسان اور جنات مسلمان ہی پیدا ہوتے اور کفر وعصیان کا کوئی نام ہی نہ جانتا۔

بلکہ انسانوں اور جنوں کے بارے میں اللہ پاک کی مشیت یہ ہے کہ ان کو ایک قسم کا اختیار حاصل رہے اور ان کے سامنے جنت اور دوزخ دونوں کی راہیں کھول دی جائیں۔ پھر وہ اپنی پسند سے جس راہ کو چاہیں اختیار کریں تا کہ ہر ایک جو کچھ بھی پائے اپنی سعی وکسب کے نتیجہ میں پائے۔

پس داعی کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ دنیا میں فکر وعمل کا اختلاف ناگزیر ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب لوگ ایک ہی راہ پر چلنے والے ہوجائیں اور حق وباطل کی کشمکش باقی نہ رہے۔ پس اسے اس بات سے مایوس نہ ہونا چاہئے کہ تمام لوگ کیوں دعوتِ حق قبول نہیں کرلیتے؟ نہ تو پہلے کبھی ایسا ہوا ہے نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہئے۔ نیک بخت مانیں گے اور بد بخت نہیں مانیں گے، داعی کو اپنے کام میں سرگرم رہنا چاہئے۔

اور مفکر کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ چونکہ اللہ پاک نے انسانوں اور جنوں کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے اس لئے جو انسان اپنی عقل کو صحیح استعمال کرتے ہیں وہ بھلے برے کی تمیز کرلیتے ہیں اور راہِ راست پر آجاتے ہیں اور جو عقل کے پیچھے لٹھ لیے پھرتے ہیں وہ بھٹکتے ہی جاتے ہیں — اور متشککین کو اور مشرکین کو سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے وہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہورہا۔ کچھ ٹھیک ہورہا ہے اور کچھ غلط ہورہا ہے پس انھیں سوچنا چاہئے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟

اللہ پاک نے انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی مہربانی کے سزاوار بنیں!

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاۗءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۰

وَكُلًّا	اور ساری ہی	نَّقُصُّ (۱)	بیان کرتے ہیں ہم	عَلَيْكَ	آپ سے

(۱) ترکیب: نَقُصُّ کا پہلا مفعول عَلَیْکَ میں کاف ضمیر خطاب ہے اور عَلٰی صلہ ہے۔ قَصَّ عَلَیْهِ: بیان کرنا اور کُلًّا مِّنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ دوسرا مفعول ہے مِنْ اضافت کا ہے اور اضافت بیانیہ ہے اور کُلًّا کی تقدیم حصر کے لئے ہے — مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ بدل اشتمال ہے دوسرے مفعول کُلًّا الخ سے — مَا موصولہ ہے اور جملہ نُثَبِّتُ صلہ ہے۔

مِنْ اَنْۢبَآءِ	خبریں	بِهٖ	اس سے	الْحَقُّ	حق
الرُّسُلِ	رسولوں (کی)	فُؤَادَكَ	آپ کا دل	وَمَوْعِظَةٌ (۲)	اور (وہ) نصیحت (ہیں)
مَا	(وہ) جو (کہ)	وَجَآءَكَ	اور پہنچا آپ کو	وَّذِكْرٰى	اور یاد دہانی (ہیں)
نُثَبِّتُ	ثابت رکھیں ہم	فِيْ هٰذِهِ (۱)	ان میں	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں کے لئے

داعی کی دل بستگی کا سامان انبیاء کے واقعات ہیں اور واقعات کے دوسرے تین فائدے

پچھلی آیتوں میں دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کو بتایا گیا تھا کہ سب لوگ ایک ہی راہ چلنے والے ہوجائیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ پس داعی کو اس فکر میں پڑے بغیر کہ تمام آدمی کیوں دعوتِ حق قبول نہیں کرلیتے؟ اپنے کام میں سرگرم رہنا چاہئے۔ اب اس آیت میں بتلایا جاتا ہے کہ داعی کی دل بستگی کا سامان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ہیں۔ قرآن پاک میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وہی واقعات بیان فرمائے گئے ہیں جن میں دعوت وارشاد کا کام کرنے والوں کے لئے دل جمعی کا سامان ہے — اس فائدے کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتوں میں تین اور فائدے بھی ہیں۔ پس یہ کل چار فائدے ہوئے۔ آئیے اب تفصیل پڑھیں۔

۱- اور ہم رسولوں کی ساری ہی خبریں آپ سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں — یعنی رسولوں کی تمام سرگذشتوں میں آپ کی اور دعوت وارشاد کا کام کرنے والے امتیوں کی دل جمعی کا سامان ہے انبیاء کرام کے جو بھی حالات قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں وہ داعی کی دل بستگی کا ذریعہ ہیں۔ اس کے دل کو یہ سن کر تقویت ملتی ہے اور سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کو دعوت وارشاد کی راہ میں کیا کیا مشکلات پیش آئیں مگر انھوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اور جی نہیں چھوڑا۔ پس اگر آج بھی میرے ساتھ وہی تاریخ دہرائی جاتی ہے تو مجھے بھی گھبرانا نہیں چاہئے۔

۲- اور آپ کو ان (خبروں) میں تحقیقی بات ملی ہے — اس ارشادِ پاک کے دو مطلب ہیں — ایک مطلب یہ ہے کہ واقعات کے پیرایہ میں دین حق سمجھایا گیا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے جو جو باتیں کہی ہیں وہی دین حق ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اگرچہ مختلف ہیں مگر دین سب کا ایک ہے۔ دین کی بنیادی باتیں توحید ورسالت جزاوسزا، اطاعت وعبادت اور آخرت پر ایمان سب میں مشترک باتیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے ضمن میں

(۱) هٰذِهٖ کا مشارالیہ اَنْبَاءُ الرُّسُلِ ہے (۲) مَوْعِظَةٌ خبر ہے مبتدا محذوف کی اور وہ هٰذِهٖ ہے جس کا مشارالیہ اَنْبَاءُ الرُّسُلِ ہے اور ذِكْرٰى کا عطف مَوْعِظَةٌ پر ہے — ذِكْرٰى کے معنی کے لئے سورۂ ہود آیت ۱۱۴ کا حاشیہ دیکھئے۔

یہی مضامین بہت عمدگی سے سمجھائے گئے ہیں۔

یادرکھنا چاہئے کہ قرآن پاک کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔اس میں جو تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں وہ تاریخی واقعات کی حیثیت سے بیان نہیں ہوئے بلکہ قرآن پاک کتابِ ہدایت ہے۔اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ رشد وہدایت کی غرض سے بیان ہوا ہے اسی وجہ سے قرآن پاک میں تاریخی واقعات کے صرف وہی اجزاء منتخب کئے گئے ہیں جو اس غرض کو پورا کرتے ہیں۔

دوسرا مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتوں میں حقائق کے ساتھ جو غلط اور دوراز کار باتیں لوگوں نے شامل کردی ہیں، قرآن پاک میں ان کی اصلاح کردی گئی ہے۔مثلاً یہود حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو صرف بادشاہ مانتے ہیں۔قرآن پاک نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ وہ اللہ پاک کے برگزیدہ پیغمبر بھی ہیں۔یہود نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادوگری کا الزام لگایا، قرآن پاک نے اس کی بھی صفائی کی۔خود بائبل نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام پر وہ گھناؤنے الزام لگائے جن کے لکھنے سے قلم تھراتا ہے [1] قرآن پاک نے ان کی زندگیوں کو بے داغ بتایا—— اسی طرح پچھلی امتوں کے حالات میں صحیح اور غلط واقعات کے خلط ملط ہونے سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوچکی تھیں، قرآن پاک کے اندازِ بیان سے وہ سب دور ہوجاتی ہیں اور حقیقتِ حال روشن ہوجاتی ہے۔

۳-اور (یہ خبریں) نصیحت ہیں—— ایسی نصیحت ہیں جس میں ڈراوا شامل ہے، جو دلوں میں رقت ونرمی پیدا کرنے والی ہیں——کس کے لئے نصیحت ہیں؟ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ پاک سے غافل ہے، اپنے انجام سے غافل ہے، آخرت سے غافل ہے اور برے اعمال کے نتائج سے غافل ہے!—— قرآن پاک انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات کے ذریعہ نیک وبد اعمال اور ان کے ثمرات ونتائج یاد دلاتا ہے اور عبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ واقعات کو بار بار بیان کرتا ہے تاکہ وہ سامعین کے دلوں میں گھر کرسکیں—— آدمی جب سنتا ہے کہ فلاں فلاں قومیں فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہوئیں تو وہ ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے کی وجہ سے پچھلوں کو نجات ملی تو وہ طبعاً اس کی طرف دوڑتا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرا سا بھی خوفِ خدا ہے وہ یہ سرگذشتیں سن کر متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا

۴-اور مؤمنین کے لئے یاددہانی ہیں—— یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں اور غفلت سے روکتی ہیں—— زندگی اور زندگی

(۱) دیکھئے GENESIS 9:20--24 ----- 19:30--38

کے مشاغل کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ آدمی "حقیقت" کو ہمیشہ پیش نظر نہیں رکھ سکتا۔ کاروبار کے جھمیلوں میں پڑ کر اور دنیا کے خرخشوں میں پھنس کر مؤمن بندہ بھی کبھی مقصدِ زندگی فراموش کر دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی سرگذشتیں کبھی کبھی پڑھتا رہے تو اسے مقصدِ زندگی یاد رہے گا اور اس کی غفلت دور ہوگی۔

گاہے گاہے بازخواں ایں قصہٴ پارینہ را ❁ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

(کبھی کبھی یہ پرانے واقعات پڑھ لیا کرو ❁ سینے کے داغ اگر تازہ رکھنا چاہتے ہو)

انبیاءِ کرام کے واقعات میں دل جمعی کا سامان ہے، تحقیقی باتیں اور نصیحت ہیں

وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ع

وَ قُلْ	اور کہہ دیجئے	مُنْتَظِرُوْنَ	منتظر (ہیں)	فَاعْبُدْهُ	سو عبادت کیجئے آپ انکی
لِّلَّذِیْنَ	ان (لوگوں) سے جو	وَلِلّٰهِ (۱)	اور اللہ ہی کیلئے (ہے)	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ رکھئے آپ
لَا یُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان لائے	غَیْبُ	پوشیدہ چیز	عَلَیْهِ	اُن پر
اعْمَلُوْا	تم کام کرو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں (کی)	وَ	اور
عَلٰی مَكَانَتِكُمْ	اپنی جگہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کی)	مَا	نہیں (ہیں)
اِنَّا	بے شک ہم	وَاِلَیْهِ	اور انہی کی طرف	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار
عٰمِلُوْنَ	کام کر رہے ہیں	یُرْجَعُ (۲)	پھیرے جائیں گے	بِغَافِلٍ (۳)	بے خبر
وَانْتَظِرُوْا	اور تم منتظر رہو	الْاَمْرُ	کام	عَمَّا	ان (کاموں) سے جو
اِنَّا	بے شک ہم	كُلُّهٗ	سارے	تَعْمَلُوْنَ	تم کر رہے ہو

(۱) لِلّٰهِ خبر مقدم ہے، جو خود مفید حصر ہے پھر مزید اس پر لام اختصاص آیا ہے۔ (۲) یُرْجَعُ مضارع مجہول ہے — اَلْاَمْرُ نائب فاعل ہے — كُلُّهٗ صفت مؤکدہ ہے اَلْاَمْرُ کی — اور كُلُّ چونکہ لازم الاضافت ہے اس لئے اس کی اضافت ضمیر کی طرف کی گئی ہے (۳) باجارہ ما مشابہ بلیس کی خبر پر نفی کی تاکید کے لئے آئی ہے۔

تم اپنی راہ لگو، ہم اپنی راہ چل رہے ہیں

اب اخیر میں فیصلہ کن بات کہہ کر سورت ختم کی جاتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور آپ ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے — دلائل و براہین سے متأثر نہیں ہوتے اور پچھلی امتوں پر جو عذاب نازل ہوئے ہیں ان کی بھی پرواہ نہیں کرتے، ان سے — فرمادیجئے کہ: ''تم اپنی جگہ (اپنے طریقہ پر) کام کئے جاؤ، بیشک ہم (بھی) اپنا کام کررہے ہیں — یعنی تم اپنی راہ لگو ہم اپنی راہ چل رہے ہیں — اور تم (نتیجہ کے) منتظر رہو، بیشک ہم (بھی) منتظر ہیں'' — جلد ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردیا جائے گا — اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ پاک ہی کے لئے ہیں — وہی جانتے ہیں کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے یعنی عذاب کب آنا ہے؟ — اور انہی کی طرف سارے کام پھیرے جائیں گے — تمہیں بھی اللہ پاک ہی کی طرف پلٹنا ہے اور ہمیں بھی۔ تمہارا معاملہ بھی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور ہمارا بھی، سارے ہی کام ان کے ہاتھ میں ہیں — سو آپ اس کی عبادت کیجئے — کیونکہ یہ آپ کا فریضہ زندگی ہے — اور اس پر بھروسہ رکھئے — وہ خود آپ کے سب کام درست فرمادے گا — اور آپ کے پروردگار ان کاموں سے جو تم کررہے ہو، بے خبر نہیں — یعنی اللہ پاک تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں، ان کے مناسب تم سے معاملہ فرمائیں گے۔

سورت کی ابتدا بھی اسی اعلان سے ہوئی تھی۔ دیکھئے آیت ۳ و ۴ پھر واضح کیا گیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا اعلان بھی یہی رہ چکا ہے۔ دیکھئے آیات انتالیس، ستاون اور ترانوے۔ اور اب اسی اعلان پر سورت ختم کی ہے۔

جو لوگ دعوت وارشاد کا کام کررہے ہیں وہ یقین رکھیں کہ ان کی محنتیں ضائع نہ ہوں گی۔ اور جو لوگ فساد برپا کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی خبردار رہیں کہ ان کو ان کے اعمال کی پاداش ضرور بھگتنی پڑے گی اللہ پاک کی حکمت میں دیر ہے۔ اندھیر نہیں!
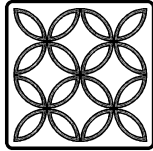
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ یوسف (علیہ السلام)

نمبر شمار ۱۲ نزول کا نمبر ۵۳ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۲ آیات ۱۱۱

اس سورت میں اول سے آخر تک ایک ہی سرگذشت بیان ہوئی ہے۔اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت ہے۔اس وجہ سے اس کا نام سورۂ یوسف (علیہ السلام) رکھا گیا ہے—— یہ پوری سورت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ترپن (۵۳) ہے یعنی مکی دور کے آخر میں، سورۂ ہود (علیہ السلام) کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے۔یہ وقت خود حضور پاک ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بڑا نازک تھا۔مکہ والے مکاری پر اتر نا چاہ رہے تھے۔وہ اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے کہ خاکم بدہن یا تو حضورِ پاک ﷺ کو قتل کردیں یا جلاوطن کردیں یا قید کردیں۔مسلمان بڑی تعداد میں ہجرت کر کے حبشہ جا چکے تھے، جو باقی رہ گئے تھے وہ بالکل بے بس تھے۔مخالفت زوروں پر تھی۔دین کی دعوت دینا جوکھوں میں پڑنا تھا۔اس وجہ سے اس نازک دور میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں زیادہ تر ایسے مضامین ہیں جن سے حضور پاک ﷺ کو اور مسلمانوں کو تقویت ملتی تھی۔سورۂ ہود میں، جو اس سورت سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اسی مقصد کیلئے پانچ پیغمبروں کی سرگذشتیں بیان ہوئی ہیں، پھر سورۂ ہود کی آیت ایک سو بیس (۱۲۰) میں اس بات کی صراحت بھی فرمادی گئی ہے کہ رسولوں کے واقعات میں آپؐ کی اور امت کی دل بستگی اور دل جمعی کا سامان ہے۔

سورۂ ہود (علیہ السلام) کے فوراً بعد یہ سورت نازل ہوئی ہے۔اس میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ پیش کیا گیا ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام صبر ویقین کی مضبوط چٹان تھے۔درد وغم کے طوفان اٹھتے تھے مگر صبر ویقین کی چٹان سے ٹکرا کر رہ جاتے تھے، اس پر غالب نہیں آسکتے تھے۔یہی صورتِ حال آپ کی سیرت مقدسہ کا اسوۂ حسنہ ہے—— حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قدرتِ الٰہی کا عجیب وغریب نمونہ ہے آپؑ کے بھائیوں نے کیا چاہا تھا اور قدرتِ الٰہی نے کیا کیا! مشکلاتِ راہ کتنی تھیں مگر منزل کتنی سہانی تھی۔قریش کے لئے پہلی بات میں بڑی نشانی تھی اور حضور پاک ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دوسری بات میں بڑی تسلی تھی۔

ایک طرف یہ حالات تھے جن میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔دوسری طرف اس سورت کے نازل ہونے کا ایک سبب یہ بھی بنا کہ یہودیوں نے کفارِ مکہ کو کہلا بھیجا کہ محمد (فداہ روحی!) عاد وثمود کے حالات بیان کرتے ہیں۔یہ بات ان

کیلئے کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ عاد وثمود کے واقعات عرب کے مشہور واقعات ہیں ان سے عربوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اگر محمد (ﷺ) انہیں بیان کرتے ہیں تو اس میں معجزہ کیا ہے؟ ان سے پوچھو کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا سبب کیا بنا؟ یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں میں کیا معاملہ پیش آیا؟ اور یوسف کیوں کر مصر پہنچے؟ — چونکہ عرب اس قصہ سے ناواقف تھے، عربوں کی روایات میں اس قصہ کا نام ونشان نہیں تھا، اس وجہ سے یہود کو توقع نہ تھی کہ نبی پاک ﷺ اس سوال کا مفصل جواب دے سکیں گے۔

چنانچہ مکہ والوں نے نبی پاک ﷺ سے امتحان کے لئے یہی سوال کیا جس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اور امتحان میں اہل مکہ اور یہود کو منہ کی کھانی پڑی۔ ساتویں آیت میں اس شان نزول کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن پاک عام طور پر واقعات کو تاریخی انداز سے بیان نہیں کرتا۔ مگر اس واقعہ کو بڑی حد تک تاریخی انداز پر بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک امتحانی سوال تھا جس کیلئے ضروری تھا کہ پورا واقعہ سلیس انداز میں بیان کیا جائے۔ لیکن چونکہ یہ بات قرآن کریم کے مقصد سے ہٹی ہوئی تھی اس لئے وہ قصہ کے درمیان میں موقع بموقع واقعات سے نتائج بھی اخذ کرتا جاتا ہے۔ جس سے قرآن کا پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں۔

اہمیت: اس سورت کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خود اللہ پاک جل شانہ نے اس سورت میں بیان ہونے والے واقعہ کو اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ (بہترین واقعہ) فرمایا ہے۔ اور جسے اللہ پاک بہترین فرمائیں وہ بہترین نہ ہوگا تو اور کونسا واقع ہوگا۔

مضامین: سورت کا آغاز قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے مسئلہ سے ہوا ہے اور اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ پھر فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ شروع ہوا ہے جس کا سلسلہ آیت ۱۰۱ تک چلا گیا ہے۔ اس کے بعد پھر قرآن پاک کے وحی الٰہی ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے اور افسوس ظاہر کیا ہے کہ لوگ یہ اور اس جیسی کتنی ہی آفاقی نشانیاں دیکھتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے اور اکثر لوگ جو اللہ پاک کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ کیا اس کی توحید شرک سے آلودہ تو نہیں۔ اگر نہیں تو اسے شکر خداوندی بجالانا چاہئے۔ اور اگر اس کے عقیدۂ توحید میں کسی درجہ میں بھی شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے تو اسے پہلی فرصت میں توبہ کرنی چاہئے کیونکہ کسے اطمینان ہے کہ عذاب کی کوئی ایسی آفت نہ آپڑے جو اسکو محیط ہو جائے؟ یا اسے اچانک موت آجائے اور اسے خبر بھی نہ ہو! اس لئے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے عقیدۂ توحید کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

اس کے بعد ایک آیت میں توحید کی حقانیت بیان فرمائی گئی ہے اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ توحید کی طرف دعوت

بے دلیل نہیں دی جارہی بلکہ علیٰ وجہ البصیرت دی جارہی ہے۔

اس کے بعد کی تین آیتیں سورت کی آخری موعظتیں ہیں جن میں مؤمنین کو اطمینان دلایا ہے، انھیں مددِ خداوندی پہنچنے کا ضابطہ بتایا ہے۔ پچھلی امتوں کے حالات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے اور قرآن کریم جو واقعات بیان فرماتا ہے ان کی اہمیت واضح کی ہے۔

درمیان کی تقریباً سو آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم نے واقعہ کو تین بابوں میں تقسیم کیا ہے۔

① —— حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب دیکھنے سے لے کر عزیزِ مصر کے گھر میں فروکش ہونے تک —— آیات چار تا اکیس۔

② —— جوانی سے لے کر سلطنتِ مصر کے تختِ شاہی پر متمکن ہونے تک —— آیات بائیس تا ستاون۔

③ —— بھائیوں کی دربار میں حاضری سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور تمام خاندان کے داخلۂ مصر تک —— آیات اٹھاون تا ایک سو ایک۔

واقعہ کے ان تینوں حصوں کے آخر میں بیان شدہ حصہ سے نتائج اخذ کئے گئے ہیں اور آیت سینتیس سے آیت چالیس تک توحید پر حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک گفتگو ہے۔ جو آپ نے قید خانے کے دو ساتھیوں سے کی تھی۔

پس بنیادی مسئلہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے اور ضمناً متعدد مسائل زیر بحث آئے ہیں مثلاً توحید، رسالت، قرآن کا وحیٔ الٰہی ہونا اور اس کا عربی زبان میں ہونا، (آیت ایک اور دو) قرآن پاک میں بیان ہونے والے واقعات کا بہترین واقعات ہونا (آیت تین) شیطان کا دشمنِ انسان ہونا (آیت پانچ) عفت وعصمت کا عیش وعشرت سے بدرجہا بہتر ہونا (آیت تینتیس) تہمت کی باتوں سے حتی الامکان بچنا، اور خدانخواستہ اگر کوئی غلط الزام سر پر آپڑے تو وقت آنے پر اس کی مکمل صفائی کرلینا (آیت باون) نفس امارہ کی چالوں سے ڈرتے رہنا (آیت ترپن) نیکی کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے مگر آخرت کا اجر کہیں بہتر ہے (آیت چھپن وستاون) نظر بد حق ہے اور اس سے بچنے کیلئے تدبیر کرنا توکل کے خلاف نہیں (آیت سڑسٹھ واڑسٹھ) مؤمن کی سب سے بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ پروردگار! اسے فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھائیں اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائیں (آیت ایک سو ایک)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۞ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۞ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ۞

بِسۡمِ	نام سے	اِنَّآ	بیشک ہم نے	الۡقَصَصِ	قصہ
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	اَنۡزَلۡنٰهُ	اتارا ہے اس کو	بِمَآ اَوۡحَيۡنَآ (۵)	ہمارے وحی کرنے
الرَّحۡمٰنِ	(جو) نہایت مہربان	قُرۡءٰنًا (۳)	قرآن		کی تقریب سے
الرَّحِيۡمِ	بڑے رحم والے (ہیں)	عَرَبِيًّا	عربی زبان کا	اِلَيۡكَ	آپ کی طرف
الٓرٰ	الف۔لام۔را	لَعَلَّكُمۡ	تاکہ تم	هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ	یہ قرآن
تِلۡكَ (۱)	وہ (یعنی یہ)	تَعۡقِلُوۡنَ	سمجھو	وَاِنۡ كُنۡتَ (۶)	اگرچہ تھے آپ
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	نَحۡنُ نَقُصُّ	ہم بیان کرتے ہیں	مِنۡ قَبۡلِهٖ	اس (قرآن) سے پہلے
الۡكِتٰبِ	کتاب	عَلَيۡكَ	آپ کے سامنے	لَمِنَ (۷)	بالکل ہی بے خبر
الۡمُبِيۡنِ (۲)	واضح (کی)	اَحۡسَنَ (۴)	بہترین	الۡغٰفِلِيۡنَ	لوگوں میں سے

(۱) تِلْکَ اسم اشارہ بعید، مشار الیہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے (۲) اَلْمُبِیْنُ صفت ہے اَلْکِتَاب کی (۳) قُرآنًا اور عَرَبِیًّا حال ہیں اَنْزَلْنَاہُ کی ضمیر مفعول سے (۴) اَحْسَنُ اسم تفضیل ہے: بہترین اَلْقَصَصُ مصدر اور اسم مصدر ہے: قصہ اور قصہ بیان کرنا۔ یہ قِصَّةٌ کی جمع نہیں، اس کی جمع قِصَصٌ قاف کے زیر کے ساتھ آتی ہے — اَحْسَنَ الْقَصَصِ مرکب اضافی ہے اور جملہ ناقصہ نَقُصُّ کا مفعول بہ بھی ہوسکتا ہے اور مفعول مطلق بھی پہلی صورت میں ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر لکھا گیا اور مفعول مطلق ہونے کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''ہم آپ کے سامنے نہایت خوبی سے واقعہ بیان کرتے ہیں'' (۵) بِمَا میں باسببیہ ہے اور مَا مصدریہ ہے ای: بسبب ایحائنا (روح) (٦) اِنْ مخففہ ہے، اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور جملہ کُنْتَ الخ خبر ہے (۷) لام اِنْ نافیہ اور اِنْ مخففہ کے درمیان فارقہ ہے۔

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی تمہید کہ یہ واقعہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے

اس سورت میں بیان ہونے والا واقعہ حضور ﷺ کی نبوت کا ایک بڑا ثبوت ہے، اور کیسا ثبوت؟ مخالفین کا منہ مانگا ثبوت! خود ان کے تجویز کردہ سوال کا جواب! اس وجہ سے اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے کتابِ الٰہی ہونے کے تذکرے سے کیا گیا ہے۔ سورت کے شروع ہی میں یہ بات واضح کردی ہے کہ نبی کریم ﷺ سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے، بلکہ آپؐ کو وحی کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں — اَلِف، لام، رَا — یہ تیسری سورت ہے جو ان حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے، اس سے پہلے سورۂ یونس اور سورۂ ہود انہی حروف سے شروع ہوئی ہیں اور ان کو حروف مقطعات اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو کاٹ کر حروفِ ہجا کی طرح الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ ان حروف کی حقیقی مراد صرف اللہ پاک کو معلوم ہے لیکن ہم اتنی بات کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں کہ یہ سورت بھی پچھلی دونوں سورتوں کے ساتھ مضامین میں بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو اپنی بات صاف صاف بیان کرتی ہے — یعنی یہ قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ اور قرآن پاک اپنی بات کھول کر بیان کرتا ہے۔ اس کے بیان میں کوئی گنجلک نہیں ہوتی، ہر بات صاف سمجھا تا ہے۔

بے شک ہم نے اس کو ''پڑھنے کی کتاب'' بنا کر عربی زبان میں اتارا ہے، تا کہ تم سمجھو — لفظ قرآن قَرَأَ یَقْرَأُ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں ''پڑھنا'' اور ترکیب میں حال واقع ہے یعنی حالت بتا رہا ہے۔ قاعدہ سے قُرْآنٌ کے بجائے مَقْرُوْءٌ (پڑھی جانے والی کتاب) کہنا چاہئے مگر مشتق کے بجائے اسم کو حال بنا کر مبالغہ پیدا کیا گیا ہے یعنی یہ کتاب خاص وعام سب کے پڑھنے کے لئے ہے۔

قرآن پاک کا پڑھنا اللہ پاک کو اتنا محبوب ہے کہ کم کوئی عمل اللہ پاک کے نزدیک اتنا پسندیدہ ہوگا۔ حضور پاک ﷺ نے بتلایا ہے کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ''جس شخص کو قرآن پاک کی مشغولی ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے سے روک دے: میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں، اور اللہ پاک کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی خود حق تعالیٰ شانہ کو تمام مخلوقات پر''[1]

اللہ اکبر! اللہ کی فضیلت کا مخلوقات سے کیا موازنہ؟! کہاں خالق کائنات اور کہاں مخلوقات؟ چہ نسبت خاک را با عالمِ

(۱) رواه الترمذی والدارمی عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه

پاک؟ پس اللہ پاک کے کلام کا بھی انسانوں کے کلام سے کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ پاک کا کلام اللہ پاک کا کلام ہے بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''قرآن والو! قرآن پاک کو تکیہ نہ بناؤ، شب و روز اس کی تلاوت ایسی کرو جیسا اس کا حق ہے۔ کلامِ پاک کی اشاعت کرو۔ اس کو اچھی آواز سے پڑھو۔ اس کے معانی میں تدبر اور غور و فکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔ اس کا بدلہ جلدی (دنیا میں) طلب نہ کرو، کیونکہ اس کے لئے (آخرت میں) بڑا اجر ہے''(۱)

قرآن پاک کا پڑھنا، اشاعت کرنا، اس کے معانی میں غور کرنا بڑی نیکی ہے اور قرآن پاک کو تکیہ بنانا بڑی محرومی ہے، قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں اپنی امت کی صرف ایک شکایت کریں گے، جانتے ہو وہ کیا شکایت کریں گے؟ وہ شکایت یہ کریں گے کہ: ''اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا!''(۲)—— یعنی وہ دنیا بھر کی کتابیں پڑھتی تھی اور نہیں پڑھتی تھی تو بس اس قرآن کو نہیں پڑھتی تھی، اللہ پاک ہم سب کو وہ دن نہ دکھائیں کہ حضور اکرم ﷺ اللہ پاک سے ہماری شکایت کریں۔

اللہ پاک نے یہ قرآن عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ قرآن پاک کے پہلے مخاطب اس کو اچھی طرح سمجھ سکیں، کیونکہ ان کی زبان عربی تھی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن پاک صرف عربوں کے لئے اتارا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عربوں سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں یہ باتیں ایرانی یا تورانی زبان میں نہیں سنائی جا رہیں! بلکہ تمہاری اپنی مادری زبان میں تم سے خطاب کیا جا رہا ہے تاکہ تم اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ اب تمہارے لئے یہ عذر کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے کہ قرآن پاک کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں!

بعض لوگ حقیقت کو سمجھے بغیر اس قسم کی آیتوں کو دیکھ کر یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ قرآن پاک تو صرف عربوں کے لئے ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۃ الجمعہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ براہِ راست مبعوث فرمائے گئے ہیں اور جس کی اصلاح کی ذمہ داری آپ پر رکھی گئی ہے۔ یہ عرب کے لوگ ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی طرف آپؐ کی بعثت امت کے پہلے گروہ کے واسطے سے ہوئی ہے یہ عربوں کے علاوہ ساری دنیا کے انسان ہیں۔

اور انسانوں کی ہدایت کے لئے جب بھی وحی نازل کی جاتی ہے تو وہ انسانوں ہی کی کسی زبان میں نازل کی جاتی ہے، اب حضور ﷺ کی امت کے دو حصوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ضروری ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ پہلا حصہ ہی ہوسکتا ہے اس وجہ سے قرآن پاک عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اب قرآن پاک کی کوشش یہ ہے کہ وہ عربوں کو اپنی تعلیم سے پوری

(۱) رواه البيهقي في شعب الإيمان عن عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ رضي الله تعالى عنه (۲) الفرقان آیت ۳۰

طرح متاثر کرے جن کی زبان میں وہ نازل ہوا ہے تاکہ وہ دوسری قوموں تک قرآن کریم کی تعلیم کے پہنچنے کا ذریعہ بنیں۔

ہم آپؐ سے، آپ کی طرف یہ قرآن وحی کرنے کی تقریب سے، بہترین قصہ بیان کرتے ہیں، گوکہ آپ اس سے پہلے بالکل ہی بے خبر تھے — یعنی ہم آپ کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں، جو عبرتوں اور حکمتوں کا خزانہ ہے یا ہم نہایت خوبی سے ایک قصہ بیان کرتے ہیں، جس کا پیرایۂ بیان دلچسپ، واضح، سلیس اور بڑی حد تک تاریخی ہے آپؐ قرآن پاک کے بیان سے پہلے اس قصہ سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ کیونکہ اس کا تذکرہ عربوں کی روایات میں نہیں۔

اور واقعہ کا یہ بیان نزولِ قرآن کی تقریب سے ہوا ہے یعنی فی الوقت قرآن پاک نازل ہو رہا ہے اور لوگوں نے یہ قصہ پوچھا ہے اس لئے اگرچہ دعوت وتبلیغ کے مقصد سے اس قصہ کا نازل کرنا کچھ ضروری نہیں تھا مگر اتمامِ حجت کی خاطر ہم یہ قصہ بیان کرتے ہیں۔

اس آیتِ پاک سے اور سورۃ المائدہ کی آیت ایک سو ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں جو باتیں پوچھی جاتی ہیں ان کا جواب نازل کیا جاتا ہے۔ چاہے ان سوالوں کا جواب ضروری ہو یا نہ ہو اور چاہے ان کا جواب پوچھنے والوں کے لئے مفید ہو یا نہ ہو لوگوں نے چونکہ ایک بات پوچھی ہے اس لئے اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے اس کا جواب نازل فرماتے ہیں۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع

اِذْ قَالَ (۱) يُوْسُفُ	(یاد کرو) جب کہا یوسف (نے)	لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ (۲)	اپنے والد سے ابا جی!	اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ (۳)	سچ سچ، میں نے دیکھے گیارہ

(۱) ذِكْرُ الْوَقْتِ كنايةٌ عن ذكر ما حدث فيه (روح) وقت کا تذکرہ واقعہ کا تذکرہ ہے (۲) اَبٌ میں نداء کے وقت تاء بڑھا دیتے ہیں (۳) اَحَدَ عَشَرَ مرکب بنائی ہے، جس میں دوسرا کلمہ حرف پر مشتمل ہوتا ہے

کَوْکَبًا	تارے	کَیْدًا	کوئی چال	عَلَیْکَ	تجھ پر
وَّالشَّمْسَ	اورسورج	اِنَّ الشَّیْطٰنَ	بلاشبہ شیطان	وَعَلٰۤی اٰلِ	اورخاندان پر
وَالْقَمَرَ	اورچاندکو	لِلْاِنْسَانِ	انسان کا	یَعْقُوْبَ	یعقوب (کے)
رَاَیْتُهُمْ[1]	دیکھا میں نے ان کو	عَدُوٌّ	دشمن (ہے)	کَمَاۤ	جس طرح
لِیْ	اپنے لئے	مُّبِیْنٌ	کھلا	اَتَمَّهَا	پوری فرمائی وہ (نعمت)
سٰجِدِیْنَ[2]	سجدہ کرتے ہوئے	وَكَذٰلِكَ	اوراسی طرح	عَلٰۤی اَبَوَیْكَ	تیرے بزرگوں پر
قَالَ	فرمایا (یعقوب نے)	یَجْتَبِیْكَ[5]	منتخب فرمائیں گے تجھے	مِنْ قَبْلُ	قبل اس کے
یٰبُنَیَّ[3]	مُنّے (ننھے)	رَبُّكَ	تیرے پروردگار	اِبْرٰهِیْمَ[7]	(یعنی) ابراہیم
لَا تَقْصُصْ	نہ بیان کرنا	وَیُعَلِّمُكَ	اورسکھلائیں گے تجھے	وَاِسْحٰقَ	اوراسحاق پر
رُءْیَاكَ	اپنا خواب	مِنْ تَاْوِیْلِ[6]	کچھ مطلب اخذ کرنا	اِنَّ	بے شک
عَلٰۤی اِخْوَتِكَ[4]	اپنے بھائیوں سے	الْاَحَادِیْثِ	باتوں کا	رَبَّكَ	تیرے پروردگار
فَیَكِیْدُوْا	ورنہ چال چلیں گے وہ	وَیُتِمُّ	اورپوری فرمائیں گے	عَلِیْمٌ	سب کچھ جاننے والے
لَكَ	تیرے ساتھ	نِعْمَتَهٗ	اپنی نعمت	حَكِیْمٌ	بڑی حکمت والے (ہیں)

یوسف علیہ السلام کا خواب اور اس کا مطلب

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور بن یامین حقیقی بھائی تھے اور سب سے چھوٹے تھے۔ باقی دس بھائی سوتیلے تھے۔ دستورِ زمانہ کے موافق ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے خلش تھی —— حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں ایک خواب دیکھا اور بڑا ہی عجیب خواب دیکھا۔ قرآن کریم اس خواب کے ذکر سے واقعہ کا آغاز کرتا ہے —— جس وقت یوسف نے اپنے والد سے کہا: ''ابا جی! سچ سچ، میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے، میں نے ان کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا!'' —— ننھے یوسف کا خواب کتنا سہانا، کتنا پیارا اور کتنا

(۱) رَاَیْتُهُمْ تاکید لما تقدم تَطْرِیةً للعهد (روح) رَاَیْتُهُمْ سابق رَاَیْتُ کی یاد تازہ کرنے کے لئے ہے (۲) سٰجِدِیْنَ حال ہے ضمیر هُمْ سے (۳) بُنَیَّ تصغیر ہے اِبْنٌ کی اور پیار ومحبت کے لئے ہے (۴) عَلٰی صلہ ہے قَصَّ علیه: بیان کرنا (۵) اِجْتَبٰی اِجْتِبَاءً: پسند کرنا، چن لینا جَبٰی (ض) جِبَایَةً الشیئَ جمع کرنا (۶) تَاْوِیْل کے معنی کے لئے دیکھئے سورۂ یونس آیت ۳۹ کا حاشیہ (۷) ابراهیم و اسحاق عطف بیان ہیں اَبَوَیْکَ کا۔

دلچسپ ہے! منے نے دیکھا کہ جگمگ جگمگ کرتے گیارہ تارے، ضَوفشاں سورج اور موہنی چاند اسے سجدہ کر رہے ہیں۔ اسے یہ خواب بڑا ہی عجیب معلوم ہوا۔ وہ یہ دلرُبا منظر دیکھ کر پھولا نہیں سمایا۔ دوڑا ہوا ابا جان کے پاس گیا اور لاڈ سے کہنے لگا: ''ابا جی! آپ یقین کریں، میں نے چمکتے دمکتے گیارہ ستارے روشن سورج اور چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے''—— ابا جان خواب سنتے ہی سمجھ گئے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ خواب جس قدر دلچسپ تھا اسی قدر عظمت آفریں بھی تھا اور سپیدۂ صبح کی طرح واضح بھی تھا۔ مگر چونکہ بچے نے تعبیر لینے کے لئے خواب نہیں سنایا تھا اس لئے تعبیر دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، البتہ اس کو صیغہ راز میں رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے—— فرمایا:

''منے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا، ورنہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔ شیطان بیشک انسان کا کھلا دشمن ہے''—— حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ سوتیلے بھائی یوسف علیہ السلام سے حسد رکھتے ہیں، اس پر باپ کی مہربانیاں دیکھ کر جلتے ہیں، شفقتیں دیکھ کر بھنتے ہیں، اس وجہ سے آپ نے یوسف علیہ السلام کو نصیحت فرمائی کہ پیارے! ہوشیار رہنا، اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہہ دینا، اندیشہ ہے کہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں، شیطان سے کیا اطمینان ہے وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ تیری ایذا رسانی کے لئے ضرور ان سے کوئی ناروا حرکت کرا دے گا۔ اس لئے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب چھپائے رکھنا، بھول کر بھی بھائیوں سے ظاہر نہ کرنا—— خواب سے اتنی بات ننھے یوسف بھی سمجھ رہے تھے کہ اس میں میری بلندی کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا—— اور اسی طرح تیرے پروردگار تجھے منتخب فرمائیں گے، اور تجھے سخن فہمی سے حصہ عطا فرمائیں گے، اور تجھ پر اور خاندان یعقوبؑ پر اپنی نعمت پوری فرمائیں گے، جس طرح ماضی میں تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری فرما چکے ہیں، یقین جان تیرے پروردگار سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں—— حضرت یعقوب علیہ السلام ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات دیکھ کر یا وحی الٰہی سے واقف ہو کر ننھے یوسف کو تین خوش خبریاں سناتے ہیں (یاد رہے کہ خواب کی تعبیر نہیں دے رہے)[1]

پہلی بشارت—— یہ دی ہے کہ اللہ پاک یوسف علیہ السلام کو برگزیدہ بنائیں گے یعنی نبوت عطا فرمائیں گے، عزتیں اور عظمتیں بخشیں گے اور بلند درجات و مراتب سے نوازیں گے، جن میں ان کی کوشش کا مطلق دخل نہ ہوگا—— جس طرح اللہ پاک نے ان کو ایسا اچھا خواب دکھلایا ہے اسی طرح اپنی رحمت سے اپنی بارگاہ میں بلند مقام عطا فرمائیں گے، ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نوازشوں سے مالا مال فرمائیں گے۔

(۱) خواب تعبیر کا محتاج نہیں، وہ اپنی تعبیر آپ ہے بس مراد متعین ہونی باقی ہے جو وقت پر ہوگی، جس کا تذکرہ سوویں آیت میں آرہا ہے۔

دوسری بشارت —— یہ دی کہ اللہ پاک ان کو معاملہ فہمی اور حقیقت رسی کا جوہر عطا فرمائیں گے، خواب سن کر اس کے اجزا کو فراست سے ٹھکانے لگانے کا ملکہ عطا فرمائیں گے —— تَاوِیْل مصدر ہے اس کے معنی ہیں: ''بات کو اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانا، اس کا موقع ومحل سمجھنا اور معاملات کے نتائج کو پرکھ لینا'' اور اَحَادِیْث جمع ہے حَدِیْثٌ کی جس کے معنی ہیں ''باتیں'' پس تَاوِیْلُ الاَحَادِیْث کا مطلب محض خواب کی تعبیر نہیں، بلکہ یہ ترکیب اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ اس بشارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کو سخن فہمی اور حقیقت رسی کی تعلیم دیں گے، وہ بصیرت ان کو عطا فرمائیں گے جس سے وہ ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنے اور اس کی تہ کو پالینے کے قابل ہو جائیں گے، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہو اس کو اس طرح سلجھا لینے کی مہارت اللہ پاک ان کو عطا فرمائیں گے کہ جس سے ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے —— البتہ خواب کی تعبیر کا علم تاویل الاحادیث کے مفہوم سے باہر نہیں، بلکہ وہ بھی اس بشارت میں داخل ہے۔

تیسری بشارت —— یہ دی کہ خاص طور پر یوسف پر اور عام طور پر پورے خاندان پر اللہ تعالیٰ انعامات فرمائیں گے۔ جس طرح ماضی میں ان کے بزرگوں پر انعامات کی بارش فرماتے رہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو ان کے پردادا ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر جو ان کے دادا ہیں اللہ پاک نے اپنی نعمتیں پوری فرمائی ہیں اسی طرح ان شاء اللہ یہ سلسلہ ابھی اور آگے چلے گا —— حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں کیا اور اس لئے بھی نہیں کیا کہ ان کا معاملہ بیٹے کے سامنے ہے۔

عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ خاندانی عظمتیں، دینی بزرگیاں اور عزتیں زیادہ سے زیادہ تین پشتوں تک چلتی ہیں۔ بیٹے کو تو عام طور پر پہنچتی ہیں اور پوتوں تک شاذ ونادر ہی جاتی ہیں۔ پس اگر کسی خاندان میں پروتوں تک یہ میراث پہنچے تو بڑا ہی شکر کا مقام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کے سامنے یہ باتیں ذکر کر کے اللہ پاک کا شکر بجا لا رہے ہیں اور بیٹے سے فرما رہے ہیں کہ یقین جان! تیرے پروردگار سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔ جو جس کے قابل نظر آتا ہے اس کو وہ چیز دیتے ہیں۔ ان کو نہ پوتوں سے بیر ہے نہ پروتوں سے —— تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا!

اگر کوئی خاندان قابلیتیں پیدا کرتا رہے تو اللہ پاک پوتوں تک کیا سو پشتوں تک انعامات فرماتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی قابلیتوں سے تہی داماں ہو جائے تو بیٹا بھی محروم رہ جائے گا حدیثِ صحیح میں نبی اکرم ﷺ نے اس خاندان کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿الكريم بن الكريم بن الكريم بن الكريم يوسف بن يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم﴾ [1] یعنی ایں خانہ ہمہ آفتاب است!

(۱) رواه البخاری عن ابن عمر رضی الله تعالى عنهما (مشکوٰۃ ص ۴۱۷)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آخری بشارت سے ایک خاص بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر خاندان میں ایک فرد بھی معاملہ فہم ہو، سخن فہمی کا جوہر رکھتا ہو، عظمتوں کا مالک ہو اور فضل خداوندی کا مَورِدْ (اترنے کی جگہ) ہو تو اس سے پورے خاندان کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس طرح اللہ پاک کا یہ عظیم الشان انعام ایک فرد سے بڑھ کر پورے خاندان کو شامل ہو جاتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ خاندان اس فرد سے جڑا رہے، کٹ کر نہ رہ جائے!

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی (حضرت شداد رحمہ اللہ)

معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا ضروری نہیں

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝

لَقَدْ	بخدا! بالتحقیق		کے قصہ) میں	اٰیٰتٌ	بڑی نشانیاں
کَانَ	تھیں	وَاِخْوَتِہٖٓ	اوران کے بھائیوں	لِّلسَّآئِلِیْنَ	پوچھنے والوں کے لئے
فِیْ یُوْسُفَ[۱]	یوسف (علیہ السلام		(کے قصہ میں)	❁	❁

یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قریش کے لئے سبق ہے

اب واقعہ یہ کہہ کر باقاعدہ شروع کیا جاتا ہے کہ —— قسم بخدا! حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت میں پوچھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں —— یعنی اے پوچھنے والو! یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ کو محض ایک قصہ نہ سمجھو، اس میں تمہارے لئے بڑی نشانیاں ہیں —— سورت کے دیباچے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا قصہ پوچھنے والے کفارِ مکہ تھے۔ انھوں نے یہودیوں کے اشارے پر آپ ﷺ کا امتحان کرنے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے مصر پہنچنے کا کیا سبب ہوا؟ قرآن کریم واقعہ بیان کرنے سے پہلے تنبیہ کرتا ہے کہ یہ واقعہ، واقعہ دریافت کرنے والوں کے لئے بڑا سبق آموز ہے، انھیں چاہئے کہ واقعہ سن کر ایک طرف نہ کر دیں بلکہ اسے اچھی طرح بوجھیں۔

مگر افسوس مکہ والوں نے سُنی ان سنی کر دی۔ انھوں نے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی سرگذشت سے کوئی سبق نہیں لیا بلکہ انھوں نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ وہی سب کچھ کیا جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا تھا؟ بالآخر

(۱) فِیْ یُوْسُفَ مع معطوف خبر مقدم ہے کَانَ کی اور اٰیٰتٌ مع متعلق اسم مؤخر ہے اور کَانَ (ماضی) تحقیق کے لئے ہے۔

ان کے سامنے بھی وہی نتیجہ آیا جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے سامنے آیا تھا— انھوں نے بھی جل بھن کر اپنے بھائی محمد ﷺ کے قتل کے مشورے کیے۔ ناپاک منصوبے بنائے، طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، عزت وآبرو پر حملے کیے، وطن سے بے وطن کیا، مگر جلد وہ دن آ گیا کہ وہ اسی بھائی کے قدموں میں گرے اور اس سے رحم وکرم کی بھیک مانگنے لگے، فتح مکہ کے موقعہ پر ٹھیک وہی منظر تھا جو یوسف علیہ السلام کے دربار میں بھائیوں کی آخری حاضری کے موقع پر تھا۔ شکست خوردہ اہل مکہ حضور پاک ﷺ کے سامنے سرنگوں کھڑے تھے، آپؐ ان سے ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے آپ نے پوچھا: ''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟'' انھوں نے عرض کیا اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ: آپ ایک عالی ظرف بھائی ہیں اور ایک عالی ظرف بھائی کے بیٹے ہیں! اس پر حضور پاک ﷺ نے اعلان فرمایا کہ: میں تمہیں وہ جواب دیتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ تم پر آج ملامت تک نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا!

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚۖ ۝۸ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۱۴ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝۱۶ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ

اِذْ	(یادکرو) جب	مُّبِيْنِ	صریح (کھلی)	صٰلِحِيْنَ	نیک
قَالُوْا	کہاانھوں نے (آپس میں)	اقْتُلُوْا	مارڈالو	قَالَ	کہا
		يُوْسُفَ	یوسف (کو)	قَآئِلٌ	ایک کہنے والے نے
لَيُوْسُفُ(1)	یقیناً یوسف	اَوِ اطْرَحُوْهُ	یا پھینک دو اس کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
وَاَخُوْهُ	اور اس کا بھائی	اَرْضًا(2)	کسی زمین میں	لَا تَقْتُلُوْا	مت مارڈالو
اَحَبُّ	زیادہ پیارے (ہیں)	يَّخْلُ(3)	فارغ ہوجائے گی	يُوْسُفَ	یوسف (کو)
اِلٰٓى اَبِيْنَا	ہمارے ابا کو	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاَلْقُوْهُ	اور ڈال دو اس کو
مِنَّا	ہم سے	وَجْهُ	توجہ	فِيْ غَيٰبَتِ(5)	گہرائی میں
وَنَحْنُ	حالانکہ ہم	اَبِيْكُمْ	تمہارے ابا (کی)	الْجُبِّ	کچے کنویں (کی)
عُصْبَةٌ	جماعت (ہیں)	وَتَكُوْنُوْا(4)	اور ہوجاؤ گے تم	يَلْتَقِطْهُ(6)	(تاکہ) اٹھالے اس کو
اِنَّ اَبَانَا	بلاشبہ ہمارے ابا	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد	بَعْضُ	کوئی
لَفِيْ ضَلٰلٍ	بھول (غلطی) میں ہیں	قَوْمًا	لوگ	السَّيَّارَةِ	راہ چلتا قافلہ

(۱) لام ابتدائیہ ہے، مضمون جملہ کی تاکید کے لئے آیا ہے (روح) — يُوْسُفُ مع معطوف مبتدا ہے اور اَحَبُّ مع متعلق خبر ہے (۲) اَرْضًا حرف جر فِیْ ہٹانے کی وجہ سے منصوب ہوا ہے (۳) يَخْلُ مجزوم ہے حرف علت حذف کیا گیا ہے اور جواب امر ہے (۴) وَتَكُوْنُوْا جزم کے ساتھ ہے اور جواب امر پر معطوف ہے (روح) (۵) الغيابة من الوادى او الجب: وادی یا کنویں کی گہرائی — اَلْجُبُّ وہ گہرا کنواں جس کی کوٹھی تعمیر نہ کی گئی ہو اور مینڈ نہ بنی ہو — غَيٰبَتُ الْجُبِّ درحقیقت مرکب توصیفی ہے، الٹ کر مرکب اضافی بنایا ہے (٦) لَقَطَ (ن) اور اِلْتَقَطَ الشيئَ: زمین سے حفاظت کے لئے کوئی چیز اٹھانا۔

اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوتم	وَاِنَّا لَهٗ	اور بلاشبہ ہم اس کی	وَنَحْنُ	دراں حالے کہ ہم
فٰعِلِيْنَ	کرنے والے	لَحٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے	عُصْبَةٌ	جماعت ہیں
قَالُوْا	کہا انھوں نے		(ہیں)	اِنَّآ اِذًا	(تو) بیشک ہم تب تو
يٰٓاَبَانَا	اے ہمارے ابا!	قَالَ اِنِّيْ	فرمایا بے شک مجھے	لَّخٰسِرُوْنَ	نقصان اٹھانے والے
مَالَكَ	آپ کا کیا حال ہے	لَيَحْزُنُنِيْٓ	غمگین کرے گی		ہوئے
لَا تَاْمَنَّا[1]	(کہ) نہیں اعتبار	اَنْ تَذْهَبُوْا	(یہ بات) کہ تم لے جاؤ	فَلَمَّا	پھر جب
	کرتے آپ ہمارا	بِهٖ[3]	اسے	ذَهَبُوْا	وہ لے گئے
عَلٰي يُوْسُفَ	یوسف کے معاملہ میں	وَاَخَافُ	اور ڈر رہے مجھے	بِهٖ	اس کو
وَاِنَّا	حالانکہ ہم بلاشبہ	اَنْ يَّاْكُلَهُ	کہ پھاڑ کھائے اسے	وَاَجْمَعُوْٓا	اور طے کرلیا انھوں
لَهٗ	اس کے لئے	الذِّئْبُ[4]	کوئی بھیڑیا		نے
لَنٰصِحُوْنَ	خیر خواہ (ہیں)	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	اَنْ يَّجْعَلُوْهُ[5]	کہ کردیں وہ اس کو
اَرْسِلْهُ	بھیجئے اس کو	عَنْهُ	اس سے	فِيْ غَيٰبَتِ	گہرائی میں
مَعَنَا	ہمارے ساتھ	غٰفِلُوْنَ	بے خبر ہوؤ	الْجُبِّ	کچے کنویں (کی)
غَدًا	کل	قَالُوْا	کہا انھوں نے	وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی کی ہم نے
يَّرْتَعْ[2]	(تا کہ) پھل پھلاری	لَئِنْ	قسم بخدا! اگر	اِلَيْهِ	اس کی طرف
	کھائے وہ	اَكَلَهُ	پھاڑ کھایا اس کو	لَتُنَبِّئَنَّهُمْ	(کہ) تم البتہ ضرور
وَيَلْعَبْ	اور کھیلے کودے وہ	الذِّئْبُ	کسی بھیڑیئے نے		جتلاؤ گے انھیں

(۱) تَاْمَنَّا اصل میں تَاْمَنُنَا تھا، نون کا نون میں ادغام کیا ہے اَمِنَ (س) اَمْنًا وَاَمَانَةً: اعتبار کرنا، امین بنانا — تَاْمَنُ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اس کے ساتھ نَا ضمیر جمع متکلم کی لگی ہوئی ہے — یاد رہے کہ یہاں ادغام محض نہیں ہے بلکہ ادغام مع الاشمام ہے۔ اشمام کہتے ہیں ضم الشفتين من غير إحداث شيئ في النون (ہونٹوں کو ملالینا نون میں کوئی تغیر کئے بغیر) قاری سے اس کی مشق ضروری ہے اور یہاں اشمام پہلے نون کے حذف شدہ پیش کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے تا کہ کُنَّا عَنَّا اور مِنَّا وغیرہ سے فرق ظاہر ہوجائے جن میں پہلا نون ساکن ہے (۲) أي: يتسع في اكل الفواكه ونحوها (روح) جواب امر ہے (۳) باصلہ کی ہے ذهب به: لے جانا (۴) الذئب کا الف لام جنسی ہے۔ (۵) اجمع القوم على كذا: اتفاق کرنا۔

بِاَمْرِهِمْ[1]	ان کا ماجرا (معاملہ)	بِمُؤْمِنٍ	یقین کرنے والے	عَلٰى مَا	اس (بات) پر جو
هٰذَا	یہ	لَنَا[3]	ہمارا	تَصِفُوْنَ	تم بیان کرتے ہو
وَهُمْ	دراں حالے کہ وہ	وَلَوْ كُنَّا	اگر چہ ہوں ہم	وَجَآءَتْ	اور آیا
لَا يَشْعُرُوْنَ	نہیں جانتے ہوں گے	صٰدِقِيْنَ	سچے	سَيَّارَةٌ	ایک مسافر قافلہ
وَجَآءُوْ	اور آئے وہ	وَجَآءُوْ	اور لائے وہ	فَاَرْسَلُوْا	پس بھیجا انھوں نے
اَبَاهُمْ	اپنے والد کے پاس	عَلٰى قَمِيْصِهٖ	اس کے کرتے پر	وَارِدَهُمْ	اپنا پھیارا (سقا، پانی
عِشَآءً	عشاء کے وقت	بِدَمٍ	خون		بھرنے والا)
يَّبْكُوْنَ	روتے (ہوئے)	كَذِبٍ[4]	جھوٹا	فَاَدْلٰى	پس لٹکایا اس نے
قَالُوْا	کہنے لگے	قَالَ	فرمایا	دَلْوَهٗ	اپنا ڈول
يٰۤاَبَانَآ	اے ہمارے ابا!	بَلْ	بلکہ	قَالَ	بولا
اِنَّا ذَهَبْنَا	بے شک گئے ہم	سَوَّلَتْ[5]	مزین کی ہے	يٰبُشْرٰى	اُو، خوش خبری!
نَسْتَبِقُ[2]	آپس میں دوڑ لگاتے	لَكُمْ	تمہارے لئے	هٰذَا غُلٰمٌ	یہ چھوکرا (لڑکا) ہے
وَتَرَكْنَا	اور چھوڑ دیا ہم نے	اَنْفُسُكُمْ	تمہارے نفوس نے	وَاَسَرُّوْهُ	اور چھپالیا انھوں نے
يُوْسُفَ	یوسف (کو)	اَمْرًا	ایک بات		اس کو
عِنْدَ	پاس	فَصَبْرٌ[6]	پس صبر	بِضَاعَةً[8]	سامان تجارت بنا کر
مَتَاعِنَا	اپنے سامان کے	جَمِيْلٌ	عمدہ (بہتر ہے)	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
فَاَكَلَهُ	پس پھاڑ کھایا اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک ہی	عَلِيْمٌ	خوب واقف (ہیں)
الذِّئْبُ	کسی بھیڑیے نے	الْمُسْتَعَانُ[7]	مددخواستہ (مدد چاہے	بِمَا	اس سے جو
وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں (ہیں) آپ		ہوئے) ہیں	يَعْمَلُوْنَ	وہ کررہے ہیں

(۱) باء صلہ کی ہے نَبَّأَ بِہٖ: خبر دینا (۲) تَسَابَقَ وَاسْتَبَقَ الْقَوْمُ: ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنا۔ دوڑنے کی ریس (۳) لام صلہ کا ہے (۴) وصف بالمصدر مبالغة (روح) (۵) سَوَّلَ تَسْوِيْلًا: مزین کرنا، روغن قاز ملنا (۶) صَبْرٌ جَمِيْلٌ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے اَی خَيْرٌ (۷) اَلْمُسْتَعَانُ اسم مفعول ہے، استعانت سے۔ (۸) بِضَاعَةً حال ہے۔

وَشَرَوْهُ[1]	اور لین دین کرلیا	فِيْهِ	اس میں	اَكْرِمِيْ	باعزت کرتو
	انھوں نے اس کا	مِنَ الزَّاهِدِيْنَ	بے رغبت	مَثْوٰىهُ	اس کی فرودگاہ
بِثَمَنٍ	قیمت پر	وَقَالَ	اور کہا	عَسٰٓى	شاید
بَخْسٍ	بہت ہی کم	الَّذِي	(اس شخص نے) جس نے	اَنْ يَّنْفَعَنَآ	کہ کام آئے وہ ہمارے
دَرَاهِمَ[2]	یعنی دراہم	اشْتَرٰىهُ	خریدا ان کو	اَوْ	یا
مَعْدُوْدَةٍ	گنتی کے	مِنْ مِّصْرَ[3]	مصر میں	نَتَّخِذَهُ	بنالیں ہم اس کو
وَكَانُوْا	اور تھے وہ	لِامْرَاَتِهٖٓ	اپنی بیوی سے	وَلَدًا	لڑکا

یوسف علیہ السلام کنعان کے کنویں سے وزیر کے محل تک

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے اور ان کے حقیقی بھائی بن یامین سے، دوسرے لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ محبت تھی، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بن یامین کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا، اس وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام ان دونوں بے ماں کے بچوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام میں رشد و سعادت کے آثار نمایاں تھے۔ ان کا مستقبل درخشاں اور تابناک دکھائی دے رہا تھا۔ اس وجہ سے وہ طبعی طور پر مرکز توجہ بن گئے تھے، تیسری وجہ یہ تھی کہ عمر میں یہ دونوں بھائی چھوٹے تھے اور چھوٹی اولاد سے طبعاً زیادہ محبت ہوتی ہے اور چوتھی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن سیرت وصورت اور ہونہاری پدر بزرگوار کی خصوصی محبت کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا۔ —— (یاد کرو) جب ان لوگوں نے (آپس میں) کہا: ''یوسف اور اس کے بھائی (بنیامین) ہمارے ابا کو یقیناً ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم جماعت ہیں —— اور وہ صرف دو ہیں —— یعنی وقت پر کام آنے والے تو ہم ہیں کیونکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں جو باپ کی ضعیفی میں کام آسکتے ہیں۔ ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید کی جاسکتی ہے؟ —— ہمارے ابا یقیناً صریح بھول میں ہیں —— کہ ہم جوان بیٹوں کو جو آڑے وقت ان کے کام آسکتے ہیں، اتنا عزیز نہیں رکھتے جتنا ان چھوٹے بچوں کو عزیز رکھتے ہیں جو اُن کے کسی کام نہیں آسکتے لہٰذا —— یوسف کو یا تو مار ڈالو یا انجانی سرزمین میں پھینک دو —— یعنی کسی دور دراز ملک میں پہنچا دو جہاں سے وہ واپس نہ آسکے —— تاکہ (جب یہ کانٹا درمیان سے نکل جائے تو) تمہارے لئے تمہارے ابا کی توجہ

(۱) شَرٰى يَشْرِيْ شِرَاءً: خرید وفروخت کرنا، اضداد میں سے ہے (۲) دراھم بدل ہے ثَمَنٌ سے (۳) مِنْ بیانیہ ہے اور جملہ بیانیہ یہ بتلانے کے لئے لایا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کہاں پہنچ گئے؟

خالص ہوجائے ـــــ یعنی جب وہ نہ رہے گا تو تم ہی منظورِ نظر بن جاؤ گے اور ابا کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے تنہا تم ہی حقدار ہو جاؤ گے ـــــ اور تم اس کے بعد نیک لوگ بن جاؤ گے ـــــ یعنی ابا کی پیغمبرانہ توجہ کی برکت سے تم نیک اور صالح بن جاؤ گے۔

وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو مقصدوں سے برا معاملہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک مقصد تھا والدِ بزرگوار کے منظورِ نظر بننے کی خواہش اور دوسرا مقصد تھا ایک پیغمبرؑ کی توجہ کا مرکز بننے کی آرزو، اور دونوں ہی مقصد نیک تھے بلکہ عبادت تھے ـــــ مگر ان کے سوچنے کا طریقہ غلط تھا ـــــ یہ کوشش کرنا کہ ابا ہم سے محبت کرنے لگیں یا ہم ابا کے منظورِ منظر بن جائیں بہت اچھی کوشش ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اللہ پاک کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور خدا کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے''[1] ـــــ اسی طرح پیغمبر کی توجہ اپنی طرف کھینچنا بھی بڑی عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے سوال فرمایا کہ: ''بتلاؤ، وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، جو مؤمن کی مثال ہے؟'' صحابہ کرامؓ جنگل کے درختوں میں گم ہوگئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں آیا کہ وہ ''کھجور'' کا درخت ہے، مگر چونکہ میں سب میں چھوٹا تھا اس لئے شرم غالب آئی اور بول نہ سکا۔ صحابہ کرام جب جواب نہ پاسکے تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ وہ درخت بتلائیں؟ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے''۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے بعد میں اپنے والد ماجد (حضرت عمرؓ) سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے دل میں آیا تھا مگر میں بول نہ سکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو میرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا''[2] ـــــ تمہارے جواب سے حضورِ پاک ﷺ خوش ہوتے، آپؐ کی نگاہ میں تمہاری وقعت بڑھتی اور یہ بات میرے لئے بھی باعث عزت ہوتی، میں بھی آپ ﷺ کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔

الغرض یہ دونوں مقصد بہت ہی اچھے مقصد تھے، مگر ضروری ہے کہ ان کو جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے، غلط طریقے سے یا ناجائز ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے والدین کے منظورِ نظر بننے کے لئے ان کی خدمت کرنا اور اطاعت وفرمانبرداری سے ان کا دل جیتنا تو درست ہے مگر اس مقصد کی خاطر دوسرے بھائیوں کی والدین سے غلط شکایتیں کرنا ہرگز جائز نہیں یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک نیک بلکہ بہت ہی نیک مقصد کو غلط بلکہ بہت ہی غلط طریقے سے حاصل کرنا چاہ رہے تھے[1] وہ سوچ رہے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کردیں یا باپ کی نظروں سے روپوش اوجھل

(۱) رواه الترمذی عن عبد الله بن عمر (مشکوٰۃ ص۴۱۹) (۲) رواه البخاری عن ابن عمر (ص۲۴ ج۱) (۳) اور ایسی حرکت زلت (لغزش) کہلاتی ہے۔ معصیت (گناہ) نہیں ہوتی۔ کیونکہ معصیت (گناہ) نام ہے برے مقصد سے برا کام کرنے کا اور زلت کہتے ہیں برا کام ہوجانے کا یا اچھے مقصد سے برا کام کرنے کا۔

کردیں مگر — ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”تم یوسف کو مار نہ ڈالو، اسے کچے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو[1]،
تا کہ اسے کوئی راہ چلتا قافلہ اٹھالے جائے، اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو — تو بس یہی کرو، مار ڈالنا ہر گز مناسب نہیں، قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس کی ہمت کبھی نہ کرو، البتہ روپوش کردینے میں کوئی حرج نہیں یہ زیادہ برا نہیں، اگر تمہیں یوسف کے معاملہ میں کچھ کرنا ہی ہے تو بس اتنا کرو کہ کسی کچے کنویں کی گہرائی میں اتار دو جہاں وہ مرے بھی نہیں اور نکل بھی نہ بھاگے، پھر جب کوئی راہ چلتا قافلہ وہاں سے گزرے گا تو اسے اٹھالے جائے گا اور تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

آپس میں یہ باتیں ہوئیں مگر کوئی بات طے نہ پائی البتہ اتنی بات طے تھی کہ یوسف کا علاج کچھ کرنا ضروری ہے مگر مشکل یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، کبھی بھائیوں کے ساتھ جنگل نہیں بھیجتے تھے اس لئے اب مرحلہ تھا ابا کو آمادہ کرنے کا، وہ لوگ اس مقصد کے لئے ابا جان کے پاس گئے اور — انھوں نے کہا: ”اے ہمارے ابا! کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ہم اس کے واقعی خیر خواہ ہیں؟ — خدانخواستہ ہم کوئی اس کے بدخواہ نہیں — کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تا کہ وہ پھل پھلاری کھائے اور کھیلے کودے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں — آپ مطلق اندیشہ نہ کریں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے — جواب دیا: ”مجھے یہ بات یقیناً غمگین کرے گی کہ تم اسے لے جاؤ، اور مجھے خطرہ ہے کہ اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے دراں حالے کہ تم اس سے بے خبر ہو“ — یعنی یوسف کو تمہارے ساتھ جنگل بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا اول تو مجھے اس نورِ نظر کے بغیر چین نہیں آئے گا، دم بھر کے لئے اس کی جدائی مجھے گوارا نہیں، تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے۔ دوسرے یہ خطرہ ہے کہ تمہاری غفلت میں اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے۔

ان لوگوں نے کہا: ”واللہ! اگر کسی بھیڑیئے نے اسے پھاڑ کھایا، دراں حالے کہ ہم جماعت ہیں تب تو ہم یقیناً زیاں کار ہوئے! — یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو کوئی بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم تو بالکل ہی گئے گذرے ہوئے۔ اپنے بھائی سے ایک بھیڑیئے کو بھی دفع نہ کر سکے ہمارا تو وجود ہی بے کار ثابت ہوا۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس تنومند بھائیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایک بھیڑیا کمزور بھائی کو لے جائے؟ ایسا

(۱) پہلے کنویں کچے ہوتے تھے، اینٹوں وغیرہ کی کوٹھی چُنی ہوئی نہیں ہوتی تھی، اس لئے چاروں طرف سے مٹی پانی میں گرتی رہتی تھی، پھر بارش کے بعد مٹی نکال دیتے تھے اور کنویں کا استعمال شروع کرتے تھے، اس طرح کنواں اوپر سے چوڑا ہوتا رہتا تھا، اور پانی بیچ میں رہتا تھا، اور ارد گرد خشک جگہ ہوتی تھی، لوگ اندر اتر کر پانی پیتے تھے، اور بھر کر باہر لاتے تھے، پانی کا حصہ الجُبّ ہے اور ارد گرد کا حصہ غیابۃ ہے، بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو اس خشک حصہ میں اتار دیا تھا، بچہ وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا، پانی میں نہیں ڈالا تھا، ورنہ وہ پانی میں ڈوب کر مر جاتے اور قتل کرنا لازم آتا۔

ہو جائے تو کہنا چاہئے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا ـــ ااور پہلی وجہ کا جواب لڑکوں نے نہیں دیا کیونکہ وہ ظاہر ہے۔ اولاد کی محبت ایک فطری جذبہ ہے، جس کو اولاد کی مصلحت کی خاطر کسی نہ کسی دن بالائے طاق رکھنا ہی پڑتا ہے، اور اولاد کو گود سے علاحدہ کرنا پڑتا ہے۔

القصہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا اصرار دیکھا تو جنگل لے جانے کی اجازت دیدی ـــ پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کیا کہ اسے کچے کنویں کی گہرائی میں اتار دیں ـــ تو پھر کون چیز ان کے لئے مانع ہوتی؟

یوسف علیہ السلام کے بھائی حیلہ کر کے یوسف علیہ السلام کو باپ کے پاس سے جنگل لے گئے تھے، وہاں انھوں نے ایک بار پھر مشورہ کیا کہ اب بتاؤ یوسف کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اب وہ پوری طرح ہمارے اختیار میں ہے۔ مشاورت کے بعد ان لوگوں نے یہی طے کیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ کسی کنویں میں ڈال دیا جائے، چنانچہ وہ لوگ یہ حرکت کر گزرے، وہاں کون تھا جو ان کا ہاتھ پکڑتا ـــ اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تم ضرور ان لوگوں کو ان کا یہ معاملہ جتلاؤ گے اور وہ جانتے نہ ہوں گے ـــ یعنی اُدھر بھائیوں نے قرارداد کے موافق انھیں کنویں میں اتارا، اِدھر وحی آئی: ”تم معاملہ کی مطلق پروا نہ کرو، بالکل نہ گھبراؤ۔ ایک وقت ایسا آیا چاہتا ہے کہ تم یہ سب کارروائی ان لوگوں کو یاد دلاؤ گے، اور تم ایسے بلند مقام پر ہوؤ گے جہاں تمہارے ہونے کا انھیں سان گمان بھی نہ ہوگا۔ انھیں خبر بھی نہ ہوگی کہ تم وہی یوسف ہو جن کے ساتھ انھوں نے یہ برتاؤ کیا تھا ـــ اس وحی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مشکل آسان کر دی، شفقتِ پدری سے محروم ہوئے تو رحمتِ خداوندی نے دستگیری فرمائی اور کچے کنویں میں ان کے بچاؤ کا سامان کر دیا، معصوم دل کو بھی تسلی دیدی اور پائے استقامت کو بھی مضبوط کر دیا۔

اور وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے ـــ تاکہ رات کی سیاہی جھوٹی آہ و بکا کی کسی حد تک پردہ داری کرے ـــ کہنے لگے: ”اے ہمارے ابا! سچ سچ، ہم آپس میں دوڑ لگانے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا، پس اسے کسی بھیڑیئے نے کھالیا ـــ یعنی ابا جان! بس اتنی غلطی ہم سے ہوئی کہ ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور یوسف کو اپنے کپڑوں لتوں کے پاس چھوڑ دیا، ہمارے وہاں سے ہٹتے ہی یوسف کو کسی بھیڑیئے نے پھاڑ کھایا ـــ اور آپ تو ہمارا یقین کرنے والے نہیں، چاہے ہم سچے ہوں! ـــ یعنی یوسف کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف سے بدگمانی ہے۔ اس لئے چاہے ہم بات بالکل سچی کہہ رہے ہوں مگر آپ کو ہماری بات کا یقین ہی نہیں آئے گا۔ مگر دیکھئے یہ ہے اس کا خون لگا ہوا کرتا ـــ اور وہ لوگ اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا لائے ـــ کوئی بکری وغیرہ ذبح کر کے اس کا لہو حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر لگا لائے اور یہ جھوٹا لہو دکھا کر ابا کو یقین دلانے لگے کہ

بھیڑیئے کے زخمی کرنے سے یہ کرتا خون آلود ہو گیا ہے ــــ ابا جان کو جو اندیشہ تھا اسی کو وہ لوگ واقعہ بنا لائے۔ کہتے ہیں کہ ابا نے دیکھا تو کرتا بالکل صحیح سالم تھا ــــ فرمایا ــــ بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا مگر کرتے کو چھوا تک نہیں ــــ بلکہ تمہارے لئے تمہارے نفوس نے ایک بات مزین کی ہے ــــ یعنی بھیڑیئے نے تو کھایا نہیں، تمہارے ہی نفوس نے ایک بات بنائی ہے۔ سب تمہاری سازش اور من گھڑت باتیں ہیں ــــ پس (اب میرے لئے) عمدہ صبر بہتر ہے ــــ ''عمدہ صبر'' وہ ہے جس میں کسی غیر کے سامنے شکوہ شکایت نہ ہو اور نہ انتقام لینے کی کوشش کی جائے نہ جَزَع فَزَع اور گریہ وزاری کی جائے ــــ اور اللہ پاک ہی مدد خواستہ ہیں اس بات پر جو تم بیان کر رہے ہو ــــ یعنی اللہ پاک ہی سے مانگتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں میری مدد فرمائیں اور تم جو بات بیان کر رہے ہو اس میں خیر فرمائیں ــــ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست سے معاملہ کی نوعیت سمجھ گئے تھے کہ یہ ایک بناوٹ ہے جو ان حاسد بیٹوں نے بنا کر پیش کی ہے مگر آپ اتنی بڑی غم انگیز خبر سن کر بردبار اور باوقار رہے، اور ایک عالی ظرف انسان کی طرف صبر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے رہے اور پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے اس کے منتظر رہے۔

اور ایک قافلہ آیا، پس انھوں نے اپنا پنھیارا بھیجا، پس اس نے اپنا ڈول ڈالا، بولا: واہ! یہ چھوکرا ہے! اور ان لوگوں نے اسے سامانِ تجارت بنا کر چھپا لیا، اور اللہ پاک جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس سے باخبر ہیں ــــ کہتے ہیں کہ تین دن تک یوسف علیہ السلام کنویں میں رہے پھر اتفاق سے وہاں ایک قافلہ آیا، جو مصر جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے کنواں دیکھ کر اپنا بہشتی (سقّا) بھیجا، اس نے ڈول ڈالا، حضرت یوسف علیہ السلام سمجھے، شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے، وہ ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی کنویں سے رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا ــــ پنھیارا آپ کا مکھڑا دیکھ کر چلایا واہ واہ! واہ واہ! بڑی خوشی کی بات! یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا ــــ اُس زمانہ میں غلامی کا رواج تھا، قافلہ والوں نے اس کم سن اور خوب صورت لڑکے کو سامان تجارت بنا کر چھپا لیا، یعنی ان لوگوں نے دل میں سوچ لیا کہ اس لڑکے کو بیچیں گے اور کہیں کوئی دعوے دار نہ نکل آئے اس خطرہ سے اس کو چھپا کر رکھا ــــ اور اللہ پاک سارے معاملہ سے خوب باخبر ہیں بھائی کیا کرنا چاہتے ہیں، قافلہ والے کیا سوچ رہے ہیں اور اللہ پاک کیا کرنے جا رہے ہیں، دیکھتے رہو!

اور ان لوگوں نے بہت ہی کم قیمت میں یعنی گنتی کے چند روپیوں میں اس کا لین دین کر لیا، اور وہ اس میں بے رغبت تھے ــــ قافلہ مصر پہنچا، وہاں انھوں نے اس گراں قدر ہستی کا چند ٹکوں میں لین دین کر لیا۔ کیونکہ مالِ مفت دلِ بے رحم! جو بھی ہاتھ لگا اس کو غنیمت جانا، گاڑھے پسینے کی کمائی تو تھی نہیں کہ نرخ بالا کرنے کی کوشش کرتے یا کم قیمت پر اٹھنے کا انھیں افسوس ہوتا۔

اور مصر میں جس شخص نے انھیں خریدا اس نے اپنی بیگم سے کہا: ''اس کی فرودگاہ باعزت رکھنا، شاید یہ ہمارے کام آئے

یا ہم اسے اولاد بنالیں'' ـــــ یہ خریدنے والا شخص مصر کا وزیر تھا۔ مشہور ہے: ''قدرِ جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری'' (ہیرے کی قیمت شاہ جانتا ہے یا جوہری) عامی کے لئے تو وہ ایک معمولی پتھر ہوتا ہے قافلہ والوں کے لئے تو آپ ایک معمولی غلام تھے اور وہ بھی مفت ہاتھ لگے تھے مگر مصر کے وزیر نے اس جوہر کو پہچان لیا، اس نے چند روپیوں میں آپ کو مول لے لیا۔ گھر لے جاکر اپنی بیگم کو سونپا اور ہدایت کی کہ اسے چند ٹکوں کا غلام نہ سمجھا جائے بلکہ اس کو پوری عزت واحترام سے رکھا جائے، ہوسکتا ہے یہ بڑا ہوکر ہمارے کام آئے اور اگر ہماری اولاد نہ ہوئی تو ہم اسی کو اپنا بیٹا بنالیں ـــــ اللہ اکبر! اللہ پاک نے محض اپنی رحمت سے یوسف علیہ السلام کو کہاں سے کہاں پہنچادیا! زندان چاہ سے نکال کر قصرِ شاہی میں پہنچادیا، جہاں وہ شہزادوں کی طرح ناز ونعم سے پلے بڑھے۔

> وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۲۲

وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح	الْاَحَادِيْثِ	باتوں (کا)	وَلَمَّا بَلَغَ	اور جب پہنچا وہ
مَكَّنَّا	قدم جمائے ہم نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک	اَشُدَّهٗٓ (۱)	اپنی جوانی (کو)
لِيُوْسُفَ	یوسف کے	غَالِبٌ	غالب (ہیں)	اٰتَيْنٰهُ	عطا فرمایا ہم نے ان کو
فِي الْاَرْضِ	سرزمین (مصر) میں	عَلٰٓي اَمْرِهٖ	اپنے کام پر	حُكْمًا	حکم
وَلِنُعَلِّمَهٗ	اور تاکہ سکھلائیں ہم انھیں	وَلٰكِنَّ	لیکن	وَّعِلْمًا	اور علم
		اَكْثَرَ	اکثر	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
مِنْ	کچھ	النَّاسِ	لوگ	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
تَاْوِيْلِ	مطلب اخذ کرنا	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں (کو)

یوسف علیہ السلام کی زندگی کا پہلا انقلاب

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں دو انقلاب آئے ہیں ایک غلامی سے باعزت زندگی کی طرف انقلاب اور

(۱) اَلْاَشُدُّ: طاقت وقوت کا زمانہ ـــــ یہ لفظ یا تو جمع کے وزن پر مفرد ہے یا ایسی جمع ہے جس کا کوئی مفرد نہیں۔

دوسرا قید خانہ کی تنگ وتاریک زندگی سے بادشاہ کی ندیمی اور ہم نشینی کی طرف انقلاب۔قرآن پاک نے دونوں جگہ قدرتِ الٰہی کو یاد دلایا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے قدم جما دیئے—— یعنی اللہ پاک جل شانہ نے اپنی کامل قدرت سے اور لطیف تدبیر سے یوسف علیہ السلام کو کنویں کی قید سے نکال کر حکومتِ مصر کے وزیر کے گھر تک پہنچا دیا۔پھر اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قدر ومنزلت بٹھا کر ترقی کا سامان کر دیا۔ اور عزیزِ مصر کی قدر شناسی یوسف علیہ السلام کی آئندہ سر بلندیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی،رفتہ رفتہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے قدم جم گئے—— اور تا کہ ہم انھیں کچھ سخن فہمی کا سلیقہ سکھائیں—— یعنی اللہ پاک جل شانہ کو یہ بھی منظور تھا کہ وزیر کے گھر میں رہ کر بڑے سرداروں کی مجلسیں دیکھیں اور سلطنت کے رموز واشارات سمجھیں،اور باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل کریں۔

صحرا کی نیم خانہ بدوشی اور گلّہ بانی کے ماحول میں یہ بات ممکن نہ تھی اور اللہ پاک جل شانہ وقت کی سب سے زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ حکومت کی باگ ڈور آپ کو سونپنا چاہتے تھے اور اس کے لئے جس واقفیت،تجربے اور بصیرت کی ضرورت تھی اس کے نشوونما کا کوئی موقع بدوی زندگی میں نہ تھا اس لئے اللہ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کو سلطنتِ مصر کے سب سے بڑے عہدہ دار کے ہاں پہنچا دیا۔اور اس طرح یہ موقع پیدا ہو گیا کہ آپ کی تمام قابلیتیں پوری طرح نشوونما پائیں—— اور اللہ پاک اپنے کام پر قابو یافتہ ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں—— دیکھئے! بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گرانا چاہا مگر اللہ پاک نے ان کو آسمان رفعت پر اٹھایا،سچ ہے اللہ پاک جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔مگر کوتاہ نظر سمجھتے نہیں،ہمیشہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں اللہ پاک کا چاہا ہوا غالب آتا ہے مگر اکثر لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے۔اللہ پاک جب کسی کا کوئی دفن کردہ کمال ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے حاسدوں کو ذریعہ بناتے ہیں۔

إذا أراد الله نَشْرَ فضيلةٍ ❁ طُوِيَتْ، اَتَاحَ لها لسانَ حسود

(جب اللہ تعالیٰ کوئی ایسی فضیلت پھیلانا چاہتے ہیں جو لپیٹ دی گئی ہے تو اس کے لئے حاسدوں کی زبانوں کو مقدر فرماتے ہیں)

اور جب وہ اپنی نوجوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم وعلم عطا فرمایا—— یعنی مادی نعمتوں کے ساتھ روحانی نعمتوں سے بھی نوازا،نبوت عطا فرمائی،اور ان پر حکم وعلوم کا فیضان کیا۔

نبوت کی دولت،عمر کی پختگی کے زمانہ میں عطا ہوتی ہے چنانچہ عام طور پر چالیس سال کی عمر میں انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت ملتی ہے—— ''علم'' سے مراد وہ خاص علم ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ براہِ راست عطا فرمایا

جاتا ہے — اور ''حکم'' سے مراد احکام اور ذمہ داریاں ہیں جو علم نبوت کی ایک خاص قسم ہیں ''اقتدار'' مراد نہیں ہے۔ سورۃ الانبیاء آیت ۷۴ میں حضرت لوط علیہ السلام کو حکم و علم ملنے کا ذکر ہے، حالانکہ ان کو اقتدار نہیں ملا تھا۔ بلکہ ''حکم'' سے مراد احکام خداوندی اور ذمہ داریاں ہیں۔ سورۃ الرعد (آیت ۳۷) میں قرآن پاک کو ''حکم'' کہا گیا ہے کیونکہ قرآن پاک احکامات خداوندی کا مجموعہ ہے — اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں — یعنی یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیت نہیں، بلکہ جو بھی نیکوکاری کو شعار بناتا ہے اس کو اللہ پاک دینی اور دنیوی نعمتوں سے بہرہ ور فرماتے ہیں۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

ع ۱۴

وَرَاوَدَتْهُ (۱) الَّتِي (۲) هُوَ	اور دوڑے ڈالے اس پر اس (عورت) نے جو (کہ) وہ	فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ (۳)	اس کے گھر میں (تھے) ان کے نفس سے (فریب کرنے کے لئے)	وَغَلَّقَتِ (۴) الْأَبْوَابَ	اور اچھی طرح بھیڑ لئے اس نے دروازے

(۱) رَاوَدَ مُرَاوَدَةً: چاہنا، رَاوَدَ عَنْ نَفْسِهِ: فریب دینا، برائی کی ترغیب دینا، پھسلانا، ڈورے ڈالنا (۲) الَّتِي اپنے صلہ کے ساتھ فاعل ہے (۳) عَنْ نَفْسِهِ متعلق ہے رَاوَدَتْ سے بتضمین خَادَعَتْ (۴) تشدید الفعل للتکثیر فی المفعول (روح)

وَقَالَتْ	اور کہنے لگی	اَنْ رَّاٰ	دیکھتے وہ	سَیِّدَھَا	اس کے شوہر کو
ھَیْتَ لَكَ[1]	آجاؤ	بُرْھَانَ	دلیل	لَدَا	پاس
قَالَ	کہا اس نے	رَبِّهٖ	اپنے پروردگار (کی)	الْبَابِ	دروازے (کے)
مَعَاذَ	پناہ	كَذٰلِكَ	یوں ہی (ہوا)	قَالَتْ	کہنے لگی
اللّٰهِ	خدا (کی)	لِنَصْرِفَ	تاکہ پھیر دیں ہم	مَا جَزَآءُ	نہیں (ہے) سزا
اِنَّهٗ[2]	بلاشبہ وہ	عَنْهُ	ان سے	مَنْ اَرَادَ	(اس کی) جو نیت کرے
رَبِّیْٓ	میرے آقا (ہیں)	السُّوْٓءَ	برائی	بِاَهْلِكَ	آپ کی گھر والی پر
اَحْسَنَ	بہترین بنائی (انھوں نے)	وَالْفَحْشَآءَ	اور بے حیائی	سُوْٓءًا	بری
مَثْوَایَ	میری فرودگاہ	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ (تھے)	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ
اِنَّهٗ	یقیناً شان یہ ہے کہ	مِنْ عِبَادِنَا	ہمارے بندوں میں سے	يُّسْجَنَ	قید کر دیا جائے
لَا یُفْلِحُ	نہیں کامیاب ہوتے	الْمُخْلَصِیْنَ	چنے ہوئے	اَوْ عَذَابٌ	یا کوئی سزا (دی جائے)
الظّٰلِمُوْنَ	ناانصاف لوگ	وَاسْتَبَقَا	اور آگے پیچھے دوڑے	اَلِیْمٌ	دردناک
وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے:		دونوں	قَالَ ھِیَ	کہا (اس نے) وہی
ھَمَّتْ	پختہ ارادہ کرلیا ہے اس نے	الْبَابَ	دروازے (کی طرف)	رَاوَدَتْنِیْ	ڈورے ڈالے اس نے
بِهٖ[3]	ان کا	وَقَدَّتْ[4]	اور چاک کردیا اس نے		مجھ پر
وَھَمَّ	اور پختہ ارادہ کرلیتے وہ	قَمِیْصَهٗ	ان کا کرتہ	عَنْ نَّفْسِیْ	میرے نفس سے (فریب
بِهَا[3]	اس کا	مِنْ دُبُرٍ	پیچھے سے		کرنے کے لئے)
لَوْلَآ	اگر نہ	وَّاَلْفَیَا[5]	اور پایا دونوں نے	وَشَهِدَ[6]	اور گواہی دی

(۱) ھَیْتَ لَکَ اسم فعل بمعنی امر ہے (۲) اِنَّـهٗ کی ضمیر عورت کے شوہر کی طرف راجع ہے، رَبِّیْ خبر ہے اور اَحْسَنَ الخ دوسری خبر ہے (۳) بہ اور بھا میں باصلہ کی ہے ھَمَّ (ن) ھَمًّا بالشیئ: پختہ ارادہ کرنا، چاہنا۔ (۴) قَدَّ (ن) قَدًّا الشیئَ لمبائی میں پھاڑنا یا کاٹنا (۵) اَلْفَاهُ اِلْفَاءً: پانا۔ (۶) فَسَّرَ مجاهد — فیما أخرجه عنه ابن جریر— الشهادة بالحکم أی: وحکم حاکم من أهلها (روح) شَهِدَ (س، ک) شُهُوْدًا وَشَهَادَةً کے معنی حاضر ہونے اور معائنہ کرنے کے ہیں۔ خواہ معائنہ بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت (چشم باطن) کے ساتھ ہو اور شہادت (گواہی) وہ بیان ہے جو اس علم کی بناء پر ہو جو مشاہدۂ بصر یا مشاہدۂ بصیرت کے ذریعہ حاصل ہوا ہو (راغب)

شَاهِدٌ	ایک گواہی دینے والے	قُدَّ	چاک کیا ہوا	اِنَّ	بلاشبہ
	(نے)	مِنْ دُبُرٍ	پیچھے سے	كَيْدَكُنَّ	تمہاری چالیں
مِّنْ اَهْلِهَا	اس کے کنبہ میں سے	فَكَذَبَتْ	تو وہ جھوٹ کہتی ہے	عَظِيْمٌ	بڑی (ہوتی ہیں)
اِنْ كَانَ	اگر ہے	وَهُوَ	اور وہ	يُوْسُفُ	اے یوسف!
قَمِيْصُهٗ	اس کا کرتہ	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے (ہے)	اَعْرِضْ	جانے دیجئے
قُدَّ	چاک کیا ہوا	فَلَمَّا رَاٰ	پس جب دیکھا اس نے	عَنْ هٰذَا	اس (بات) کو
مِنْ قُبُلٍ	آگے سے	قَمِيْصَهٗ	ان کے کرتے کو	وَاسْتَغْفِرِيْ	اور معافی مانگ (اے
فَصَدَقَتْ	تو وہ سچ کہتی ہے	قُدَّ	چاک کیا ہوا		عورت)
وَهُوَ	اور وہ	مِنْ دُبُرٍ	پیچھے سے	لِذَنْۢبِكِ	اپنے قصور کی
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں میں سے (ہے)	قَالَ	(تو) کہا اس نے	اِنَّكِ كُنْتِ	بلاشبہ تو ہے
وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہے	اِنَّهٗ	بلاشبہ یہ	مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ	خطا کاروں میں سے
قَمِيْصُهٗ	اس کا کرتہ	مِنْ كَيْدِكُنَّ	تمہارے مکروں میں سے (ہے)	❁	❁

جن کا آسرا تھا وہی تنکے ہوا دینے لگے!

پچھلی آیتوں میں قدرتِ خداوندی یاد دلانے کے بعد اب پھر قصہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے جس معزز گھر میں پہنچے تھے، اس گھر کی مالکہ آپ کے حسن وجمال پر مفتون ہوگئی، شوہر نے جسے حکم دیا تھا کہ یوسفؑ کو عزت سے رکھنا وہی ان کی عزت کی دھجیاں اڑانے کے لئے تیار ہوگئی، جس سے ماں بننے کو کہا تھا وہ ہوس کی دیوی بن گئی۔ فرماتے ہیں —— اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے ان کے نفس پر ڈورے ڈالے —— اپنی طرف مائل کرنے کی پوری کوشش کی، کیونکہ وہ آپ کے زلف وابرو پر فریفتہ ہوچکی تھی، اس لئے وہ آپ کو متوجہ کرنے کے لئے جتنی تدبیریں کام میں لاسکتی تھی لائی۔ مگر جب دیکھا کہ دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا تو ایک دن عشق میں وہ بات کر بیٹھی جو اس معاملہ کی انتہا تھی —— اور اس نے اچھی طرح دروازے بھیڑ لئے، اور کہنے لگی: ''لو آجاؤ!'' —— یعنی دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کے دل کو ان کے قابو سے باہر کردے۔ انسان کو ضبطِ نفس پر جو مواقع مجبور کرسکتے ہیں ان کو راہ سے دور کر کے کھلے لفظوں میں طالب ہوئی —— آپؑ نے جواب دیا: ''پناہ بخدا! وہ یقیناً میرے آقا ہیں، انھوں نے مجھے اچھی منزلت دی ہے'' —— پھر کیا اب میں ان کی چیز میں خیانت کروں؟ یہ بڑی ناانصافی

ہوگی ـــ اور ناانصافی کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے ـــ یعنی میں ایسی ناپاک حرکت کیسے کرسکتا ہوں؟ عزیزِ مصر میرے آقا ہیں، مربی ہیں انھوں نے مجھے عزت دی ہے[۱] پس کیا اب میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ یہ نمک حرامی، محسن کشی اور ناانصافی ہوگی اور مجھے خوب معلوم ہے کہ ناانصافی کرنے والے کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔

اور واللہ! صورتِ حال یہ تھی کہ وہ عورت ان کا پختہ ارادہ کرچکی تھی، اور وہ بھی اس کا پختہ ارادہ کرلیتے، اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے ـــ یعنی صورتِ حال یہ تھی: شاہی خاندان کی ایک نوجوان عورت محبوب نہیں، بلکہ عاشق، مکان کا دروازہ بند اور وہ اصرار کررہی ہے کہ مجھے شاد کام کیجئے۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام خود نوجوان حسین اور دروازے بند، رقیب کا خوف نہ محتسب کا ڈر، گھر کی مالکہ خود ذمہ دار، ایسے میں بے قابو ہوکر بڑے سے بڑا زاہد تقویٰ کا دامن چھوڑ بیٹھے، مگر یوسف علیہ السلام اس سخت آزمائش میں بال بال بچ گئے۔ انھوں نے اس عورت کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ اس پیکرِ عصمت نے اس عورت کو صاف جواب دیا کہ یہ بات ناممکن ہے۔

یہی ''پروردگار کی دلیل'' تھی جو وقت پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں آگئی کہ میرے لئے اس عورت کی دعوتِ عیش قبول کرنا کسی طرح زیبا نہیں۔ آیتِ پاک کا طرزِ بیان بالکل انوکھا ہے۔ قاعدہ سے لَوْلاَ شروع کلام میں آنا چاہئے مگر یہاں درمیان میں آیا ہے کیونکہ مقصود یہ بیان کرنا نہیں کہ: ''یوسف علیہ السلام اپنے پروردگار کی دلیل دیکھ کر اس عورت کا قصد کرنے سے بچ گئے'' بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ''صورتِ حال بڑی فتنہ خیز تھی اگر یوسف علیہ السلام اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے تو ممکن نہ تھا کہ بچ جاتے''

بالکل یہی طرزِ بیان سورۃ القصص (آیت دس) میں بھی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ حکمِ خداوندی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں چھوڑ تو آئیں، مگر ان کا دل بے قرار ہوگیا، پھر کیا ہوا؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا ﴾ قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کردیتیں اگر ہم ان کے دل کو صبر نہ دیتے یعنی راز فاش نہ کرنا محض اس وجہ سے ہوا کہ ہم نے ان کے دل کو صبر عطا فرمایا ورنہ صورتِ حال تو ایسی نازک تھی کہ وہ بے چین ہوکر راز فاش کردیتیں۔

یہاں بھی وہی اندازِ بیان ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ نہ فرمانا محض اس وجہ سے تھا کہ وقت پر پروردگار کی دلیل ان

(۱) اس آیت میں ''رب'' بمعنی آقا ہے۔ آگے آیت اکتالیس اور بیالیس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ لفظ ''آقا'' ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور لفظ ''رب'' کے یہ معنی دینے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اضافت کے ساتھ استعمال کیا جائے، بغیر اضافت کے ''رب'' اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے۔

کے ذہن میں آ گئی ورنہ صورتِ حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ کسی طرح بچ نہ سکتے —— یوں ہی (ہوا) تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں، یقیناً وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے —— یعنی پیروں کی پھسلن میں یوسف علیہ السلام کی یہ ثابت قدمی اس وجہ سے تھی کہ وہ ہمارے برگزیدہ بندے تھے، اس لئے ہم نے کوئی چھوٹی بڑی برائی ان تک پہنچنے نہیں دی۔

اور یہی عصمتِ انبیاء کی حقیقت ہے، نبی کی معصومیت کے یہ معنی نہیں کہ ان سے گناہ کی قوت سلب کر لی جاتی ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کرنے کی قدرت اور بشریت کی تمام صفات کے ساتھ حفاظتِ خداوندی انبیاء کرام علیہم السلام کے شامل حال رہتی ہے۔ اللہ پاک جل شانہ ان کو کسی چھوٹی بڑی برائی میں مبتلا ہونے ہی نہیں دیتے انھیں اللہ پاک ایسی زبردست دلیلیں سوجھاتے ہیں جن کے مقابلہ میں خواہش نفس کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

آیت کے اسلوب پر غور فرمائیے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو برائی اور بے حیائی سے بچا دیا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ: ''ہم نے ان سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیا''۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام تو اپنی شان نبوت کی وجہ سے اس گناہ سے خود ہی بچے ہوئے تھے، مگر برائی اور بے حیائی نے ان کو گھیر لیا تھا، اللہ پاک نے اس جال کو توڑ دیا۔

اور (پھر ایسا ہوا کہ) دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے —— یوسف علیہ السلام آگے جا رہے تھے تا کہ جلدی سے دروازہ کھول کر نکل جائیں اور وہ عورت ان کا پیچھا کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ دروازے پر پہلے پہنچ کر کھولنے نہ دے، غرض ہر ایک پہلے دروازے پر پہنچنا چاہتا تھا —— اور اس نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا —— وہ کرتہ پکڑ کر کھینچ کر، یوسف علیہ السلام کو روکنا چاہتی تھی اور خود پہلے دروازے پر پہنچنا چاہتی تھی۔ اس کھینچا تانی میں پیچھے سے آپؑ کا کرتہ پھٹ گیا —— اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازے پر پایا —— اتفاق سے ناوقت اس کا شوہر گھر آ گیا۔ اِدھر یہ دونوں آگے پیچھے دروازے پر پہنچے۔ اُدھر وہ بھی پہنچ گیا اور دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ عورت نے حقیقت کو چھپانے کے لئے، اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے جھٹ سے بات بنائی اور الزام یوسف علیہ السلام کے سر دھر دیا —— وہ کہنے لگی کہ: ''جو شخص آپ کی گھر والی پر نیت خراب کرے اس کی سزا بس یہی ہے کہ قید کر دیا جائے یا (اور) کوئی دردناک سزا'' (دی جائے)

یوسف علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے صحیح واقعہ بیان فرمایا —— آپ نے کہا: ''اسی نے میرے نفس پر ڈورے ڈالے ہیں'' —— اب معاملہ نہایت پیچیدہ ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں اور موقع کا گواہ کوئی نہیں۔ بالآخر عورت کے عزیزوں میں سے ایک معاملہ فہم آدمی نے ایسا فیصلہ کیا کہ اس سے مجرم عورت ثابت ہوئی اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ چھوٹ گئے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک

فیصلہ دینے والے نے فیصلہ دیا کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ سچ کہتی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ جھوٹ کہتی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے — یعنی دیکھو اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ سامنے سے پھٹا ہے تو یہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ اقدام یوسف علیہ السلام کی جانب سے تھا اور عورت اپنے آپ کو بچانے کے لئے کش مکش کر رہی تھی اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عورت ان کے پیچھے پڑی تھی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے — پس جب شوہر نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو اس نے کہا: ''بلاشبہ یہ تمہاری چالوں میں سے (ایک چال) ہے، واقعۃً تمہارے مکر غضب کے ہوتے ہیں! — یعنی شوہر نے عورت کی سرزنش کی اور کہا کہ یہ تیرا فریب ہے، اور تم عورتوں کی چالوں سے خدا کی پناہ! بڑی غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔

اس کے بعد شوہر نے معاملہ کو دبانے کے لئے یوسف علیہ السلام سے کہا — اے یوسف! اس بات کو جانے دیجئے! — آگے نہ بڑھائیے، کسی سے ذکر نہ کیجئے کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے — اور (عورت سے کہا) تو اپنے قصور کی معافی مانگ، بلاشبہ تو ہی خطا کاروں میں سے ہے — اور اس طرح عورت سے معافی منگوا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

اس وقت کی مصری معاشرت میں شوہر اتنا ہی کر سکتا تھا بلکہ یہ تو شوہر نے بہت کچھ کر لیا۔ ان کی معاشرتی اور ازدواجی زندگی بس ویسی ہی تھی جیسی آج یورپ کی یا یورپ زدہ سوسائٹیوں کی ہے جہاں عورتیں اپنے کاموں میں اور اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہوتی ہیں، مردوں کے دباؤ میں رہنا پسند نہیں کرتیں بلکہ ازدواجی زندگی میں انہی کا پلّہ بھاری رہتا ہے اور اس معاشرہ میں عصمت کا معاملہ عملاً غیر اہم ہوتا ہے۔ لوگ سب کچھ جانتے ہیں مگر اسے ناگزیر حالت سمجھ کر برداشت کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب معاملہ کھل گیا تو شوہر کی زبان پر بے اختیار آ گیا کہ: یہ تم عورتوں کے مکر ہیں۔ تم لوگوں کے فریب بڑے ہی غضب کے ہوتے ہیں، اس سے اس وقت کی عورتوں کی عام اخلاقی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ﴿ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴾ عزیز مصر کا قول ہے جو قرآن پاک نے نقل کیا ہے، خود قرآن پاک کا فیصلہ نہیں اور عزیز کی رائے بھی اپنے وقت کی اور اپنے شہر کی عورتوں کے بارے میں ہے، دنیا جہان کی تمام عورتوں کے بارے میں نہیں

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ

مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

ع ۴

وَقَالَ	اور کہنے لگیں	قَدْ	بالتحقیق	سَمِعَتْ	سنی اس نے
نِسْوَةٌ (۱)	بیگمات	شَغَفَهَا (۳)	اس کے دل کو گھائل	بِمَكْرِهِنَّ	ان کی مکارانہ باتیں
فِي الْمَدِيْنَةِ (۲)	شہر میں		کیا ہے	اَرْسَلَتْ	(تو) بھیج دیا اس نے
امْرَاَتُ	بیگم	حُبًّا (۴)	(اس کی) محبت (نے)		(بلانے والے کو)
الْعَزِيْزِ	عزیز (کی)	اِنَّا	بیشک ہم	اِلَيْهِنَّ	ان کی طرف
تُرَاوِدُ	پھسلاتی ہے	لَنَرٰىهَا	دیکھتے ہیں اس کو	وَاَعْتَدَتْ	اور تیار کئے اس نے
فَتٰىهَا	اپنے جوان غلام (کو)	فِيْ ضَلٰلٍ	غلطی میں	لَهُنَّ	ان کے لئے
عَنْ نَّفْسِهٖ	اس کے نفس سے (شاد	مُّبِيْنٍ	صریح	مُتَّكَاً (۵)	گاؤ تکئے
	کام ہونے کے لئے)	فَلَمَّا	پس جب	وَّاٰتَتْ	اور دیدی اس نے

(۱) تأنيثه غير حقيقي، ولذا لم يلحق فعله تاء التأنيث (روح البيان) نِسْوَةٌ مؤنث غیر حقیقی اس لئے ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کا کوئی مفرد نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھئے شرح شذور الذہب ص ۱۳۹ (۲) جار مجرور قَالَ سے متعلق ہیں (۳) شَغَفَهُ (ف) شَغْفًا: دل کے پردے کو زخمی کرنا (۴) حُبًّا تمیز مُحوَّل عن الفاعل ہے (۵) مُتَّكَأً (اسم مکان) سہارا لگانے کی جگہ، وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے، گاؤ تکیہ —— مسند اور گاؤ تکیہ لگانے سے مراد میز لگانا، ضیافت کا سامان کرنا اور کھانا کھانے کے لئے بٹھانا ہے۔

كُلَّ وَاحِدَةٍ	ہر ایک (کو)	مَا هٰذَا	نہیں ہے یہ شخص	مَآ اٰمُرُهٗ	جو حکم دوں گی میں اس کو
مِّنْهُنَّ	ان میں سے	بَشَرًا	آدمی	لَيُسْجَنَنَّ (٦)	(تو) ضرور ہی قید کیا
سِكِّيْنًا	چھری	اِنْ هٰذَآ	نہیں (ہے) یہ شخص		جائے گا وہ
وَّ قَالَتِ	اور کہا اس نے	اِلَّا مَلَكٌ	مگر فرشتہ	وَلَيَكُوْنًا (٧)	اور ضرور ہی ہو جائے گا وہ
اخْرُجْ	نکل آ	كَرِيْمٌ	بزرگ	مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ	ذلیلوں میں سے
عَلَيْهِنَّ	ان کے سامنے	قَالَتْ	کہنے لگی وہ	قَالَ	کہا آپ نے
فَلَمَّا	پس جب	فَذٰلِكُنَّ (٣)	تو یہی (ہے)	رَبِّ	میرے پروردگار!
رَاَيْنَهٗٓ	دیکھا ان عورتوں نے	الَّذِيْ	(وہ) جو کہ	السِّجْنُ	قید خانہ
	اس کو	لُمْتُنَّنِيْ (٤)	برا بھلا کہتی تھیں تم مجھ کو	اَحَبُّ	زیادہ پسند (ہے) مجھے
اَكْبَرْنَهٗ (١)	(تو) بڑا سمجھا ان	فِيْهِ	اس کے بارے میں	اِلَيَّ مِمَّا	نہ نسبت اس چیز کے
	عورتوں نے اس کو	وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! تحقیق	يَدْعُوْنَنِيْٓ	(کہ) بلا رہی ہیں وہ
وَ قَطَّعْنَ (٢)	اور خون خون کر لئے	رَاوَدْتُّهٗ	پھسلایا میں نے اس کو		عورتیں مجھے
	انھوں نے	عَنْ نَّفْسِهٖ	اس کے نفس سے (شاد	اِلَيْهِ	اس کی طرف
اَيْدِيَهُنَّ	اپنے ہاتھ		کام ہونے کے لئے)	وَاِلَّا (٨)	اور اگر نہ
وَقُلْنَ	اور کہنے لگیں	فَاسْتَعْصَمَ (٥)	پس وہ باز رہا	تَصْرِفْ	پھیریں گے آپ
حَاشَ	پاکی ہے	وَلَئِنْ	اور واللہ اگر	عَنِّيْ	مجھ سے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	لَّمْ يَفْعَلْ	نہ کرے گا وہ	كَيْدَهُنَّ	ان کی چالیں

(۱) اَكْبَرَ الامرَ: بڑا سمجھنا (۲) قَطَّعَ الشيئَ: ٹکڑے ٹکڑے کرنا (۳) ذٰلِكُنَّ میں ذَا اسم اشارہ ہے اور كُنَّ ضمیر مونث خطاب کے لئے ہے۔ مخاطب کے حالات کے اعتبار سے تذکیر، تانیث، تثنیہ اور جمع میں یہ ضمیر بدلتی رہتی ہے ذٰلِکَ (واحد مذکر کے لئے) تِلْکَ (واحد مونث کے لئے) ذٰلِكُمَا (تثنیہ کے لئے) ذٰلِكُمْ (جمع مذکر کے لئے) ذٰلِكُنَّ (جمع مونث کے لئے) (۴) لُمْتُنَّ بروزن قُلْتُنَّ ماضی معروف صیغہ جمع مونث حاضر نِیْ مفعول ہے لامَ (ن) لَوْمًا: ملامت کرنا (۵) اِسْتَعْصَمَ بِهٖ: مضبوط پکڑنا، پناہ لینا اور باز رہنا (۶) لَيُسْجَنَنَّ فعل مضارع مجہول، لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب سَجَنَهٗ (ن) سَجْنًا قید کرنا (۷) لَيَكُوْنًا فعل مضارع معروف، لام تاکید با نون تاکید خفیفہ، صیغہ واحد مذکر غائب —— یہاں نون خفیفہ قرآنی رسم الخط میں بشکل الف لکھا گیا ہے (۸) اِلَّا مرکب ہے اِنْ شرطیہ اور لَا نافیہ سے۔

اَصْبُ[1]	(تو) مائل ہوجاؤنگا میں	عَنْهُ	ان سے	لَهُمْ	ان کے لئے
اِلَيْهِنَّ	ان کی طرف	كَيْدَهُنَّ	ان (عورتوں) کی چالیں	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد
وَاَكُنْ	اور ہوجاؤنگا میں	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	مَا رَاَوُا	دیکھنے
مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ	نادانوں میں سے	هُوَ	ہی	الْاٰيٰتِ	نشانیوں (کے)
فَاسْتَجَابَ	سو دعا قبول فرمائی	السَّمِيْعُ	سب کچھ سننے والے	لَيَسْجُنُنَّهٗ[2]	(کہ) ضرور قید کردیں
لَهٗ	ان کی	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے		وہ ان کو
رَبُّهٗ	ان کے پروردگار نے		(ہیں)	حَتّٰى حِيْنٍ[3]	ایک مدت تک
فَصَرَفَ	چنانچہ پھیردی (اللہ نے)	ثُمَّ بَدَا	پھر ظاہر ہوا	۞	۞

شاہی بیگمات کا طعنہ اور عزیز کی بیوی کا جواب

عزیز مصر نے اگرچہ رسوائی سے بچنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ جو ہوا سو ہوا، اب اس کا چرچا نہ کریں، اس میں میری بدنامی ہے اور اپنی قصوروار بیوی سے معافی منگوا کر بات کو دبا دیا تھا۔ مگر بات کسی طرح پوشیدہ نہ رہ سکی، شدہ شدہ سرکاری بیگمات تک پہنچ گئی — اور شہر میں بیگمات چرچا کرنے لگیں کہ: ''عزیز کی بیگم اپنے جوان غلام کو، اس کے نفس سے (شادکام ہونے کے لئے) پٹی پڑھاتی ہے، محبت نے اس کا دل گھائل کر رکھا ہے، ہمارے نزدیک تو وہ صریح غلطی میں ہے!'' — یعنی ان عورتوں میں یہ چرچے ہونے لگے کہ افسوس! وزیر[4] کی بیوی، اتنے بڑے مرتبے پر ہوتے ہوئے اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہوگئی! کیسا کمینہ پن ہے کہ اپنے ہی غلام پر ریجھ گئی اور اس کے لئے بے تاب ہے اور ہر طرح اسے پھسلاتی ورغلاتی ہے، ہمارے خیال میں یہ کھلی نادانی ہے۔ ایسے معزز عہدے دار کی بیگم کے لئے یہ بڑی شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے — پس جب اس نے ان کی مکارانہ باتیں سنیں تو ان کو بلاوا بھیج دیا۔

(۱) اَصْبُ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ہے، اصل میں اَصْبُوْ تھا، جواب شرط ہونے کی وجہ سے حرف علت کے حذف کی شکل میں جزم آیا ہے۔ صَبَا (ن) صَبْوَةً الیہ: مائل ہونا مشتاق ہونا (۲) لَيَسْجُنُنَّهٗ فعل مضارع معروف، لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ، صیغہ جمع مذکر غائب اور ہٗ ضمیر مفعول ہے (۳) حَتّٰى حرف جر ہے (۴) قرآن پاک میں اَلْعَزِيْزُ آیا ہے جس کے معنی ہیں شریف، قوی، معزز اور ایسا با اختیار حاکم جو کبھی مغلوب نہ ہو، جسے کوئی عاجز نہ کر سکے اور جس کی مانند کوئی نہ ہو۔ اور اصطلاح میں حکومتِ مصر کے ایک معزز عہدے کا نام تھا — یہ کیا عہدہ تھا؟ عام طور مفسرین کرام اس کو ''وزیر خزانہ'' کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ شاید انھوں نے یہ بات آیت پچپن کے ظاہر سے سمجھی ہے واللہ اعلم۔

یعنی عمائدین شہر کی عورتوں میں جو یہ چرچے چل رہے تھے وہ محض اظہارِ تأسف نہیں تھے بلکہ ان کی مکارانہ باتیں تھیں۔ وہ بناوٹ اور ریاکاری سے طعن تشنیع کر رہی تھیں، بظاہر ان کی باتوں سے پارسائی ٹپکتی تھی مگر حقیقت میں وہ رال ٹپکا رہی تھیں، کیونکہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا شہرہ جو بھی سنتی تھی وہ مشتاق دید ہو جاتی تھی، شوق اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگتا تھا۔ شہر بھر کے امیر گھرانوں کی بیگمات یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر ریجھ رہی تھیں۔ جو بھی سنتی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرح دار[1] ہے کہ عزیز کی بیوی اس پر جان دینے لگی ہے مگر وہ قابو میں نہیں آتا، تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق بن جاتی تھیں — وزیر کی بیگم نے جب یہ مکارانہ باتیں سنیں تو ان عورتوں کو بلاوا بھیجا — اور اس نے ان کے لئے گاؤ تکیے آراستہ کئے — یعنی ان کے لئے میز لگائی، کھانے پینے کی ایک شان دار محفل جمائی — اور اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی — تاکہ کاٹنے کی چیزیں کھانے کے لئے چھری سے کاٹیں — اور اس نے حکم دیا: ''ان کے سامنے نکل آ'' — یعنی جب سب عورتیں دسترخوان پر بیٹھ گئیں اور سب نے کھانا کھانے کے لئے چھریاں ہاتھ میں لے لیں، تب عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کے سامنے نکل آ! غلام بے چارہ مرتا کیا نہ کرتا، مالکہ کے حکم سے ان کے سامنے نکل آیا — پس جب ان عورتوں نے ان کو دیکھا تو دنگ رہ گئیں — تمام عورتیں جمال یوسفی کی ایک جھلک دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھیں — اور اپنے ہاتھ خون خون کر لئے — عشق نہاں طشت از بام ہو گیا — اور کہنے لگیں: ''سبحان اللہ! یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے!'' — یعنی یہ نور کا پتلا کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے اسے انسان کس نے کہا!؟ — عزیز کی بیگم بولی: ''تو یہی ہے وہ جس کے معاملہ میں تم مجھے ملامت کرتی ہو!'' — یعنی اب اس نے سینہ تان کر کہا:

این است کہ خوں خوردہ و دل بُردہ بسے را ❁ بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

(یہی ہے جو کتنوں کا خون پی گیا اور دل لے گیا ❁ بسم اللہ! اگر کسی میں نظارے کی سکت ہے)

مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر عزیز کی بیوی کھل پڑی اور بھرے مجمع میں اس نے کہا — اور واللہ! میں نے اس کے نفس سے شادکام ہونے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے مگر وہ باز رہا — کسی طرح قابو میں نہ آیا، میں نے اس کا دل لینا چاہا مگر بندۂ خدا نے اسے ایسا مضبوط تھامے رکھا کہ کسی طرح نہ دیا — اور قسم بخدا! اگر وہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو ضرور ہی قید کیا جائے گا اور یقیناً ذلیلوں میں سے ہو گا — یعنی یہ جتلائے دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا اور مجھے شادکام نہ کیا تو یہ ہو کر رہے گا کہ وہ قید کر دیا جائے اور بے عزتی میں پڑے — یہ اس نے اپنی آمرانہ شان کا مظاہرہ کیا، وہ عاشق ہوئی تو کیا

(۱) طرح دار: وضعدار، خوش انداز۔

ہوا؟ آخر مالکہ بھی تو تھی؟ وزیر کی بیگم بھی تو تھی؟ مجمع میں اس کی کچھ تو شان ظاہر ہونی چاہئے؟

اس واقعہ کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مصر کے اونچے طبقہ کی اخلاقی حالت ایسی ہی ہو رہی تھی جیسی آج یورپ اور امریکہ کی سوسائٹیوں کی اور مغرب زدہ معاشرے کی عورتوں کی آزادی کے نام پر ہوگئی ہے۔ وزیر کی بیوی بڑے عہدہ داروں کے گھر کی بیگمات کے سامنے اپنے محبوب نوجوان کو پیش کرتی ہے اور اس کی خوبصورت جوانی دکھا کر انھیں قائل کرتی ہے کہ ایسے جوان رَعْنَا[1] پر میں مرنہ مٹتی تو آخر اور کیا کرتی؟ پھر یہ عالی مرتبہ خواتین اپنے عمل سے اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی ان میں سے ہر ایک ایسے حالات میں وہی کچھ کرتی جو وزیر کی بیگم نے کیا، پھر شریف خواتین کی اس بھری مجلس میں معزز میزبان کو اپنے اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی کہ اگر اس کا خوب صورت غلام اس کی خواہش نفس کا کھلونا بننے پر راضی نہ ہوگا تو وہ اسے جیل بھجوا دے گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ گھر کی مالکہ تو ان کے پیچھے پڑی ہوئی تھی ہی، جس سے ان کا شب وروز کا سابقہ تھا، اب شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں ان پر فریفتہ ہوگئی تھیں، اب ایک طرف آپ ہیں اور دوسری طرف سیکڑوں خوب صورت جال ہیں، جو ہر وقت، ہر جگہ آپ کو پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ اس کٹھن منزل میں پروردگار کے حضور میں دست بدعا ہوتے ہیں ـــــ آپؑ نے دعاء فرمائی: ”اے میرے پروردگار! قید خانہ ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کام کے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ مجھ سے نہ پھیریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا، اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا! ـــــ آپ حالات کی سنگینی کا خیال کر کے کانپ اٹھتے ہیں اور نہایت عاجزی کے ساتھ پروردگار سے مدد کی التجا کرتے ہیں، آپ عرض کرتے ہیں: ”میرے مولا! میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا اتنا بل کہاں کہ ان بے پناہ مکاریوں کا مقابلہ کر سکوں، آپ مجھے سہارا دیجئے اور مجھے ان پُر فریب جالوں سے بچائیے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں، خدایا میں اس برے عمل کے مقابلہ میں قید خانہ کو ترجیح دیتا ہوں، مجھے قید و بند منظور ہے مگر مولا! آپ کی نافرمانی منظور نہیں“ ـــــ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمالی، چنانچہ ان عورتوں کی چالیں ان سے پھیر دیں، یقیناً وہی سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کی سیرت کو ایسی مضبوطی بخشی کہ تمام عورتوں کی تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں پھر ان فتنہ گروں سے بچانے کے لئے اللہ پاک نے آپ کے لئے جیل خانہ کا دروازہ کھلوا دیا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــــ پھر ان لوگوں کو یہ مصلحت معلوم ہوئی، نشانیاں دیکھنے کے بعد، کہ انھیں ایک عرصہ تک قید کر دیں ـــــ یعنی جب بڑے

(۱) رَعْنَا: طرح دار، رنگیلا، وضع دار۔

گھرانوں کی اکثر و بیشتر خواتین حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئیں تو مصر کے امراء و حکام کو آپ کے حسن خداداد سے اپنے گھر بگڑتے نظر آئے۔ اب مصر کے حکام نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ آپ کو ایک عرصہ تک قید کر دیں تا کہ فتنہ فرو ہو اور چرچے بند ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی جرم کی بناء پر جیل نہیں بھیجا گیا، بلکہ اس لئے بھیجا گیا کہ مصر کے امراء اپنی عورتوں کو قابو میں رکھنے کے بجائے اس بے گناہ کو جیل خانہ بھیجنا آسان سمجھتے تھے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝

وَدَخَلَ	اور داخل ہوئے	مَعَهُ	ان کے ساتھ	السِّجْنَ	قید خانہ (میں)

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
فَتَيٰنِ (1)	دوغلام	نَبِّئْنَا	بتائیے آپ ہم دونوں کو	عَلَّمَنِيْ	(جو) سکھلائی ہے مجھے
قَالَ	کہا	بِتَاْوِيْلِهٖ (4)	اس کی تعبیر	رَبِّيْ	میرے پروردگار نے
اَحَدُهُمَآ	ان میں سے ایک (نے)	اِنَّا	بے شک ہم	اِنِّيْ	بے شک میں نے
اِنِّيْٓ	یقیناً میں	نَرٰىكَ	دیکھتے ہیں آپ کو	تَرَكْتُ	چھوڑ دیا ہے
اَرٰىنِيْٓ (2)	اپنے آپ کو (خواب	مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکو کاروں میں سے	مِلَّةَ	دین
	میں) دیکھتا ہوں	قَالَ	فرمایا	قَوْمٍ	(ان) لوگوں (کا)
اَعْصِرُ	(کہ) کشید کر رہا ہوں	لَا	نہیں	لَّا يُؤْمِنُوْنَ	(جو) نہیں ایمان رکھتے
خَمْرًا	شراب	يَاْتِيْكُمَا	آئیگا تم دونوں کے پاس	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
وَقَالَ الْاٰخَرُ	اور کہا دوسرے (نے)	طَعَامٌ	(وہ) کھانا	وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ	اور وہ آخرت کے (بھی)
اِنِّيْٓ	یقیناً میں	تُرْزَقٰنِهٖٓ (5)	(جو) تم دونوں کو روزی	هُمْ كٰفِرُوْنَ	وہ منکر (ہیں)
اَرٰىنِيْٓ	اپنے آپ کو (خواب		کے طور پر دیا جاتا ہے	وَاتَّبَعْتُ	اور پیروی کی ہے میں نے
	میں) دیکھتا ہوں	اِلَّا	مگر	مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ	اپنے بزرگوں کے
اَحْمِلُ	اٹھائے ہوئے ہوں	نَبَّاْتُكُمَا	بتادوں گا میں تم دونوں کو		دین (کی)
فَوْقَ رَاْسِيْ	اپنے سر پر	بِتَاْوِيْلِهٖ	اس کی تعبیر	اِبْرٰهِيْمَ (8)	(یعنی) ابراہیم
خُبْزًا (3)	روٹیاں	قَبْلَ اَنْ (6)	اس سے پہلے کہ وہ تم	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق
تَاْكُلُ	کھا رہے ہیں	يَّاْتِيَكُمَا	دونوں کے پاس آئے	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب (کے دین
الطَّيْرُ (3)	پرندے	ذٰلِكُمَا (7)	یہ (تعبیر)		کی)
مِنْهُ	اس میں سے	مِمَّا	اس میں سے (ہے)	مَا كَانَ (9)	نہیں (زیبا) ہے

(۱) فَتَيَانِ تثنیہ ہے فَتٰی کا جس کے لفظی معنی ہیں ''نوجوان'' اور اصطلاح میں ''غلام'' کو کہتے ہیں (۲) اَرٰی مضارع واحد متکلم ہے اور نِی مفعول ہے (۳) اَلْخُبْزُ اور اَلطَّيْرُ اسم جنس ہیں — اور جملہ تَاْكُلُ صفت ہے خُبْزًا کی (۴) بِتَاْوِيْلِهٖ میں با صلہ کی ہے نَبَّاَ بِهٖ: بتلانا، خبر دینا (۵) تُرْزَقَانِ فعل مضارع مجہول، صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب طَعَامٌ کی طرف راجع ہے اور جملہ طَعَامٌ کی صفت ہے (۶) قَبْلَ اَنْ يَاْتِيَكُمَا مفعول فیہ ہے نَبَّاْتُكُمَا کا — اور قَبْلَ مابعد کی طرف مضاف ہے اور اَنْ مصدریہ ہے (۷) ذٰلِكُمَا کے لئے آیت بتیس کا حاشیہ دیکھیں۔ (۸) ابراهیم الخ عطف بیان ہے آبَاءِ یْ کا (۹) النفی هنا للشأن الذی هو أبلغ و آکد من نفی الشی مباشرة .

لَنَآ	ہمارے لئے	الْقَهَّارُ	سب پر غالب؟	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	مگر اکثر
اَنْ نُّشْرِكَ	کہ شریک ٹھیرائیں ہم	مَا تَعْبُدُوْنَ	نہیں پوجتے تم	النَّاسِ	لوگ
بِاللّٰهِ	اللہ پاک کے ساتھ	مِنْ دُوْنِهٖٓ	ان سے نیچے	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے ہیں
مِنْ شَيْءٍ	کسی چیز (کو)	اِلَّآ اَسْمَآءً	مگر ناموں (کو)	يٰصَاحِبَيِ	اے دوساتھیو
ذٰلِكَ مِنْ	یہ فضل سے (ہے)	سَمَّيْتُمُوْهَآ	رکھ لئے ہیں تم نے وہ نام	السِّجْنِ	قیدخانہ (کے)
فَضْلِ		اَنْتُمْ	تم نے	اَمَّآ [2]	رہا
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	وَاٰبَآؤُكُمْ	اور تمہارے بزرگوں	اَحَدُكُمَا	تم میں سے ایک
عَلَيْنَا	ہم پر		(نے)	فَيَسْقِيْ	تو پلائے گا وہ
وَعَلَى النَّاسِ	اور تمام انسانوں پر	مَّآ اَنْزَلَ	نہیں اتاری (ہے)	رَبَّهٗ [3]	اپنے آقا (کو)
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	لیکن اکثر	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	خَمْرًا	شراب
النَّاسِ	لوگ	بِهَا	ان کے بارے میں	وَاَمَّا الْاٰخَرُ	اور رہا دوسرا
لَا يَشْكُرُوْنَ	نہیں شکر کرتے	مِنْ سُلْطٰنٍ	کوئی دلیل (سند)	فَيُصْلَبُ	تو سولی دیا جائے گا وہ
يٰصَاحِبَيِ [1]	اے دوساتھیو	اِنِ الْحُكْمُ	نہیں (ہے) حکم	فَتَاْكُلُ	پس کھائیں گے
السِّجْنِ	جیل (کے)	اِلَّا لِلّٰهِ	مگر اللہ پاک کے لئے	الطَّيْرُ	پرندے
ءَاَرْبَابٌ	کیا معبود	اَمَرَ	حکم دیا ہے انھوں نے	مِنْ رَّاْسِهٖ	اس کے سر میں سے
مُّتَفَرِّقُوْنَ	جدا جدا	اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	کہ نہ عبادت کرو تم	قُضِيَ [4]	فیصل کردیا گیا
خَيْرٌ	بہتر (ہیں)	اِلَّآ اِيَّاهُ	مگر ان کی	الْاَمْرُ	معاملہ
اَمِ اللّٰهُ	یا اللہ پاک	ذٰلِكَ الدِّيْنُ	یہ دین (ہے)	الَّذِيْ [5]	(وہ) جو
الْوَاحِدُ	ایک	الْقَيِّمُ	سیدھا	فِيْهِ	اس کے بارے میں

(۱) صَاحِبَیِ کے آخر سے نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے (۲) اَمَّا حرف شرط ہے جس کے جواب میں فاء کا آنا ضروری ہے۔ اکثر حالات میں تفصیل کے لئے آتا ہے اور کبھی تاکید کے لئے (۳) رَبّ بمعنی ''آقا'' ہے۔ گذشتہ ملتوں میں اس لفظ کا استعمال جائز تھا، ہماری شریعت میں شرک کا چور دروازہ بند کرنے کے لئے یہ اطلاق ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ لایقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی (کوئی غلام اپنے آقا کو رَبِّیْ نہ کہے بلکہ سَیِّدِیْ کہے) مشکوٰۃ ص ۴۰۷ (۴) قُضِیَ فعل ماضی مجہول ہے (۵) الذی الخ صفت ہے اَلْاَمْرُ کی۔

تَسْتَفْتِيٰنِ	تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے ہو	نَاجٍ	رہا ہونے والا (ہے)	ذِكْرَ	ذکر کرنا
		مِّنْهُمَا	ان دونوں میں سے	رَبِّهٖ	اپنے آقا (سے)
وَقَالَ	اور کہا	اذْكُرْنِيْ	ذکر کر میرا	فَلَبِثَ	سو ٹھیرے رہے وہ
لِلَّذِيْ	اس شخص سے	عِنْدَ رَبِّكَ	اپنے آقا کے سامنے	فِي السِّجْنِ	زندان میں
ظَنَّ	سمجھتے تھے وہ	فَاَنْسٰهُ[1]	پس بھلا دیا اس کو	بِضْعَ[2]	کئی
اَنَّهٗ	کہ وہ	الشَّيْطٰنُ	شیطان (نے)	سِنِيْنَ	سال

دو قیدیوں کے خواب کی تعبیر اور یوسف علیہ السلام کا زنداں میں کئی سال ٹھہرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی واضح ہونے کے بعد بھی ان کو قید خانہ بھیج دیا گیا اور ایک بے خطا کو خطا کار اور معصوم کو مجرم بنادیا گیا، تاکہ حکام مصر کی اور امراء شہر کی بیگمات شوہروں کے قابو سے باہر نہ ہوجائیں۔ انھوں نے مناسب سمجھا کہ ایک مدت تک یوسف علیہ السلام کو اپنی عورتوں کی نظروں سے دور رکھیں تاکہ ان کی آتش عشق سرد پڑ جائے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام پا بجولاں جیل پہنچے ـــــ اور آپ کے ساتھ قید خانہ میں دو غلام (اور) داخل ہوئے ـــــ ان میں سے ایک شاہی ساقی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا سُپر وائزر۔ دونوں بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش میں ماخوذ تھے۔ دونوں پر بادشاہ کے کھانے پانی میں زہر ملانے کا الزام تھا۔ تحقیقات مکمل ہونے تک دونوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ ایک روز دونوں حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ـــــ ان میں سے ایک نے کہا: میں بالیقین خواب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ شراب کشید کر رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا: میں بالیقین خواب میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں ـــــ اپنا اپنا خواب بیان کر کے دونوں نے درخواست کی کہ ـــــ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیں، ہم آپ کو واقعۃً ایک نیک آدمی سمجھتے ہیں ـــــ قیدیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں یہ ''نذرانۂ عقیدت'' پیش کرنا واضح کرتا ہے کہ جیل کے اندر اور باہر سب لوگ جانتے تھے کہ آپ کوئی مجرم نہیں، بلکہ ایک نیک آدمی ہیں۔ تورات میں ہے کہ نہ صرف قیدی آپ کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ قید خانہ کے حکام بھی آپ کے معتقد ہو گئے تھے، قید خانہ کے سپر وائزر نے سب قیدی آپ کو سونپ دیئے تھے اور وہ خود بھی جو کچھ کرتا تھا آپ کے حکم کے مطابق کرتا تھا ـــــ قرآن پاک کا یہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ قیدیوں کا اس طرح یوسف علیہ السلام کے پاس آنا، اور پھر ان کی عظمت و نیک نفسی کا اعتراف کرنا واضح کرتا ہے کہ یوسف

(۱) فَاَنْسٰهُ کی ضمیر الَّذِيْ کی طرف راجع ہے (۲) بِضْعٌ کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔

علیہ السلام کی نیکی کی قید خانہ میں شہرت تھی۔

الغرض خواب بیان کرنے والے دونوں قیدیوں سے —— آپ نے فرمایا: ''جو کھانا تمہیں بطور روزی دیا جاتا ہے وہ تمہارے پاس آنے نہیں پائے گا کہ میں تم کو اس کی تعبیر بتادوں گا'' —— بلکہ —— ''اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی'' —— بتلادوں گا۔ معلوم ہوا کہ کھانا تقسیم ہونے کا وقت قریب تھا۔ بس آیا ہی چاہتا تھا۔ حضرت فرمارہے ہیں کہ اس کے آنے سے پہلے ہی تعبیر بتادوں گا مگر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا مأخذ کیا ہے، جس کی بناء پر میں تمہیں تعبیر بتاؤں گا؟ —— یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمائے ہیں —— یعنی میرے علم کا سرچشمہ الہامِ ربانی ہے، میں کوئی پیشہ ور کاہن یا نجومی نہیں، اور اللہ پاک نے مجھے یہ دولت اس لئے بخشی ہے کہ —— میں قطعاً ان لوگوں کا دین چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پاک پر یقین نہیں رکھتے، اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں —— یعنی میں مصریوں کے دین کی پیروی نہیں کرتا، میں نے ہمیشہ سے کافروں اور آخرت فراموشوں کے دین کو چھوڑے رکھا ہے —— اور میں نے اپنے بزرگوں کے دین کی پیروی کی ہے یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی۔ ہمارے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ ہم اللہ پاک کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں، یہ اللہ کا فضل ہے، ہم پر اور تمام لوگوں پر لیکن اکثر لوگ احسان نہیں مانتے۔

یہاں غور کرنے کی سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تبلیغ کا کتنا بہترین موقع نکالا ہے، ہمیں اس سے حکمتِ تبلیغ کا ایک اہم سبق ملتا ہے۔ دو شخص اپنے اپنے خواب کی تعبیر لینے آئے ہیں اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار کررہے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ تعبیر تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا اور جلد ہی بتاؤں گا مگر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا ماخذ کیا ہے، جس کی بنا پر تمہیں تعبیر دوں گا، اس طرح ان کی بات میں سے اپنی بات کہنے کا موقع نکال لیا، آپ ان کے سامنے دین کی بات پیش کرنا شروع فرمادیتے ہیں —— اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص میں تبلیغ کی تڑپ ہو، دین کا درد ہو اور وہ سمجھدار بھی ہو تو کیسی خوبصورتی کے ساتھ وہ گفتگو کا رخ اپنی دعوت کی طرف پھیر سکتا ہے۔

دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام موقع پاتے ہی اپنا کام شروع فرمادیتے ہیں کیونکہ جس میں تبلیغ کی تڑپ ہوتی ہے وہ موقع کی تاک میں رہتا ہے اور جوں ہی اسے موقع ملتا ہے اپنا کام شروع کردیتا ہے اور جس میں دعوت کا درد نہیں ہوتا اس کے سامنے مواقع آتے رہتے ہیں اور وہ کبھی محسوس نہیں کرتا کہ یہ موقع ہے دین کی بات کہنے کا!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی بات اس نقطہ سے شروع فرمائی ہے جہاں سے اہل حق کا راستہ اہل باطل کے راستے سے جدا ہوتا ہے یعنی توحید اور آخرت کا یقین۔ آپ نے فرمایا کہ اہل مصر جس روش پر ہیں میں اس سے کنارہ کش

ہوں۔میں اپنے بزرگوں کی ملت کا پیرو ہوں——اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت نہیں ملی، کیونکہ اس وقت غالباً حضرت کی عمر شریف بیس اکیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔یہودی روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے فرماں روا ہوئے،اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور ابھی آیت بیالیس میں آ رہا ہے کہ آپ قید خانے میں ﴿ بِضۡعَ سِنِيۡنَ ﴾ (کئی سال) رہے ہیں بِضْعٌ کا اطلاق عربی میں تین سے نو تک ہوتا ہے اس حساب سے آپ کی عمر پچیس سال کے اندر ہی رہی ہوگی اور یہ عمر نبوت ملنے کی نہیں،نبوت عام طور پر چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے اس لئے آپ فرما رہے ہیں کہ میں اپنے بزرگوں کے دین کا متبع ہوں—— آپ کے بزرگوں کا دین کیا تھا؟ توحید!فرماتے ہیں کہ ہم بندوں کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ پاک کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔اور یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا فضل ہے کہ انہوں نے ہمیں اپنے سوا کسی کا بندہ نہیں بنایا مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے اور خود گھڑ کر اپنے لئے رب بناتے ہیں اور ان کی بندگی کرتے ہیں —— اے جیل کے دو ساتھیو! کیا جدا جدا معبود بہتر ہیں یا سب پر غالب ایک اللہ؟—— رفیقو!بتاؤ،تم نوکر پیشہ ہو،کیا ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاؤں کا؟اور کیا بے بس بندوں کی بندگی بہتر ہے یا سب پر غالب ایک آقا کی؟—— تم لوگ اللہ پاک سے وَرے ناموں کو پوجتے ہو،جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ لئے ہیں،اللہ پاک نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری—— یعنی یہ معبود جن میں سے تم کسی کو اَن داتا،کسی کو مالکِ ہوا،کسی کو ربّ دولت،کسی کو مختارِ صحت و مرض کہتے ہو یہ سب خالی ''نام'' ہیں،ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں اور یہ نام تم نے اور تمہارے گمراہ اسلاف نے رکھ لئے ہیں اور ان ناموں میں تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد اضافہ ہوتا رہتا ہے،نئے نئے دیوتا جنم لیتے ہیں اور پرانے خداؤں کو لوگ بھول جاتے ہیں۔ان میں سے کسی کے لئے خداوندی نہیں،نہ ان میں سے کسی کی معبودیت کی کوئی سند اللہ پاک نے اتاری ہے اور جن مذہبی کتابوں میں ایک سے زائد خداؤں کا ذکر ہے وہ کتابیں یا تو اللہ پاک کی نازل فرمودہ نہیں،یا وہ محفوظ نہیں،اللہ پاک کی نازل فرمودہ محفوظ کتاب قرآن پاک میں جو حکم ہے وہی ناطق حکم ہے—— حکم صرف اللہ پاک کا ہے،انھوں نے حکم دیا ہے کہ تم صرف انہی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں!—— سیدھی بات کو سمجھتے نہیں۔

اے جیل کے دو رفیقو!رہا تم میں سے ایک (جس نے شراب کشید کرنے کا خواب دیکھا ہے) تو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور رہا دوسرا تو وہ سولی دیا جائے گا پس کھائیں گے اس کے سر میں سے پرندے—— تعبیر سن کر دونوں شخصوں کا عجیب حال ہوا ہوگا۔جسے رہائی کی خبر دی گئی تھی اسے تعبیر پر یقین ہی نہیں آ رہا ہوگا وہ سوچتا ہوگا کہ اتنے سنگین جرم میں ماٴخوذ ہونے کے بعد رہائی!کیا اس کا کوئی امکان ہے؟اور اگر رہا ہو بھی گیا تو پہلی پوسٹ پر بحالی تو ایک سہانے

خواب سے زیادہ نہیں، اتنے خطرناک الزام کے بعد بھلا بادشاہ مجھ پر کیسے اعتماد کرے گا؟! —— اور جسے سولی کی خبر دی گئی تھی وہ اگر واقع میں مجرم تھا تو اس نے منت سماجت شروع کردی ہوگی کہ حضرت میری رہائی کے لئے دعا فرمادیجئے، کوئی راہ بتادیجئے۔ اور اگر وہ واقع میں مجرم نہیں تھا تو اس نے اپنی صفائی شروع کردی ہوگی کہ میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا، میں سولی پانے کا کسی طرح مستحق نہیں ہوں۔ غرض تعبیر پر دونوں کو یقین نہیں آرہا ہوگا اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا —— چکادیا گیا وہ معاملہ جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے ہو —— یعنی قضاء وقدر کا فیصلہ یہی ہے جو کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا، جو بات تم پوچھتے ہو وہ میں نے بتلادی یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔

اور آپ نے اس شخص سے کہا جس کو ان دونوں میں سے رہا ہونے والا خیال کیا کہ: ''اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا'' —— آپ کو یہ تو یقین تھا کہ جس نے شراب کشید کرنے کا خواب دیکھا ہے وہ ضرور رہا ہوگا مگر جو شخص کہہ رہا ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کا یقین نہیں، کیونکہ امکان ہے غلط بیانی کررہا ہو، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ: ''جسے رہا ہونے والا خیال کیا'' یعنی ان دونوں میں سے جو شخص کہہ رہا تھا کہ میں نے شراب کشید کرنے کا خواب دیکھا ہے اس سے آپ نے فرمایا کہ: ''اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا'' —— کیا ذکر کرنا؟ یہی کہ جیل میں ایک آدمی ہے اس نے ہمارے خوابوں کی یہ تعبیر دی ہے اور وہ حرف بحرف پوری ہوئی، کیوں ذکر کرنا؟ تاکہ ممکن ہے بادشاہ کو اس آدمی سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہو اور اس طرح بادشاہ کے روبرو دعوتِ حق پیش کرنے کا یوسف علیہ السلام کو موقع مل جائے مگر برا ہو شیطان کا، وہ دین کے معاملہ میں رخنہ اندازی نہ کرے ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس ملعون نے رہا ہونے والے کے حافظہ سے یہ بات نکال دی۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— پھر شیطان نے اس کو بھلادیا اپنے آقا سے ذکر کرنا۔ پس وہ زندان میں کئی برس رہے —— اور بادشاہ سے بات کرنے کا کوئی موقع میسر نہ آیا۔

انبیاء کرام پر شیطان براہِ راست اثر انداز نہیں ہوسکتا مگر ان کی گاڑی میں روڑا اٹکا سکتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ

اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ	اور کہا بادشاہ (نے)	خُضْرٍ	ہری	تَعْبُرُوْنَ	تعبیر بیان کرتے
اِنِّيْٓ اَرٰى	بیشک میں دیکھتا ہوں	وَّاُخَرَ	اور دوسری (سات)	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے
سَبْعَ	سات	يٰبِسٰتٍ	سوکھی	اَضْغَاثُ [۶]	پولے (ہیں)
بَقَرٰتٍ [۱]	گائیں	يٰٓاَيُّهَا	اے	اَحْلَامٍ [۷]	پریشان خیالات کے
سِمَانٍ [۲]	فربہ	الْمَلَاُ [۵]	سرداران قوم	وَمَا	اور نہیں (ہیں)
يَّاْكُلُهُنَّ [۳]	کھا رہی ہیں ان کو	اَفْتُوْنِيْ	تم مجھے جواب دو	نَحْنُ	ہم
سَبْعٌ	سات (گائیں)	فِيْ رُءْيَايَ	میرے خواب کے	بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ	خوابوں کی تعبیر
عِجَافٌ [۴]	دبلی		بارے میں		
وَّسَبْعَ	اور سات	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	بِعٰلِمِيْنَ	جاننے والے
سُنْۢبُلٰتٍ	بالیں	لِلرُّءْيَا	خواب کی	وَقَالَ	اور کہا

(۱) بَقَرَةٌ کی جمع ہے: گائے، بیل (۲) سَامِنٌ اور سَمِيْنٌ کی جمع ہے اور صفت ہے سَمِنَ (س) سِمْنًا: موٹا ہونا (۳) جملہ يَاْكُلُهُنَّ صفت اور حال دونوں ہوسکتا ہے بَقَرٰتٍ سے (۴) عَجِفَ (س) عُجُفَ (ک) عَجْفًا: کمزور ہونا، دبلا ہونا، چربی کا ختم ہوجانا، مذکر کی صفت عَجِفٌ اور اَعْجَفُ اور مؤنث کی عَجِفٌ اور عَجْفَاءُ آتی ہے اور دونوں کی جمع عِجَافٌ ہے — یہ سِمَان کی ضد ہے اور اس وجہ سے اسکے وزن پر جمع آئی ہے ورنہ قاعدے سے عُجُفٌ جمع آنی چاہئے جیسے حَمْرَاءُ کی جمع حُمْرٌ آتی ہے (۵) اَلْمَلَاُ کیلئے دیکھئے سورۂ یونس آیت ۷۵ کا حاشیہ (۶) ضِغْثٌ کی جمع ہے سینکوں کا مٹھا، ایسی گٹھڑی جس میں مختلف قسم کی گھاس پھونس جمع ہو (۷) حُلُمٌ کی جمع: خواب، یاد رہے حِلْمٌ کی بھی یہی جمع آتی ہے اور اس وقت معنی ہوتے ہیں ''عقل''، کیونکہ بردباری عقل ہی سے ناشی ہے۔

الَّذِیْ	اس نے جو	عِجَافٌ	نہایت لاغر	فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ	ان کی بالوں میں
نَجَا	رہا ہوا تھا	وَّسَبْعِ	اور سات	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا
مِنْهُمَا	ان دونوں میں سے	سُنْۢبُلٰتٍ	بالیں	مِّمَّا	اس میں سے جو
وَادَّكَرَ (۱)	اور یاد کیا	خُضْرٍ	ہری	تَاْكُلُوْنَ	کھاؤ تم
بَعْدَ	بعد	وَّاُخَرَ	اور دوسری (سات)	ثُمَّ يَاْتِيْ	پھر آئیں گے
اُمَّةٍ (۲)	مدت (کے)	يٰبِسٰتٍ	سوکھی	مِنْۢ بَعْدِ	پیچھے
اَنَا	میں	لَّعَلِّيْۤ	تاکہ میں	ذٰلِكَ	اس کے
اُنَبِّئُكُمْ	بتلاؤں گا تمہیں	اَرْجِعُ	واپس جاؤں	سَبْعٌ	سال (سال)
بِتَاْوِيْلِهٖ (۳)	اس کی تعبیر	اِلَى النَّاسِ	لوگوں کے پاس	شِدَادٌ (۸)	سخت
فَاَرْسِلُوْنِ (۴)	پس بھیج دیں مجھے	لَعَلَّهُمْ (۶)	تاکہ وہ	يَّاْكُلْنَ	کھا جائیں گے وہ
يُوْسُفُ	اے یوسف!	يَعْلَمُوْنَ	جانیں	مَا قَدَّمْتُمْ	جو پہلے رکھا ہے تم نے
اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ (۵)	اے سچائی کے پتلے	قَالَ	فرمایا	لَهُنَّ	ان کے لئے
اَفْتِنَا	آپ ہمیں جواب دیں	تَزْرَعُوْنَ	کاشت کرو گے تم	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا سا
فِيْ سَبْعِ	بیچ سات	سَبْعَ سِنِيْنَ	سات سال	مِّمَّا	اس میں سے جو
بَقَرٰتٍ	گئو	دَاَبًا (۷)	لگاتار	تُحْصِنُوْنَ	بچا رکھو تم
سِمَانٍ	فربہ (کے)	فَمَا	سو جو	ثُمَّ يَاْتِيْ	پھر آئے گا
يَّاْكُلُهُنَّ	کھا رہی ہیں ان کو	حَصَدْتُّمْ	فصلیں کاٹو تم	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
سَبْعٌ	سات (گئو)	فَذَرُوْهُ	تو چھوڑ دو ان کو	ذٰلِكَ	اس کے

(۱) اِدَّكَرَ اصل میں اِذْتَكَرَ تھا، ادغام ہوا ہے اور اِذْتَكَرَ ایک لغت ہے اِذْتَكَرَ میں جو ذکر سے بنا ہے (۲) جب اُمَّةٌ کے معنی ''مدت'' کے ہوتے ہیں تو مضاف محذوف ہوتا ہے اور اُمَّةٌ مضاف کے قائم مقام ہوتا ہے ای زمن أمة او وقت أمة (۳) باصلہ کی ہے نَبَّأَبه: بتلانا (۴) فَاَرْسِلُوْنِ کے آخر سے یائے متکلم محذوف ہے جسکی علامت نون کا کسرہ ہے (۵) الصدیق مبالغہ کا وزن ہے۔ صدق مجسم، سراپا سچا، نہایت سچا۔ (۶) دوسرا لَعَلَّ پہلے لَعَلَّ کی تکرار ہے کیونکہ تکرار کے بغیر عبارت صحیح نہیں ہو سکتی (۷) دَاَبَ (ف) دَاْبًا فی العمل: لگاتار جانفشانی سے کرنا — اسی سے ثانوی معنی ''عادت'' کے پیدا ہوئے ہیں (۸) شدید کی جمع ہے۔

عَامٌ	ایک سال	يُغَاثُ	بارش برسائے جائیں گے	وَفِيْهِ	اوراس میں
فِيْهِ	جس میں	النَّاسُ	لوگ	يَعْصِرُوْنَ	نچوڑیں گے

بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کئی سال جیل میں رہے۔ پھر اللہ پاک نے ان کی رہائی کی ایک عجیب صورت ظاہر فرمائی۔ سچ ہے اللہ پاک جب کوئی بات چاہتے ہیں تو بالکل توقع کے خلاف اس کے اسباب کرتے ہیں۔ مصر کا بادشاہ ایک خواب دیکھتا ہے اور بہت ہی عجیب خواب دیکھتا ہے، وہ اپنا خواب ارکان دولت سے بیان کرتا ہے مگر ان میں سے کوئی اسے بوجھ نہیں سکتا۔ ارشاد فرماتے ہیں — اور بادشاہ نے کہا: ''میں بالیقین سات فربہ گائیں دیکھ رہا ہوں، جن کو سات نہایت لاغر گائیں کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیں اور دوسری سوکھی — یعنی سات موٹی تازی گئو ہیں اور سات دبلی، اور دبلی گئو موٹی گئو کو گھاس کی طرح کھا رہی ہیں اور سات سرسبز وشاداب گیہوں کی بالیں ہیں اور سات خشک — اے قوم کے سردارو! مجھے اس خواب کی تعبیر دو اگر تم خواب بوجھتے ہو — یعنی اگر تم تعبیر خواب کے فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ — ان لوگوں نے کہا: پریشان خیالات کے پولے ہیں اور ہم خوابوں کی تعبیر جانتے (بھی) نہیں — یعنی پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خواب پریشان خیالات کے پولے ہیں، اس میں مختلف قسم کی ملی جلی باتیں ہیں اس لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم سیاستداں ہیں تعبیر خواب کے ماہر نہیں۔

مگر بادشاہ اس عجیب وغریب خواب کی وجہ سے حیران تھا، وہ سوچتا تھا کہ الٰہی میرے اس پراگندہ خواب کی تعبیر کیا ہے؟ — اس اثناء میں بادشاہ کے ساقی کو یوسف علیہ السلام کی یاد آئی اور بڑی دیر سے یاد آئی — اور ان دو (قیدیوں) میں سے جو رہا ہوا تھا اس نے کہا — اور مدت کے بعد یاد آئی — میں آپ کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، سو آپ مجھے بھیج دیں — یعنی مجھے قید خانہ میں جانے کی اجازت دیں، میں ابھی اس کی تعبیر لاتا ہوں — بادشاہ کی اجازت سے وہ قید خانہ میں گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا۔ اس نے کہا — اے یوسف! اے سچائی کے پتلے! آپ ہمیں اس کا جواب دیں کہ سات فربہ گائیں ہیں ان کو سات نہایت لاغر گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور دوسری (سات) سوکھی — آپ مجھے اس کی تعبیر دیں — تا کہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور وہ لوگ جانیں — یعنی میں خواب کی تعبیر جاننے کے لئے بیتاب نہیں ہوں بلکہ میرے پیچھے والے ہیں، آپ مجھے بتائیں تا کہ میں واپس جا کر انھیں بتاؤں اور وہ اپنے خواب کا مطلب جان لیں۔

ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ''صدیق'' کہہ کر خطاب کیا ہے، صدیقیت سچائی اور استبازی کے انتہائی

مرتبے کا نام ہے۔ساقی کے اس خطاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ جیل کے زمانۂ قیام میں اس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت سے گہرا اثر لیا ہے، اور یہ اثر ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی راسخ ہے، تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہی حال ہوتا ہے ان کے صدق و دیانت کا نقش عام وخاص ہر ایک کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کا یہ کمال ہے کہ آپ نے نہ تو ساقی کو ملامت کی نہ برسوں تک بھولے رہنے پر جھڑکا، نہ تعبیر بتلانے میں بخل کیا نہ یہ سوچا کہ جن ظالموں نے مجھ بےقصور کو جیل میں ڈالا ہے، اچھا ہے وہ قحط سے تباہ ہو جائیں ان کی یہی سزا ہے — نہیں ایسا کچھ بھی نہیں سوچا بلکہ اسی وقت خواب کی تعبیر بتائی آپ نے — فرمایا: ”تم سات سال لگاتار کاشت کرو گے، سو تم جو فصلیں کاٹو ان کو ان کی بالیوں میں چھوڑ دو، بس تھوڑا سا غلہ نکالو جو تمہارے کھانے میں آوے۔ پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے، جو وہ غلہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے پہلے سے رکھ چھوڑا ہے مگر تھوڑا سا جو تم بچا رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگ باران رحمت دیئے جائیں گے اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے — خواب کی تعبیر میں آپؑ نے تین چیزیں بتلائیں، قرآن پاک کے اندازِ بیان پر قربان جایئے کہ اس نے یہ تینوں چیزیں الگ الگ بیان کرنے کے بجائے سب کو ایک ساتھ بیان کر دیا۔

پہلی بات یہ بتلائی کہ سات موٹی گایوں سے مراد زراعت کے سات سال ہیں، آئندہ سات برس تک بہت اچھی فصلیں ہوں گی، یہ گویا سات موٹی گئو ہوئیں پھر سات برس متواتر قحط رہے گا۔ یہ سات دبلی گئو ہیں اور یہ قحط کے سات سال پچھلا اندوختہ ختم کر دیں گے یہ دبلی گئو کا موٹی گئو کو کھانا ہوا۔

دوسری بات یہ بتلائی کہ شروع کے سات سالوں میں جو پیداوار ہو اسے حفاظت سے رکھا جائے اور کفایت شعاری سے کام لیا جائے۔ کھانے کیلئے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اتنا ہی خوشوں (بالوں) سے الگ کیا جائے اور بہت احتیاط سے تھوڑا تھوڑا کھایا جائے۔ باقی غلہ بالوں ہی میں رہنے دیا جائے تا کہ گھن کیڑا نہ لگے۔ پھر جب قحط کے سال شروع ہوں تو اندوختہ سے کام لیا جائے مگر اندوختہ بالکل ختم نہ کر دیا جائے بلکہ بیج کے بقدر بچا لیا جائے یہ سات ہری اور سات سوکھی بالیں ہوئیں یعنی ہری بالوں کو خشک کر کے رکھ لیا جائے۔

اور تیسری بات یہ بتائی کہ قحط صرف سات سال رہے گا، اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں خوب بارش ہوگی اور پھلوں، میووں کی بہتات ہوگی۔ لوگ پھلوں کا رس اور دانوں کا تیل بہتات سے نکالیں گے۔ یہ سات سات کے عدد کا فائدہ ہوا یعنی قحط صرف سات سال رہے گا اس کے بعد خوش حالی کا دور دورہ ہوگا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ

النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

وَقَالَ	اور کہا	اَیْدِیَهُنَّ	اپنے ہاتھ	عَلَیْهِ	ان میں
الْمَلِكُ	بادشاہ (نے)	اِنَّ رَبِّیْ	بالیقین میرے پروردگار	مِنْ سُوْٓءٍ	کوئی برائی
ائْتُوْنِیْ	لاؤ تم میرے پاس	بِكَیْدِهِنَّ	ان کے فریب سے	قَالَتِ	کہا
بِهٖ (۱)	اس کو	عَلِیْمٌ	خوب واقف ہیں	امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ	عزیز کی بیگم نے
فَلَمَّا	پس جب	قَالَ	کہا (بادشاہ نے)	الْـٰٔنَ	اب
جَآءَهُ	آیا ان کے پاس	مَا	کیا	حَصْحَصَ (۴)	کھل گئی
الرَّسُوْلُ	پیامبر	خَطْبُكُنَّ (۳)	معاملہ تھا تمہارا	الْحَقُّ	سچی بات
قَالَ	(تو) کہا	اِذْ رَاوَدْتُّنَّ	جب ڈورے ڈالے تم نے	اَنَا رَاوَدْتُّهٗ	ڈورے ڈالے تھے
ارْجِعْ	لوٹ جا	یُوْسُفَ	یوسف (پر)		میں نے ہی اس پر
اِلٰی رَبِّكَ	اپنی سرکار کی طرف	عَنْ نَّفْسِهٖ	اس کے نفس سے	عَنْ نَّفْسِهٖ	اس کے نفس سے
فَسْـَٔلْهُ	پس پوچھ ان سے		(فریب کرنے کیلئے)		(فریب کرنے کیلئے)
مَا بَالُ (۲)	کیا حال (ہے)	قُلْنَ	کہا ان عورتوں نے	وَاِنَّهٗ	اور بلاشبہ وہ
النِّسْوَةِ	(ان) عورتوں (کا)	حَاشَ لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے پاکی	لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ	سچوں میں سے ہے
الّٰتِیْ	جنھوں نے		(ہے)	ذٰلِكَ	یہ (تحقیق حال اس
قَطَّعْنَ	کاٹ لئے تھے	مَا عَلِمْنَا	نہیں جانی ہم نے		لئے ہے)

(۱) با صلہ کی ہے اٰتٰی بِهٖ: لانا (۲) بَالٌ: وہ حال جس کی پرواہ کی جائے، کبھی جس حالت پر دل جمنے لگے اس کو بھی بال کہتے ہیں اور اسی سے مجازاً اس کے معنی دل، جی کے آتے ہیں (۳) خَطْبٌ: وہ اہم معاملہ جس کے متعلق لوگوں میں کثرت سے بات چیت ہو، کُنَّ ضمیر مؤنث حاضر مضاف الیہ ہے (۴) حَصْحَصَ (رباعی مجرد) حَصْحَصَةً: ظاہر ہونا۔

لِيَعْلَمَ	کہ جان لے وہ (عزیز)	بِالْغَيْبِ	اس کی عدم موجودگی میں	لَا يَهْدِيْ	نہیں راہ دیتے
أَنِّيْ	(کہ) بیشک میں نے	وَأَنَّ	اور بے شک	كَيْدَ	خیانت کرنے والوں
لَمْ أَخُنْهُ	نہیں خیانت کی اس سے	اللّٰهَ	اللہ پاک	الْخَائِنِيْنَ	کے فریب کو

بادشاہ کی طلبی اور یوسف علیہ السلام کا تحقیقات کا مطالبہ

ساقی نے واپس آ کر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب سنایا۔ تعبیر اس قدر چسپاں تھی کہ بادشاہ نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا، چنانچہ — بادشاہ نے حکم دیا: ''ان کو میرے پاس لاؤ'' — یعنی فوراً ان کو قید خانے سے نکالو اور میرے پاس لاؤ — پس جب ان کے پاس قاصد آیا تو انھوں نے کہا: ''تم اپنی سرکار کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ لہولہان کر لئے تھے؟ میرے پروردگار ان کے فریب سے خوب واقف ہیں'' — یعنی جہاں تک میرے پروردگار کا معاملہ ہے ان کو تو پہلے ہی سے میری بے گناہی خوب معلوم ہے مگر تمہاری سرکار کو بھی میری رہائی سے پہلے اس معاملہ کی پوری تحقیق کر لینی چاہئے، جس کی بنا پر مجھے جیل میں ڈالا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تحقیقات کرانے کا مطالبہ جن الفاظ میں پیش کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ اس پورے واقعہ سے جو وزیر کی بیگم کی دعوت کے موقع پر پیش آیا تھا بخوبی واقف ہے، مطالبہ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کیا، وزیر کی بیگم کا تذکرہ دو وجہ سے چھوڑ دیا:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ جب عزیز پر اپنی بیگم کا قصور واضح ہوا تھا تو اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا: ''یوسف! جو ہوا سو ہوا، اب اس کا چرچا نہ کرنا کہ اس میں میری بدنامی ہے'' بعد میں اگرچہ عزیز اپنی بات پر قائم نہ رہا اور حضرت کو قید میں ڈالدیا مگر حضرت کے اخلاق ایسے نہ تھے کہ وہ یہ بات بھول جاتے۔

دوسری وجہ: یہ تھی کہ وزیر کی بیوی نے آپ کے ساتھ خواہ کتنی ہی برائی کی ہو، مگر تھی وہ پھر مالکہ، اس کا شوہر آپ کا محسن تھا، اس نے آپ کو غلام کی حیثیت سے خریدا تھا مگر عزیزوں کی طرح عزت و آرام سے پالا تھا، آپ اس کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔ اس لئے آپ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ اس موقع پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کریں، اس وجہ سے صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کیا، مگر مراد اس سے بھی تحقیقات کرنا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے دوسری عورتوں کے ساتھ اس سے بھی تحقیق کی — بادشاہ نے دریافت کیا: ''تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کے نفس سے فریب کرنے کے لئے ان پر ڈورے ڈالے تھے؟'' — بادشاہ نے دریافت کرنے کا یہ عنوان یا تو اس لئے اختیار کیا تھا کہ

ان کو جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہوئی یوسف علیہ السلام کی پامردی دیکھ کر آپ کی پاکی اور عورتوں کی مکاری کا یقین آ گیا تھا۔
چنانچہ بادشاہ نے ان سے کہا کہ صحیح صحیح اور صاف صاف بتاؤ کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ — انھوں نے جواب دیا: اللہ پاک ہیں! ہم نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی — سب عورتوں کی شہادت کے بعد — عزیز کی بیگم نے کہا: ''اب حق واضح ہو گیا — چھپائے چھپ نہ سکا، سچ یہی ہے کہ — میں نے ہی ان کے نفس سے فریب کرنے کے لئے ان پر ڈورے ڈالے تھے، اور وہ بلاشبہ سچوں میں سے ہیں'' — (کہنے لگی یوسف کا کوئی گناہ نہیں، میں ہی ان کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی)

پھر جب یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں تحقیقات کے نتیجہ سے مطلع کیا گیا تو آپ نے فرمایا — یہ (اہتمام) اس وجہ سے تھا کہ وہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی خیانت نہیں کی، اور اللہ پاک خیانت کرنے والوں کی چال کو راہ نہیں دیتے — بہت جلد اس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ قوم کے مقتدا کو اس بات کی فکر رہنی چاہئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہو، کیونکہ یہ چیز اس کی دینی راہنمائی میں خلل انداز ہوگی — اور اگر خدانخواستہ کوئی الزام سر پر آ پڑے تو وقت آنے پر اس کی مکمل صفائی کر لینی چاہئے جس طرح یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی سے پہلے اس بات کی سعی کی کہ لوگوں کا شبہ دور ہو جائے۔

حضور پاک ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پامردی کی یہ فرما کر داد دی ہے کہ ''اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا، جتنا یوسف علیہ السلام رہے تو بلانے والے کے ساتھ فوراً ہو لیتا'' (متفق علیہ)

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

وَمَآ	اور نہیں	لَاَمَّارَۃٌ [۳]	بہت اکسانے والا (ہے)	رَبِّیْ	میرے پروردگار
اُبَرِّئُ [۱]	پاک کرتا میں	بِالسُّوْٓءِ	برائی پر	اِنَّ رَبِّیْ	بیشک میرے پروردگار
نَفْسِیْ	اپنے نفس کو	اِلَّا [۴]	مگر	غَفُوْرٌ	بڑی مغفرت فرمانے والے
اِنَّ	بلاشبہ	مَا	جو	رَّحِیْمٌ	نہایت مہربانی فرمانے
النَّفْسَ [۲]	نفس	رَحِمَ	مہربانی فرمائیں		والے (ہیں)

نفس تو لات مارتا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید سے رہائی سے پہلے، معاملہ کی تحقیق اور الزام کی صفائی اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ عزیز کو یقین آجائے کہ آپ نے اس کی چیز میں کوئی خیانت نہیں کی، الزام سراسر جھوٹا تھا —— چونکہ اس بات سے ایک طرح کی پاکی ٹپکتی ہے، جو شان نبوت کے بھی خلاف ہے اور جو اللہ پاک کو بھی ناپسند ہے [۵]۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت کے اظہار کے ساتھ اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ تحقیقات کا یہ مطالبہ کچھ اپنی براءت کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد صرف بدگمانی ہٹانا ہے، جس کے لئے ناگزیر ضرورت کے طور پر اپنی پاکی کا اظہار کیا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، نفس تو بلاشبہ برائی پر بہت اکسانے والا ہے، مگر جب میرے پروردگار مہربانی فرمائیں، میرے پروردگار یقیناً بڑی مغفرت والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں —— یعنی میں جو اپنی براءت پر اتنا زور دے رہا ہوں: اس سے کوئی آدمی یہ خیال نہ کرے کہ میں اعجاب (خود پسندی) سے اپنی نزاہت (پاکی) ثابت کرنا چاہتا ہوں اور گناہ سے پاک صاف رہنے کو اپنا کمال سمجھ رہا ہوں، ایسا ہرگز نہیں، بھلا میں اپنے نفس پر

---

(۱) اُبَرِّئُ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ہے بَرَّأَہٗ تَبْرِئَۃً: پاک کرنا، بری کرنا (۲) اَلنَّفْس پر الف لام جنس کا ہے (۳) اَمَّارَۃٌ مبالغہ کا صیغہ ہے اَمَرَ (ن) اَمْرًا سے: بہت حکم دینے والا، برائی پر اُکسانے والا (۴) استثناء متصل ہے اور اعم اوقات سے استثناء ہے اور ما مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے أی: ھی أمّارۃ بالسوء فی کل وقت الإفی وقت رحمۃ رَبی وعصمتہ (روح) (۵) اللہ پاک کا ارشاد ہے ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾ تم اپنے نفس کی پاکی نہ بیان کیا کرو، اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں اس کو جو متقی (پرہیزگار) ہے۔

بھروسہ کیونکر کرسکتا ہوں، وہ تو اپنی فطرت سے ہر شخص کو برے کاموں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص نفس کے برے تقاضوں سے پاک صاف رہ سکتا ہے تو وہ اسی وقت رہ سکتا ہے جب پروردگار اس پر مہربانی فرمائیں اس کی حفاظت فرمائیں اور اس کو اس کے تقاضوں سے پاک فرمائیں۔ میرا دامن بھی جو اس معاملہ میں پاک صاف رہ سکا ہے تو وہ میرے غفور ورحیم پروردگار کی خصوصی رحمت کی وجہ ہی سے رہ سکا ہے اس میں میرے نفس کا کوئی کمال نہیں۔

عصمتِ انبیاء کی حقیقت:

انبیاء علیہم السلام گناہوں سے محفوظ (بچے ہوئے) اور معصوم (پاک) ہوتے ہیں۔ اس عصمت کی حقیقت پر یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد سے بڑی روشنی پڑتی ہے۔ ان کے معصوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان سے گناہ کرنے کی طاقت چھین لی جاتی ہے، یا ان کا نفس انسانی نفوس سے کوئی چیز علاحدہ ہوتی ہے، نہیں بلکہ ان کا نفس بھی تمام انسانوں کے نفوس کی طرح ہی کا نفس ہوتا ہے۔ بس اتنا فرق ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس پر اللہ پاک کی خصوصی رحمت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کا نفس اپنے تقاضوں سے پاک ہوجاتا ہے اور جب نفس پاکیزہ ہوگیا تو اب گناہ کا صدور کیسے ہو؟

نفس کی تین حالتیں:

اس آیت میں انسانی نفس کو اپنی سَرشت سے ''بُرے کاموں کا بہت حکم دینے والا'' فرمایا گیا ہے، واقعی نفس ایسا ہی بُرا رفیق ہے اگر اس کا اعزاز واکرام کیا جائے، اچھا کھانا کھلایا جائے اور دیدہ زیب کپڑا پہنایا جائے تو وہ مصیبت میں پہنچادیتا ہے، لیکن اگر انسان ذرا ہمت سے کام لے، اللہ پاک کے ڈر اور آخرت کے خوف سے نفس کے تقاضے پورے نہ کرے تو آہستہ آہستہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہی نفس امّارہ، نفسِ لوّامہ بن جاتا ہے یعنی بُرے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے توبہ کرانے والا بن جاتا ہے۔ پھر جب انسان اور ہمت سے کام لیتا ہے اور نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا رہتا ہے تو اس پر خصوصی فضلِ خداوندی ہوتا ہے اور وہ نفسِ مُطْمَئِنَّۃ بن جاتا ہے یعنی اس کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ بُرے کاموں کا تقاضا ہی اس میں باقی نہیں رہتا۔

ملحوظہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد میں پرہیزگار بندوں کیلئے یہ ہدایت ہے کہ اگر انھیں کسی گناہ سے بچنے کی توفیق مل جائے تو اس پر ناز نہ کریں، دوسروں کو حقیر نہ سمجھیں بلکہ اپنے دل میں یہ بات جمائیں کہ اس میں ہمارا کوئی ذاتی کمال نہیں، یہ محض اللہ پاک کا فضل ہے کہ انھوں نے نفس امارہ کو ہم پر غالب نہیں آنے دیا۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

وَ قَالَ	اور کہا	كَلَّمَهٗ	بات چیت کی اس نے	اَمِيْنٌ	امانت دار (ہیں)
الْمَلِكُ	بادشاہ نے		ان سے	قَالَ	کہا اس نے
ائْتُوْنِيْ	تم میرے پاس لاؤ	قَالَ	(تو) کہا (بادشاہ نے)	اجْعَلْنِيْ	مقرر کیجئے مجھے
بِهٖٓ (۱)	اس کو	اِنَّكَ	یقیناً آپ	عَلٰى خَزَآئِنِ (۴)	پیداوار پر
اَسْتَخْلِصْهُ (۲)	مخصوص کرلوں میں ان کو	الْيَوْمَ	آج	الْاَرْضِ	زمین (کے)
لِنَفْسِيْ	اپنے لئے	لَدَيْنَا	ہمارے نزدیک	اِنِّيْ حَفِيْظٌ	یقیناً میں نگہبانی کرنے والا
فَلَمَّا	پھر جب	مَكِيْنٌ (۳)	صاحب قدر	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والا (ہوں)

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو مشکل سوا ہے!

یوسف علیہ السلام بادشاہ کے مشیر اور ملک کی پیداوار کے ذمہ دار بنے

مقدمہ کی تحقیق سے بادشاہ کے دل میں یوسف علیہ السلام کی وقعت اور بڑھ گئی، اس نے سوچا جس کی راستبازی، امانت داری اور حق شناسی کا یہ حال ہے اس سے بڑھ کر میرا مشیرِ کار اور کون ہوسکتا ہے؟ اس نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کو مشیر خاص بنالوں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور بادشاہ نے حکم دیا: "تم انھیں میرے پاس لاؤ، تاکہ میں ان کو اپنے لئے مخصوص کرلوں" — حضرت یوسف علیہ السلام دربارِ شاہی میں حاضر ہوئے — پھر جب اس نے آپ سے بات کی تو — پہلی ہی ملاقات میں اس قدر معتقد ہوگیا کہ — بول اٹھا: "آپ ہمارے نزدیک آج بلاشبہ صاحبِ قدر، امانت دار ہیں" — یعنی ہمیں آپ پر پورا بھروسہ ہے، ہماری نگاہ میں اب آپ کا بڑا رتبہ ہے۔ بتلایئے اُس آنے والی مصیبت سے، جس کی خواب میں خبر دی گئی ہے، مملکت کو کیوں کر بچایا جاسکتا ہے؟ — آپ

(۱) با صلہ کی ہے أتٰى بِهٖ: لانا (۲) اَسْتَخْلِصُ فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے مصدر اِسْتِخْلَاصٌ ہے جس کے معنی پسند کرنے اور خالص کر رکھنے کے ہیں (۳) مَكِيْنٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، عزت والا، مرتبہ والا، كَانَ (ن) كَوْنًا: ہونا (۴) خَزَائِنُ جمع ہے خِزَانَةٌ اور خَزِيْنَةٌ کی جس کے معنی ہیں ذخیرہ رکھنے کی جگہ، اسٹور روم، غلہ رکھنے کی جگہ۔

نے فرمایا: ''زمین کی پیداوار میری تحویل میں دیدو میں بلاشبہ نگہبانی کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں'' —— چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کردیا —— اللہ پاک جب کسی بندے کو اٹھاتے ہیں تو ہر چیز خود بخود اس کی طرف جھکتی چلی جاتی ہے! جب وہ دینے پر آتے ہیں تو انسان کے تصور سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ کہاں جیل کی تنگ و تاریک زندگی اور کہاں یہ شاہی اعزاز واکرام! سچ ہے مولا جب دیتے ہیں تو نہال کردیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے وزارت کا منصب سپرد کیا۔ آگے آیت ۷۸ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو ﴿ يَآاَيُّهَا الْعَزِيْزُ ﴾ کہہ کر خطاب کیا ہے مگر چونکہ آپ اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے بادشاہ کے منظورِ نظر بن گئے تھے اس لئے عملاً آپ سلطنتِ مصر کے مختار بن گئے تھے، سلطنت کے تمام انتظامات آپ کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور ملک کے تمام ذرائع آمدنی پر آپ متصرف ہوگئے تھے۔ تورات میں ہے کہ فرعون نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: —— ''دیکھ میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی، فقط ایک تخت نشینی ہی میں میں تجھ سے اوپر رہوں گا'' —— پس نام کو تو بادشاہ فرعون تھا مگر عملاً فرمانروائی آپ ہی کی تھی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر حکومت کا کوئی ایسا عہدہ قبول کرنا جائز ہے جس میں کافرانہ اصول وقوانین کی پابندی لازم نہ ہو، بلکہ اسلامی اصولوں کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے ایک مسئلہ یہ بھی واضح ہوا کہ کوئی عہدہ اور منصب طلب کرنا بعض خاص صورتوں میں جائز ہے۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ جب کسی خاص عہدہ کے متعلق معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کرسکے گا اور اپنے بارے میں یہ اندازہ ہو کہ وہ اسے اچھی طرح انجام دے سکے گا تو ایسی حالت میں اس عہدہ کا خود طلب کرنا بھی جائز ہے اور اس کے لئے اپنے کسی کمال یا فضیلت کا تذکرہ کرنا پڑے تو وہ بھی جائز ہے تزکیۂ نفس اور پاکبازی جتلانے میں داخل نہیں۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ۧ

ع ۸

وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح	مَكَّنَّا	قدم جمائے ہم نے	لِيُوْسُفَ	یوسف (کے)

فِى الْاَرْضِ	سرزمین (مصر) میں	بِرَحْمَتِنَا	اپنی رحمت سے	الْاٰخِرَةِ	آخرت (کا)
يَتَبَوَّاُ[1]	(تاکہ) رہیں سہیں وہ	مَنْ نَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	خَيْرٌ	بہتر ہے
مِنْهَا	اس میں	وَلَا نُضِيْعُ	اور نہیں ضائع کرتے ہم	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو
حَيْثُ	جہاں	اَجْرَ	اجر	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
يَشَآءُ	چاہیں	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کا	وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ	اور وہ بچے رہتے تھے
نُصِيْبُ	نوازتے ہیں ہم	وَلَاَجْرُ	اور البتہ ثواب		

آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے بدرجہا بہتر ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصری زندگی میں دو انقلاب آئے ہیں: ایک جبکہ وہ غلام ہوکر بکے، پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کی ساری املاک کے مختار بن گئے۔ دوسرا: جبکہ قید خانہ سے رہا ہوئے اور نکلتے ہی حکمرانی کے اعلیٰ عہدے پر مقرر ہوگئے۔ قرآن پاک نے دونوں جگہ قدرتِ الٰہی یاد دلائی ہے۔ جب پہلے انقلاب تک سرگزشت پہنچی تھی تو اکیسویں آیت میں حکمتِ الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی، اور اب جبکہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں — اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف علیہ السلام کے قدم جمادیئے تاکہ اس میں جہاں چاہیں رہیں — یعنی اب ساری سرزمین مصر یوسف علیہ السلام کی تھی، ملک کے ہر گوشہ کو وہ اپنی جگہ کہہ سکتے تھے۔ پورے ملکِ مصر پر آپ کو کامل اقتدار حاصل ہو چکا تھا — ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کی مزدوری ضائع نہیں کرتے — یعنی نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا، ضرور پھل لاتا ہے — مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر نیکوکار کو اس کے نیک عمل کا پھل دنیا میں مل جائے۔ دنیا کے بارے میں قانون خداوندی یہ ہے کہ وہ اپنی حکمتِ بالغہ سے جسے مناسب سمجھتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں۔ پس نیکوکار حکومت واقتدار اور ثروت وعیش کو نیکی اور نیکوکاری کا اصلی اور حقیقی بدلہ نہ سمجھیں۔ بلکہ اصلی اجر، جو مؤمن کو مطلوب ہونا چاہئے، وہ وہ ہے جو اللہ پاک آخرت میں عطا فرمائیں گے پس ہر نیک عمل کرنے والا اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ پاک کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں فرماتے، اگر دنیا میں کسی حکمت سے نیک عملی کا پھل نہ ملے تو آخرت میں ضرور ملے گا — اور آخرت کا اجر یقیناً ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگار بنے رہے — کیونکہ دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ چندروزہ ہوتا ہے اور آخرت میں جو ملے گا وہ سدا رہے گا۔

(۱) جملہ يَتَبَوَّأُ حال ہے يُوْسُفَ سے۔ بَوَّأَ المكانَ: اترنا، نازل ہونا۔

دنیا کے بارے میں ہم سب کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے برخلاف آخرت کے، وہ غیر فانی اور جاودانی ہے پس جس خوش نصیب کو وہاں نعمتیں عطا ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی، کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اور جن نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا کچھ اجر اس دنیا میں ملتا ہے وہ خالص اجر نہیں ہوتا بلکہ اس میں امتحان کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ دنیاوی لذتیں اور نعمتیں عطا فرما کر اللہ پاک اپنے نیک بندے کو جانچتے ہیں گویا نیک عملی کا جو اجر دنیا میں ملتا ہے اس کے دو رخ ہوتے ہیں ایک اجر ہونے کا اور ایک امتحان کا۔ اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ اجر ہی اجر ہوگا، اس میں کوئی دوسرا پہلو نہ ہوگا۔ پس پرہیزگاروں کے لئے بہترین اجر آخرت کا اجر ہے۔

اسی طرح اللہ پاک کے پیغمبروں نے اور اللہ پاک کی کتابوں نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں اور لذتیں بے انتہا فائق ہیں بلکہ اصلی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں اور دنیا کی چیزوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں، پس متقی مؤمن کو آخرت میں جو اجر ملے گا وہ دنیا میں ملنے والے پھل سے بدرجہا میٹھا اور بہتر ہوگا۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہونی چاہئے مگر انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے، اس لئے اکثر لوگوں پر دنیا ہی کی فکر غالب رہتی ہے ان کا حال اس معاملہ میں بالکل ان چھوٹے بچوں جیسا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں ہی سے دلچسپی ہوتی ہے اور مستقبل کو شاندار بنانے والے تعلیمی مشاغل ان کے لئے غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں۔ قرآن پاک بار بار انسان کو یہ حقیقت سمجھاتا ہے کہ دنیا کے اجر کے مقابلہ میں آخرت کا اجر بدرجہا بہتر ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت قلیل ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہتر ہے۔ دنیا کی زندگی تو بس چند دنوں کی ہے اور آخرت اصل رہنے کی جگہ ہے —— حضور پاک ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا کہ: "سن لو! دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے اور یاد رکھو! آخرت مقررہ وقت پر آنے والی ایک سچی، اٹل حقیقت ہے جس میں شہنشاہ قادر فیصلہ فرمائیں گے۔ اور سن لو! ساری خیر اور ہر طرح کی خوش گواری جنت میں ہے اور سارا شر اور دکھ درد دوزخ میں ہے۔ پس خبردار ہو جاؤ! اور جو بھی عمل کرو اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو اور یقین رکھو کہ تمہارا کیا ہوا ہر عمل تمہارے سامنے آئے گا۔ جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو پالے گا"[1]

(۱) رواه الإمام الشافعي في مسنده عن عمرو بن العاص رضي الله عنه.

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

وَجَآءَ	اور آئے	ائْتُوْنِيْ	لے آئیو تم میرے پاس	فَلَا كَيْلَ	تو نہ پیمانہ (ہے)
اِخْوَةُ	بھائی	بِاَخٍ [۲]	بھائی (کو)	لَكُمْ	تمہارے لئے
يُوْسُفَ	یوسف (علیہ السلام) کے	لَّكُمْ	تمہارے	عِنْدِيْ	میرے یہاں
فَدَخَلُوْا	پس پہنچے وہ	مِّنْ اَبِيْكُمْ	(جو) تمہارے باپ	وَلَا تَقْرَبُوْنِ [۳]	اور نہ پاس آئیو تم میرے
عَلَيْهِ [۱]	اس کے پاس		سے (ہے)	قَالُوْا	کہا انھوں نے
فَعَرَفَهُمْ	پس پہچان لیا آپ نے ان کو	اَلَا تَرَوْنَ	کیا نہیں دیکھتے تم	سَنُرَاوِدُ	عنقریب پھسلائیں گے ہم
وَهُمْ	اور وہ	اَنِّيْٓ اُوْفِي	کہ میں پورا دیتا ہوں	عَنْهُ [۴]	اس کے بارے میں
لَهٗ	آپ سے	الْكَيْلَ	پیمانہ	اَبَاهُ	اس کے والد کو
مُنْكِرُوْنَ	ناآشنا (ناواقف) تھے	وَاَنَا خَيْرُ	اور میں بہتر	وَاِنَّا	اور ہم
وَلَمَّا	اور جب	الْمُنْزِلِيْنَ	مہمانی کرنے والا	لَفٰعِلُوْنَ	ضرور (یہ کام) کرنے
جَهَّزَهُمْ	مہیا کر دیا آپ نے ان		(ہوں)		والے ہیں
	کے لئے	فَاِنْ لَّمْ	پھر اگر نہ	وَقَالَ	اور حکم دیا آپ نے
بِجَهَازِهِمْ	ان کا اسباب	تَاْتُوْنِيْ	لائے تم میرے پاس	لِفِتْيٰنِهِ	اپنے خدمت گاروں کو
قَالَ	(تو) فرمایا آپ نے	بِهٖ [۲]	اس کو	اجْعَلُوْا	رکھ دو

(۱) عَلٰی صلہ کا ہے دَخَلَ علیه: زیارت کرنا، ملاقات کرنا (۲) با صلہ کی ہے أتی بِہ لانا (۳) آخر سے یائے متکلم محذوف ہے جس کی علامت نون کا کسرہ ہے (۴) عَنْهُ متعلق ہے نُرَاوِدُ سے بتضمین نُعْرِضُ۔

بِضَاعَتَهُمْ	ان کی پونجی	يَعْرِفُوْنَهَا	اس (پونجی) کو پہچانیں	اِلٰٓى اَهْلِهِمْ	اپنے گھر
فِيْ رِحَالِهِمْ	ان کے کجاووں میں	اِذَا	جب	لَعَلَّهُمْ (۱)	تاکہ
لَعَلَّهُمْ	تاکہ	انْقَلَبُوْٓا	لوٹیں	يَرْجِعُوْنَ	وہ دوبارہ آئیں

کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلّہ لینے مصر آئے

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکومت کا انتظام سنبھالا، پہلے سات برس پیداوار میں زیادتی ہوئی، آپ نے قحط کے لئے وہ تمام پیش بندیاں کرلیں جن کا مشورہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتاتے وقت آپ نے دیا تھا۔ پھر قحط کے سال شروع ہوئے۔ قحط صرف مصر ہی میں نہیں تھا، بلکہ آس پاس کے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے تھے، مگر مصر میں قحط کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام سے غلہ کی افراط تھی، حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہوتا تھا، ہمسایہ ممالک بھی غلہ حاصل کرنے کے لئے مصر کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے مصر آئے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور یوسف کے بھائی آئے اور انھوں نے آپ سے ملاقات کی، تو آپ نے ان کو پہچان لیا اور وہ آپ سے ناآشنا تھے — حضرت یوسف علیہ السلام دیکھتے ہی پہچان گئے مگر وہ لوگ آپ سے ناواقف رہے۔ وہ کیونکر پہچان سکتے تھے؟ ان لوگوں نے جب آپ کو کنویں میں ڈالا تھا تو آپ کمسن تھے، اب ماشاء اللہ چالیس برس کے لگ بھگ ہیں، پھر اس بات کا کیسے گمان ہوسکتا تھا کہ کل جس بھائی کو انھوں نے کنویں میں ڈالا تھا وہ آج مصر کا وزیر ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلہ کی تقسیم کی نگرانی خود فرماتے تھے تاکہ غلہ خورد برد نہ ہوجائے اور قحط کے سالوں کے لئے پورا ہوجائے، اس لئے جو کوئی غلہ لینے آتا اس کو آپ سے ملاقات ضرور کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ آپ کے بھائیوں کو بھی آپ سے ملاقات کرنی پڑی — بھائیوں سے مل کر پُرانی یادیں تازہ ہوگئیں، اباجان کی اور اپنے حقیقی بھائی بن یامین کی صورتیں آنکھوں میں پھر گئیں۔ مگر ابھی اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا تھا اللہ پاک کو ابھی اور قدرت کی نشانیاں دکھلانی منظور تھیں، چنانچہ آپ نے ان نووارد پردیسیوں کو شاہی مہمان کی حیثیت سے رکھا اور باتوں باتوں میں گھر کے احوال سن لئے، جب ان لوگوں نے اپنے گھرانے کے حالات بتائے تو بن یامین کا تذکرہ بھی آیا، کہ ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے، جسے والد صاحب نے اپنے پاس رکھا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خاموشی سے سب کچھ سنتے گئے — اور جب آپ نے ان کا سامان ان کو مہیا کردیا تو فرمایا: تم میرے پاس اپنے علاتی بھائی کو لانا — اور مطلق اندیشہ نہ

(۱) دوسرا لَعَلَّ پہلے لَعَلَّ کی تکرار ہے۔ تکرار کے بغیر عبارت فصیح نہیں ہوسکتی تھی۔

کرنا—— کیاتم دیکھتے نہیں کہ میں پورا پورا پیمانہ دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں؟!—— یعنی میرے اخلاق اور برتاؤ کا تجربہ تم کر چکے ہو، میں کوئی ظالم وجابر بادشاہ نہیں کہ تم مجھ سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ رکھو—— پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے یہاں نہ پیمانہ ہے اور نہ تم میرے قریب آنا—— یہ حاکمانہ دھمکی ہے کہ اگر تم اپنے سوتیلے بھائی کو نہ لائے تو پھر تم کو ہرگز غلہ نہیں ملے گا بلکہ باریابی بھی نصیب نہ ہوگی—— ان لوگوں نے کہا: ”ہم (گھر پہنچ کر) جلد اس کے والد کو اس سے (دست بردار ہونے کی) ترغیب دیں گے اور ہم ضرور (یہ کام) کرنے والے ہیں“—— یعنی ہم اپنے والد سے کہیں گے اور ہر طرح ترغیب دیں گے کہ وہ بن یامین کو ہمارے ساتھ یہاں بھیجنے پر راضی ہو جائیں

اور آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ: ”ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھ دو، تاکہ جب وہ اپنے گھر واپس پہنچیں تو اس کو پہچانیں اور دوبارہ آئیں“—— یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ چپکے سے ان کے کجاووں میں ان کی وہ پونجی رکھ دو جو ان سے غلہ کی قیمت کے نام پر وصول کی گئی ہے—— یوسف علیہ السلام نے ایسا اس لئے کیا تاکہ گھر پہنچ کر جب وہ اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دیدی گئی ہے تو ان کو دوبارہ آنے کی ترغیب ہو۔

جب کسی ملک کے اقتصادی حالات خراب ہو جائیں یا خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو حکومت کو چاہئے کہ وہ وہ چیزیں اپنے کنٹرول میں لے لے جن کا تعلق عام ضروریاتِ زندگی سے ہے

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾

فَلَمَّا	پھر جب	اِلٰٓى اَبِيْهِمْ	اپنے والد کی طرف	يٰٓاَبَانَا	ابا جان!
رَجَعُوْٓا	لوٹے وہ	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	مُنِعَ	روک دیا گیا (ہے)

مِنَّا	ہم سے	حٰفِظًا (۳)	محافظ (ہیں)	وَ نَمِيْرُ (۴)	اور رسد لائیں گے ہم
الْكَيْلُ	پیمانہ (غلہ)	وَهُوَ	اور وہ	اَهْلَنَا	اپنے گھر والوں کیلئے
فَاَرْسِلْ	لہٰذا بھیجئے	اَرْحَمُ	زیادہ مہربان ہیں	وَ نَحْفَظُ	اور حفاظت کریں گے ہم
مَعَنَآ	ہمارے ساتھ	الرّٰحِمِيْنَ	سب مہربانوں (سے)	اَخَانَا	اپنے بھائی کی
اَخَانَا	ہمارے بھائی کو	وَ لَمَّا	اور جب	وَنَزْدَادُ	اور مزید لائیں گے ہم
نَكْتَلْ (۱)	(تاکہ) ناپ کرلائیں ہم	فَتَحُوْا	کھولا انھوں نے	كَيْلَ	پیمانہ
وَاِنَّا لَهٗ	اور بیشک ہم اس کی	مَتَاعَهُمْ	اپنا سامان	بَعِيْرٍ	اونٹ کا
لَحٰفِظُوْنَ	حفاظت کرنے والے	وَجَدُوْا	(تو) پائی انھوں نے	ذٰلِكَ كَيْلٌ	یہ پیمانہ ہے
	(ہیں)	بِضَاعَتَهُمْ	اپنی پونجی	يَّسِيْرٌ	تھوڑا
قَالَ	فرمایا	رُدَّتْ	واپس کردی گئی ہے	قَالَ لَنْ	فرمایا ہرگز نہیں
هَلْ (۲)	کیا	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	اُرْسِلَهٗ	بھیجوں گا میں اس کو
اٰمَنُكُمْ	اعتبار کروں میں تمہارا	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
عَلَيْهِ	اس کے بارے میں	يٰٓاَبَانَا	ابا جان!	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اِلَّا كَمَآ (۲)	مگر جیسا	مَا نَبْغِيْ	کیا چاہئے ہمیں!	تُؤْتُوْنِ (۵)	دو تم مجھے
اَمِنْتُكُمْ	اعتبار کیا میں نے تمہارا	هٰذِهٖ	یہ	مَوْثِقًا (۶)	پیمان
عَلٰٓى اَخِيْهِ	اس کے بھائی کے بارے میں	بِضَاعَتُنَا	ہماری پونجی (ہے)	مِّنَ اللّٰهِ	خداوندی
مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	رُدَّتْ	واپس کردی گئی ہے	لَتَاْتُنَّنِيْ (۷)	(کہ) ضرور لاؤ گے
فَاللّٰهُ خَيْرٌ	سو اللہ پاک بہتر	اِلَيْنَا	ہماری طرف		تم میرے پاس

(۱) نَكْتَلْ فعل مضارع مجزوم صیغہ جمع متکلم ہے اِكْتَالَ اِكْتِيَالاً سے جس کے معنی ہیں اپنے لئے ناپنا (۲) هَلْ نفی (استفہام انکاری) ہے اور اِلَّا اثبات ہے اور نفی اثبات حصر کے لئے ہیں (۳) حٰفِظًا تمیز ہے (۴) نَمِيْرُ فعل مضارع جمع متکلم ہے مَارَ يَمِيْرُ مَيْرًا عياله: اہل وعیال کیلئے نان ونفقہ لانا اَلْمِيْرَةُ: غلہ کی رسد (۵) تُؤْتُوْنِ میں نون وقایہ ہے اور یا ضمیر واحد متکلم محذوف ہے جس کی علامت نون کا کسرہ ہے تُؤْتُوا (تم دو) اِيْتَاءٌ سے فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے (۶) اَلْمَوْثِقُ اور اَلْمِيْثَاقُ: عہد و پیمان (۷) لَتَاْتُنَّنِيْ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر لام تاکید اور نون تاکید کے ساتھ ہے، دوسرا نون، نون وقایہ ہے اور یا ضمیر واحد متکلم ہے۔

بِهٖٓ	اس کو	فَلَمَّآ اٰتَوْهُ	پھر جب دیا انھوں نے ان کو	عَلٰى مَا	اس (بات) پر جو
اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ	مگر یہ کہ گھیر لیا جائے	مَوْثِقَهُمْ	اپنا پیمان	نَقُوْلُ	ہم کہہ رہے ہیں
بِكُمْ	تم کو	قَالَ اللّٰهُ	(تو) فرمایا: اللہ پاک	وَكِيْلٌ	نگہبان (ہیں)

یوسف علیہ السلام نے غلّہ کی قیمت بھائیوں کے بوروں میں رکھوادی

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قافلہ کنعان لوٹا تو لوٹتے ہی ابا جان سے ملاقات کی، اوران کو سفر کی سرگذشت سنائی کہ حکومتِ مصر نے غلّہ روک دیا ہے، اور کہا ہے کہ اپنے علاتی بھائی بن یامین کو لاؤ گے تو غلہ ملے گا، ورنہ قریب نہ آنا، پس آپ آئندہ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں، تاکہ ہم ایک بار شتر مزید لائیں، اور ہم بھائی کی پوری حفاظت کریں گے، آپ کوئی اندیشہ نہ کریں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام حکومت کے اس مطالبہ سے ڈر گئے، ان کے ذہن میں یہ اندیشہ آیا کہ کہیں ظالم فرعون میرے سب بیٹوں کو ایک ساتھ دھر لینا تو نہیں چاہتا، نیز بیٹوں سے بھی تلخ تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے رڈا ان پر رکھ کر جواب دیا: ''مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا! پہلے یوسف کی حفاظت کا بھی تم نے وعدہ کیا تھا، مگر اس کا انجام کیا ہوا؟ اب بن یامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کس طرح کرلوں؟''

اور چونکہ یوسف علیہ السلام کا ذکر بے ساختہ زبان پر آ گیا تھا جو ''صبر جمیل'' کے خلاف تھا، اس لئے بات ہلکی کرنے کے لئے فرمایا: ''اللہ پاک بہترین محافظ ہیں اور وہ مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ہیں!'' یعنی مخلوق پر بھروسہ کرنا غلط ہے اور اس کا شکوہ بھی نامناسب ہے —— اس طرح دبے لفظوں میں ابا نے بن یامین کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔

اب لڑکوں نے اٹھ کر سامان کھولنا شروع کیا، بوروں میں ان کی رقم —— جو غلہ کی قیمت میں دی تھی —— نکلی، اور انھوں نے قرائن سے سمجھا کہ یہ کام سہواً نہیں ہوا، بلکہ قصداً ان کو ان کی پونجی لوٹادی ہے، انھوں نے ابا جان سے کہا: ''ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے، لہٰذا بھائی کو بھیجئے، ہم اس کی حفاظت کریں گے! اور ایک بار شتر اور لائیں گے!''

یعقوب علیہ السلام یہ معاملہ دیکھ کر سمجھ گئے کہ مصر کی حکومت رحم دل ہے، غلہ بھی دیا اور قیمت بھی لوٹادی، اس لئے ان کے ذہن سے اندیشہ نکل گیا، اور انھوں نے بن یامین کو لے جانے کی بخوشی اجازت دیدی، پونجی واپس کرنے سے یوسف علیہ السلام کا یہی مقصد تھا جو پورا ہوا: ﴿ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ ﴾ الآیۃ کا یہی مطلب ہے۔

پھر انھوں نے بیٹوں سے عہد و پیمان لیا کہ وہ ضرور بن یامین کو واپس لائیں گے، البتہ اگر سبھی پکڑے جائیں، اور کوئی واپس نہ آئے تو دوسری بات ہے، اور عہد و پیمان پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا، اس سے بڑی کوئی گواہی نہیں۔

آیاتِ پاک: پھر جب وہ لوگ اپنے والد کی طرف لوٹے تو انھوں نے کہا: ''ابا جان! ہم سے غلّہ روک دیا گیا ہے، پس آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے، تا کہ ہم نپوا کر غلہ لائیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' ——

ابا نے کہا: میں اس کے بارے میں تمہارا بس ویسا ہی اعتبار کر سکتا ہوں، جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں، پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر محافظ ہیں اور وہ ارحم الراحمین ہیں!''

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان کو واپس کر دی گئی ہے، پس کہنے لگے: ''ابا ہمیں اور کیا چاہئے! یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے، اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے رسد لائیں گے، اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا بوجھ اور لائیں گے''

ابا نے کہا: ''میں اس کو تمہارے ساتھ اس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم مجھے عہد خداوندی نہ دو کہ تم ضرور اسے میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ!''

پھر جب ان لوگوں نے ان کو اپنا عہد دیا تو ابا نے کہا: ''ہم جو باتیں کر رہے ہیں ان کے اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہیں!''

ان آیتوں سے تین مسئلے واضح ہوئے:

پہلا مسئلہ:—— اگر کسی کا مال یا کوئی چیز اپنے سامان میں نکلے اور قرائن سے معلوم ہو کہ اس نے قصداً ہمیں دینے کی نیت سے ہمارے سامان میں رکھا ہے تو اس کو رکھ لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، لیکن جہاں معاملہ مشتبہ ہو کہ شاید بھولے سے ہمارے پاس آ گیا ہے تو مالک سے تحقیق کئے بغیر اس کا استعمال جائز نہیں۔

دوسرا مسئلہ:—— کسی شخص کو کوئی ایسی قسم نہ دینی چاہئے جس کا پورا کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بن یامین کو صحیح سلامت واپس لانے کی قسم دی تو اس میں سے اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا کہ وہ بالکل عاجز و مجبور ہو جائیں اور خود بھی ہلاکت میں پڑ جائیں —— حضور پاک ﷺ بھی جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے اطاعت (فرمانبرداری) کا عہد و پیمان لیتے تھے تو استطاعت کی قید لگاتے تھے یعنی جہاں تک تمہاری استطاعت میں ہو تم میری اطاعت کرنا۔

تیسرا مسئلہ:—— جس طرح مال کی ضمانت جائز ہے، ذات کی ضمانت بھی صحیح ہے یعنی کسی مقدمہ میں ماخوذ انسان کو مقدمہ کی تاریخ پر حاضر کرنے کی ضمانت لینا درست ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد ماجد کو عہد و پیمان دیا کہ وہ بن یامین کو واپس لائیں گے۔

اللہ پاک کے نام پر اور اللہ پاک کو گواہ بنا کر جو عہد و پیمان کیا جائے اس کا بے حد خیال رکھنا ضروری ہے حتی الامکان اس کو پورا کرنا چاہئے

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

ع ۸ / ۲

وَقَالَ	اور کہا اس نے	اِنِ الْحُكْمُ	نہیں ہے حکم	مَا (۴)	نہیں
يٰبَنِيَّ (۱)	میرے بچو!	اِلَّا لِلّٰهِ	مگر اللہ پاک کے لئے	كَانَ يُغْنِيْ (۵)	ٹال رہے تھے وہ
لَا تَدْخُلُوْا	نہ داخل ہونا	عَلَيْهِ	انہی پر	عَنْهُمْ	ان سے
مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ	ایک دوارزے سے	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
وَّادْخُلُوْا	اور داخل ہونا	وَعَلَيْهِ	اور انہی پر		(آنے والی)
مِنْ اَبْوَابٍ	دروازوں سے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں	مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز
مُّتَفَرِّقَةٍ	جدا جدا	الْمُتَوَكِّلُوْنَ	بھروسہ کرنے والے	اِلَّا	مگر
وَمَآ	اور نہیں	وَلَمَّا (۳)	اور جب	حَاجَةً	ایک ارمان (تھا)
اُغْنِيْ (۲)	ٹال سکتا میں	دَخَلُوْا	داخل ہوئے وہ	فِيْ نَفْسِ	دل میں
عَنْكُمْ	تم سے	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	يَعْقُوْبَ	یعقوب کے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف سے	اَمَرَهُمْ	حکم دیا تھا ان کو	قَضٰىهَا (۶)	جسے انھوں نے پورا کرلیا
	(آنے والی)	اَبُوْهُمْ	ان کے والد نے (تو	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز		باپ کا ارمان پورا ہوگیا)	لَذُوْ عِلْمٍ	البتہ علم والے (تھے)

(۱) اِبْنٌ کی جمع بحالت نصب بَنِيْنَ آتی ہے یا متکلم کی طرف اضافت کی وجہ سے نون جمع حذف ہوگیا ہے پھر یاء کا یاء میں ادغام کیا ہے (۲) اَغْنٰى عَنْهُ: دفع کرنا، ٹالنا، کفایت کرنا (۳) لَمَّا کا جواب محذوف ہے۔ مابعد کے قرینہ سے بین القوسین وہ جواب لکھا گیا ہے (۴) مَا نفی ہے اور اِلَّا اثبات ہے اور نفی اثبات حصر کے لئے ہیں (۵) كَانَ فعل مضارع پر داخل ہوکر اس کو ماضی استمراری بناتا ہے (۶) جملہ قَضٰىهَا صفت ہے حَاجَةً کی۔

لِمَا عَلَّمْنٰهُ[1]	ہمارے سکھلانے کی وجہ سے ان کو	وَلٰكِنَّ	مگر	النَّاسِ	لوگ
		اَكْثَرَ	اکثر	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے

برادرانِ یوسف علیہ السلام دوبارہ مصر روانہ ہوئے تو ابا نے نصیحت فرمائی

عہدو پیمان کے بعد برادران یوسف علیہ السلام کا قافلہ دوبارہ کنعان سے مصر کو روانہ ہوا، اس مرتبہ بنیامین بھی ہمراہ ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی —— اور کہا: ”میرے بچو! (شہر میں سب) ایک دروازے سے داخل مت ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا —— حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے یوسف علیہ السلام کا صدمہ اٹھا چکے ہیں۔ اب خاندان کی ضرورت سے بنیامین کو مصر بھیج تو رہے ہیں مگر دل کانپ رہا ہے، طرح طرح کے اندیشے دل میں آرہے ہیں اور رہ رہ کر اس خیال سے کانپ اٹھتے ہیں کہ خدا جانے اب اس لڑکے کی صورت دیکھنی نصیب ہوگی یا نہیں۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ اپنی حد تک احتیاطی تدبیر کرلیں۔

یہ احتیاطی مشورہ کہ مصر کے دار السلطنت میں سب بھائی ایک دروازے سے داخل نہ ہوں اس لئے تھا کہ یہ حضرات سلطنتِ مصر کی رعایا نہیں تھے بلکہ سرحد پر آزاد قبائلی علاقے کے رہنے والے تھے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہ لوگ ایک جتھا بنا کر وہاں داخل ہوئے تو شاید انھیں مشتبہ سمجھا جائے اور نہ معلوم ان غیر ملکی لوگوں کے بارے میں دیکھنے والے کیا گمان کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے انھیں گھیر لیں اور گرفتار کرلیں اس لئے الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کا مشورہ دیا تا کہ وہ کسی کی آنکھ میں نہ کھٹکیں۔

اور یہ احتیاطی تدبیر پہلی بار اس لئے نہیں بتلائی تھی کہ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں کوئی اندیشہ نہیں آیا تھا مگر اب جبکہ باقاعدہ حکومتِ مصر کی طرف سے بن یامین کو طلب کیا گیا تو اندیشہ لاحق ہونا لازمی تھا کہ خدا جانے کیا معاملہ پیش آنے والا ہے —— اور (احتیاطی مشورہ کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ) میں اللہ پاک کی طرف سے آنے والی کوئی آفت تم سے ٹال نہیں سکتا، حکم بس اللہ پاک ہی کا ہے، انہی پر میں نے بھروسہ کیا، اور بھروسہ کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ انہی پر بھروسہ کریں —— یعنی میری نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہے تم میری بتلائی ہوئی تدبیر پر مغرور ہو بیٹھو کیونکہ میں تمہیں کسی ایسی آفت سے ہرگز نہیں بچا سکتا جو اللہ پاک کی طرف سے آنے والی ہے، حکم صرف اللہ پاک کا ہے ان کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی، جو کچھ انھوں نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور خود میرا اعتماد بھی اللہ پاک پر ہے، اس تدبیر پر نہیں، اور ہر مؤمن کو تدبیر کرنے کے بعد اللہ پاک ہی پر نظر رکھنی چاہئے۔

(۱) لِمَا کا لام تعلیلیہ ہے اور مَا مصدریہ ہے۔

اور جب وہ لوگ اپنے والد کی ہدایت کے مطابق داخل ہوئے (تو والد کا ارمان پورا ہوگیا) وہ (تدبیر بتلا کر) اللہ پاک کی طرف سے آنے والی کوئی آفت ان سے ٹال نہیں سکتے تھے بلکہ یعقوب کے دل میں ایک ارمان تھا جسے انھوں نے پورا کرلیا اور وہ ہماری تعلیم کی وجہ سے یقیناً صاحبِ علم تھے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ـــــ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تدبیر بتلاتے ہوئے جس اندیشہ کا اظہار کیا تھا، اتفاقاً ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ بن یامین کو سفر سے بحفاظت واپس لانے کی ساری تدبیریں مکمل کرلینے کے باوجود سب چیزیں ناکام ہوگئیں۔ صاحبزادوں نے والد صاحب کے حکم کی تعمیل کی اور شہر کے متفرق دروازوں سے داخل ہوئے پھر بھی بتقدیرِ الٰہی جو حادثہ پیش آنے والا تھا وہ آکر رہا اور بنیامین کو مصر میں روک لیا گیا۔

اسباب ظاہری کو اختیار کرنا شرعاً مطلوب ہے:

اور یعقوب علیہ السلام کی تدبیر، تقدیر کو ٹالنے کے لئے تھی بھی نہیں، وہ تو بس ایک دینی ضرورت اور مؤمن کا ارمان تھا جسے یعقوب علیہ السلام نے پورا کرلیا ـــــ وہ دینی ضرورت کیا تھی؟ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین کے ساتھ اسبابِ ظاہری کو احتیاطی تدبیر کے طور پر اختیار کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ نبی پاک ﷺ سے ایک دیہاتی نے پوچھا تھا کہ میں اپنے اونٹ کا زانو باندھ کر اللہ پر بھروسہ کروں یا آزاد چھوڑ کر؟ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ﴾ (زانو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو) خود حضور پاک ﷺ نے غزوۂ اُحد میں دوہری زرہیں پہن رکھی تھیں۔

انبیاء علیہم السلام جس بات کی امت کو تعلیم دیتے ہیں اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں۔ ان کی کتابِ زندگی اور کتابِ دعوت میں پوری ہم آہنگی اور کمالِ مطابقت ہوتی ہے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ پاک پر بھروسہ کے ساتھ ظاہری تدبیر ضروری سمجھی۔

اور تدبیر اور توکل کے درمیان ٹھیک ٹھیک توازن جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نصیحت میں پایا جاتا ہے وہ دراصل علم کے اس فیضان کا نتیجہ ہے جو اللہ پاک کی طرف سے ان پر ہوا تھا۔ چنانچہ وہ ایک طرف عالمِ اسباب کے قوانین کے مطابق وہ تمام تدبیریں کرتے ہیں جو بنیامین کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں۔ لڑکوں کو سابق جرم یاد دلا کر تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کریں، پھر ان سے خدا کے نام پر عہد و پیمان لیتے ہیں کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی کی حفاظت کریں، اور غیر ملکی شہر میں داخلہ کے وقت جس احتیاطی تدبیر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اسے بھی استعمال کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ وہ کسی ناگہانی آفت میں نہ گھر جائیں مگر دوسری طرف ہر آن یہ بات ان کے پیشِ نظر رہتی ہے اور بار بار اس کا اظہار فرماتے ہیں کہ کوئی انسانی تدبیر اللہ پاک کی مشیت کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتی اور اصل حفاظت اللہ پاک کی حفاظت

ہے اور مؤمن کا بھروسہ اپنی تدبیروں پر نہیں بلکہ اللہ پاک کے فضل پر ہونا چاہئے۔

اس لئے آخر میں اللہ پاک نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے کہ تقدیر اور تدبیر میں یہ توازن جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی باتوں میں اور کاموں میں پایا جاتا ہے وہ تعلیمِ خداوندی کا نتیجہ ہے مگر اکثر لوگ حقیقت کو جانتے نہیں۔ جن لوگوں کے ذہن پر ظاہر کا غلبہ ہوتا ہے وہ توکل سے غافل ہو کر تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور جن کے تصورات پر باطن چھا جاتا ہے وہ تدبیر سے بے پروا ہو جاتے ہیں حالانکہ مؤمن کا صحیح مقام دونوں کے درمیان ہے۔

ظاہری اسباب صرف اسباب ہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں:

ان آیتوں کا خاص سبق یہ ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا ہے یا نہیں ملتا: سب براہِ راست اللہ پاک کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ پاک ہی کے مقرر کئے ہوئے ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح گھروں میں پانی جن نلوں سے پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں۔ پانی کی تقسیم میں ان کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح اس عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ پاک کی ذاتِ والا صفات ہے — مگر ظاہری اسباب وتدابیر کا ترک کر دینا بھی مؤمن کا صحیح مقام اور حقیقی معرفت نہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام اور ہر دور کے عارفین کاملین اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلہ کو اللہ پاک کے حکم کے ماتحت اور ان کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے استعمال کرتے رہے ہیں اور اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ پاک ہی پر رکھتے ہیں اور اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں، وہ اگر چاہیں تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتے ہیں — پھر اسباب وتدابیر کر لینے کے بعد جو بھی اچھے یا بُرے احوال سامنے آتے ہیں ان پر راضی رہتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر حال کے بھیجنے والے ہمارے مالک ہی ہیں۔ بندوں کو لائق یہ ہے کہ ان کے حکم وفیصلہ پر راضی رہیں — سرور کونین ﷺ کا مبارک ارشاد ہے کہ قوی مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے اور اللہ پاک کو زیادہ پسند ہے — گو ہر مؤمن میں بہتری ہے — لہٰذا نفع بخش چیزوں کی حرص کرو (مفید کاموں میں محنت کرو) اور اللہ پاک سے مدد طلب کرو۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے نہ رہو پھر اگر (اسباب وتدابیر کر لینے کے بعد بھی) کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ: ''اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا'' کیونکہ ''اگر'' شیطان کی آنت ہے، بلکہ حال وقال سے کہو: ''اللہ پاک نے ایسا مقدر کیا تھا اور وہ جو چاہیں کرتے ہیں''[۱]

(۱) رواه الإمام مسلم رحمه الله عن أبي هريرة رضي الله عنه (مشکوٰۃ ص۴۵۲)

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

ع ۹

وَلَمَّا	اور جب	اٰوٰٓى[۲]	(تو) ٹھکانا دیا	قَالَ	کہا
دَخَلُوْا[۱]	داخل ہوئے وہ	اِلَيْهِ	اپنے پاس	اِنِّيْٓ اَنَا	بے شک میں ہی
عَلٰى يُوْسُفَ	یوسف پر	اَخَاهُ	اپنے بھائی کو	اَخُوْكَ	تیرا بھائی (ہوں)

(۱) دَخَلَ عَلَيْهِ: ملاقات کرنا، زیارت کرنا (۲) آوىٰ اِلَى الْبَيْتِ: اتارنا۔ ٹھکانا دینا۔

فَلَا تَبْتَئِسْ[1]	پس نہ رنج کرتو	وَاَقْبَلُوْا[4]	اور متوجہ ہوئے وہ	لِنُفْسِدَ	تاکہ فساد کریں
بِمَا	ان (بدسلوکیوں) کا جو	عَلَيْهِمْ	ان کی طرف	فِی الْاَرْضِ	زمین میں
كَانُوْا	وہ تھے	مَّاذَا	کیا چیز	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
يَعْمَلُوْنَ	کرتے رہے	تَفْقِدُوْنَ	گم کرتے ہو تم؟	سٰرِقِيْنَ	چوریاں کرنے والے
فَلَمَّا	پھر جب	قَالُوْا	کہا انھوں نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
جَهَّزَهُمْ	تیار کر دیا ان کے لئے	نَفْقِدُ	گم کرتے ہیں ہم	فَمَا	تو کیا (ہے)
بِجَهَازِهِمْ	ان کا سامان	صُوَاعَ	جام	جَزَآؤُهٗ	اس (چوری) کی سزا
جَعَلَ	(تو) رکھ دیا	الْمَلِكِ	بادشاہ (کا)	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہوئے تم
السِّقَايَةَ[2]	جام (پانی پینے کا پیالہ)	وَلِمَنْ جَآءَ	اور اس کے لئے جو لائے	كٰذِبِيْنَ	جھوٹے؟
فِیْ رَحْلِ	کجاوے (سامان) میں	بِهٖ	اس (جام) کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
اَخِيْهِ	اپنے بھائی کے	حِمْلُ	ایک بار	جَزَآؤُهٗ[6]	اس کی سزا
ثُمَّ اَذَّنَ	پھر پکارا	بَعِيْرٍ	شتر (ہے)	مَنْ	وہ شخص (ہے)
مُؤَذِّنٌ	ایک پکارنے والے	وَّاَنَا بِهٖ	اور میں اس (جام) کا	وُّجِدَ	(کہ) پایا جائے (جام)
	(نے)	زَعِيْمٌ[5]	ذمہ دار (ہوں)	فِیْ رَحْلِهٖ	اس کے کجاوے میں
اَيَّتُهَا	اُو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	فَهُوَ	سو وہ
الْعِيْرُ[3]	کارواں!	تَاللّٰهِ	خدا کی قسم	جَزَآؤُهٗ	اس کی سزا (ہے)
اِنَّكُمْ	بے شک تم	لَقَدْ	البتہ تحقیق	كَذٰلِكَ	اسی طرح
لَسٰرِقُوْنَ	البتہ چور ہو	عَلِمْتُمْ	جانتے ہو تم	نَجْزِی	سزا دیتے ہیں ہم
قَالُوْا	کہا انھوں نے	مَّا جِئْنَا	(کہ) نہیں آئے ہیں ہم	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافوں (چوروں) کو

(۱) اِبْتَأَسَ اِبْتِآسًا: ناپسند کرنا، غمگین ہونا (۲) جام کے لئے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں اَلسِّقَايَةُ اور صُوَاعٌ پہلے لفظ کے لحاظ سے آگے مؤنث ضمیریں آئیں گی اور دوسرے لفظ کے لحاظ سے مذکر۔ (۳) اَلْعِيْرُ دراصل قبیلہ حمیر کے قافلہ کے لئے تھا پھر سارے قافلوں پر بولا جانے لگا (۴) جملہ وَاَقْبَلُوْا حالیہ ہے (۵) زَعِيْمٌ: ذمہ دار سورۃ القلم آیت چالیس میں ہے ﴿ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴾ (ان میں کون اس کا ذمہ دار ہے) (۶) جَزَاؤُهٗ مبتدا ہے اور مَنْ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر خبر ہے اور جملہ فَهُوَ جَزَاؤُهٗ تاکید ہے۔

فَبَدَاَ	پس شروع کیا اس نے	مَّنْ نَّشَآءُ	جس کے چاہتے ہیں	يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ	اے عزیز!
بِاَوْعِيَتِهِمْ	ان کی بوریوں سے	وَفَوْقَ	اور اوپر	اِنَّ لَهٗٓ (۳)	بیشک اس کے (ہیں)
قَبْلَ	پہلے	كُلِّ	ہر	اَبًا	باپ
وِعَآءِ	بوری (سے)	ذِيْ عِلْمٍ	صاحب علم (کے)	شَيْخًا	بوڑھے
اَخِيْهِ	اس کے بھائی کی	عَلِيْمٌ	بڑے علم والا ہے	كَبِيْرًا	بہت
ثُمَّ	پھر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	فَخُذْ	پس رکھ لیجئے
اسْتَخْرَجَهَا	برآمد کر لیا اس (جام) کو	اِنْ يَّسْرِقْ	اگر چوری کی اس نے	اَحَدَنَا	ہم میں سے کسی کو
مِنْ وِّعَآءِ	بوری سے	فَقَدْ سَرَقَ	تو تحقیق چوری کر چکا ہے	مَكَانَهٗ	اس کی جگہ
اَخِيْهِ	اس کے بھائی کی	اَخٌ لَّهٗ	اس کا بھائی	اِنَّا	بے شک ہم
كَذٰلِكَ	اس طرح	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	نَرٰىكَ	پاتے ہیں آپ کو
كِدْنَا	تدبیر کی ہم نے	فَاَسَرَّهَا	پس چھپائی بات	مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیک انسانوں میں سے
لِيُوْسُفَ (۱)	یوسف (کے فائدے	يُوْسُفُ	یوسف نے	قَالَ	فرمایا
	کے لئے)	فِيْ نَفْسِهٖ	اپنے دل میں	مَعَاذَ	پناہ
مَا كَانَ	نہیں تھے وہ	وَلَمْ يُبْدِهَا	اور نہ ظاہر کی وہ بات	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)
لِيَاْخُذَ	کہ لیتے	لَهُمْ	ان کے سامنے	اَنْ نَّاْخُذَ	کہ لیں ہم
اَخَاهُ	اپنے بھائی کو	قَالَ اَنْتُمْ	کہا تم	اِلَّا مَنْ	مگر اس کو
فِيْ دِيْنِ	قانون میں	شَرٌّ	برے (ہو)	وَّجَدْنَا	(کہ) پایا ہم نے
الْمَلِكِ	بادشاہ (کے)	مَّكَانًا (۲)	جگہ کے لحاظ سے	مَتَاعَنَا	اپنا سامان
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ	مگر یہ کہ چاہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عِنْدَهٗٓ	اس کے پاس
اللّٰهُ	اللہ پاک	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	اِنَّآ اِذًا	بیشک ہم تب تو
نَرْفَعُ	بلند کرتے ہیں ہم	بِمَا تَصِفُوْنَ	جو کچھ تم الزام لگا رہے ہو	لَّظٰلِمُوْنَ	البتہ ناانصاف
دَرَجٰتٍ	درجات	قَالُوْا	کہا انھوں نے		(ٹھہریں گے)

(۱) اللام للنفع (روح) (۲) مَكَانًا تمیز ہے (۳) لَهٗ خبر مقدم ہے۔

جب قافلہ بن یامین کے ساتھ مصر پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے بن یامین کو اپنے پاس اتارا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قافلہ بنیامین کے ساتھ کنعان سے روانہ ہوکر دوبارہ مصر پہنچا اور والد ماجد کی ہدایت کے مطابق متفرق دروازوں سے شہر میں داخل ہوا ـــــ اور جب ان لوگوں نے یوسف سے ملاقات کی تو آپ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس اتارا ـــــ یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بن یامین کو خاص اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور خلوت میں اسے ـــــ بتایا کہ: ''بلاشبہ میں ہی تیرا بھائی ہوں، پس تم ان بدسلوکیوں کا کچھ رنج نہ کرو جو وہ کرتے رہے ہیں'' ـــــ اس آیتِ پاک میں دونوں بھائیوں کی گفتگو سمیٹ دی گئی ہے، بیس بائیس سال کے بعد جب دونوں بھائی ملے تو نہ معلوم کیا کیا باتیں ہوئی ہوں گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا ہوگا کہ وہ کن حالات سے گزرتے ہوئے اس مرتبہ پر پہنچے ہیں۔ بن یامین نے سنایا ہوگا کہ ان کے پیچھے سوتیلے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کو تسلی دی کہ اب دن پھرنے والے ہیں، وقت آ گیا ہے کہ ہمارے سب غم غلط ہوجائیں اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں، ان کی بدسلوکیوں کا دور ختم ہوا چاہتا ہے۔

بن یامین کے بورے میں شاہی جام بطور یادگار رکھ دیا جو چوری کا معاملہ بن گیا:

پھر جب ان کا سامان سفر ان کو تیار کر کے دیا تو ایک جام اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا ـــــ یعنی جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو کسی کو اطلاع کئے بغیر یادگار کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا ایک جام (پیالہ) جو نہایت قیمتی تھا، بن یامین کے کجاوہ میں رکھ دیا، اور غمگین دل کے ساتھ قافلہ کو رخصت کر دیا، دل تو کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں مگر مجبوری تھی۔ قافلہ ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کرنے پایا تھا کہ شاہی مہمان خانہ کے کارندوں نے برتن سمیٹے، دیکھا کہ شاہی جام، جو نہایت قیمتی برتن تھا، ندارد ہے، ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، ان کا جمع دار بہت گھبرایا اور ہر طرف جام کی تلاش شروع کر دی، انعام رکھا، مگر کہیں سے پتہ نہ چلا، آخر میں انھوں نے سوچا کہ شاہی مہمان خانہ میں کنعانیوں کے سوا دوسرا کوئی نہیں آیا، ہو نہ ہو انہی کی کارستانی ہو، جمعدار ساتھیوں کو لے کر فوراً قافلہ کے تعاقب میں نکلا۔ جب قافلہ دور سے نظر آیا تو ایک شخص نے آواز دے کر اس کو روکا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــــ پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: ''او کارواں! تم ضرور چور ہو!'' ـــــ کارواں رک گیا پھر باہم اس طرح گفتگو ہوئی:

برادرانِ یوسف نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا: ''تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے؟'' ـــــ ان لوگوں نے جواب دیا: ''ہم شاہی جام گم پاتے ہیں ـــــ اور جو شخص اس کو لائے گا اس کے لئے ایک بارِ شتر انعام ہے ـــــ اور (جمعدار نے

کہا) میں اس (جام) کا ذمہ دار ہوں — برادران یوسف نے کہا: ''خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم ملکِ (مصر) میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چوریاں کرنے والے لوگ ہیں! — ان لوگوں نے کہا: ''اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو اس کی کیا سزا ہے؟'' — برادران یوسف نے کہا: ''اس کی سزا وہی شخص ہے جس کے سامان میں سے گم شدہ چیز نکلے، سو وہ خود ہی اس کی سزا ہے، ہم اس طرح چوروں کو سزا دیتے ہیں — پس اس (جمعدار) نے یوسف علیہ السلام کے بھائی کے بورے سے پہلے ان کے بوروں کی تلاشی لینی شروع کی، پھر آپ کے بھائی کے بورے سے گم شدہ چیز برآمد کر لی۔

برادران یوسف علیہ السلام نے کارندوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے، جس کو تم ڈھونڈ ھتے ہو؟ ہمیں خواہ مخواہ کیوں ملزم بناتے ہو! کارندے کہنے لگے کہ بادشاہ کا پانی پینے کا پیالہ گم ہو گیا ہے، اس کی تلاش ہے اور انعام بھی رکھا گیا ہے کہ جو شخص اس چوری کا پتہ لگائے گا اسے ایک اونٹ بھر غلہ انعام میں دیا جائے گا اور کارندوں کے سردار نے کہا میں اس جام کا ذمہ دار ہوں اس لئے میں اس کے لئے زیادہ فکر مند ہوں اور جو اس کا پتہ لگائے گا اس کو انعام میں دوں گا — برادران یوسف علیہ السلام نے کہا: قسم بخدا! نہ تو ہم مصر میں فساد اور شرارت کی غرض سے آئے ہیں، نہ ہم چوریاں کرنے والے لوگ ہیں، جام ہم نے بالکل نہیں چرایا، ہمارے حالات سے آپ لوگ بخوبی واقف ہیں۔ ہم اس سے پہلے بھی غلہ لینے آ چکے ہیں، ہم میں چوری کی قطعاً عادت نہیں — کارندوں نے کہا: اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو جس شخص کے پاس سے یہ چوری نکلے اس کی کیا سزا ہونی چاہئے — برادران یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ خود آپ اپنی سزا ہے یعنی وہ تمہارے حوالے کر دیا جائے گا تاکہ وہ اپنے جرم کی پاداش میں سال بھر غلامی کرے، ہم اپنے یہاں چوری کرنے والوں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں — یہ بھائی خاندان ابراہیمی کے افراد تھے اور شریعتِ ابراہیمی کا قانون یہ تھا کہ چور کو سال بھر کے لئے اس شخص کی غلامی میں دے دیا جاتا تھا، جس کا مال اس نے چرایا ہے — کارندوں کے جمعدار نے پہلے دوسرے بھائیوں کے بوروں کی تلاشی لی کیونکہ یوسف علیہ السلام کی بارگاہ میں بن یامین کو جو تقرب حاصل تھا وہ ان سب کو معلوم تھا اس وجہ سے ان پر شبہ نہیں ہوا مگر جب دوسرے بھائیوں کے بوروں میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بن یامین کے بورے کی تلاشی لی تو اس میں پیالہ موجود تھا، انھوں نے وہ پیالہ نکال لیا اور قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر (حضرت یوسف علیہ السلام) کی خدمت میں معاملہ پیش کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے معاملہ کی نوعیت کو سنا تو دل میں بے حد مسرور ہوئے اور اللہ پاک کی کارسازی پر شکر ادا کیا کہ جس بات کے لئے دل بے قرار تھا کہ کسی طرح بن یامین میرے پاس ہی رہے، اس کے لئے قادر مطلق نے پردۂ غیب سے کیسا عجیب سامان کیا؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اس طرح ہم نے خفیہ تدبیر کی یوسف کی خاطر، وہ اپنے بھائی کو شاہی قانون میں روک نہیں سکتے تھے مگر ہاں اگر اللہ پاک

چاہیں (تو سب کچھ ہوسکتا ہے) ہم جس کے چاہتے ہیں درجات (مراتب) بلند کرتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم پر ایک بڑے جاننے والے ہیں ـــــ یعنی یوسف علیہ السلام نے چاروناچار بن یامین کو قافلہ کے ساتھ رخصت تو کردیا، مگر ان کا دل بہت چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وہ ان کے پاس رہتے، مگر مجبور تھے، شاہی قانون میں بلاوجہ کسی غیر ملکی کو روک لینا جائز نہ تھا اور دنیا کے کسی قانون میں بھی یہ بات روا نہیں مگر قدرت کے ہاتھ نے اس کی تدبیر یہ کی کہ یوسف علیہ السلام کے یادگار کے طور پر رکھے ہوئے پیالہ کو چوری کا معاملہ بنادیا ــــ پھر شاہی قانون کی رو سے چوری کی سزا میں چور کو روکا نہیں جاسکتا تھا بلکہ پیٹا جاتا تھا اور جرمانہ کیا جاتا تھا اس لئے اللہ پاک نے اپنی تدبیر سے یہ راہ نکال دی کہ اتفاقاً برادران یوسف علیہ السلام سے چور کی سزا پوچھ لی گئی اور انھوں نے اس کے لئے شریعتِ ابراہیمی کا قانون بتادیا اور چونکہ وہ لوگ مصری رعایا نہ تھے، ایک آزاد علاقے سے آئے ہوئے تھے اس لئے جب وہ خود اپنے ہاں کے دستور کے مطابق اپنے آدمی کو اس شخص کی غلامی میں دینے کے لئے تیار ہوگئے جس کا مال اس نے چرایا تھا تو پھر مصری قانون تعزیرات سے اس معاملہ میں مدد لینے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی ــــ اور اللہ پاک جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کی خاطر یہ تدبیر کیوں فرمائی؟ اس وجہ سے فرمائی کہ وہ اللہ پاک کے مقرب بندے تھے، اللہ پاک نے ان کو بلند مقام اور عالی مرتبہ عنایت فرمایا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور اللہ پاک جسے چاہتے ہیں بلند درجہ بخش دیتے ہیں۔

اور اللہ پاک کا اپنے مقرب بندوں کے ساتھ خاص معاملہ ہوتا ہے وہ ان کی خواہشات تک کا لحاظ فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہت سے پراگندہ بال والے، گرد وغبار میں اَٹے پٹے، جن کو دروازوں سے دھکے دیئے جائیں (اللہ پاک کے نزدیک ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ پاک پر قسم کھا بیٹھیں تو ان کی قسم کو اللہ پاک ضرور پورا کردیں[1]'' ــــ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بن یامین کو رخصت کرکے دل مسوس کر رہ گئے تھے، اس لئے اللہ پاک نے چاہا کہ اپنے مقرب بندے کے دل کو خوش کریں، چنانچہ اللہ پاک نے عجیب وغریب صورتِ حال پیدا کردی اور یوسف علیہ السلام کے دل کی بے کلی دور ہوئی۔

اور مصری قانون تعزیرات اگرچہ ماہرین قانون نے بنایا تھا اور اس کی رو سے بھائی کو لینے کی کوئی صورت نہیں تھی مگر ہر صاحبِ علم پر ایک بڑے جاننے والے اللہ پاک جل شانہ موجود ہیں ان کے لئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو چیز دستورِ مملکت کی رُو سے ممکن نہ ہو اسے ممکن بنادیں چنانچہ مصری قانون دھرا کا دھرا رہ گیا اور اللہ پاک جل شانہ نے جو چاہا وہ پورا ہوا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں قدرت کا ہاتھ ہے۔ اللہ پاک نے بن یامین

(۱) رواه مسلم عن ابی هريرة رضی الله عنه.

کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ہے اس لئے وہ خاموش رہے اور ـــــ ان لوگوں نے (اپنی خفت مٹانے کے لئے) کہا: ''اگر اس نے چوری کی تو (کچھ تعجب کی بات نہیں) اس کا ایک بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے'' ـــــ چونکہ وہ لوگ پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم چور نہیں ہیں۔اب جو دیکھا کہ مال ان کے بھائی کے بورے سے برآمد ہوا تو اپنے آپ کو اس بھائی سے الگ کر لیا اور بن یامین کے ساتھ ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی لپیٹ لیا ـــــ ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں، علاتی ہے البتہ اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے بھی چوری کی تھی ـــــ ان کا اشارہ ایک واقعہ کی طرف تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن میں پیش آیا تھا۔یوسف علیہ السلام کی ولادت کے تھوڑے عرصہ بعد بن یامین پیدا ہوئے اور ان کی ولادت والدہ کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوئی۔یوسفؑ اور بنیامین تربیت کے لئے پھوپھی کے حوالے کر دیئے گئے پھوپھی کو یوسف علیہ السلام پر بہت پیار تھا، دوسری طرف والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، جب آپ خود کفیل ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارادہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو بہن سے لے لیں، بہن نے انکار کر دیا مگر بھائی نے اصرار کیا تو مجبور ہو کر انھوں نے یوسف علیہ السلام کو بھائی کے حوالے کر دیا مگر بھتیجے کو واپس لینے کے لئے پھوپھی نے ایک تدبیر کی، پھوپھی کے پاس ایک قیمتی پٹکا (پٹی، کمر بند) تھا، انھوں نے یوسف علیہ السلام کی بے خبری میں وہ پٹکا ان کے کپڑوں کے نیچے کمر پر باندھ دیا اور شہرت دیدی کہ پٹکا چوری ہو گیا ہے، تلاش شروع ہوئی تو وہ یوسف علیہ السلام کے پاس نکلا ـــــ شریعتِ ابراہیمی کے حکم کے مطابق اب پھوپھی کو یہ حق ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں چنانچہ یوسف علیہ السلام ان کے حوالے کر دیئے گئے اور جب تک وہ زندہ رہیں یوسف علیہ السلام انہی کی تربیت میں رہے ـــــ یہ تھا وہ واقعہ جس کی طرف برادران یوسفؑ اشارہ کر رہے ہیں، ان سب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام اس الزام سے بالکل بری ہیں، انھوں نے چوری نہیں کی، بلکہ وہ ایک سازش تھی مگر اپنی خفت مٹانے کے لئے اس واقعہ کو بھی چوری کا واقعہ قرار دے کر اس کا الزام یوسف علیہ السلام پر لگا دیا ـــــ پس یوسف علیہ السلام نے بات اپنے دل میں رکھی، اور ان کے سامنے ظاہر نہیں فرمائی، آپ نے (دل میں) کہا: ''تمہارا مقام بدتر ہے! اور جو بات تم بیان کر رہے ہو اس کی حقیقت اللہ پاک خوب جانتے ہیں'' ـــــ یعنی یوسفؑ نے یہ دیکھ کر بھی کہ ان کے منہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، ضبط سے کام لیا اور راز فاش نہیں کیا بس زیر لب اتنا کہہ کر رہ گئے کہ ''نالائق تو تم ہو! اور میرے متعلق جو بات تم بیان کر رہے ہو اس کی حقیقت اللہ پاک خوب جانتے ہیں''

اب برادران یوسف بہت گھبرائے اور ان کو باپ کا عہد و پیمان یاد آیا، مگر کیا کرتے پہلے ہی بات ہار چکے تھے اب ان کے لئے صرف ایک ہی پہلو تھا کہ التجائیں کریں اور خوشامد کر کے بن یامین کو حاصل کریں چنانچہ ـــــ ان لوگوں نے

التجا کی: ''اے عزیز! اس کا بہت بوڑھا باپ ہے، لہٰذا اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے، بیشک ہم آپ کو نیک انسان پاتے ہیں'' — آپ نے جواب دیا: ''اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھ لیں، تب تو ہم ضرور نا انصافی کرنے والے ٹھہریں گے!'' — یعنی اے عزیز مصر! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، اور اس کو اس سے بہت پیار ہے۔ خدارا اس پر رحم کیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو سزا میں روک لیجئے۔ آپ ہم پر مہربان رہے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں، لہٰذا ہم پر اتنا احسان اور کیجئے۔ عزیز مصر (یوسف علیہ السلام) نے کہا: ''پناہ بخدا! یہ کیسے ممکن ہے اگر ہم ایسا کریں تو ظالم ہوں گے!'' — احتیاط ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ''چور'' نہیں کہا بلکہ صرف یہ کہا کہ: ''ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی'' تا کہ بات بھی خلافِ واقعہ نہ ہو اور مقصد بھی فوت نہ ہو۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

فَلَمَّا	پھر جب	اسْتَيْـَٔسُوْا	وہ مایوس ہوگئے	مِنْهُ	اس سے

خَلَصُوْا(1)	(تو) جدا ہوئے وہ	اَوْ يَحْكُمَ	یا حکم صادر فرمائیں	حٰفِظِيْنَ	خبر رکھنے والے
نَجِيًّا(2)	سرگوشی کرتے ہوئے	اللّٰهُ	اللہ پاک	وَسْئَلِ	اور دریافت کر لیجئے
قَالَ	کہا	لِيْ	میرے لئے	الْقَرْيَةَ	(اس) بستی سے
كَبِيْرُهُمْ	ان کے بڑے (نے)	وَهُوَ خَيْرُ	اور وہ بہترین	الَّتِيْ كُنَّا	جو کہ تھے ہم
اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا	کیا نہیں جانتے تم	الْحٰكِمِيْنَ	حکم فرمانے والے (ہیں)	فِيْهَا	اس میں
اَنَّ اَبَاكُمْ	کہ تمہارے (ابا) نے	اِرْجِعُوْٓا	لوٹ جاؤ تم	وَالْعِيْرَ	اور (اس) کارواں سے
قَدْ اَخَذَ	تحقیق لیا ہے	اِلٰٓى اَبِيْكُمْ	اپنے ابا کے پاس	الَّتِيْٓ	جو کہ
عَلَيْكُمْ(3)	تم سے	فَقُوْلُوْا	پس کہو	اَقْبَلْنَا	آئے ہیں ہم
مَّوْثِقًا	پیمان	يٰٓاَبَانَآ	اباجان:	فِيْهَا	اس میں
مِّنَ اللّٰهِ(4)	خداوندی؟	اِنَّ	بے شک	وَاِنَّا	اور بے شک ہم
وَمِنْ قَبْلُ(5)	اور اس سے پہلے (ہے)	ابْنَكَ	آپ کے صاحبزادے	لَصٰدِقُوْنَ	بالکل سچے ہیں
مَا فَرَّطْتُّمْ	جو کوتاہی کر چکے ہو تم		(نے)	قَالَ	کہا اس نے
فِيْ يُوْسُفَ	یوسف (کے معاملہ) میں	سَرَقَ	چوری کی	بَلْ	بلکہ
فَلَنْ	پس ہرگز نہیں	وَمَا	اور نہیں	سَوَّلَتْ	مزین کی ہے
اَبْرَحَ(6)	ٹلوں گا میں	شَهِدْنَآ	قسم کھائی تھی ہم نے	لَكُمْ	تمہارے لئے
الْاَرْضَ	زمین سے	اِلَّا	مگر	اَنْفُسُكُمْ	تمہارے دلوں نے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	بِمَا عَلِمْنَا(7)	اس کی جو جانتے تھے ہم	اَمْرًا	ایک بات
يَاْذَنَ لِيْٓ	پروانگی دیدیں مجھے	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم	فَصَبْرٌ(8)	پس صبر
اَبِيْٓ	میرے ابا	لِلْغَيْبِ	غیب کی	جَمِيْلٌ	عمدہ (بہتر ہے)

(۱) خلَصَ (ن) خُلُوْصًا من القوم جدا ہونا (۲) نَجِيًّا صفت مشبہ ہے اور ترکیب میں خَلَصُوْا کی ضمیر فاعل سے حال ہے (۳) اَخَذَ کا تعدیہ عَلٰی سے بتضمین فعل اَلْزَمَ ہے (۴) مِنْ اضافت کا ہے (۵) مِنْ قَبْلُ خبر مقدم ہے اور ما موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ مبتدا مؤخر ہے (۶) بَرِحَ (س) بَرَاحًا المكانَ ومنه: ہٹنا، جدا ہونا، زائل ہونا (۷) باصلہ کی ہے شَهِدَ بِكَذَا: قسم کھانا (۸) صَبْرٌ جَمِيْلٌ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے أي خير.

عَسَى اللّٰهُ (۱)	امید ہے اللہ پاک (سے)	عَلٰی یُوْسُفَ	یوسف پر!	حَرَضًا (۴)	نڈھال (لاغر)
اَنْ یَّاْتِیَنِیْ	کہ لے آئیں وہ میرے	وَابْیَضَّتْ	اور سفید پڑ گئیں	اَوْ تَکُوْنَ	یا ہوجائیں آپ
	پاس	عَیْنٰهُ	ان کی دونوں آنکھیں	مِنَ الْهٰلِکِیْنَ	ہلاک ہونے والے
بِهِمْ	ان کو	مِنَ الْحُزْنِ	غم سے	قَالَ اِنَّمَآ	کہا اس نے بس
جَمِیْعًا	سبھی کو	فَهُوَ کَظِیْمٌ (۲)	سو وہ گھٹنے والے (تھے)	اَشْکُوْا	فریاد کرتا ہوں میں
اِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی	قَالُوْا	کہا انھوں نے	بَثِّیْ (۵)	اپنی بے قراری
الْعَلِیْمُ	سب کچھ جاننے والے	تَاللّٰهِ	خدا کی قسم	وَحُزْنِیْٓ	اور اپنے غم (کی)
الْحَکِیْمُ	بڑی حکمت والے (ہیں)	تَفْتَؤُا (۳)	ہمیشہ رہیں گے آپ	اِلَی اللّٰهِ	اللہ پاک سے
وَتَوَلّٰی	اور منہ پھیرا	تَذْکُرُ	یاد کرتے	وَاَعْلَمُ	اور جانتا ہوں میں
عَنْهُمْ	ان سے	یُوْسُفَ	یوسف (کو)	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف سے
وَقَالَ	اور کہا	حَتّٰی	یہاں تک کہ	مَا لَا	وہ بات جو نہیں
یٰاَسَفٰی	ہائے افسوس	تَکُوْنَ	ہوجائیں آپ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو تم

مایوس ہوکر بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا جائے؟

جب برادران یوسف، حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب سن کر، بن یامین کے معاملہ میں مایوس ہوگئے تو الگ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — پھر جب وہ لوگ ان سے مایوس ہوگئے تو علاحدہ ہوکر سرگوشی کرنے لگے — وہ چپکے چپکے باتیں کررہے ہیں کہ اب کیا کیا جائے؟ — ان کے بڑے نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ابا تم سے پیمان خداوندی لے چکے ہیں؟ اوراس سے پہلے وہ کوتاہی ہے جو تم یوسف کے معاملہ میں کر چکے ہو! سو میں تو یہاں سے ٹلنے والا نہیں، جب تک ابا مجھے پروانگی نہ دیدیں یا اللہ پاک میرے لئے کوئی حکم صادر نہ

(۱) عَسٰی افعال مقاربہ میں سے ہے اور جامد ہے، محبوب میں امید کے لئے اور مکروہ میں خوف کے لئے مستعمل ہے اللّٰهُ فاعل ہے اور جملہ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ مفعول ہے (۲) کَظِیْمٌ صفت مشبہ ہے سخت غمگین، جو اپنے غم کو گھونٹ کررکھے، ظاہر نہ کرے (۳) تَفْتَؤُا افعال ناقصہ میں سے ہے اور جواب قسم ہے اصل میں لا تَفْتَؤُ تھا حرف نفی حذف کیا ہے کیونکہ جب قسم کے ساتھ علامت اثبات (لام تاکید اور نون تاکید) نہیں ہوتی تو وہ نفی پر محمول ہوتی ہے (۴) حَرَضًا مصدر ہے جو صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں، مضمحل، بیمار اور بیکار (۵) بَثٌّ: بے قراری، پراگندگی۔ بَثَّ (ن ض) بَثًّا: بکھیرنا، پراگندہ کرنا۔ ابھارنا۔ یاء ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ ہے۔

فرمادیں، اور وہ بہترین حکم صادر فرمانے والے ہیں ــــ تم لوگ لوٹ کر اپنے ابا کے پاس جاؤ، اور کہو: ابا جان! بیشک آپ کے صاحب زادے نے چوری کی ــــ اور ہم نے صرف اسی بات کی قسم کھائی تھی جو ہم جانتے تھے اور ہمیں غیب کے احوال کی کچھ خبر نہ تھی ــــ اور آپ اس بستی سے تحقیق کرلیں جس میں ہم تھے، اور اس کارواں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بلاشبہ بالکل سچے ہیں! ــــ مشورے میں اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ وطن واپس جانا چاہئے۔ اب یہاں پڑے رہنے سے کیا حاصل؟ مگر ان کے بڑے نے کہا: باپ کے سامنے ہم کیا منہ لے کر جائیں گے؟ جو عہد خداوندی وہ ہم سے لے چکے ہیں اس کا کیا جواب دیں گے! ایک تقصیر تو پہلے یوسف کے معاملہ میں ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں کہ یہ دوسرا معاملہ درپیش آ گیا، سو بندہ تو کسی حال میں یہاں سے ٹلنے والا نہیں الا یہ کہ والد بزرگوار پروانگی دے دیں یعنی حاضر خدمت ہونے کی اجازت دے دیں یا اللہ پاک کوئی فیصلہ فرمادیں، بن یامین کی رہائی کی کوئی صورت نکال دیں یا والد ماجد کے پاس وحی سے میری براءت بھیج دیں ــــ البتہ آپ لوگ گھر لوٹ جائیں اور ابا جان کو حقیقت حال سے مطلع کریں کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی کوئی توقع نہ تھی، آپ کے صاحب زادے نے واقعی چوری کی جس کی پاداش میں وہ روک لئے گئے، اور ہم نے جو قول دیا تھا وہ اپنی دانست کے مطابق دیا تھا، ہمیں کیا خبر تھی کہ بن یامین چوری کر کے پکڑا جائے گا۔ ہمیں غیب کے احوال کی کچھ خبر نہ تھی ــــ اور آپ کو یقین نہ آئے تو معتبر آدمی بھیج کر اس بستی والوں سے تحقیق کرلیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے نیز ان قافلہ والوں سے بھی دریافت کرلیں جن کے ہمراہ ہم واپس آئے ہیں۔

مشورہ کے مطابق بڑے بھائی مصر ہی میں رک گئے اور دوسرے بھائی کنعان واپس آئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے سارا واقعہ بیان کیا، سن کر یعقوب علیہ السلام نے ــــ فرمایا: (جو بات تم بیان کر رہے ہو صحیح نہیں، بن یامین کا چوری کرنا میری سمجھ سے بالاتر ہے) بلکہ تمہارے لئے تمہارے نفوس نے ایک بات مزین کی ہے ــــ یعنی بن یامین نے چوری ووری کچھ نہیں کی، تمہارے نفوس نے تمہارے لئے ایک بات مزین کی ہے جس کی وجہ سے تمہیں یقین آ گیا ہے کہ بن یامین نے ضرور چوری کی ہے ــــ پس عمدہ صبر بہتر ہے ــــ یعنی میں اب بھی صبر ہی کروں گا، وہی میرے لئے بہتر ہے ــــ اللہ پاک کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لے آئیں گے، وہی بالیقین سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں ــــ حضرت یعقوب علیہ السلان بن یامین کی گم شدگی میں یوسف علیہ السلام کی بازگشت کی جھلک دیکھ رہے تھے، وہ فراست نبوت سے سمجھ رہے تھے کہ اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اس لئے امید ظاہر فرمارہے ہیں کہ اب اللہ پاک میرے سب بیٹوں کو مجھ سے ملادیں گے ــــ اور قرب وصال کے تصور سے دردِ فراق کی

شدتیں بڑھ جاتی ہیں اور نیا زخم کھا کر پرانا زخم ہرا ہوجاتا ہے اس لئے سرد آہ نکلتی ہے:—— اور آپ نے ان سے منہ پھیرا —— بیٹوں سے گفتگو چھوڑی —— اور کہا: ''ہائے یوسف!'' —— اور غم (میں رونے) سے ان کی آنکھیں سپید پڑ گئی تھیں اور وہ (غم سے) گھٹ رہے تھے —— یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں شدت غم میں روتے روتے سپید پڑ گئی تھیں اور سینہ سوزش غم سے جل رہا تھا مگر وہ کسی مخلوق کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے، نہ غم کی بات کبھی منہ سے نکلتی، ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا۔ بے تابی اور بے چینی کا طوفان اٹھتا تو دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے مگر زبان سے اُف تک نہ کرتے، یہ تھا عمدہ صبر! سچ ہے ایسا درد اتنی مدت تک دبا کر رکھنا پیغمبر کے سوا کسی کا کام نہیں! —— باپ کا یہ حال دیکھ کر —— بیٹوں نے کہا: بخدا آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہتے ہیں، اتنا کہ آپ نڈھال ہوجائیں گے یا ہلاک ہوجائیں گے'' —— یعنی آخر یوسف کے صدمہ کی اور غم کی کوئی انتہا بھی ہونی چاہئے، زمانہ گذرنے سے ہر کسی کا غم غلط ہوجاتا ہے مگر آپ ہیں کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے پر بھی یوسف کو نہیں بھولتے، کیا اس طرح یوسف کی یاد میں گھلتے ہی رہو گے اور جان کھولو گے؟! حضرت یعقوبؑ نے —— فرمایا: میں اپنی بے قراری اور اپنے غم کی فریاد صرف اللہ پاک سے کرتا ہوں —— تمہارا تو کچھ شکوہ نہیں کرتا، نہ تم کو کوستا ہوں، پھر مجھے نصیحت کیوں کرتے ہو؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو —— اور میں اللہ پاک کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے —— حضرت یعقوبؑ کو وحی سے اشارہ مل چکا تھا کہ یوسف ضرور ملیں گے اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں بارگاہ خداوندی میں اپنا دکھڑا روتا ہوں جس نے درد دیا ہے اسی سے دوا مانگتا ہوں۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

يٰبَنِيَّ	اے میرے بچو!	عَلَيْهِ	ان سے	الْمُتَصَدِّقِيْنَ	خیرات دینے والوں (کو)
اذْهَبُوْا	جاؤ	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	قَالَ	فرمایا
فَتَحَسَّسُوْا (۱)	اور ٹوہ لگاؤ	يٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ	اے عزیز!	هَلْ عَلِمْتُمْ	کیا جانتے ہو تم
مِنْ يُّوْسُفَ	یوسف (کی)	مَسَّنَا	پہنچی ہے ہمیں	مَّا فَعَلْتُمْ (۴)	جو کیا تم نے
وَاَخِيْهِ	اور اسکے بھائی (کی)	وَاَهْلَنَا	اور ہمارے گھر والوں کو	بِيُوْسُفَ	یوسف کے ساتھ
وَلَا تَايْـَٔسُوْا	اور نہ مایوس ہوؤ	الضُّرُّ	سختی	وَاَخِيْهِ	اور اسکے بھائی (کیساتھ)
مِنْ رَّوْحِ (۲)	رحمت سے	وَجِئْنَا	اور لائے ہیں ہم	اِذْ اَنْتُمْ	جب تم
اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)	بِبِضَاعَةٍ	پونجی	جٰهِلُوْنَ	نادان تھے؟
اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے کہ	مُّزْجٰىةٍ (۳)	ردی	قَالُوْٓا	بولے وہ
لَا يَايْـَٔسُ	نہیں ناامید ہوتے	فَاَوْفِ	پس آپ پورا دیجئے	ءَاِنَّكَ	کیا بےشک آپ
مِنْ رَّوْحِ	رحمت سے	لَنَا	ہمیں	لَاَنْتَ	ہی
اللّٰهِ	خدا (کی)	الْكَيْلَ	پیمانہ (غلہ)	يُوْسُفُ	یوسف (ہیں)؟
اِلَّا	مگر	وَتَصَدَّقْ	اور خیرات دیجئے	قَالَ	فرمایا
الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ	منکرین	عَلَيْنَا	ہمیں	اَنَا يُوْسُفُ	میں یوسف (ہوں)
فَلَمَّا	پس جب	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ پاک	وَهٰذَآ اَخِيْ	اور یہ میرا بھائی (ہے)
دَخَلُوْا	ملاقات کی انھوں نے	يَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں	قَدْ مَنَّ	واقعۃً احسان فرمایا

(۱) تَحَسَّسَ مِنْهُ: حقیقت حال معلوم کرنا، ٹوہ لگانا۔ کھوج لگانا۔ پتہ لگانا (۲) رَوْحٌ: رحمت، مہربانی فیض، مصدر ہے، یَوْمٌ رَوْحٌ: سہانا دن (۳) اَلْمُزْجٰی کا مؤنث ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی چیز، ردی چیز فعل اَزْجٰی اِزْجَاءً: ہانکنا پس مُزْجٰی وہ ردی چیز ہے جسے ہٹا دیا جائے (۴) ما موصولہ ہے اور صلہ کے ساتھ مل کر عَلِمَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	اٰثَرَكَ (۱)	فضیلت بخشی آپ کو	الرّٰحِمِيْنَ	سب مہربانوں (سے)
عَلَيْنَا	ہم پر	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	اِذْهَبُوْا	لے جاؤ
اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے کہ	عَلَيْنَا	ہم پر	بِقَمِيْصِيْ	میرا کرتہ
مَنْ	جو شخص	وَاِنْ كُنَّا	اور بے شک تھے ہم	هٰذَا	یہ
يَّتَّقِ	پرہیزگاری اختیار کرتا ہے	لَخٰطِـِٕيْنَ	البتہ خطا کار	فَاَلْقُوْهُ	پس ڈال دو اس کو
وَيَصْبِرْ	اور صبر کرتا ہے	قَالَ	فرمایا	عَلٰى وَجْهِ	منہ پر
فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ پاک	لَا تَثْرِيْبَ (۲)	نہیں ملامت (ہے)	اَبِيْ	میرے ابا (کے)
لَا يُضِيْعُ	نہیں ضائع فرماتے	عَلَيْكُمُ	تم پر	يَاْتِ	تشریف لائیں وہ
اَجْرَ	ثواب	الْيَوْمَ	آج	بَصِيْرًا	بینا ہو کر
الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں (کا)	يَغْفِرُ	معاف فرمائیں	وَاْتُوْنِيْ	اور لے آؤ تم میرے
قَالُوْا	بولے وہ	اللّٰهُ	اللہ پاک		پاس
تَاللّٰهِ	خدا کی قسم	لَكُمْ	تمہیں	بِاَهْلِكُمْ	اپنے گھر والوں کو
لَقَدْ	البتہ تحقیق	وَهُوَ اَرْحَمُ	اور وہ زیادہ مہربان (ہیں)	اَجْمَعِيْنَ	سب کو

آخر میں پردہ ہٹا اور یوسف علیہ السلام نمودار ہوئے

برادران یوسف علیہ السلام مصر سے جو غلہ لائے تھے وہ ختم ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ پھر مصر جانے کے لئے پر تول رہے ہیں، والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: — میرے بچو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ، اور رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہوؤ، فیض خداوندی سے منکر ہی مایوس ہوتے ہیں — یعنی ناامید ہو جانا صرف خدا پاک کے منکر بندوں کا کام ہے، مومن بندہ کبھی بھی فیض خداوندی سے مایوس نہیں ہوتا۔

کافر: حق تعالیٰ کے فیض اور مہربانی سے ناامید اس لئے ہوتا ہے کہ اُسے نہ تو اللہ پاک کی بے پایاں رحمت اور قدرت کاملہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، نہ اسے اللہ پاک کی کریمی کا تصور ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی خدا کی حکمت و مصلحت پر نظر ہوتی ہے — مگر مؤمن بندہ چونکہ یہ سب کچھ جانتا اور مانتا ہے اس لئے اگر اس پر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کے برابر حوادث آئیں تو بھی وہ اللہ پاک کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔

(۱) آثَرَ اِيْثَارًا: ترجیح دینا، فضیلت دینا (۲) ثَرَبَ (ض) ثَرْبًا وَثَرَّبَهٗ وَثَرَّبَ عَلَيْهِ: ملامت کرنا، کام کی مذمت کرنا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسوہ اس سلسلہ میں بہترین اسوہ ہے آپ پر پے در پے حوادث آتے رہے، پھر بھی آپ نے نہ تو صبر جمیل کا دامن چھوڑا، نہ رحمت خداوندی سے مایوس ہوئے، بلکہ صاحبزادوں سے فرمایا: جاؤ، اور یوسف کی کھوج لگاؤ اور بن یامین کے چھڑانے کی تدبیر کرو۔

برادران یوسف کنعان سے روانہ ہوئے اور تیسری بار مصر پہنچے — پھر جب انھوں نے ان سے ملاقات کی تو کہا: ''اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھرانے کو سختی پہنچی ہے اور ہم ردی پونجی لے کر آئے ہیں، سو آپ ہمیں پورا غلہ عنایت فرمائیں اور ہمیں خیرات دیں، اللہ پاک خیرات دینے والوں کو یقیناً بدلہ عنایت فرماتے ہیں'' — انھوں نے کہا اے عزیز! آج کل قحط کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سختی گذر رہی ہے۔ ہم کچھ حقیری پونجی لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں مگر آپ اپنے کریمانہ اخلاق سے ہماری ناقص پونجی کا خیال نہ فرمائیں، گذشتہ کی طرح غلہ کی مقدار پوری عنایت فرمائیں اور آپ کی یہ رعایت ہمارے حق میں ایک طرح کی خیرات ہوگی، خدا پاک آپ کا بھلا کریں!

حضرت یوسف علیہ السلام نے — پوچھا ''تم جانتے ہو جو حرکتیں تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی ہیں جبکہ تم نادان تھے؟'' — بھائی یہ سوال سنتے ہی چونک پڑے۔ انھوں نے سوچا کہ عزیز مصر یوسف کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ کہیں یہ یوسف تو نہیں! پھر جو آپ کی صورت اور آواز پر غور کیا تو انہیں صاف نظر آیا کہ صورت تو بالکل یوسف کی ہے۔ حیران ہو کر — بولے ''کیا واقعی آپ یوسف ہیں؟'' — حضرت یوسف علیہ السلام نے — فرمایا: جی ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ پاک نے ہم پر احسان فرمایا۔ بیشک جو شخص پرہیزگاری اختیار کرتا ہے: صبر کرتا ہے تو اللہ پاک ایسے نیکوکاروں کا حق نہیں مارتے — یعنی جو مصائب پر صبر کرتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے: اللہ پاک ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (سورۃ الطلاق ۲و۳)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ پاک سے ڈرتا ہے: اللہ پاک اس کے لئے پریشانیوں سے نجات کی راہ نکال دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اس کو روزی پہنچاتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے پاس اب شرمندگی اور اعتراف جرم کے سوا کیا تھا؟ انھوں نے یوسف علیہ السلام کی تباہی اور بربادی کے لئے جو بیہودگی کی تھی اس کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور وہ اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ جسے کل کنعان کے کنویں میں پھینک کر آئے تھے وہ آج مملکت مصر کے تاج وتخت کا مالک ہے، پس سر جھکا کر — بولے: ''بخدا! اللہ پاک نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے سوتیلے بھائیوں کی پشیمانی دیکھی تو آپ کی اخلاقی برتری اور پیغمبرانہ رحمت وشفقت جوش میں آئی، آپ نے فوراً عفو وکرم کا معاملہ فرمایا، ارشاد فرمایا—— ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ پاک تمہیں معاف کریں، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہیں''—— یعنی جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا، اب ہم کو یہ داستان فراموش کردینی چاہئے۔ میں بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری غلطی معاف فرمائیں، وہ سب سے بڑھ کر رحیم ہیں ان کی ذات سے امید ہے کہ وہ تمہیں بخش دیں گے۔

اب تم کنعان واپس جاؤ، اور—— میرا یہ کرتا لے جاؤ، اور اس کو میرے ابا کے منہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو کر تشریف لائیں اور تم بھی اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ—— یعنی میرا یہ پیرہن والد صاحب کی آنکھوں پر ڈال دینا ان شاء اللہ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی، وہ میرے پاس تشریف لائیں، اور تم بھی تمام خاندان کو مصر لے آؤ۔

جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی خبر ابا کو سنائی تھی تو خون آلود کرتا لے جا کر دکھایا تھا، اب وقت آیا ہے کہ وہ ابا کو یوسف علیہ السلام کی زندگی اور اقبال کی خوش خبری سنائیں تو اس کے لئے بھی کرتا ہی لے جائیں گویا وہی چیز جو کل فراق کا پیام لائی تھی وہ آج وصال کی خوش خبری لائی ہے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

وَلَمَّا	اور جب	اَبُوْهُمْ	ان کے ابا (نے)	لَوْلَآ (۲)	اگر نہ
فَصَلَتِ (۱)	جدا ہوا	اِنِّيْ لَاَجِدُ	بیشک میں البتہ پاتا ہوں	اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۳)	سٹھایا ہوا سمجھو تم مجھے
الْعِيْرُ	کارواں (قافلہ)	رِيْحَ	خوشبو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
قَالَ	(تو) کہا	يُوْسُفَ	یوسف (کی)	تَاللّٰهِ	خدا کی قسم

(۱) فَصَلَ (ض) الرجلُ عن البلد: شہر سے نکل جانا (۲) دونوں جگہ اَنْ زائدہ ہے، نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے ←

اِنَّكَ	بے شک آپ	اَلَمْ اَقُلْ	کیا نہ کہا تھا میں نے	كُنَّا	تھے ہم
لَفِیْ ضَلٰلِكَ	یقیناً اپنے غلط خیال	لَّكُمْ	تم سے	خٰطِـِٕیْنَ	خطاوار
	میں (ہیں)	اِنِّیْٓ	(کہ) بے شک میں	قَالَ	فرمایا
الْقَدِیْمِ	پرانے	اَعْلَمُ	جانتا ہوں	سَوْفَ	عنقریب
فَلَمَّآ	پس جب	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف سے	اَسْتَغْفِرُ	گناہ بخشواؤں گا
اَنْ جَآءَ[۲]	کہ آیا	مَا لَا	(وہ بات) جو نہیں	لَكُمْ	تمہارے لئے
الْبَشِیْرُ	خوشخبری دینے والا	تَعْلَمُوْنَ	جانتے تم؟	رَبِّیْ	اپنے پروردگار (سے)
اَلْقٰىهُ	(تو) ڈال دیا اس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِنَّهٗ	بے شک وہ
	اس (کرتے) کو	یٰٓاَبَانَا	ابا جان!	هُوَ	ہی
عَلٰى وَجْهِهٖ	ان کے منہ پر	اسْتَغْفِرْ	بخشوائیے	الْغَفُوْرُ	بڑے معاف فرمانے
فَارْتَدَّ[۱]	تو لوٹے وہ (ہوگئے وہ)	لَنَا	ہمارے لئے		والے
بَصِیْرًا	بینا	ذُنُوْبَنَآ	ہمارے گناہ	الرَّحِیْمُ	بے حد مہربانی فرمانے
قَالَ	فرمایا	اِنَّا	بے شک ہم		والے (ہیں)

مصر سے یوسف علیہ السلام کا کرتا چلا اور یعقوب علیہ السلام نے خوشبو پالی

برادران یوسف علیہ السلام کا قافلہ کنعان کی طرف پیرہن یوسف لے کر چلا — اور جب کارواں (مصر کے دارالسلطنت سے) باہر نکلا تو ان کے ابا نے کہا: ”مجھے یقیناً یوسف کی مہک آرہی ہے، اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا نہ کہو“— اُدھر کارواں نے کوچ کیا اور اِدھر کنعان میں سیکڑوں میل کے فاصلہ پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی مہک آنے لگی۔ اس سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے

معجزات اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتے ہیں:

مگر انبیاء علیہم السلام کی یہ کرامتیں ان کی ذاتی نہیں ہوتیں بخشش خداوندی ہوتی ہیں۔ اللہ پاک جب اور جس قدر ←

(۲) فَنِدَ (س) فَنَدًا: کھوسٹ ہونا، بڑھاپے کی وجہ سے ضعیف العقل ہونا فَنَّدَہٗ: ضعیف العقل بتانا۔

(۱) اِرْتَدَّ عَلٰی اَثَرِہٖ: لوٹنا— بَصِیْرًا حال ہے— فَارْتَدَّ دوسری جزاء ہے لَمَّا کی۔

چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام برسوں مصر میں موجود رہے مگر کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہیں آئی، مگر جب اللہ پاک نے چاہا تو یکا یک ان کی قوت ادراک اتنی تیز ہوگئی کہ ابھی مصر سے ان کا کرتا چلا ہی تھا کہ کنعان میں آپ کو اس کی مہک آنی شروع ہوگئی۔

غزوۂ تبوک میں نبیٔ پاک ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی، چرتی ہوئی کہیں سے کہیں نکل گئی، مسلمان اس کو تلاش کر رہے تھے ، منافقوں نے اپنی مجلس میں اس کا خوب مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں۔ آپؐ کو بذریعہ وحی اونٹنی کی اور ان کی کافرانہ باتوں کی اطلاع ہوگئی، آپ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص میرے بارے میں یہ یہ کہہ رہا ہے، حالانکہ بخدا! مجھے صرف وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اللہ پاک مجھے بتلاتے ہیں۔ اب اللہ پاک نے مجھے اونٹنی کا پتہ بتادیا ہے وہ فلاں میدان کی فلاں گھاٹی میں ہے۔ وہاں اس کی لگام ایک درخت سے اٹک گئی ہے اس لئے وہ وہیں کھڑی ہے (زادالمعاد)

غرض حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس حال سے اور رسول اکرم ﷺ کے اس واقعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ان کا ذاتی کمال نہیں ہوتے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب کنویں میں پڑے تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی مہک نہیں آئی، مگر اب وحی الٰہی نے ان کو شمیم یوسف علیہ السلام سے مہکا دیا، انھوں نے اپنے خاندان سے کہا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس کی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے —— وہ کہنے لگے: بخدا! آپ اپنی پرانی بھول میں ہیں —— کہ یوسف زندہ ہیں اور وہ پھر ملیں گے۔ آپ کے یہی پرانے خیالات خوشبو بن کر آپ کے دماغ میں بس رہے ہیں ورنہ یوسف کہاں؟ ان کو تو مدت ہوئی بھیڑیا کھا گیا! کئی روز بعد قافلہ بخیریت کنعان پہنچا —— پھر جب خوش خبری دینے والا آیا تو اُس نے وہ کرتہ اُن کے منہ پر ڈالا اور ان کی بینائی لوٹ آئی —— یعنی پیراہن یوسفؑ کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں سے لگنا تھا کہ ان کی آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں اور انھوں نے —— فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ: ''میں اللہ پاک کی طرف سے یقیناً وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' —— جب ''ہائے یوسف!'' کہنے پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ملامت کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا: ''میں اپنی بے قراری اور اپنے غم کی فریاد صرف اللہ پاک سے کرتا ہوں اور میں اللہ پاک کی طرف سے یقیناً وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' (آیت ۸۶) یعنی میں جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہیں اور ضرور ملیں گے اس لئے میں ان کو یاد کرتا تھا —— مگر بیٹوں نے آپ کی اس بات کو ایک نالۂ غم سے زیادہ حیثیت نہیں دی تھی اب آپ ان کو وہی بات یاد دلا رہے ہیں کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ یوسف زندہ ہیں؟ دیکھ لو اللہ

پاک کی طرف سے جو بات میں جانتا تھا وہ آخر سچ ثابت ہوئی یا نہیں؟!

برادران یوسف علیہ السلام شرم وندامت سے سر جھکائے ہوئے — بولے: ''ابا جان! ہمارے گناہوں کے لئے دعائے مغفرت کیجئے، ہم یقیناً خطاوار تھے'' — یعنی ہم سے بڑی بھاری غلطی ہوگئی، آپ دعا کر کے اللہ پاک سے ہمارے گناہ معاف کرائیے — ان کا مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف فرمائیں، پھر صاف دل ہو کر بارگاہ خداوندی میں ہماری مغفرت کے لئے دعا کریں — آپ نے فرمایا: ''میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کروں گا، وہی بالیقین بڑے معاف فرمانے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں'' — یعنی مناسب وقت آنے پر میں اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ پھیلاؤں گا، حدیث شریف میں اس کی تفسیر یہ آئی ہے کہ آپ کو جمعہ کی شب کا انتظار تھا یعنی میں تمہارے لئے جمعہ کی شب میں نماز تہجد کے وقت دعائے مغفرت کروں گا۔

امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن پاک یاد نہ رہنے کی شکایت سرکار دو عالم ﷺ سے کی۔ آپؐ نے اس کے لئے ایک عمل بتایا کہ جب جمعہ کی شب آئے تو اگر یہ ہو سکتا ہو کہ رات کے آخر کے تہائی حصہ میں اٹھو تو یہ بہت اچھا ہے۔ کیونکہ یہ وقت فرشتوں کے نازل ہونے کا ہے اور دعا اس وقت میں خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ اسی وقت کے انتظار میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ﴾ (عنقریب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا)(۱)

خیر الخطائیں التوابین:

ان آیتوں میں سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے حقیقت واقعہ ظاہر ہونے کے بعد اپنے والد سے اور بھائی سے معافی مانگی، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو تکلیف پہنچی ہو، یا کسی کی حق تلفی ہوئی ہو اس پر لازم ہے کہ اس حق کو ادا کرے یا صاحب حق سے معافی چاہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''جس شخص کے ذمہ کسی دوسرے کا کوئی مالی حق واجب ہو یا اس کو ہاتھ یا زبان سے کوئی ایذا پہنچائی ہو تو اس کو چاہئے کہ آج اس کو ادا کر دے یا معافی مانگ کر اس سے سبکدوشی حاصل کر لے، قیامت کے دن چونکہ کسی کے پاس دوسرے کا حق ادا کرنے کے لئے کوئی پیسہ نہ ہوگا اس لئے اس کے نیک اعمال مظلوم کو دیئے جائیں گے

(۱) حدیث لمبی ہے اور اس میں قرآن پاک حفظ کرنے کا بہت ہی مجرب عمل بتایا ہے۔ ناظرین کرام چاہیں تو فضائل رمضان ص ۶۶-۶۸ (مؤلفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور) ملاحظہ فرمائیں۔

اور یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس نیک اعمال نہ ہونگے تو دوسرے کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے“[۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا: بتاؤ: ”نادار“ کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ”نادار“ ہم اُسے سمجھتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کا نادار وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے مگر ساتھ ہی کسی کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون کیا ہے اور کسی کو مارا پیٹا ہے اس لئے اس کی نیکیاں مظلوموں میں بانٹ دی جائیں، اگر حساب بے باق نہ ہوا تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر جہنم رسید کر دیا جائے“[۲]

قیامت کے دن حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے، یہاں تک کہ بے سینگ بکری کے لئے سینگ دار بکری سے بدلہ لیا جائے گا (حدیث شریف)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

فَلَمَّا	پھر جب	اٰوٰٓى	(تو) اتارا	وَقَالَ	اور کہا
دَخَلُوْا	ملاقات کی انھوں نے	اِلَيْهِ	اپنے پاس	ادْخُلُوْا	چلئے
عَلٰى يُوْسُفَ	یوسف (علیہ السلام) سے	اَبَوَيْهِ	اپنے والدین کو	مِصْرَ	مصر

(۱) رواہ البخاری عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ ص ۴۳۵) (۲) رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (حوالہ بالا)

إِنْ شَاءَ	اگر چاہا	أَحْسَنَ	نیک سلوک فرمایا (اس نے)	رَبِّ	اے میرے پروردگار!
اللّٰهُ	اللہ پاک نے	بِيْ	میرے ساتھ	قَدْ	واقعۃً
اٰمِنِيْنَ (۱)	بے خوف ہوکر	إِذْ أَخْرَجَنِيْ	جب نکالا مجھے	اٰتَيْتَنِيْ	عطا فرمائی آپ نے مجھے
وَرَفَعَ	اور اٹھایا	مِنَ السِّجْنِ	قید خانہ سے	مِنَ الْمُلْكِ (۶)	کچھ حکومت
أَبَوَيْهِ	اپنے والدین کو	وَجَاءَ بِكُمْ	اور لے آیا آپ لوگوں کو	وَعَلَّمْتَنِيْ	اور سکھایا آپ نے مجھے
عَلَى الْعَرْشِ	تخت پر	مِّنَ الْبَدْوِ (۴)	صحرا سے	مِنْ تَأْوِيْلِ	تہ تک پہنچنا
وَخَرُّوْا (۲)	اور گر پڑے وہ	مِنْ بَعْدِ	اس کے بعد	الْأَحَادِيْثِ	باتوں (کی)
لَهٗ	اس کے سامنے	أَنْ نَّزَغَ (۵)	کہ فساد ڈال دیا	فَاطِرَ	اے پیدا فرمانے والے
سُجَّدًا	سجدے میں	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
وَقَالَ	اور کہا	بَيْنِيْ	میرے درمیان	وَالْأَرْضِ	اور زمین کے
يٰأَبَتِ	ابا جان!	وَبَيْنَ	اور درمیان	أَنْتَ وَلِيّٖ	آپ میرے کارساز
هٰذَا	یہ	إِخْوَتِيْ	میرے بھائیوں کے		(سرپرست) ہیں
تَأْوِيْلُ	تعبیر (ہے)	إِنَّ رَبِّيْ	بیشک میرے رب	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
رُءْيَايَ	میرے خواب (کی)	لَطِيْفٌ	باریک تدبیر فرمانے	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت (میں)
مِنْ قَبْلُ (۳)	پہلے والے		والے (ہیں)	تَوَفَّنِيْ	میرا خاتمہ فرمائیے
قَدْ جَعَلَهَا	واقعۃً کر دیا اس کو	لِمَا يَشَاءُ	اس کام کی جو چاہیں وہ	مُسْلِمًا	فرمانبرداری کی حالت
رَبِّيْ	میرے رب نے	إِنَّهٗ هُوَ	بے شک وہی		میں
حَقًّا	سچا	الْعَلِيْمُ	سب کچھ جاننے والے	وَأَلْحِقْنِيْ	اور مجھے ملائیے
وَقَدْ	اور تحقیق	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے (ہیں)	بِالصّٰلِحِيْنَ	نیک بندوں کے ساتھ

(۱) آمِنِيْنَ حال ہے اُدْخُلُوْا کی ضمیر فاعل سے اور اسی کے ساتھ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ کا تعلق ہے (۲) خَرَّ (ن،ض) خَرًّا وَخُرُوْرًا اوپر سے نیچے گرنا، سناٹے سے گرنا (۳) ظرف رُؤْيَايَ سے متعلق ہے (۴) اَلْبَدْوُ اَلْبَادِيَةُ، اَلْبَدَاوَةُ: صحرا، جنگل (۵) نَزَغَ (ف،ض) نَزْغًا بين القوم: فساد ڈالنا، بہکانا، اصلی معنی ہیں جانور کے پہلو یا پچھلے حصے پر لکڑی وغیرہ چبھوکر اکسانا، بھڑکانا، برانگیختہ کرنا (۶) مِنْ تبعیضیہ ہے۔

یوسف علیہ السلام کا واقعہ پورا ہوا

کنعان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانہ مصر روانہ ہوا۔ جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت رَعْمَسِیْسَ تھا، جسے ''جشن کا شہر'' کہتے تھے، کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ارکان دولت کو لے کر جشن کے شہر سے استقبال کے لئے نکلے —— پھر جب ان لوگوں نے یوسف سے ملاقات کی تو آپ نے اپنے والدین کو اپنے پاس اتارا —— یعنی خاص اپنے تنبو میں اتارا اور بھائیوں کو کیمپ میں اتارا —— اور فرمایا: ''مصر چلئے —— ان شاء اللہ —— امن چین سے'' —— یعنی کئی روز تک قیام شہر سے باہر رہا، پھر جب شہر چلنے کا ارادہ ہوا تو والدین سے اور تمام اعزاء سے کہا: اب عزت واحترام کے ساتھ اور ان شاء اللہ بالکل دلجمعی اور راحت کے ساتھ شہر میں تشریف لے چلیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین اور خاندان کو شاہی سواریوں میں بٹھا کر شہر میں لائے اور شاہی محل میں اتارا —— کہتے ہیں کہ وہ دن وہاں جشن کا دن تھا۔ اس لئے عورت، مرد اور بچے سب اس جلوس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے اور سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

جب یہ سب حضرات دارالحکومت میں پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دربار منعقد کیا، تمام درباری اپنی جگہ نشستوں پر بیٹھ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کے والدین کو تخت شاہی پر ہی جگہ دی گئی اور باقی تمام خاندان نے حسب مراتب نیچے جگہ پائی۔ جب دربار کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام شاہی محل سے نکل کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور تمام درباری حسب دستور تخت کے سامنے تعظیم کے لئے سجدے میں گر پڑے۔ یوسف علیہ السلام کے تمام خاندان اور والدین نے بھی یہی عمل کیا۔

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور انھوں نے اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے —— حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن کا خواب یاد آ گیا —— اور فرمایا: ''ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے، جسے میرے پروردگار نے بالکل سچ کر دکھایا!'' —— انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں تو سورج اور چاند تو والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی تھے، آج یہ سب ان کی عظمت واقبال کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

اور (میرے رب نے) میرے ساتھ نیک سلوک کیا، جبکہ مجھے قید خانے سے نکالا —— اور وہ آپ حضرات کو صحرا سے لے آیا، شیطان کے فساد ڈالنے کے بعد میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان —— بیشک میرے پروردگار مخفی تدبیر

فرمانے والے ہیں اس کام کی جو وہ کرنا چاہتے ہیں ــــ بیشک وہی سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں ــــ یہ والدین کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی سرگذشت بیان کی، اور کس قدر صبر وشکر کا مظاہرہ پایا جاتا ہے اس بیان میں! یہ ایک سچے مؤمن کی سیرت کا عجیب دل کش نقشہ ہے۔

غور فرمایئے اگر کسی عام انسان کو اتنے مصائب کا سامان کرنا پڑتا، جتنے مصائب سے حضرت یوسف علیہ السلام گزرے ہیں اور والدین سے اتنی طویل مفارقت کے بعد ملنے کا اتفاق ہوتا تو وہ اپنے والدین کے سامنے اپنی سرگذشت کس طرح بیان کرتا؟ کتنا روتا اور رُلاتا؟ اور کتنی راتیں مصائب کی داستان سنانے میں صرف کرتا؟ مگر یہاں طرفین اللہ پاک کے رسول ہیں ان کا طرزِ عمل کچھ اور ہے!

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زندگی کے تین واقعے ذکر فرمائے ہیں:

① ــــ قید خانے کی تکلیف ــــ مگر قید خانہ میں داخل ہونے کا اور وہاں کی تکالیف کا نام تک نہیں لیا، بلکہ قید خانہ سے نکلنے کا ذکر اللہ پاک کے شکر کے ساتھ کیا۔ آپ نے فرمایا میرے پروردگار نے میرے ساتھ بہت ہی بہتر سلوک فرمایا جبکہ مجھے قید خانے سے نکالا، بادشاہ مصر کی نگاہ میں میری وقعت بڑھادی۔ مکار عورتوں کے الزام سے میری زندگی کو صاف کیا اور مملکت مصر کے دروبست کا مجھے مالک بنادیا ــــ اور ضمناً یہ بھی بتلادیا کہ میں کسی وقت قید خانہ میں بھی رہا ہوں اور قید خانہ کی صعوبتوں کو ہر کوئی جانتا ہے۔

② ــــ طویل مفارقت کے بعد والدین سے ملاقات ــــ یہاں بھی سب باتوں کو چھوڑ کر آخری انجام یعنی والدین سے ملاقات کا ذکر اللہ پاک کے شکر کے ساتھ کیا کہ میرے پروردگار آپ حضرات کو دیہات سے شہر میں لائے۔ دیہات میں معیشت کی آسانیاں کم ہوتی ہیں، اللہ پاک نے آپ حضرات کو شہر میں شاہی اعزازات کے ساتھ پہنچادیا۔

③ ــــ بھائیوں کا ظلم وستم ــــ مگر اس کو بھی شیطان کے حوالے کرکے اس طرح بیان فرمایا کہ میرے بھائی تو ایسے نہ تھے جو یہ حرکتیں کرتے مگر شیطان نے ان کو ورغلا کر ہم میں فساد ڈال دیا۔

اللہ اکبر! یہ اخلاق، پیغمبروں کے سوا کس میں ہوسکتے ہیں کہ مصائب وتکالیف پر صبر ہی نہیں بلکہ ہر جگہ شکر کا پہلو پیش نظر رہتا ہے، اور ہر حال میں شکر خداوندی بجالاتے ہے عام انسان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ پاک کی ہزاروں قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے مگر بھولے سے بھی کسی نعمت کا ذکر نہیں کرتا اور اگر کسی وقت کوئی مصیبت آپڑے تو عمر بھر اس کو گاتا پھرتا ہے۔ قرآن پاک میں عام انسان کا حال یہ ذکر کیا گیا ہے کہ: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴾ بیشک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

اور مخصوص انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ﴿ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ میرے بندوں میں سے شکر گذار بندے بہت ہی کم ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کر دینا چاہا تھا۔ مگر آپ زمانہ کے نرم وگرم حالات سے گذرتے ہوئے دنیوی عروج کی انتہائی تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے وہی بھائی آج ان کے سامنے سرنگوں ہیں، یہ موقع عام دستور کے مطابق فخر جتانے کا ہوتا ہے، مگر اللہ پاک کے پیغمبر اس نازک موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اپنے عروج پر فخر کرنے کے بجائے اللہ پاک کا شکر بجالاتے ہیں۔ بھائیوں کو کوئی ملامت نہیں کرتے بلکہ خود ہی ان کی صفائی اس طرح پیش کرتے ہیں کہ شیطان نے میرے اور ان کے درمیان بگاڑ پیدا کر دیا، پھر اس بگاڑ کے بھی برے پہلو کو چھوڑ کر اس کا اچھا پہلو ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے مجھے جس مرتبہ پر پہنچانا چاہا تھا اس کے لئے یہ لطیف تدبیر فرمائی، یعنی شیطان نے بھائیوں سے جو کچھ کرایا اس میں حکمت الٰہی میں خیر تھی اور اللہ پاک سب کچھ جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

یہ کہنے کے بعد یوسف علیہ السلام بے اختیار اللہ پاک کے سامنے جھک پڑے، اور کہا:—— پروردگار! آپ نے مجھے کچھ حکومت عطا فرمائی اور سخن فہمی کی تعلیم دی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا وآخرت میں آپ میرے سرپرست ہیں، میرا فرمانبرداری کی حالت میں خاتمہ فرمائیں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرمائیں—— اس دعا میں حضرت یوسف علیہ السلام نے دو باتیں ذکر کی ہیں اور دو باتیں مانگی ہیں: انھوں نے اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: مولیٰ! آپ نے مجھے بادشاہی دی اور وہ قابلیت بخشی جس کی بدولت میں آج دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا فرماں روا ہوں، اور آخر میں اللہ پاک سے دو باتیں مانگی ہیں اور اللہ پاک سے اس لئے مانگی ہیں کہ دنیا میں اور آخرت میں ان کے علاوہ ولی اور سرپرست کوئی نہیں؟ غلام اور بچہ اپنے ولی اور سرپرست سے نہ مانگے تو کس سے مانگے؟ آپ نے پہلی چیز یہ طلب کی کہ مولیٰ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں آپ کی بندگی اور غلامی پر ثابت قدم رہوں اور دوسری چیز یہ مانگی کہ جب اس دنیا سے رختِ سفر باندھوں تو مجھے نیک بندوں میں شامل فرمالیجئے۔

اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی تلاوت کر چکے۔ اب اس کے خاتمہ پر چند باتیں جان لینی ضروری ہیں:

یوسف علیہ السلام نے ابا کو اپنی اطلاع کیوں نہیں دی؟

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں ایک بات انتہائی حیرت انگیز یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد کی آنکھیں ان

کی یاد میں روتے روتے سپید پڑ گئیں لیکن تقریباً چالیس سال کے طویل زمانۂ فراق میں ایک بار بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خیال نہ آیا کہ والد ماجد جدائی سے بے چین ہوں گے کم از کم اپنی خیریت کی خبر کسی ذریعے سے ان تک پہنچا دی جائے، خصوصاً اس وقت جب آپ مملکت مصر کے فرماں روا ہو گئے تھے، تو اس وقت تو خود چل کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہونا سب سے پہلا کام ہونا چاہئے تھا اور اگر یہ کسی وجہ سے دشوار تھا تو کم از کم قاصد بھیج کر والد ماجد کو مطمئن کرنا تو معمولی بات تھی۔ مگر پورے واقعہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا ارادہ بھی نہیں کیا، بلکہ جب بھائی غلہ لینے آئے تو ان کو بھی اصل واقعہ کے اظہار کے بغیر ہی رخصت کر دیا ــــ اس حیرت انگیز خاموشی کی وجہ صرف یہ خیال میں آتی ہے کہ اللہ پاک جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے ایسا ہی چاہا تھا اور جب اللہ پاک کوئی بات چاہتے ہیں تو اسی کے مطابق اسباب بنتے چلے جاتے ہیں۔ پس یہ ایک خصوصی واقعہ ہے اس سے کسی کو یہ دلیل نہیں پکڑنی چاہئے کہ اگر کوئی گھر سے گم ہو جائے تو اُسے گھر اطلاع نہیں کرنی چاہئے۔

والدین سے کون مراد ہیں؟

اس واقعہ میں یہ ذکر آیا ہے کہ آپؑ نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس اتارا اور تخت شاہی پر بٹھایا۔ اور روایات میں یہ آیا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے مفسرین کرام کی رائے عام طور پر یہ ہے کہ والدین سے مراد والد ماجد اور خالہ صاحبہ ہیں، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ چونکہ خالہ کو ماں کا ہی درجہ حاصل ہوتا ہے پھر وہ والد ماجد کے نکاح میں بھی تھیں اس اعتبار سے دونوں کو ''والدین'' کہا گیا ہے ــــ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ روایت صرف تاریخی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا ثبوت کچھ نہیں اس لئے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ زندہ تھیں اور مشہور تاریخی روایت معتبر نہیں۔ اس صورت میں ''والدین'' سے مراد حقیقی والدین ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

سجدہ عبادت کی علامت ہے، اس لئے ہماری شریعت میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ آپ کے والدین اور بھائیوں نے درباریوں کے ساتھ آپ کو سجدہ کر کے تعظیم دی ــــ اسی طرح کا سجدہ کرنے کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ہے کہ تمام ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا ــــ علماء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد متعارف سجدہ نہیں، بلکہ مُجرَا (Bow) ہے یعنی جھکنا ــــ وہ کہتے ہیں کہ قدیم تہذیبوں میں یہ عام طریقہ تھا کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یا کسی کا استقبال کرنے کے لئے یا محض سلام کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر آگے کی طرف جھکتے تھے۔ یہ مُجرا کرنا، بندگی، تسلیمات اور

کورنش بجالانا، عربی میں سجود کہلاتا ہے۔

اور جمہور علماء کی یعنی امت کے بیشتر علماء کی رائے یہ ہے کہ سجدہ سے متعارف سجدہ (نماز میں جس طرح سجدہ کیا جاتا ہے) مراد ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدۂ عبادت غیر اللہ کے لئے حرام تھا۔ رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو، صرف تعظیم کے لئے یا سلامی کے لئے یا شکریہ ادا کرنے کے لئے کیا جائے وہ اگلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لئے بھی جائز تھا، البتہ ہماری شریعت میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔

ان دونوں رایوں میں سے جمہور علماء کی رائے ہی صحیح ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ آیا ہے، اور محض جھکاؤ اور خمیدگی کو عربی لغت کے اعتبار سے ''سجدہ'' اگرچہ کہا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے خُرُوْر کا استعمال صحیح نہیں خَرَّ خُرُوْرًا کے معنی ہیں سناٹے سے اوپر سے نیچے کو گر پڑنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں سورۂ ص کے آخری رکوع میں ہے ﴿ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴾ (تو تم گر پڑو ان کے آگے سجدہ میں) آیا ہے قَعُوْا امر حاضر ہے وَقَعَ سے جس کے معنی ہیں گر پڑنا اور یہ بات متعارف سجدہ میں تو ہوتی ہے، محض جھکاؤ اور خمیدگی میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ پس جب قرآن پاک کی آیت سے صاف سجدۂ متعارف سمجھ میں آرہا ہے تو خواہ مخواہ بائبل سے استدلال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بائبل اور تلمود کے اس حصہ کے محفوظ ہونے کی کیا ضمانت ہے؟

ہماری شریعت چونکہ آخری شریعت ہے اور اس کو قیامت تک باقی رکھنا اللہ پاک کو منظور ہے اس لئے ہماری شریعت میں شرک کے تمام چور دروازے بند کر دیئے گئے ہیں چنانچہ:

(الف) سجدہ کرنا خاص عبادت کی علامت قرار دے کر ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔

(ب) غیر اللہ سے حاجتیں مانگنا، شفا چاہنا، منتیں ماننا، مرادیں پوری ہونے کی امید رکھنا اور خیر و برکت کی امید سے ان کا نام لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(ج) غیر اللہ کو اللہ پاک کا بیٹا بیٹی کہنے سے شریعت نے نہایت سختی سے منع کر دیا ہے۔

(د) احبار و رہبان، علماء و مشائخ اور عباد و زہاد کو پروردگار اور حاکم بنانے سے منع گیا کیا ہے، یعنی ان لوگوں کے بارے میں یہ اعتقاد قائم کر لینا کہ جو چیز وہ حلال کہہ دیں وہ نفس الامر میں حلال ہو جاتی ہے اور جس چیز کو وہ حرام بتلا دیں وہ نفس الامر میں بھی حرام ہو جاتی ہے، ایسا اعتقاد قائم کر لینا ان کو رب بنا لینا ہے — البتہ شارع کی نص سے علماء جو تحلیل و تحریم مستنبط کر کے بتائیں اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ وہ ان کا حکم نہیں ہوتا، بلکہ اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے، اور وہ صرف اس کے مستنبط کرنے والے ہوتے ہیں۔

(ہ) غیر اللہ کے نام پر تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرنا یا ذبح کے وقت ان کا نام لینا یا مخصوص تھانوں اور مزاروں پر لے جا کر ذبح کرنا حرام قرار دیا ہے۔

(و) بکرا یا مرغا کسی بت پر یا بزرگ کے نام پر چھوڑنا اور اس ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل کرنا بھی حرام گردانا گیا ہے۔

(ز) کسی انسان کے متعلق اس قسم کا اعتقاد رکھنا کہ اس کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے مال یا اولاد کو سخت ترین نقصان پہنچے گا، یہ اعتقاد بھی باطل ہے، اور ان کے نام کی سچی جھوٹی قسم کھانا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(ح) غیر اللہ کا حج کرنا۔ یعنی بزرگوں کے مزارات اور متبرک مقامات پر جانا اور وہاں جانے اور ٹھیرنے کو تقرب کا ذریعہ سمجھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(ط) اپنی اولاد کا عبدالعزیٰ، عبدالشمس، بندۂ علی، بندۂ حسین وغیرہ نام رکھنا ممنوع ہے۔

(ی) اپنے آقا کو یا پیر کو ربّ کہہ کر پکارنا بھی ناجائز ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

ذٰلِكَ [۱]	یہ	وَمَا كُنْتَ	اور نہ تھے آپ	وَهُمْ	دراں حالے کہ وہ
مِنْ اَنْۢبَآءِ	خبروں میں سے (ہے)	لَدَيْهِمْ	ان کے پاس	يَمْكُرُوْنَ	سازش کر رہے تھے
الْغَيْبِ	غیب (کی)	اِذْ	جب	وَمَآ [۲]	اور نہیں (ہیں)
نُوْحِيْهِ	وحی کر رہے ہیں ہم اس کی	اَجْمَعُوْٓا	بالاتفاق طے کی انھوں نے	اَكْثَرُ النَّاسِ	اکثر لوگ
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اَمْرَهُمْ	اپنی بات	وَلَوْ	اگرچہ

(۱) ذٰلِکَ مبتدا ہے من أنباء الغیب پہلی خبر ہے اور نُوْحِیْهِ دوسری خبر ہے (۲) اکثر الناس اسم ہے ما کا اور ←

حَرَصْتَ	لالچ کریں آپ	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اَفَاَمِنُوْٓا	کیا پس نڈر (مطمئن)
بِمُؤْمِنِیْنَ	ایمان لانے والے	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں)		ہوگئے وہ
وَمَا	اور نہیں	یَمُرُّوْنَ	گذرتے ہیں وہ	اَنْ	اس سے کہ
تَسْئَلُهُمْ	مانگتے ہیں آپ ان سے	عَلَیْهَا	ان پر	تَاْتِیَهُمْ	آپڑے ان پر
عَلَیْهِ	اس پر	وَهُمْ عَنْهَا	دراں حالے کہ وہ اس سے	غَاشِیَةٌ	کوئی محیط آفت
مِنْ اَجْرٍ	کوئی اجرت	مُعْرِضُوْنَ	منہ پھیرنے والے ہیں	مِّنْ عَذَابِ	عذاب سے
اِنْ هُوَ	نہیں (ہے) وہ	وَمَا یُؤْمِنُ	اور نہیں ایمان لائے	اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)
اِلَّا ذِكْرٌ	مگر نصیحت	اَكْثَرُهُمْ	ان کے اکثر	اَوْ تَاْتِیَهُمُ	یا آپہنچے ان کے پاس
لِّلْعٰلَمِیْنَ	سارے جہان والوں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	السَّاعَةُ	قیامت
	کے لئے	اِلَّا وَهُمْ	مگر اس حال میں کہ وہ	بَغْتَةً	اچانک
وَكَاَیِّنْ[1]	اور کتنی ہی	مُّشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہرانے والے	وَّهُمْ	دراں حالے کہ وہ
مِّنْ اٰیَةٍ	نشانیاں (ہیں)		(ہیں)	لَا یَشْعُرُوْنَ	بے خبر ہوں

یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کی حقانیت اور رسول کی صداقت کی دلیل ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت پوری ہوئی، اس واقعہ سے مشرکین مکہ کے اس سوال کا جواب نکل آیا کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا سبب کیا ہوا تھا؟ اور کنعان سے ان کے مصر وارد ہونے کا قصہ کیا ہے؟ اب مکمل اور صحیح جواب مل جانے کے بعد مشرکین کو چاہئے تھا کہ وہ قرآن پاک کی صداقت وحقانیت اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لیتے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور اپنے انکار پر جمے رہے اس لئے قرآن کریم آخر میں ان لوگوں کو فہمائش کرتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں ـــــ یہ (واقعہ) منجملہ اخبار غیب ہے ـــــ یعنی یوسف علیہ السلام کا اور ان کے بھائیوں کا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کا ''بن دیکھا'' واقعہ ہے۔ کیونکہ یہ قصہ آپؐ کے زمانے سے دو ہزار سال پہلے کا ہے ـــــ جو ہم آپؐ پر وحی کر رہے ہیں ـــــ اگر وحی الٰہی کا یہ فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ آپؐ اس واقعہ کی ایک ایک جزئی پر مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے ـــــ کیونکہ دنیا میں گذشتہ واقعات کے علم کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی

← بمؤمنین خبر ہے جس پر با تاکید کے لئے آئی ہے اور وَلَوْ حَرَصْتَ جملہ معترضہ ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔

(۱) کَاَیِّنْ مبتدا ہے مِنْ اٰیَةٍ تمیز ہے فی السموات والارض صفت ہے آیۃ کی اور یمرون خبر ہے۔

وسیلہ بھی حضور پاک ﷺ کے لئے موجود نہ تھا، نہ آپؐ وہاں موجود تھے کہ دیکھ کر بیان فرمادیتے، نہ آپؐ نے کسی سے تعلیم پائی تھی کہ تاریخ کی کتابیں دیکھ کر یا کسی سے سن کر بیان فرمادیتے۔ بجز وحی الٰہی کے اور کوئی وسیلہ اس واقعہ کے علم کا موجود نہ تھا اور اگر موجود ہوتا بھی تو واقعہ کے بعض اجزاء ایسے ہیں کہ بغیر اللہ پاک کے بتائے ہوئے ان کا علم ممکن ہی نہیں، مثلاً ارشاد فرماتے ہیں —— اور آپ ان لوگوں کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انھوں نے بالاتفاق ایک بات طے کی تھی دراں حالے کہ وہ سازش کررہے تھے —— یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا باہم مشورہ کرکے ایک سازش پر متفق ہونا اوران کو کنویں میں ڈالنے کا منصوبہ بنانا اس واقعہ کا ایک ایسا جز ہے جس کو اس زمانہ میں بھی جبکہ وہ واقعہ پیش آیا تھا، سوائے ان بھائیوں کے اور کوئی نہیں جانتا تھا، اس وقت بھی اس منصوبہ کو وہی لوگ جانتے تھے جو منصوبہ بنانے میں شریک تھے۔ ان کے علاوہ کسی کے کان میں اس کی بھنک نہیں پڑی تھی، پس اولاً تو یہ واقعہ آپؐ کے زمانے سے دوہزار سال پہلے کا ہے ثانیاً اگر آپؐ کے زمانہ کا بھی ہوتا تو آپؐ اس وقت ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ منصوبہ بنارہے تھے پھر اس کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنا وحی کے بغیر کیونکر ممکن ہے؟ اس لئے یہ واقعہ حضور ﷺ کی نبوت کی اور قرآن پاک کے وحی ہونے کی واضح دلیل ہے —— اور اکثر لوگ —— خواہ آپ کا کتنا ہی جی چاہے —— ایمان لانے والے نہیں! —— یعنی لوگوں کی ہٹ دھرمی کا عجیب حال ہے، بہت سوچ کر اور مشورے کرکے انھوں نے نبوت کی آزمائش کی، اور بھری محفل میں نبی اکرم ﷺ نے ان کا مطالبہ پورا کیا، مگر وہ اب بھی ماننے کے لئے تیار نہیں —— نبی کریم ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر آپ ان کا مطالبہ پورا کرکے توقع رکھتے ہیں کہ اب تو ان کو تسلیم کرلینے میں کوئی تامل نہ ہوگا تو آپ جان لیں کہ یہ اب بھی ماننے والے نہیں۔ اپنے انکار پر جمے رہنے کے لئے وہ کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈھ لیں گے۔

ہٹ دھرم لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ صداقت کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے کوئی معقول دلیل نہیں چاہتے بلکہ انہیں کسی ایسی دلیل کی تلاش ہوتی ہے جو نہ ماننے کے لئے بہانے کا کام دے سکے۔

آیت پاک میں خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر بلیغ انداز میں مشرکین سے بھی کہا جارہا ہے کہ معقول انسان اگر کسی کا امتحان لیتے ہیں تو اس لئے لیتے ہیں کہ حق ثابت ہوجائے تو اسے مان لیں مگر تم لوگ اپنا منہ مانگا ثبوت مل جانے پر بھی مان کر نہیں دیتے آخر کیوں؟ —— اور آپ ان لوگوں سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتے، وہ تو بس ایک نصیحت ہے تمام جہاں والوں کے لئے —— یعنی غور کرو تمہاری ہٹ دھرمی کس قدر بے جا ہے اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت وتبلیغ کا یہ کام اپنے کسی ذاتی مفاد کیلئے شروع کیا ہوتا تو تمہارے لئے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں؟ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پیغمبر بے غرض ہیں وہ سارے جہان کی بھلائی کیلئے ایک نصیحت کررہے ہیں، ان کا اپنا

کوئی مفاد اس میں پوشیدہ نہیں، پھر تم کھلے دل سے ان کی بات کیوں نہیں سنتے؟

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر وہ لوگ گذرتے ہیں، دراں حالے کہ وہ ان سے منہ پھیرنے والے ہیں — اللہ پاک کی پیدا کی ہوئی کائنات میں غور کرو وہ الوہیت کی دلیل ہے، اس کا ہر ذرہ اور ہر پتہ معرفت کردگار کا ایک دفتر ہے۔ آسمان وزمین کا کونسا گوشہ ایسا ہے جو اللہ پاک کی نشانیوں سے خالی ہے؟ مگر بندگان غفلت کا حال کیا ہے؟ وہ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

قرآن پاک نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان وزمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے اور انسان کو دعوت فکر وعبرت دی ہے۔ کیونکہ جو لوگ کائنات کی چیزوں کو محض چیزیں ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہ دیکھنا نہیں، درخت کو درخت، پہاڑ کو پہاڑ اور پانی کو پانی تو جانور بھی دیکھتے ہیں اگر انسان بھی بس اسی نظر سے ان چیزوں کو دیکھے تو اس کا کیا کمال ہے؟ انسان کو اللہ پاک نے حواس کے ساتھ سوچنے والا دماغ بھی دیا ہے اس سے اس نے کیا کام لیا؟ انسان کو تو چاہئے کہ کائنات کو دیکھ کر حقیقت کی جستجو کرے اور ان نشانیوں کے ذریعہ خالق کائنات کا سراغ لگائے — مگر اکثر انسان اس معاملہ میں غفلت برتتے ہیں، وہ کائنات کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ ان کا مصرف اور استعمال معلوم کرتے ہیں مگر اصل مقصد بھول جاتے ہیں اور منہ پھیرے ہوئے گذر جاتے ہیں — اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ شریک بھی ٹھہراتے ہیں — یعنی اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں تو اس کو شرک کی گندگی کے ساتھ ملوث کر لیتے ہیں۔ وہ خدا پر ایمان کے ساتھ ہی دوسروں کو ان کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں — کوئی اللہ پاک کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتا ہے، کوئی روح ومادہ کی بالادستی کا قائل ہے۔ کوئی احبار ورہبان اور علماء ومشائخ کو خدائی اختیارات دیتا ہے، کوئی تعزیہ پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہے اور کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بتاتا ہے، غرض اکثر لوگ توحید کے چشمۂ صافی کو شرک جلی یا خفی سے آلودہ کرتے ہیں۔

توحید صحیح کیا ہے؟

توحید صحیح اس وقت ہوتی ہے جب درج ذیل باتیں پائی جائیں:

۱- اللہ پاک ہی خالق ہیں — یہ کائنات جس کا ایک فرد ہم ہیں، ازلی اور ابدی نہیں، بلکہ پہلے نہیں تھی، بعد میں پیدا ہوئی ہے، اس کے پیدا کرنے والے تنہا اللہ پاک جل شانہ ہیں۔ انھوں نے بلاشرکت غیرے یہ ساری کائنات بنائی ہے۔ سورۃ الانعام (آیت ۱۰۱) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (اور اللہ پاک نے ہر چیز پیدا فرمائی)

۲- اللہ پاک ہی پروردگار ہیں — اللہ پاک نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کے پالنے والے ہیں، ان

کے سوا کوئی پالنے والا نہیں۔ سورۃ الجاثیہ (آیت ۳۶) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ترجمہ: حمد اللہ پاک ہی کے لئے ہے جو آسمانوں کے پالنہار، زمین کے پالنہار اور تمام کائنات کے پروردگار ہیں۔

۳- اللہ پاک ہی مالک ہیں — تمام کائنات اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے، وہی اس کے پالنے والے ہیں اور وہی تمام چیزوں کے مالک بھی ہیں۔ ان کے سوا کائنات کا یا اس کے کسی جزء کا کوئی مالک نہیں۔ سورۃ البقرہ (آیت ۲۸۴) میں ارشاد پاک ہے کہ: ﴿ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ ترجمہ: اللہ پاک ہی مالک ہیں ہر اس چیز کے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

۴- اللہ پاک ہی کا حکم چلتا ہے — کائنات کے خالق و مالک اللہ پاک قادر مطلق ہیں، وہ جو چاہیں کریں، وہ پوری قدرت رکھتے ہیں وہ اسباب کے سامنے عاجز نہیں، بلکہ وہی مسبب الاسباب ہیں، ظاہری اسباب انہی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ سورۂ یوسف (آیت ۶۷) میں ہے: ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ حکم بس اللہ پاک ہی کا ہے۔

۵- اللہ ہی حاجت روا ہیں — اللہ پاک ہی خالق و مالک ہیں، وہی پالنہار ہیں اور انہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ انہی کے پاس ہے اس لئے وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ سب بندے اللہ پاک کے محتاج ہیں، وہ خود مخلوق ہیں اپنی زندگی تک میں اللہ پاک کے محتاج ہیں۔ سورۃ النمل (آیت ۶۲) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ ﴾ ترجمہ: وہ کون ہے جو مصیبت زدہ کی فریاد سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے؟

اللہ پاک کے سوا کوئی نہیں جو مصیبت زدہ کی فریاد سن کر اس کی مصیبت کو دور کرے، صرف اللہ پاک ہی ہر مشکل کو کھولنے والے ہیں۔

۶- اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں — یعنی پرستش اور بندگی کے حق دار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، انسان کا سر انہی کے آگے جھکنا چاہئے، اسلام کا کلمہ ہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے یعنی معبود اللہ پاک ہی ہیں اور سورۃ الاسراء (آیت ۲۳) میں ہے: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ﴾ ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دیا ہے کہ صرف انہی کی بندگی کرو۔

۷- زندگی اور موت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے — اللہ پاک ہی خالق و مالک اور معبود و پروردگار ہیں انہی کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا رشتہ ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا: ﴿ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ یعنی میرے رب وہ ہیں جو جلاتے ہیں اور مارتے ہیں۔

۸- نفع و نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، اور کسی کے ہاتھ میں نہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اللہ پاک کے

مقرب بندے ہیں، ان کے ہاتھ میں بھی نفع ونقصان نہیں، خود سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا ہے: ﴿ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ (سورۂ جن آیت ۲۱) ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دیں کہ میرے ہاتھ میں تمہارا نفع ونقصان نہیں ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے: ''جب مانگو اللہ پاک سے مانگو، اور جب مدد چاہو اللہ پاک سے چاہو، اور یقین رکھو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ مگر جتنا اللہ پاک نے تمہارے حق میں مقدر فرمادیا ہے، اور اگر سارے لوگ اکٹھے ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر جتنا اللہ پاک نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے''

۹- اللہ پاک ہر چیز کو جاننے والے ہیں ــــ کائنات اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ سورۃ الملک (آیت ۱۴) میں ہے: ﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴾ ترجمہ: بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا جبکہ وہ باریک بیں اور باخبر بھی ہے۔

انسان کا علم بہت محدود ہے۔ کائنات کی بے شمار چیزیں اس کے دائرۂ علم سے باہر ہیں جنہیں صرف اللہ پاک جانتے ہیں، یہ سب چیزیں انسان کے حق میں ''غیب'' ہیں اور غیب کا علم انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی نہیں تھا، وہ غیب کی وہی باتیں جانتے تھے جو وحی کے ذریعہ اللہ پاک ان کو بتلاتے تھے۔

۱۰- اللہ پاک کا کوئی ہمسر نہیں ــــ تمام کائنات مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہیں، سب مملوک ہیں اور اللہ پاک مالک ہیں اس لئے کائنات کی کوئی چیز اللہ پاک کی ہمسر نہیں ہوسکتی۔ ارشاد باری ہے: ﴿ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ اور کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے۔

۱۱- اللہ پاک کی بیوی نہیں ــــ میاں بیوی کا تعلق وہاں ہوتا ہے جہاں کم از کم تین باتیں پائی جائیں: (الف) ایک ہستی دوسری ہستی کی محتاج ہو (ب) شہوانی جذبات موجود ہوں (ج) میاں بیوی دونوں ہم جنس ہوں ــــ اور اللہ تعالیٰ ان تینوں باتوں سے پاک ہیں، وہ کسی کے محتاج نہیں، وہ شہوانی جذبات نہیں رکھتے، اور کوئی ان کا ہم جنس بھی نہیں، اس لئے اللہ پاک کی بیوی نہیں، سورۂ جن میں ہے: ﴿ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴾ ترجمہ: اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، انھوں نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا اور نہ کسی کو اولاد۔

۱۲- اللہ کا بیٹا بیٹی نہیں ــــ بیٹا بیٹی کا تصور بیوی اور شہوانی تعلقات سے پیدا ہوتا ہے اور اللہ پاک جل شانہ نہ شہوانی جذبات رکھتے ہیں نہ ان کی بیوی ہے پھر ان کے لئے اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ یا اولاد کا خواہش مند وہ ہوتا ہے جو کمزور اور

محتاج ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد سہارا بن سکے، اور اللہ پاک قادر مطلق، غنی مطلق اور ہر چیز کے مالک ومختار ہیں پھر ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ —— یا اولاد کا آرزو مند وہ شخص ہوتا ہے جس کو چند روز کے بعد مرنا ہے تاکہ اولاد کے ذریعہ اس کا نام قائم رہے، جبکہ اللہ تعالیٰ سدا زندہ رہنے والے ہیں پس ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ سورۃ الانعام (آیت ۱۰۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ ترجمہ: لوگوں نے بغیر دلیل کے خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں گھڑ لیں، اللہ تعالیٰ پاک وبرتر ہیں ان باتوں سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں

۱۳- اللہ تعالیٰ اوتار نہیں لیتے —— کیا یہ بات اللہ پاک کے شایانِ شان ہے کہ وہ مخلوقات کی طرح ماں کے پیٹ میں رہیں، پیدا ہوں، پرورش کئے جائیں ان کا جسم ہو، وہ کھائیں پیئیں، قضائے حاجت کریں، بیوی بچے رکھیں، دکھ درد سہیں اور مصیبتیں اٹھائیں، انسانی اور حیوانی جذبات ہوں، پھر وہ مر جائیں یا مار دیئے جائیں، یا خودکشی کرلیں؟ توبہ! توبہ! ان میں سے کوئی بات بھی خالق کائنات کے شایانِ شان نہیں ہے اس لئے وہ اوتار نہیں لیتے —— حقیقت یہ ہے کہ لوگ جب مذہبی پیشواؤں کی عقیدت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو انھیں خدائی صفات کا حامل سمجھ بیٹھتے ہیں پھر انہیں بعینہٖ خدا قرار دے دیتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ قائم کرلیتے ہیں کہ اللہ پاک نے انسان کی شکل میں اوتار لیا۔

۱۴- اللہ پاک ہی قانون دینے والے ہیں —— اللہ پاک انسان کے خالق اور مالک ہیں اس لئے انہی کو انسان کے لئے قانون بنانے کا حق ہے۔ ان کے سوا کسی کو یہ حق نہیں، علماء ومشائخ، عباد وزہاد یا سیاسی راہنماؤں کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ علماء ومشائخ جس چیز کو حلال قرار دیں اُسے حلال سمجھ لینا، اور جسے وہ حرام قرار دیدیں اُسے حرام مان لینا، ان کو رب بنانا ہے، جو شرک ہے۔

۱۵- اللہ پاک کے سامنے اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا —— کسی کے بارے میں یہ خیال کرلینا کہ وہ اللہ پاک کے یہاں اُن کی سفارش کریں گے اور اللہ پاک کی گرفت سے بچالیں گے۔ یہ شرک ہے کیونکہ اللہ پاک کے یہاں اس طرح کی کسی سفارش کا کوئی امکان نہیں، نہ وہ کسی کا دباؤ قبول کرتے ہیں نہ انھیں دھوکہ دے کر غلط فیصلہ کرایا جاسکتا ہے۔

یہ ہے اسلام کا تصور توحید اور قرآن پاک اسی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اکثر لوگوں کا جو حال ہے کہ وہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اسکا شریک بھی ٹھہراتے ہیں، یہ خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہے، سچی خدا پرستی یہ ہے کہ دعاء واستعانت، رکوع وسجود عجز ونیاز، اعتماد وتوکل، عبادت ونیاز مندی، کارسازی وکبریائی صرف اللہ پاک ہی کے لئے مخصوص سمجھی جائے، منہ سے تو سبھی کہتے ہیں کہ خالق ومالک سب کے اللہ پاک ہیں مگر پھر اوروں کو بھی پکڑتے ہیں۔

سب کو یہ مسلم ہے کہ معبود وہی ہے ❁ کم ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

اس کے بعد مشرکین مکہ کو چونکایا جارہا ہے —— کیا تو وہ نڈر ہوگئے اس بات سے کہ ان پر عذاب خداوندی کی کوئی گھیرنے والی آفت آپڑے! یا اچانک ان کے پاس قیامت پہنچ جائے اور وہ بے خبر ہوں؟ —— یعنی زندگی کو دراز سمجھ کر اور حال کے امن کو دائمی خیال کر کے فکر مآل کو کسی آنے والے وقت پر نہ ٹالو تمہارے پاس کیا ضمانت ہے کہ تم فلاں وقت تک یقیناً زندہ رہو گے؟ انسان کو کچھ معلوم نہیں کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہوا ہے کب اُسے کوئی ناگہانی آفت آگھیرے، کب موت سر پر آکھڑی ہو یا کب قیامت اچانک آپہنچے، پھر وہ کف افسوس ملتا رہ جائے۔ لہٰذا جو کچھ فکر کرنی ہے آج کرلو۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١١١﴾

قُلْ هٰذِهٖ (۱)	کہیں: یہ	اَدْعُوْٓا (۲)	بلاتا ہوں میں	عَلٰي بَصِيْرَةٍ (۳)	بصیرت کے ساتھ
سَبِيْلِيْٓ	میرا راستہ (ہے)	اِلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف	اَنَا	میں (بھی)

(۱) هٰذِهٖ کا مشار الیہ ''ملت اسلام'' ہے، هٰذِهٖ مبتدا اور سَبِيْلِيْ خبر ہے (۲) یہ مستقل دوسرا جملہ ہے اَدْعُوْ فعل بافاعل اِلَى اللّٰهِ متعلق اَدْعُوْا سے (۳) عَلٰى بَصِيْرَةٍ خبر مقدم ہے اور اَنَا مع اپنے معطوف کے مبتدا مؤخر ہے اور یہ تیسرا مستقل جملہ ہے ایک ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عَلٰى بَصِيْرَةٍ متعلق ہو اَدْعُوْا سے اور اس کی ضمیر فاعل کی تاکید ضمیر فصل اَنَا سے لاکر اس پر وَمَنْ الخ کا عطف کیا جائے۔ مگر رسول پاک ﷺ نے اِلَى اللّٰهِ پر وقف فرما کر دو جملے علاحدہ علاحدہ کردیئے ہیں اس لئے پہلی ہی ترکیب زیادہ مناسب ہے۔

وَمَنِ	اور جنھوں نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اسْتَيْئَسَ	ناامید ہو گئے
اتَّبَعَنِيْ	میری پیروی کی	فَيَنْظُرُوْا	کہ دیکھتے	الرُّسُلُ	رسول
وَسُبْحٰنَ	اور پاک ہیں	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	وَظَنُّوْٓا (۳)	اور خیال کیا انھوں نے
اللّٰهِ	اللہ پاک	عَاقِبَةُ	انجام	اَنَّهُمْ	کہ وہ
وَمَآ اَنَا	اور نہیں (ہوں) میں	الَّذِيْنَ	ان کا جو	قَدْ	واقعۃً
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والوں	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	كُذِبُوْا (۴)	جھوٹی خبر دیئے گئے
	میں سے	وَلَدَارُ	اور البتہ گھر	جَآءَهُمْ	پس پہنچی ان کو
وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	الْاٰخِرَةِ	آخرت (کا)	نَصْرُنَا	ہماری مدد
مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	خَيْرٌ	بہتر (ہے)	فَنُجِّيَ (۵)	پس بچائے گئے (نجات
اِلَّا رِجَالًا (۱)	مگر مردوں (کو)	لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے		دیئے گئے)
نُّوْحِيْٓ	وحی بھیجتے تھے ہم	اتَّقَوْا	پرہیز کیا	مَنْ	وہ جن کو
اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	اَفَلَا	کیا پس نہیں	نَّشَآءُ	چاہا ہم نے
مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى	بستی کے رہنے والوں	تَعْقِلُوْنَ	سمجھتے ہو تم؟	وَلَا يُرَدُّ	اور نہیں پھیرا جاتا
	میں سے	حَتّٰٓى (۲)	(پس ان کو مدد پہنچنے میں	بَاْسُنَا	ہمارا عذاب
اَفَلَمْ	کیا پس نہیں		دیر ہوئی) یہاں تک کہ	عَنِ الْقَوْمِ	لوگوں سے
يَسِيْرُوْا	چلے پھرے وہ	اِذَا	جب	الْمُجْرِمِيْنَ	مجرم

(۱) رِجَالاً مستثنیٰ ہے نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ صفت ہے رِجَالاً کی۔ موصوف صفت مل کر مضاف ہیں مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کی طرف اور اضافت بواسطہ مِنْ ہے (۲) حَتّٰى غایت ہے فعل محذوف کی جو آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ سے سمجھا جاتا ہے ای فَتَرَاخٰى نَصْرُهُمْ حَتّٰى اِذَا الخ (۳) ظَنُّوْا کی ضمیر فاعل الرُّسُلُ کی طرف راجع ہے، امت دعوت کی طرف راجع نہیں، کیونکہ اس صورت میں انتشار ضمائر لازم آئے گا (۴) كُذِبَ الرَّجُلُ: جھوٹی خبر دیا جانا وأخرج ابن جرير وابن المنذر والطبرانی وابو الشيخ وابن مَرْدَوَيْه عن عبد اللّٰهِ بن ابی مُلَيْكَةَ رضی الله عنه أن ابن عباس رضی الله عنهما قرأها وظنوا انهم قد كذبوا مخففة يقول: أُخْلِفُوْا وَقَالَ ابن عباس رضی الله عنهما، وكانوا بشرًا — وتلا: حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ الخ (الدر المنثور ج۴ ص۴۰) (۵) نُجِّيَ فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب مصدر تَنْجِيَةً: بچانا، نجات دینا — مَنْ نَّشَآءُ نائب فاعل ہے۔

لَقَدْ كَانَ	بخدا تحقیق ہے	يُّفْتَرٰى	بناوٹی (گھڑی ہوئی)	وَ تَفْصِيْلَ	اور تفصیل (ہے)
فِيْ قَصَصِهِمْ (۱)	ان کے قصوں میں	وَلٰكِنْ	بلکہ	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز (کی)
عِبْرَةٌ	عبرت ہے	تَصْدِيْقَ	تصدیق (ہے)	وَّهُدًى	اور راہ نمائی
لِّاُولِي الْاَلْبَابِ	عقل والوں کے لئے	الَّذِيْ	ان (وحیوں) کی جو	وَّ رَحْمَةً	اور مہربانی
مَا كَانَ	نہیں ہے (وہ)	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے (نازل	لِّقَوْمٍ	یقین کرنے
حَدِيْثًا	بات		ہوچکی) ہیں	يُّؤْمِنُوْنَ	والوں کے لئے

آخری سات باتیں

اب سورت کا آخری مضمون شروع ہوتا ہے، اللہ پاک کا فضل وکرم ہے کہ ہم سورۂ یوسف کی تلاوت سے فارغ ہو رہے ہیں، اس لئے آیئے اب توفیق خداوندی سے یہ آخری مضمون بھی سمجھ لیں ــــ سورت کے خاتمہ میں اللہ پاک جل شانہ سات باتیں بیان فرماتے ہیں:

۱- توحید ــــ دین اسلام توحید کا یعنی سچی خدا پرستی کا نام ہے اور توحید کی دعوت بے دلیل نہیں دی جارہی بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ دی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہیں، اس لئے توحید کے قائل بندے بھی مشرکوں سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

۲- رسالت ــــ یعنی اللہ پاک نے ہمیشہ انسانی بستیوں کے رہنے والے مردوں ہی کو نبی بنا کر بھیجا ہے آسمان کے فرشتوں کو کبھی بھی مبعوث نہیں فرمایا۔

۳- رسولوں کی تکذیب کا انجام ــــ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرنے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔

۴- تقوی کا صلہ ــــ پرہیزگاری اور سلامت روی اختیار کرنے کا صلہ آخرت میں ملے گا دنیا میں اس کا صلہ ملا تو کیا اور نہ ملا تو کیا۔ یہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے۔

۵- نصرت خداوندی ــــ مؤمنین کو دنیا میں بھی مدد خداوندی ضرور پہنچتی ہے اور ان کے ستانے والوں کو سزا ضرور ملتی ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ پاک کے قانون میں ڈھیل ہے، پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئی تھیں، اتنی لمبی کہ حالات وآثار پیغمبروں کے لئے یاس انگیز ہوگئے تھے مگر بالآخر مدد خداوندی آئی، لہٰذا تاخیر عذاب سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ نہ نصرت خداوندی کے لئے جلدی مچانی چاہئے۔

(۱) قَصَص کی تحقیق کے لئے دیکھئے سورۂ یوسف آیت نمبر تین کا حاشیہ۔

۶-انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سرگذشتوں سے عبرت پذیر ہونے کی تلقین —— انبیاء علیہم السلام اوران کی قوموں کی سرگذشتوں میں مؤمنین کے لئے بھی سبق ہے اور تکذیب کرنے والوں کے لئے بھی، پس عقل مندوں کو ان سے سبق لینا چاہئے۔

۷-قرآن پاک اللہ کا کلام ہے—— قرآن پاک کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے کیونکہ اس کے چار اوصاف ہیں جو کبھی افتراء کے اوصاف نہیں ہوسکتے۔

اولاً:—— وہ پچھلی سچائیوں کی تصدیق کرتی ہے، اگر بناوٹ ہوتی تو وہ پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتی۔

ثانیاً:——اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے، ہر ضروری بات کو اس میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

ثالثاً:—— وہ لوگوں کو اللہ پاک تک پہنچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے اور انسانوں کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔

رابعاً:—— وہ مؤمنوں کے لئے پیام رحمت ہے۔انہیں ہر طرح کی نامرادیوں سے نجات دیتا ہے اور کامیابیوں کا مژدہ سناتا ہے۔

آیئے اب آیات پاک کی تلاوت کریں اور ان سات باتوں کو ذرا تفصیل سے سمجھیں:

۱-دین اسلام توحید کا داعی ہے

آپ فرمادیجئے کہ یہ (دین اسلام) میرا راستہ ہے، میں (سب لوگوں کو) اللہ پاک کی طرف بلاتا ہوں، پوری روشنی میں ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے۔اور اللہ تعالیٰ پاک ہیں۔اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

یعنی آپ اعلان کردیجئے کہ میرا طریق دین اسلام ہے میں سب لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں، اور میں نے اور مجھ پر ایمان لانے والوں نے اس راستہ کو علم ویقین کے ساتھ اختیار کیا ہے، ہم اس سیدھے راستہ پر دلیل و برہان اور حجت وبصیرت کی روشنی میں چل رہے ہیں، یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں——اور اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہیں اور ان کمزوریوں سے بھی پاک ہیں جو عقیدۂ شرک کی بنا پر لازماً ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان عیوب اور برائیوں سے بھی پاک ہیں جو شرک کا نتیجہ ہیں —— اور شرک کرنے والوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، ہم ان سے بیزار ہیں کیونکہ وہ اللہ پاک کے منکر ہیں اور ان کے احکام کی پروا نہیں کرتے اس لئے ہم ان کے طریقہ کے منکر ہیں اور ذرہ برابر ان کی پروا نہیں کرتے۔

اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ توحید کی راہ علم ویقین پر مبنی ہے، جہل وگمان پر اس کا مدار نہیں اس کی تفصیل آئندہ سورت میں آرہی ہے، اس میں توحید اور اس کے تقاضوں پر سیر حاصل گفتگو ہے، بلکہ قرآن پاک کا اکثر حصہ اس مضمون

کے لئے وقف ہے۔

۲-رسول ہمیشہ انسان آئے ہیں

اور آپ سے پہلے ہم نے آبادیوں کے رہنے والے مردوں ہی کو مبعوث فرمایا ہے، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے—— یہ مسئلۂ رسالت پر ایک شبہ کا جواب ہے لوگ رسول اللہ ﷺ کی بات کی طرف اس لئے توجہ نہیں کرتے تھے کہ ان کے خیال میں اللہ پاک کا رسول اور پیغمبر فرشتہ ہونا چاہئے، انسان رسول نہیں ہوسکتا، بھلا جو شخص کل ان کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان پلا بڑھا اور وہ ان میں بہت سوں سے عمر میں بھی چھوٹا ہے اس کے متعلق یہ کیسے مان لیا جائے کہ اللہ پاک نے اُسے اپنا رسول مقرر کردیا ہے۔

اللہ پاک اس آیت پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی انوکھی بات نہیں، انسانوں کے لئے اللہ کا رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتا آیا ہے۔ آپؐ سے پہلے بھی اللہ پاک اپنے نبی بھیج چکے ہیں، جو سب انسان ہی تھے، فرشتوں کو نبی بنا کر اللہ پاک نے کبھی نہیں بھیجا۔

اور اشارۃً آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ نبی ہمیشہ مرد ہوئے ہیں، کوئی عورت کبھی نبی بنا کر نہیں بھیجی گئی اور دوسری یہ کہ اللہ پاک نے بستیوں کے رہنے والوں کو نبی بنا کر بھیجا ہے، جنگلی گنواروں میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا کیونکہ مرد ہی نبوت کا کام صحیح طور پر انجام دے سکتے ہیں اور آبادیوں کے باشندے ہی علم وفہم کے حامل ہوتے ہیں۔ اور نبوت کا مدار علم پر ہے۔

۳-تکذیب رسول کا انجام

تو کیا وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو اُن سے پہلے ہو چکے ہیں؟—— یعنی دیکھ لو جن قوموں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اپنے بے بنیاد تخیلات پر جمے رہے ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا تم اپنے تجارتی سفروں میں عاد، ثمود، مدین اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہ شدہ بستیوں سے نہیں گذرے؟ کیا تمہیں وہاں کوئی سبق نہیں ملا؟ یہ انجام جو انھوں نے دنیا میں دیکھا رسولوں کے انکار کا نتیجہ تھا۔ پس تمہیں ان کے مآل سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

۴-ایمان وتقوی کا صلہ

اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے پس کیا تم سمجھتے نہیں؟—— آیت کا روئے سخن تکذیب کرنے

والوں کی طرف ہے، جو غریب مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارے خیال کے مطابق تمہارا دین ہی صحیح دین ہے اور ہمارا دھرم باطل ہے مگر تمہاری اور ہماری موجودہ حالت اور پوزیشن اس کی تائید نہیں کرتی، کیا ہمارے مکانات، فرنیچر، کاروبار اور بود و باش کا سامان تم سے بہتر نہیں؟ ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں، تم سے زیادہ خوش حال ہیں! اگر تم حق پر ہوتے تو اللہ پاک نے تمہیں تمہاری نیکی کا صلہ کیوں نہیں عطا فرمایا؟ ـــــ قرآن پاک کفار کے اس مغالطہ کا جواب دیتا ہے کہ دنیا کی چندروزہ نعمت و دولت اللہ پاک کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں، دنیا کی زندگانی اور اس کا ساز و سامان تو دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کی حقیقت کھیل تماشے سے زیادہ نہیں:

جو ہیں اہل بصیرت اس تماشہ گاہ ہستی میں ❁ طلسمی زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

بلکہ مؤمنوں کو ان کی نیکی کا صلہ آخرت میں ملے گا اور آخرت کا دائمی اور ابدی صلہ دنیا کے چندروزہ عیش سے کہیں بہتر ہے۔ پس کیا تم سمجھتے نہیں؟

سمجھنا چاہئے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور آخرت جاودانی ہے اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی ہو جائے گا یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی عطا فرمائی جائے گی، پس وہاں اللہ پاک کے خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ نیز آخرت کی نعمتیں اور لذتیں دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے بے انتہا بہتر اور برتر ہیں بلکہ وہی اصلی نعمتیں اور لذتیں ہیں اور دنیا کی چیزوں کو اُن سے کوئی نسبت نہیں۔ پس انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہونی چاہئے۔

۵- مؤمنین کو دنیا میں بھی مدد خداوندی ضرور پہنچتی ہے

(رسولوں کو مدد پہنچنے میں تاخیر ہوئی) یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور انھیں خیال آنے لگا کہ واقعی وہ صحیح خبر نہیں دیئے گئے، تب اُن کو ہماری مدد پہنچی، پھر جن کو ہم نے چاہا بچالیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب پھیرا نہیں جاتا ـــــ یعنی مدد خداوندی پہنچنے میں تاخیر ہونے سے اور تکذیب کرنے والوں کو سزا ملنے میں ڈھیل ہونے سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ پہلی قوموں کو بھی لمبی لمبی مہلتیں دی گئی تھیں اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوتی تھی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک کے لئے حالات یاس انگیز ہو جاتے تھے اور بمقتضائے بشریت انہیں خیال آنے لگتا تھا کہ ہماری بات سچی نہ نکلی! جب نوبت یہاں تک پہنچتی تب نصرت خداوندی متوجہ ہوتی اور تکذیب کرنے والوں پر عذاب نازل ہوتا، اور فرماں بردار مؤمنین عذاب سے بچ جاتے اور تکذیب کرنے والے ہلاک ہوتے، پس یقین کرنا چاہئے کہ اللہ پاک کا عذاب ضرور آئے گا، چاہے تاخیر سے کیوں نہ آئے۔

آیت پاک کا یہ مطلب ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک ارشاد سے سمجھا گیا ہے آپؓ نے ﴿وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ کی تفسیر میں اُخْلِفُوْا فرمایا ہے یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خیال آنے لگا کہ وہ وعدہ خلافی کئے گئے یعنی اللہ پاک نے ان سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ثابت نہ ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی تفسیر کی تائید میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۱۴) تلاوت فرمائی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ''تم سے پہلے جو مؤمنین گزرے ہیں ان پر ایسی تنگیاں اور سختیاں آئیں، اور ان کو آزمائشوں سے یہاں تک جنبش دی گئی کہ پیغمبر اور ان کے ہمراہی بول اٹھے کہ: اللہ پاک کی مدد کب آئے گی؟ یاد رکھو اللہ پاک کی مدد نزدیک ہے'' —— یعنی پچھلی امتوں کو اس قدر ایذائیں پہنچیں کہ مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ پاک نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آتی ہے؟ یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں زبان سے مایوسی کے کلمات نکل گئے، جب تشویش یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ پاک کی مدد آیا ہی چاہتی ہے۔ دنیا کی تکلیفوں سے اور دشمنوں کی شرارتوں سے گھبراؤ نہیں، تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

یہاں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ پاک کی رحمت و مہربانی سے مایوس ہو جانا کفر ہے، اسی سورت کی آیت (۸۷) میں ہے کہ اللہ پاک کی مہربانی سے بس کافر ہی مایوس ہوتے ہیں لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں، یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے مایوسی نہیں، ﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ﴾ میں یہی مایوسی مراد ہے جو ظاہری حالات کے اعتبار سے ہے، ورنہ پیغمبر اللہ پاک کی رحمت سے واقعۃً کب مایوس ہو سکتے ہیں؟ —— جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی زبان مبارک سے انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں بے ساختہ نکل گیا کہ ''اگر میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑے ہوتا'' حالانکہ وہ بے سہارا نہیں تھے۔ اللہ پاک کی مضبوط اور مستحکم پناہ میں تھے مگر اس وقت گھبراہٹ اور بے چینی کی وجہ سے اُدھر خیال نہ گیا، بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی، جس میں ان پر کوئی الزام نہیں —— یا جیسے حدیث شریف میں واقعہ ہے کہ بعثت نبوی کے آغاز میں جب وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہوا تو نبی اکرم ﷺ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور آپؐ اس قدر تنگ دل اور پریشان ہوئے کہ کئی صبح تشریف لے جاتے تاکہ اونچے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرادیں مگر جب بھی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو گرادیں تو آپ کے سامنے حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے: ''اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ پاک کے برحق رسول ہیں'' اس سے آپؐ کا جوش تھم جاتا اور دل مطمئن ہو جاتا[1]

(۱) رواہ البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۲) لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام زہریؒ کے بلاغات میں سے ہے، امام زہری کی مرسل روایتیں ضعیف ہوتی ہیں، تفصیل تحفۃ القاری جلد گیارہ صفحہ ۳۰ میں ہے۔

ظاہر ہے کہ خودکشی حرام ہے،لیکن اگر کسی کو نہایت پریشانی کی حالت میں خودکشی کا خیال آئے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک نے میری امت کی اُن باتوں سے درگذر فرمایا ہے جو وسوسہ کے درجہ میں دل میں آتی ہیں، جب تک کہ اُسے نہ کرے، یا نہ بولے (مؤاخذہ نہیں، ہاں جب کوئی برا کام کرگذرے یا بری بات کو بول دے تب مؤاخذہ ہوتا ہے)[1] — بلکہ کفر کا وسوسہ بھی کفر نہیں نہ کسی درجہ میں ایمان کے منافی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم اپنے دلوں میں (بے اختیار) ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے زبان پر لاوے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم ایسا پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کیا: ''ہاں'' اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ (یہ تو کھلا ایمان ہے)[2]

خلاصہ یہ ہے کہ مدد خداوندی سے انبیاء علیہم السلام کی یہ ناامیدی حقیقی نہیں، بلکہ صرف اسباب ظاہری کے اعتبار سے ہے جو کسی درجہ میں ناجائز اور بری نہیں، اور یہ خیال ہونے لگنا کہ اللہ پاک نے اُن سے جو مدد کا وعدہ فرمایا تھا وہ سچا ثابت نہ ہوا۔ یہ خیال وسوسہ کے درجہ میں تھا جو کسی درجہ میں بھی ایمان یا عصمت کے منافی نہیں۔[3]

البتہ اس سے حالات کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور نصرت خداوندی کے پہنچنے کا ضابطہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ وہ قوموں کو سنبھلنے کے لئے بڑی سے بڑی مہلتیں دیتے ہیں اور مؤمنوں کی کڑی سے کڑی آزمائشیں کرتے ہیں تب ان کے وعدے پورے ہوتے ہیں پس مدد خداوندی پہنچنے میں تاخیر سے مؤمنوں کو پریشان نہیں ہونا چاہئے نہ جی چھوڑنا چاہئے اور سزا ملنے میں ڈھیل سے تکذیب کرنے والوں کو دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اللہ پاک کا عذاب مجرموں سے کبھی ٹل نہیں سکتا۔

۶- انبیاء کے واقعات میں عبرت کا پہلو

بخدا ان کے واقعات میں اہل دانش کے لئے یقیناً عبرت کا سامان ہے — یعنی گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی اور ان کی قوموں کی سرگذشتوں میں عقل مندوں کیلئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ وہ دنیا کے ساز وسامان میں اور شان ونمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں مگر جب انھوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکذیب کو اپنا شعار بنا لیا تو اللہ پاک نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام

(۱) حدیث متفق علیه عن ابی هريرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص ۱۸)(۲) رواه مسلم عن أبی هريرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص ۱۸)(۳) هدية الشيعه (نانوتوی رحمہ اللہ) ص ۳۳۲

کی قوموں کا جب پارہ چڑھ گیا تو ایسی ملیامیٹ ہوئیں کہ کوئی رونے والا بھی باقی نہ رہا۔ پس اے عقل مندو! عبرت پکڑو کہ عبرت کی جا ہے!

۷۔قرآن پاک اللہ کا سچا کلام ہے اس کی چار خصوصیات ہیں

وہ (قرآن پاک) کوئی بناوٹی بات نہیں ــــ یعنی انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتیں قرآن پاک نے بیان فرمائی ہیں۔ اور قرآن کریم کوئی افسانہ یا ناول نہیں ہے بلکہ اس نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ تاریخی حقائق ہیں پس عقل مندوں کو ان واقعات سے سبق لینا چاہئے۔

قرآن پاک کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ بناوٹی نہیں، بلکہ اللہ پاک کی جانب سے نازل شدہ ہے؟ ــــ وہ چار خصوصیات ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) ــــ بلکہ وہ ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں ــــ یعنی قرآن پاک پچھلی تمام وحیوں کے مطابق ہے۔ ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اصولی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں، قرآن پاک نہ صرف ان کی تصدیق کرتا ہے بلکہ وہ بھی وہی تعلیمات پیش کرتا ہے اگر قرآن پاک بناوٹی ہوتا تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتا ــــ نیز پچھلی تمام وحیوں نے قرآن پاک کی پیشین گوئی کی ہے اب اُن پیشین گوئیوں کے مطابق قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ تمام کتابیں جھوٹی ہو کر رہ جاتیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک بناوٹی نہیں، بناوٹ کی پشت پر پیشین گوئیوں کی تائید کبھی نہیں ہوتی۔

(ب) ــــ اور ہر چیز کی تفصیل ہے ــــ یعنی قرآن پاک میں ہر اُس چیز کی تفصیل ہے جو ہدایت و رہنمائی کے لئے ضروری ہے اس میں دین کی تمام بنیادی باتوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ہر بات اس طرح مکمل و مدلل ہے کہ کسی طرح کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ''ہر چیز'' سے مراد دین اور ہدایت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہے، دنیا بھر کی چیزیں مراد نہیں ہیں، جو لوگ اس خبط میں ہیں کہ قرآن پاک میں سب کچھ ہے اور ہر علم کے سوتے قرآن پاک سے نکلتے ہیں پھر جب قرآن پاک میں طب، ریاضی اور سائنس اور دوسرے علوم و فنون کی تفصیل نہیں پاتے تو سرگرداں رہتے ہیں، وہ غور کریں کہ اگر قرآن پاک میں ہر علم موجود ہوتا تو پھر یہ کیا بات ہے کہ جب انسان اپنی کاوش سے کوئی علم دریافت کرتا ہے تب لوگ قرآن پاک میں سے اُس کے اشارے ڈھونڈھ نکالتے ہیں؟ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ قرآن پاک کی بنیاد پر کوئی نیا علم مدون کیا جائے؟ واقعہ رونما ہونے کے بعد قرآن پاک میں سے اشارے ڈھونڈھ نکالنے سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک میں

اُس فن کی جملہ تفصیلات موجود ہیں؟

بلکہ خود اللہ پاک جل شانہ نے سورۃ البقرہ (آیت ۱۸۵) میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ﴾

ترجمہ: ماہ رمضان میں قرآن پاک اتارا گیا ہے، جو تمام لوگوں کے لئے رہنمائی ہے، اور جس میں ہدایت کے واضح دلائل ہیں اور جو حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔

اس آیت پاک سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن پاک میں ہدایت کے واضح دلائل ہیں اور انہی کی پوری تفصیل ہے۔

(ج)——اور راہ نمائی ہے——یعنی قرآن پاک پوری انسانیت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کو اللہ پاک تک پہنچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔

(د)——اور ایمان لانے والوں کے لئے پیام رحمت ہے——جو مکہ کے بوجہل اور تاریک ماحول میں نازل ہوکر رسول اللہ ﷺ کو اور ایمان لانے والوں کو عظیم، تابناک اور شاندار مستقبل کی بشارت سناتا ہے اور انہیں جنت کی جاودانی زندگی کی خوش خبری دیتا ہے۔

پس غور کرو جس کتاب میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہو، عبادات و معاملات، اخلاق و معاشرت، حکومت و سیاست؛ غرض انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملہ سے متعلق اس میں واضح احکامات و ہدایات موجود ہوں، جو ساری کائنات کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتی ہو اور جو ایمان لانے والوں کیلئے پیام رحمت ہو وہ کبھی بناوٹی اور گھڑی ہوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔

اور یہ قرآن پاک کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل بھی ہے۔ اگر ایک شخص دعوی کرے کہ وہ ماہر طبیب ہے تو اس کے دعوے کو جانچنے کا سہل ترین راستہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر موت کے آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ سے تندرست ہوکر نکلیں تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے——اب اس کسوٹی پر قرآن پاک کے دعوے کو جانچئے، کیا مریضان قلب وروح مسلسل اس کی ہدایت سے شفایاب نہیں ہوتے رہتے؟ پھر اس کے راہ نما ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟

پس ثابت ہوا کہ قرآن پاک بناوٹی اور گھڑی ہوئی کتاب نہیں، قرآن پاک جس قسم کی چیز ہے ایسی چیز اللہ پاک کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہوکر چاہیں کہ قرآن پاک کے مانند کوئی کلام پیش کردیں تو وہ کبھی پیش نہیں کرسکیں گے، اگر چہ اُن میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو[1]

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل آیت (۸۸) اس مضمون کی مزید وضاحت سورۂ یونس آیت نمبر ۳۷ و ۳۸ اور آیت ۵۷ و ۵۸ میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الرعد

نمبرشمار ۱۳ نزول کانمبر ۹۶ نزول کی نوعیت مکی-مدنی رکوع ۶ آیات ۴۳

اس سورت کا کچھ حصہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوا ہے اور کچھ حصہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں، اس وجہ سے بعض روایات میں اس سورت کو مکی کہا گیا ہے اور بعض میں مدنی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چھیانوے ہے۔ یعنی مدنی دور کی ابتداء میں اس کے نزول کی تکمیل ہوئی ہے، یہ زمانہ مکی دور کے آخری زمانہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کے لئے پریشانیاں کچھ سوا ہوگئی تھیں۔ مسلمانوں کو اگرچہ ظالموں کے پنجہ سے رہائی حاصل ہوچکی تھی مگر اب وہی خونخوار ظالم ہر طرف سے کھانے کو دوڑ رہے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مہم تیز ہوگئی تھی۔ ایسے نازک دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔

اس سورت کی تیرھویں آیت میں رعد فرشتے کی تسبیح کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کو سورت کا نام قرار دیا ہے، یہ نام صرف علامت کے طور پر ہے پوری سورت میں رعد فرشتے کی تسبیح سے بحث نہیں ہے۔

سورت کا مدعا پہلی ہی آیت میں پیش کیا گیا ہے کہ نبی پاک ﷺ جو کچھ پیش فرمارہے ہیں وہی حق ہے مگر لوگ اُسے نہیں مانتے پھر دین حق کے بنیادی عقائد بیان فرمائے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)—— توحید—— خدائی پوری کی پوری اللہ پاک کی ہے اس لئے ان کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔

(۲)—— رسالت—— حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ پاک کے سچے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ پیش فرمارہے ہیں اپنی طرف سے نہیں پیش کررہے بلکہ اللہ پاک کی طرف سے پیش فرمارہے ہیں۔

(۳)—— معاد—— اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں سب کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

اہمیت: اس سورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جاں کنی کے وقت اس سورت کا پڑھنا بزرگوں سے مروی ہے۔ درمنثور میں جابر بن زید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جان کنی کے وقت سورۃ الرعد پڑھنے سے میت کے لئے آسانی ہوتی ہے جیسے سورۂ یٰس پڑھنے سے مرنے والے کے دل کو تقویت ملتی ہے۔

مضامین: سورت کا آغاز بیان مدعا سے ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جو کچھ نازل کیا جارہا ہے وہی حق ہے پھر آیت نمبر ایک سے چار تک اللہ پاک کی ہستی اور ان کے کارناموں کا تذکرہ ہے پھر پانچویں آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے لئے معاد کو ماننا ضروری ہے، معاد کو مانے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے، اس کے بعد کی دو آیتوں میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب ہے، پھر آیت آٹھ سے آیت دس تک اللہ پاک کی صفت علم کا ذکر ہے۔ پھر تین آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ پاک ہی نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ پھر بالترتیب بیان کیا گیا ہے کہ دعا صرف اللہ پاک سے کرنی چاہئے، سجدہ اور عبادت صرف انہی کی کی جانی چاہئے پروردگار وہی ہیں، ہر چیز کو پیدا فرمانے والے وہی ہیں — پھر سترہویں آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ حق باقی رہے گا اور فتح مند ہوگا اور باطل مٹ جائے گا اور ناکام ہوگا — اس کے بعد آیت اٹھارہ سے آیت پچیس تک ایمان کے فوائد اور ایمان والے اعمال اور کفر کے نقصانات اور کافرانہ اعمال بیان کئے ہیں — اس کے بعد آیت ۲۶ سے کفار کے ساتھ عام گفتگو شروع ہوئی ہے، ان کے اعتراضات ذکر کئے بغیر ان کے جوابات دیئے گئے ہیں اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو دین حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں پائے جاتے تھے — اور درمیان میں رسالت اور معاد کے مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور انکے بارے میں لوگوں کے شبہات اور اعتراضات کو رفع کیا گیا ہے، اور چونکہ قرآن پاک کا مقصد دلوں کو مطمئن کرنا ہے اس لئے طرح طرح سے بات سمجھائی ہے، تاکہ نادان لوگ ہٹ دھرمی سے باز آجائیں۔

ربط: سورۂ یوسف کے آخر میں آیت (۱۰۸) میں فرمایا تھا کہ نبی پاک ﷺ جو دین پیش کررہے ہیں وہ علی وجہ البصیرت پیش کررہے ہیں اور مؤمنین جو رسول پاک ﷺ پر ایمان لائے ہیں وہ بھی اندھی تقلید نہیں کررہے، بلکہ دلیل وحجت سے مطمئن ہو چکے ہیں — اب سورۂ یوسف کے بعد یہ سورت شروع ہوئی ہے، اس میں اسلام کی بنیادی باتوں کو مدلل کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ زور توحید پر دیا گیا ہے اور توحید کے تقاضوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ گویا یہ سورت سورۂ یوسف کی آیت (۱۰۸) کی شرح ہے۔ اس وجہ سے اُس سورت کے بعد متصلاً اس سورت کو رکھا گیا ہے۔

سورۃ الرعد کو اچھی طرح سمجھو، بہت غور سے اس کی تلاوت کرو، دین حق کی بنیادی تعلیمات توحید، رسالت اور معاد میں بصیرت حاصل ہو جائے گی۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ①

بِسْمِ	نام سے	تِلْکَ اٰیٰتُ	یہ آیتیں (ہیں)	مِنْ رَّبِّکَ	آپ کے رب کی طرف سے
اللّٰہِ	اللہ پاک (کے)	الْکِتٰبِ (۱)	کتاب (الٰہی کی)	الْحَقُّ	بالکل سچ (ہے)
الرَّحْمٰنِ	(جو) نہایت مہربان	وَالَّذِیْۤ (۲)	اور جو	وَلٰکِنَّ	مگر
الرَّحِیْمِ	بڑے رحم والے (ہیں)	اُنْزِلَ	اتارا گیا ہے	اَکْثَرَ النَّاسِ	بہت سے آدمی
الٓمّٓرٰ	الف، لام، میم، را	اِلَیْکَ	آپ کی طرف	لَا یُؤْمِنُوْن	ایمان نہیں لاتے

اللہ پاک کے اسم گرامی سے (شروع ہے) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

قرآنِ کریم دینِ حق (بالکل سچا دین) پیش کرتا ہے

الف، لام، میم، را — سورۂ یونس، ہود اور یوسف کے بعد یہ چوتھی سورت ہے جو ان حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے اس میں میم زیادہ ہے، سابقہ تین سورتیں الف، لام، را سے شروع ہوئی تھیں۔ ان حروف کی حقیقی مراد تو صرف اللہ پاک کو معلوم ہے، لیکن اتنی بات کا ہم بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ سورت بھی پچھلی تین سورتوں کے ساتھ مضامین میں بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

یہ کتاب الٰہی کی آیتیں ہیں — یعنی اس وقت آپ جن آیتوں کی تلاوت کر رہے ہیں وہ کوئی انسانی کلام نہیں، بلکہ قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ پس چاہئے کہ تلاوت کرنے والے اور سننے والے غور سے، عاجزی سے، فرمانبرداری کے

(۱) اَلْکِتَابُ پر الف لام عہد ذہنی ہے مطلق کوئی کتاب مراد نہیں، بلکہ خاص کتاب الٰہی مراد ہے (۲) ترکیب: اَلَّذِیْ مبتدا، جملہ اُنْزِلَ اس کا صلہ — اُنْزِلَ کا نائب فاعل ضمیر مستتر — اِلَیْکَ اور مِنْ رَّبِّکَ متعلق ہیں اُنْزِلَ سے اور اَلْحَقُّ خبر ہے — اور جملہ اسمیہ کے طرفین جب معرفہ ہوتے ہیں تو حصر پیدا ہوتا ہے۔

جذبہ سے اور پورے ادب واحترام سے پڑھیں اور سنیں ــــ اور جو (دین) آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہی حق (بالکل سچ) ہے ــــ یعنی جو دین اللہ پاک نے حضور اقدس ﷺ پر نازل فرمایا ہے، وہی حق ہے اس کے علاوہ جتنے ادیان ومذاہب پائے جاتے ہیں وہ یا تو سرے سے باطل ہیں یا ان میں باطل کی آمیزش کردی گئی ہے۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی حق یعنی بالکل سچ نہیں ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ چونکہ ہر مذہب اپنی اصل کے اعتبار سے حق ہے، اس لئے کسی بھی مذہب کو مان لینے سے نجات ہوجائے گی۔ ان کا یہ خیال غلط اور لغو ہے۔ نجات حق یعنی بالکل سچے مذہب کو ماننے ہی سے ہوگی حتی کہ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی جن لوگوں نے شکل بگاڑلی ہے وہ بھی گمراہ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ’’میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور بجز ایک کے سب جہنم رسید ہوں گے‘‘ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ ایک کونسا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ’’جو میری اور میرے صحابہ کی روش پر ہوگا‘‘[۱] ــــ پس جو طریقہ حضور ﷺ کا اور صحابۂ کرام کا ہے وہی حق ہے ــــ مگر اکثر لوگ مانتے نہیں! ــــ یعنی اکثر لوگ نبی پاک ﷺ کی تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ حق وہی ہے خواہ لوگ اُسے مانیں یا نہ مانیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَاَنۡهٰرًا ؕ وَمِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡهَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ وَفِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّنَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

اَللّٰہُ[۱]	اللہ تعالیٰ	الَّذِیۡ	جنھوں نے	رَفَعَ	بلند کیا

(۱) رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما (مشکوۃ شریف ص۳۰) (۲) اَللّٰہُ مبتدا ہے اور اَلَّذِیۡ صلہ کے ساتھ خبر ہے۔ اور جملہ کے طرفین معرفہ ہیں اس وجہ سے حصر پیدا ہوا ہے۔

السَّمٰوٰتِ	آسمانوں (کو)	الْاٰيٰتِ	نشانیاں	اثْنَيْنِ	(یعنی) دو
بِغَيْرِ	بغیر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	يُغْشِي	ڈھانپتے ہیں وہ
عَمَدٍ (۱)	ستونوں (کے)	بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ	اپنے پروردگار کی ملاقات کا	الَّيْلَ	رات (کو)
تَرَوْنَهَا (۲)	دیکھتے ہو تم ان کو	تُوْقِنُوْنَ	یقین کرو	النَّهَارَ	دن (پر)
ثُمَّ اسْتَوٰى (۳)	پھر جم کر بیٹھے	وَهُوَ	اور وہ	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بلاشبہ اس میں
عَلَى الْعَرْشِ	تخت شاہی پر	الَّذِيْ	جنھوں نے	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں (ہیں)
وَسَخَّرَ (۴)	اور بیگار میں لگادیا	مَدَّ	پھیلائی	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
الشَّمْسَ	سورج	الْاَرْضَ	زمین	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) سوچتے ہیں
وَالْقَمَرَ	اور چاند (کو)	وَجَعَلَ فِيْهَا	اور بنائے اس میں	وَفِي الْاَرْضِ	اور زمین میں
كُلٌّ يَّجْرِيْ	ہر ایک چل رہا ہے	رَوَاسِيَ (۵)	پہاڑ	قِطَعٌ (۸)	خطے ہیں
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى	مقررہ وقت کے لئے	وَاَنْهٰرًا	اور دریا (ندیاں)	مُّتَجٰوِرٰتٌ (۹)	پاس پاس (برابر برابر)
يُدَبِّرُ	تدبیر فرمارہے ہیں وہ	وَمِنْ كُلِّ (۶)	اور ہر طرح کے	وَّجَنّٰتٌ	اور باغات
الْاَمْرَ	ہر کام کی	الثَّمَرٰتِ	پھل	مِّنْ اَعْنَابٍ	انگور کے
يُفَصِّلُ	کھول کھول کر بیان	جَعَلَ فِيْهَا	بنایا اس میں	وَّزَرْعٌ	اور کھیت
	فرماتے ہیں وہ	زَوْجَيْنِ (۷)	جوڑا	وَّنَخِيْلٌ	اور کھجور

(۱) عَمَدٌ اسم جمع ہے یا عِمَادٌ (سہارا) یا عَمُوْدٌ (ستون) کی جمع ہے —— اور بِغَيْرِ عَمَدٍ محذوف سے متعلق ہوکر اَلسَّمٰوٰتِ کا حال ہے أی: رفعها خالية عن عمد.(۲) تَرَوْنَهَا جملہ مستانفہ ہے جیسے انا بلاسيف ولا رمح ترانی (میں بغیر تلوار اور بغیر نیزے کے ہوں، تم مجھے دیکھ رہے ہو) (۳) استوی کے لئے سورۂ یونس آیت تین کا حاشیہ دیکھیں (۴) سَخَرَهٗ (ن) اور سَخَّرَهٗ بیگار لینا (۵) رَوَاسِی اصل میں صفت ہے مگر اسم کی طرح مستعمل ہے جس کے معنی ہیں مضبوط پہاڑ رَسَا (ن) رَسْوًا وَرُسُوًّا: ٹھہرنا ثابت ہونا (۶) جار مجرور جعل سے متعلق ہیں جو بعد میں آرہا ہے (۷) زَوْجَيْنِ تثنیہ ہے زَوْجٌ کا اور تثنیہ کے معنی ہیں جوڑا، کہا جاتا ہے اِشْتَرَيْتُ زَوْجَيْ نِعَالٍ (میں نے ایک جوڑا جوتا خریدا) —— اس وجہ سے اِثْنَيْنِ بدل لایا گیا ہے تاکہ کوئی دو جوڑے نہ سمجھ لے۔ (۸) قِطْعَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چیز کا حصہ (۹) مُتَجَاوِرَةٌ کی جمع ہے جو اسم فاعل جمع مؤنث کا صیغہ ہے، تَجَاوَرَ باب تفاعل سے ہے جس کے معنی ہیں برابر، برابر، باہم ملے ہوئے۔

صِنْوَانٌ[1]	جڑ ملے ہوئے	وَنُفَضِّلُ	اور فوقیت (ترجیح)	اِنَّ	بلاشبہ
وَّغَيْرُ	اور نہ		دیتے ہیں ہم	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں
صِنْوَانٍ	جڑ ملے ہوئے	بَعْضَهَا	ان کے ایک کو	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)
يُّسْقٰى	سیراب کئے جاتے ہیں	عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے پر	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
بِمَآءٍ وَّاحِدٍ	ایک پانی سے	فِي الْاُكُلِ	پھل میں	يَّعْقِلُوْنَ	(جو) سمجھتے ہیں

آسمان وزمین کا کارخانہ نہ خود بخود وجود میں آیا ہے نہ بے مقصد بنایا گیا ہے

ان آیتوں میں اللہ پاک کی ہستی (وجود) اور آخرت کی زندگی کے دلائل ذکر فرمائے گئے ہیں، ان آیتوں میں کائنات کی جن چیزوں کو گواہی میں پیش کیا گیا ہے ان کی شہادت اللہ تعالیٰ کے وجود پر نہایت واضح ہے اور موت کے بعد دوسری زندگی پر ان کی شہادت ذرا خفی ہے غور کرنے سے سمجھ میں آئے گی۔ پہلے آسمان اور اس کے احوال پر غور کرو۔ ارشاد فرماتے ہیں ــــ اللہ پاک وہی ہیں جنھوں نے آسمانوں کو سہاروں کے بغیر بلند کیا ہے جن کو تم دیکھ رہے ہو ــــ یعنی یہ بلند آسمان تمہاری نظروں کے سامنے ہے اُسے بغور دیکھو کہ کس طرح اتنی بڑی چھت سہارے کے بغیر کھڑی ہے، جب تم کسی شاندار محل کا گنبد یا کسی وسیع مسجد یا ہال کی چھت دیکھتے ہو تو تمہیں کس قدر تعجب ہوتا ہے کہ اتنا بڑا قبہ اور لمبی چوڑی چھت کس طرح ستون اور کھمبے کے بغیر کھڑی ہے اور فوراً تمہارا ذہن قبہ بنانے والے کی فنی مہارت کی طرف دوڑتا ہے، پس کیا تمہیں کبھی آسمان کی اتنی بڑی چھت دیکھ کر بھی تعجب ہوا ہے؟ اور کیا دیکھنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور کس نے اس کو سہاروں کے بغیر بلند کیا ہے؟ اور وہ اپنے فن کا کس قدر ماہر ہے؟ اور کتنی بڑی قدرت والا ہے؟ اگر تمہارے دل میں کبھی یہ سوالات پیدا ہوئے ہوں تو سمجھ لو کہ جس نے آسمانوں کو سہاروں کے بغیر اتنا بلند کیا ہے وہی اللہ پاک ہیں۔

آسمان اور اس کی بناوٹ میں انسانوں کے لئے پورا سامان موجود ہے، انسان چاہے کسی ملک کا رہنے والا ہو، کتنا ہی کم پڑھا لکھا ہو، کیا اس نے آسمان نہیں دیکھا؟ آسمان ہر وقت ہر جگہ ہر شخص کی نظروں کے سامنے موجود ہے، اس کو دیکھنے کے لئے کسی سند یا ڈگری کی ضرورت نہیں، جب بھی کوئی انسان اس پر نظر ڈالے گا، اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اتنی بڑی چھت کو

(۱) صِنْوَانٌ جمع ہے صِنْوٌ کی اس شاخ کو کہتے ہیں جو درخت کی جڑ سے نکلی ہو، یہاں مراد وہ شاخ ہے کہ اس کو اور دوسری شاخ کو یا شاخوں کو ایک ہی جڑ گھیرے ہوئے ہو۔

بے سہارا تھامنے والی کوئی ہستی ضرور ہے، بس وہی ہستی اللہ پاک کی ہستی ہے، اللہ پاک ہی نے اُسے پیدا کیا ہے اور سہاروں کے بغیر فضا میں روک رکھا ہے — پھر وہ تخت حکومت پر جم کے بیٹھے — یعنی آسمان کی اتنی بڑی چھت اللہ پاک نے پیدا فرما کر یونہی نہیں چھوڑ دی، بلکہ اس کے قیام کا پورا پورا انتظام فرمایا ہے۔ وہ آسمانوں کو پیدا کر کے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہیں اور تمام آسمانوں کا اور سارے جہان کا انتظام انہی کے دست قدرت میں ہے۔ تمام اختیارات کے تنہا وہی مالک ہیں، آسمانوں میں اور کائنات کے گوشے گوشے میں ہر وقت اور ہر آن جو کچھ ہو رہا ہے وہ انہی کے حکم واشارے سے ہو رہا ہے — اور سورج اور چاند کو بے گار میں لگا دیا، ہر ایک مقررہ وقت کے لئے چل رہا ہے — یعنی دونوں کو جس کام پر لگا دیا ہے برابر لگے ہوئے ہیں۔ ہزاروں سال گزر گئے، مگر نہ ان کی رفتار میں کمی بیشی ہوتی ہے، نہ وہ تھکتے ہیں، نہ کبھی اپنے مقررہ کام کے خلاف کسی دوسرے کام میں لگتے ہیں، دونوں اپنی ڈیوٹی بالکل صحیح صحیح انجام دے رہے ہیں — اور قیامت تک دونوں اسی طرح چلتے رہیں گے۔ قیامت ان کی منزل ہے اس منزل پر پہنچ کر یہ سارا نظام ختم ہو جائے گا — وہ ہر کام کا انتظام فرما رہے ہیں — یعنی پورے عالم کے کاموں کے انتظامات میں کوئی اللہ پاک کا شریک اور ساجھی نہیں، وہ تنہا آسمانوں اور زمین کا انتظام فرما رہے ہیں — وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کرو — یعنی آسمان اور اس کی عجیب وغریب بناوٹ میں اور چاند سورج اور ان کے حیرت انگیز نظام میں غور کرو تمہیں موت کے بعد کی دوسری زندگی کی شہادت مل جائے گی اور تمہیں آخرت اور قیامت کا یقین آ جائے گا۔

آیت پاک میں غور کرو، اس میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلی بات: — آسمانوں کی تخلیق میں اور ان کے فضا میں بے سہارا رُکے ہوئے ہونے میں اور چاند سورج کے نظام میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا ایک مکمل نظام ہے اور وہ ایک قانون کے تحت چل رہے ہیں۔ یہ زبردست نظام دو باتوں پر دلالت کرتا ہے ایک یہ کہ اس نظام کا کوئی فرماں روا ہے کیونکہ نظم کا تصور ناظم کے بغیر نہیں ہوسکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس نظام کے بہت سے ناظم نہیں ہیں ورنہ اس کی باقاعدگی کبھی باقی نہ رہ سکتی پس ثابت ہوا کہ تنہا اللہ پاک آسمانوں پر حکمراں ہیں۔ دوسرا کوئی اس نظام کائنات میں دخل دینے والا نہیں، جو معبود قرار دیئے جانے کا مستحق ہو۔

دوسری بات: — چاند، سورج کا یہ نظام جو ہر شخص کے سامنے ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کائنات گہری حکمت سے رچی گئی ہے، یہ عظیم الشان کارگاہ ہستی کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ محض کھیلنے کے لئے یہ گھروندا بنایا گیا ہو — جب یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض اور مصلحت کے ہو؟ وہ صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، نظام فلکی سے ہم کو یہ بھی سبق ملتا

ہے کہ اس کے پیدا فرمانے والے بڑی حکمت والے ہیں پس ان کی حکمت سے یہ بات بعید ہے کہ وہ انسان سے اس کی زندگی کے کارناموں کا حساب نہ لیں، ظالموں سے باز پرس اور مظلوموں کی دادرسی نہ کریں، نیکوکاروں کو جزاء اور بدکاروں کو سزا نہ دیں۔

چاند، سورج کی تسخیر پر غور کرنے سے ہمارا دل یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ جس خدا کی قدرت اتنے بڑے بڑے کروں کو فضا میں گردش دے رہی ہے اُن کیلئے انسان کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

آسمانوں کے نظام میں غور کرنے کے بعد زمین اور اس کی چیزوں کو بھی دیکھو، ارشاد فرماتے ہیں —— اور وہی ہیں جنھوں نے زمین کو پھیلایا —— یعنی زمین کو دیکھو، اس کی سطح ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح معلوم ہوتی ہے —— اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے —— یعنی ساری مخلوق کو پانی پہنچانے کا انتظام فرمایا، پانی کا بہت بڑا ذخیرہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں پایا جاتا ہے، جس کے لئے نہ حوض درکار ہے نہ ٹنکی، پھر وہاں سے ساری دنیا میں پانی پہنچایا جاتا ہے، برف پگھلتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں، جن سے زمین سیراب ہوتی ہے، اس کے علاوہ سوتوں کے ذریعہ ساری زمین میں پانی پھیلا دیا ہے، ہر جگہ کنوؤں کے ذریعہ پانی حاصل کیا جاسکتا ہے —— اور اس میں تمام قسموں کے پھلوں کے دو کے جوڑے بنائے —— اللہ پاک نے کائنات کی ہر چیز جوڑے جوڑے بنائی ہے۔ سورۂ یٰس آیت چھتیس میں ہے کہ اللہ پاک نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے ہیں، زمین کی نباتات کے بھی، خود انسان کے بھی اور ان مخلوقات کے بھی جن کو انسان نہیں جانتا، اور سورۃ الذاریات (آیت ۴۸ و ۴۹) میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور زمین کو ہم نے بچھایا، سو ہم بہترین بچھانے والے ہیں اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے تا کہ تم اس سے سبق لو۔

زَوْجَيْن (جوڑا) وہ دو چیزیں ہیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کریں، جیسے عورت اور مرد کا جوڑا انسان کی پیدائش کا سبب ہے۔ جانوروں کی نسلیں بھی نر و مادہ کے ملنے سے چلتی ہیں۔ نباتات یعنی زمین سے اگنے والی چیزوں میں بھی یہی اصول کام کر رہا ہے، پپیتا اور کھجور میں نر اور مادہ کے درخت الگ الگ پائے جاتے ہیں اور اکثر درختوں میں ایک ہی ساتھ نر و مادہ کی قوتیں جمع رہتی ہیں، بے جان مادوں میں بھی مختلف چیزیں جب ایک دوسرے سے جوڑ کھاتی ہیں تب مرکبات وجود میں آتے ہیں، خود مادہ منفی اور مثبت برقی توانائی سے مرکب ہے جیسے بجلی منفی اور مثبت توانائیوں کے ملنے سے وجود میں آتی ہے اسی طرح کائنات کی ہر چیز جوڑا جوڑا بنائی گئی ہے مثلاً رات دن کے معاملہ کو لو، دونوں مل کر ایک مقصد کی تکمیل

کرتے ہیں—— وہ رات کو دن پر ڈھانپتے ہیں—— یعنی اللہ پاک بارہ گھنٹے کے بعد رات لے آتے ہیں۔ غور کرو، یہ اللہ پاک کی کتنی بڑی نعمت ہے اگر یہاں ہمیشہ دن رہتا تو زمین پر کسی چیز کا وجود باقی نہ رہتا، ہر چیز جل کر خاک ہو جاتی۔ اسی طرح پھر بارہ گھنٹوں کے بعد دن لے آتے ہیں اور یہ بھی اتنی ہی بڑی نعمت ہے جتنی پہلی تھی، اگر یہاں ہمیشہ رات رہتی تو زمین کی ہر چیز جم کر برف بن جاتی، خود انسان بھی برف کا ایک ٹکڑا بن کر رہ جاتا، پس اللہ پاک کی حکمت کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا انقلاب ہوتا رہتا ہے اور اس سے ہر چیز کی بقا کا سامان ہوتا رہتا ہے۔ دن کی تپش جب زمین کی چیزوں کو گرم کر دیتی ہے تو اللہ پاک رات لے آتے ہیں تا کہ ہر چیز خنکی (ٹھنڈی) کی مطلوبہ مقدار حاصل کر سکے—— اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سوچتے ہیں—— سوچو جب دنیا کی ہر چیز کا ایک جوڑا ہے اور کوئی چیز اپنے جوڑے سے ملے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہوتی تو دنیا کی یہ زندگی کیسے بے جوڑ ہو سکتی ہے؟ اس کا جوڑا آخرت ہے۔ آخرت نہ ہو تو یہ دنیا بے نتیجہ رہ جائے گی، اللہ پاک کی حکمت میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

زمین کے احوال میں ابھی اور غور کرو، ارشاد فرماتے ہیں—— اور زمین میں خطے ہیں پاس پاس، اور انگور کے باغات، اور کھیت اور کھجور کے درخت، جڑ ملے ہوئے اور بغیر جڑیں ملے ہوئے، ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہم بعض کو بعض پر پھل میں ترجیح دیتے ہیں، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں—— یعنی اللہ پاک نے ساری زمین کو یکساں نہیں بنایا۔ اس میں بے شمار خطے ہیں، جو پاس پاس اور برابر برابر ہوتے ہوئے بھی رنگ میں، خاصیتوں اور صلاحیتوں میں، روئیدگی اور پیداوار میں بالکل مختلف ہیں، کہیں انگور کے باغ ہیں، کہیں کھیت ہیں اور کہیں نخلسان، پھر نخلستانی خطے بھی قوت میں مختلف ہیں، کہیں زمین میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ایک ہی جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں اور کہیں کم ہوتی ہے، وہاں ایک جڑ سے ایک ہی تنا نکلتا ہے۔ پھر زمین اگرچہ ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے مگر ہر درخت کا پھل یکساں نہیں، کسی جگہ اعلیٰ درجہ کا پھل پیدا ہوتا ہے اور کسی جگہ ادنیٰ درجہ کا، کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے اور کسی کا کچھ۔ اس صورت حال میں سمجھ داروں کے لئے یقیناً نشانیاں ہیں۔

تاروں بھرے آسمان میں غور کرنے کے بعد اب زمین کی ساخت میں غور کرو، کتنا بڑا عظیم الشان کُرہ ہے یہ جو اپنے پھیلاؤ کی وجہ سے انسان کے حق میں فرش کی مانند ہے۔ کوئی چلنے والا اگر زندگی بھر چلتا رہے تو وہ ایک ہموار فرش ہی پر چلتا رہے گا، پھر اس کی سطح پر اتنے بڑے بڑے پہاڑوں کا ابھر آنا، اس کے سینے پر ایسے ایسے زبردست دریاؤں کا جاری ہونا، اس کی گود میں پھلوں کی ہر قسم کے جوڑوں کا پایا جانا، پھر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا باقاعدگی کے ساتھ آنا جانا، اس کے بے شمار خطے اس میں طرح طرح کے اختلافات پکار پکار کر گواہی دے رہے ہیں کہ یہ سب کچھ اتفاقی طور پر

وجود میں نہیں آیا نہ کسی اندھے بہرے گونگے مادے کی کرشمہ سازی ہے بلکہ یہ کسی حکیم ودانا، علیم وخبیر کی کارفرمائی ہے۔ بس وہی ہستی اللہ پاک جل شانہ کی بابرکت ہستی ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ ع

وَاِنْ تَعْجَبْ	اور اگر تعجب کرے تو	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے (ہیں)
فَعَجَبٌ(۱)	تو عجیب (ہے)	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ	اور جلدی لانے کا مطالبہ
قَوْلُهُمْ	ان کی بات:	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کا		کرتے وہ آپ سے
ءَاِذَا	کیا جب	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ	بِالسَّيِّئَةِ	برائی کو
كُنَّا	ہوجائیں گے ہم	الْاَغْلٰلُ(۲)	طوق	قَبْلَ الْحَسَنَةِ	بھلائی سے پہلے
تُرٰبًا	مٹی	فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ	ان کی گردنوں میں	وَقَدْ خَلَتْ	حالانکہ تحقیق گزر چکی ہیں
ءَاِنَّا	کیا واقعی ہم		(ہوں گے)	مِنْ قَبْلِهِمُ	ان سے پہلے
لَفِيْ خَلْقٍ	پیدائش میں ہوں گے	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہی لوگ	الْمَثُلٰتُ(۳)	عبرت ناک سزائیں
جَدِيْدٍ	نئی	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے (ہیں)	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بلاشبہ آپ کے پروردگار
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ (ہیں)	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں	لَذُوْ مَغْفِرَةٍ	البتہ بخشش والے (ہیں)

(۱) فاء جزائیہ ہے عَجَبٌ خبر مقدم ہے قَوْلُهُمْ مبتدا موخر ہے، مقولہ ءَ اِذَا الخ ہے اور خبر کی تقدیم نے حصر کا فائدہ دیا ہے۔

(۲) الغُلّ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں طوق، الْاَغْلَالُ مبتدا ہے اور فِيْ اَعْنَاقِهِمْ خبر ہے اور جملہ اُولٰئِكَ کی خبر ہے

(۳) اَلْمَثُلَةُ (میم کے زبر کے ساتھ) کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گذشتہ امتوں کی عبرت ناک سزائیں اور المُثْلَة ←

لِلنَّاسِ	لوگوں کی	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	اِنَّمَآ اَنْتَ	بس آپ
عَلٰي ظُلْمِهِمْ[1]	ان کی زیادتیوں پر	كَفَرُوْا	انکار کیا	مُنْذِرٌ	خبردار کرنے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بلاشبہ آپ کے پروردگار	لَوْلَآ اُنْزِلَ	کیوں نہیں اتاری گئی		(ہیں)
لَشَدِيْدُ	البتہ سخت	عَلَيْهِ	اس پر	وَلِكُلِّ	اور ہر ایک
الْعِقَابِ	سزا والے (ہیں)	اٰيَةٌ	کوئی نشانی	قَوْمٍ	قوم کے لئے (ہے)
وَيَقُوْلُ	اور کہتے ہیں	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	هَادٍ[2]	کوئی راہ نما

منکرین اسلام کی تین باتوں کا جواب

۱- گل سڑ کر مٹی ہو جانے کے بعد کیا نیا جامہ پہنایا جائے گا؟

گذشتہ تین آیتوں میں ہم نے پڑھا کہ کائنات کی ہر چیز یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ بغیر حکمت و مصلحت اور بغیر نتیجہ کے نہیں ہوسکتا، ضروری ہے کہ انسان کی زندگی بس اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا کھایا پیا اور مر کر برابر ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی کچھ ہونے والا ہے۔ لیکن لوگوں کی غفلت کا عجیب حال ہے موت کے بعد دوسری زندگی کی بات ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی بتلاؤ، اس سے زیادہ کونسی بات عجیب ہوسکتی ہے؟ ان سے کہا جا رہا ہے کہ زندگی بس اتنی ہی نہیں ہے جو تمہیں حاصل ہے، اس پر لوگ حیران ہو کر کہتے ہیں: جب ہم مرگئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر ہمیں زندگی کا ایک نیا جامہ پہنایا جائے گا، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں — اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کی یہ بات عجیب ہی ہے کہ: ”جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم نئی زندگی میں ہوں گے“ — یعنی اگر آپ کو منکرین کی اس بات سے تعجب ہوتا ہو تو ان کی یہ بات واقعی تعجب کی بات ہے۔ عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہو، کیونکہ اس کی تو گواہی دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے، عجیب بات یہ ہے کہ جس قادر مطلق ہستی نے پہلی بار انہیں بنایا وہ ان کو دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ پاک کو مانا ہی نہیں اس وجہ سے وہ یہ بیہودہ بات کہہ رہے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں — یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا — یعنی موت کے بعد دوسری زندگی کا ماننا شرط ایمان ہے، جو شخص

→ (میم کے پیش کے ساتھ) کے معنی ہیں ناک کان کاٹنا اس کی جمع بھی یہی آتی ہے۔

(۱) عَلٰی ظُلْمِهِمْ حال ہے اَلنَّاسُ سے أی مع کونهم ظالمین (روح) (۲) هَادٍ مبتدا موخر ہے اصل میں هادی تھا، دال کا کسرہ یا محذوف کی علامت ہے۔

یہ نہیں مانتا وہ اللہ پاک کو بھی نہیں مانتا، چاہے وہ اللہ پاک کو ماننے کا دعویٰ کرے کیونکہ آخرت کا انکار درحقیقت اللہ پاک کی قدرت وحکمت کا انکار ہے جو لوگ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن کہتے ہیں وہ در پردہ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ! وہ اللہ پاک جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ عاجز وناتواں ہوگیا ہے!۔۔۔اور انہی لوگوں کی گردن میں طوق ہوں گے۔۔۔ ان مجرموں کے گلے میں لوہے کا بھاری حلقہ پڑے گا اور وہ قیدی بن کر جہنم رسید ہوں گے۔۔۔اور یہی لوگ جہنمی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔۔۔ابد تک اس میں سڑیں گے، وہاں سے نکلنے کا کبھی خواب بھی نہیں دیکھیں گے۔

۲-جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اسے لے کیوں نہیں آتے؟

کفار مکہ نبی اکرم ﷺ سے کہتے تھے کہ اگر تم واقعی نبی ہو، اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے تم کو جھٹلایا ہے تو اب تم وہ عذاب ہم پر کیوں نہیں لے آتے جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو؟ اس کے لانے میں دیر کیوں کر رہے ہو؟ اللہ پاک جواب ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔اور وہ لوگ بھلائی سے پہلے برائی کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔۔۔ یعنی یہ نادان خیر سے پہلے شر مانگتے ہیں، حق کی دعوت قبول نہیں کرتے جس سے دنیا وآخرت کی بھلائی ملے بلکہ کہتے ہیں کہ انکار وتکذیب کا برا نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آجاتا۔۔۔ حالانکہ ان سے پہلے عبرت ناک سزائیں گذر چکی ہیں۔۔۔یعنی تم سے پہلے بُہتیری قوموں پر عذاب آچکا ہے، اور وہ تکذیب کا خمیازہ بھگت چکی ہیں پھر تم پر عذاب لے آنا کیا مشکل ہے؟ مگر بات صرف اتنی ہے کہ اللہ پاک نے تمہیں سنبھلنے کیلئے مہلت دی ہے اس وجہ سے وہ اپنی شان حلم وعفو سے تمہارے جرائم پر فوراً گرفت نہیں فرما رہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔اور آپ کے پروردگار یقیناً درگذر کرنے والے ہیں، لوگوں سے، ان کی زیادتیوں کے باوجود۔۔۔اس وجہ سے لوگوں کی تکذیب کا برا نتیجہ فوراً سامنے نہیں آتا، بلکہ مہلت پر مہلت دی جاتی ہیں، مگر جب وقت آئے گا تو وہ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ارشاد ہے۔۔۔اور آپ کے پروردگار یقیناً سخت سزا دینے والے ہیں۔۔۔یعنی تمہارے برے عملوں کی سزا کبھی ٹلنے والی نہیں اور جب وقت پر ملے گی تو پھر کسی طرح کی نرمی ہونے والی نہیں نہ تمہارے پاس اس تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت ہوگی۔

۳-رسول مطلوبہ معجزات کیوں نہیں دکھاتے؟

اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ کہہ رہے ہیں کہ: ''اُس پر کیوں اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی نہیں اُتاری گئی؟'' ۔۔۔یعنی رسول پاک ﷺ کی دعوت حق کے منکرین آپؐ سے کہتے ہیں کہ اگر تم سچے نبی ہو اور اللہ پاک نے واقعی تمہیں

اپنا سفیر اور پیغامبر مقرر کیا ہے تو ہم جن کرشموں کا تم سے مطالبہ کرتے ہیں وہ دکھا کیوں نہیں دیتے؟ تمہارے پروردگار تمہارے ہاتھ سے کوئی ایسی نشانی ظاہر کیوں نہیں فرماتے جسے دیکھ کر ہم کو یقین آجائے کہ تم واقعی اللہ پاک کے رسول ہو؟

انسان کی یہ عام گمراہی ہے کہ وہ سچائی کے دلائل سچائی میں نہیں ڈھونڈھتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے، وہ عجائب اور کرشموں کو دیکھنے کا خواہش مند رہتا ہے اور جس کے ہاتھ سے بھی کوئی عجیب وغریب بات ظاہر ہوتی دیکھ لیتا ہے اُسی کو سچا تسلیم کر لیتا ہے چاہے وہ جو بات پیش کرتا ہے، کتنی ہی نامعقول ہو۔ مکہ والے بھی حضور پاک ﷺ سے اسی قسم کی نشانیوں کی فرمائش کرتے تھے وہ کبھی کہتے کہ زمین پھاڑ کر ہمارے لئے پانی کا ایک چشمہ جاری کر دو یا مکہ کی سنگلاخ زمین میں ہمارے لئے نہریں رواں کر دو کوئی کہتا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرادو اور کوئی بے شرم یہاں تک کہہ بیٹھتا کہ اللہ پاک اور فرشتوں کو ہمارے سامنے رُوبرو لے آؤ — قرآن پاک ان کے مطالبہ کا نہایت مختصر جواب دیتا ہے — آپ صرف خبر دار کرنے والے ہیں، اور ہر قوم کے لئے کوئی راہنما ہے — یعنی اے پیغمبر! آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے آخر کونسا معجزہ دکھایا جائے، آپ کا کام ہر ایک کو مطمئن کرنا نہیں آپ کا کام صرف یہ ہے کہ بے خبر اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو چوکنا کر دیں اور ان کو غلط راہ پر چلنے کے برے انجام سے خبردار کر دیں۔

اور یہ کام ہم نے ہر زمانے میں ہر قوم میں کوئی نہ کوئی ہادی مقرر کر کے لیا ہے اب یہ خدمت آپ سے لی جارہی ہے پس جس کا جی چاہے آنکھیں کھولے اور آپ کی بات مانے، دعوت حق کی پہچان خود دعوت حق ہے۔ مشک وہ ہے جو خود مہکے، نہ وہ جسے کرشمہ دکھا کر منوایا جائے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے متبعین کا کام کرشمے دکھانا اور لوگ جو بھی معجزہ طلب کریں اُسے دکھانا نہیں ہے بلکہ ان کا کام لوگوں کے سامنے ہدایت کی بات رکھ دینا ہے۔ اب طالب حق کا کام ہے کہ وہ دعوت میں غور کرے اور یہ دیکھے کہ داعی کی زندگی دعوت کے مطابق ہے یا نہیں اور دعوت واقعی ہدایت کی دعوت ہے یا گمراہی کی اگر واقعی ہدایت کی دعوت ہے تو اُسے قبول کر لے۔ آگے آیت اٹھائیس میں اس بات کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے:

اس آیت میں جو ارشاد فرمایا ہے کہ: ''ہر ایک قوم کے لئے کوئی ہادی (راہنما) ہے'' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی قوم اور زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں کہ وہاں اللہ پاک کی طرف سے کوئی ہدایت پہنچانے والا اور دعوت دینے والا نہ آیا ہو، خواہ وہ ہادی کوئی نبی ہو، خواہ اس کا قائم مقام کوئی امتی ہو، لیکن ہم کسی کو متعین نہیں کر سکتے کہ فلاں ملک میں یا فلاں خطے میں

فلاں شخص ہادی تھا کیونکہ ہمارے پاس اس کی کوئی قطعی دلیل نہیں، قرآن پاک میں جن ہادیوں کا اور پیغمبروں کا ذکر آیا ہے صرف انہی کے بارے میں ہم قطعیت سیبات کہہ سکتے ہیں، ان کے علاوہ کسی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ جن تاریخی شخصیتوں کو لوگ جانتے ہیں ان میں راہ حق کے راہنما ہونے اور گمراہی کے بانی ہونے کے مساوی امکانات ہیں۔ پھر کسی کے بارے میں کیونکر قطعیت سے کوئی ایک پہلو متعین کرلیا جائے۔ اس لئے اس سوال کے بارے میں کہ ہندوستان میں کوئی نبی آئے یا نہیں؟ اور آئے تو وہ کون تھے؟ قطعیت اور یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

کسی شخص کو دلیل کے بغیر نبی مان لینا ویسا ہی ہے جیسا کسی سچے نبی کو جھٹلا دینا

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝

اَللّٰهُ يَعْلَمُ	اللہ پاک جانتے ہیں	بِمِقْدَارٍ	خاص اندازے سے (ہے)	الْقَوْلَ	بات
مَا تَحْمِلُ	جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے	عٰلِمُ	جاننے والے (ہیں)	وَمَنْ جَهَرَ	اور جو زور سے کہے
كُلُّ اُنْثٰى	ہر مادہ	الْغَيْبِ	پوشیدہ	بِهٖ	اس کو
وَمَا تَغِيْضُ	اور جو کچھ گھٹتی ہیں	وَ الشَّهَادَةِ	اور ظاہر (کے)	وَمَنْ هُوَ	اور جو کہ وہ
الْاَرْحَامُ	بچہ دانیاں	الْكَبِيْرُ	بڑے	مُسْتَخْفٍ	چھپنے والا ہے
وَمَا تَزْدَادُ	اور جو کچھ بڑھتی ہیں	الْمُتَعَالِ (۱)	بہت برتر (ہیں)	بِالَّيْلِ	رات میں
وَكُلُّ شَيْءٍ	اور ہر چیز	سَوَآءٌ مِّنْكُمْ	برابر (ہے) تم میں سے	وَ سَارِبٌ (۲)	اور کھلا ہے
عِنْدَهٗ	ان کے پاس	مَّنْ اَسَرَّ	جو چھپا کر کہے	بِالنَّهَارِ	دن میں

(۱) اَلْمُتَعَالِ اسم فاعل واحد مذکر حالت رفع میں ہے اصل میں اَلْمُتَعَالِیْ تھا یا کو حذف کیا گیا ہے اور لام کا زیر یا محذوف کی علامت کے طور پر باقی رکھا ہے تَعَالِی مصدر باب تفاعل مادہ عُلُوٌّ امام راغب نے لکھا ہے کہ مُتَعَالِی عَالِی سے زیادہ مبالغہ پر دلالت کرتا ہے عَالِی کے معنی ہیں بزرگ، برتر، عالی مرتبہ اور متعالی کے معنی ہیں بہت بزرگ، بہت غالب بہت ←

معبود وہی ذات ہوسکتی ہے جس کا علم کائنات کے ذرے ذرے کو محیط ہو

دوسری آیت سے چوتھی آیت تک توحید کا بیان تھا۔ ضمناً موت کے بعد کی دوسری زندگی کا تذکرہ بھی آ گیا تھا، اس کے بعد کی تین آیتوں میں منکرین اسلام کی تین باتوں کا جواب تھا، اب تین آیتوں میں اللہ پاک کی صفت علم کا بیان ہے، اس لئے کہ عذاب کب آنا ہے؟ اور فرمائشی معجزہ اتارنا ہے یا نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس تقریب سے صفتِ علم کا تذکرہ شروع کیا ہے، مگر عجیب نرالا انداز ہے، ساتھ ساتھ منکرین کو تنبیہ بھی کی ہے کہ تمہاری کوئی بات اور تمہاری کوئی حالت اللہ پاک سے پوشیدہ نہیں، تم میں سے ایک ایک کو اللہ پاک اس وقت سے جانتے ہیں جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بھی وہ باخبر ہیں پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کی پوری پوری سزا دیں گے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اللہ پاک کے علم میں ہے جو کچھ ہر مادہ پیٹ میں اٹھاتی ہے، اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز ان کے یہاں خاص اندازے سے ہے —— جب کسی مادہ کو حمل رہتا ہے تو شروع میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ حمل کیا بننے والا ہے، خود حاملہ کو بھی کوئی علم نہیں ہوتا کہ جو حمل ٹھہرا ہے وہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ اسی کی جنس کا بچہ بنے گا یا کسی اور جنس کا؟ پھر اس بچہ کی مقدار کیا ہوگی، وصف کیا ہوگا، احوال کیا ہوں گے؟ کسی کو ان باتوں میں سے کسی بات کا کوئی علم نہیں ہوتا، مگر اللہ پاک کو ان تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔ وہ الف سے یاء تک بچے کے تمام احوال سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

حمل قرار پانے کے بعد رحم (بچہ دانی) کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اس کے عمل کے دوران بچہ کے اعضاء میں، قوتوں اور قابلیتوں میں، صلاحیتوں اور استعدادوں میں جو کچھ کمی بیشی ہوتی ہے اُسے بھی کوئی نہیں جانتا۔ خود حاملہ کو بھی اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا مگر اللہ پاک کو ہر کمی بیشی کا علم ہوتا ہے۔ ہر کمی بیشی براہ راست اللہ پاک کی نگرانی میں ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں اللہ پاک کے سچے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”انسان کا مادۂ تخلیق رحم مادر میں ایک چلہ تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں نطفہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا صرف خون میں کچھ گاڑھا پن آجاتا ہے) پھر دوسرے چلہ میں وہ نطفہ منجمد خون بن جاتا ہے پھر تیسرے چلہ میں وہ گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے (اسی زمانہ میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ شروع ہوتی ہے) پھر اللہ پاک اس حمل کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو چار باتیں لکھتا ہے (۱) وہ کیا کام کرے گا (۲) اس کی مدت عمر کیا ہوگی (۳) اس کی روزی کیا ہوگی (۴) وہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت۔

← برتر (۲) سَارِبٌ اسم فاعل: کھلم کھلا، ظاہر سَرَبَ (ن) الماءُ: پانی کا جاری ہونا ظَبْيَةٌ سَارِبَةٌ: چراہ گاہ میں جانے والی ہرنی السَّرَب: راستہ۔

پھر اس بچہ میں روح پھونکی جاتی ہے"[1]

غرض اللہ پاک کے نزدیک ہر چیز کا ایک خاص اندازہ مقرر ہے، وہ نہ اس سے کم ہوسکتی ہے نہ زیادہ چنانچہ بچے کے تمام حالات بھی اللہ پاک کے نزدیک متعین ہیں کہ کتنے دن وہ حمل میں رہے گا پھر کتنے زمانے تک دنیا میں زندہ رہے گا، کتنا رزق اس کو حاصل ہوگا —— بیشک خدا اور معبود ایسی ہی ذات ہوسکتی ہے جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہو جو ذرے ذرے سے باخبر ہو —— وہ غیب وشہادت کے جاننے والے ہیں، بڑے ہیں، بہت برتر وبالا ہیں —— وہ تمام چیزیں جو انسان کے دائرہ علم میں ہیں یعنی جن چیزوں کو انسان اپنے ظاہری اور باطنی حواس سے جان سکتا ہے وہ سب انسان کے لئے شہادت (ظاہر) ہیں اور جو چیزیں اس کے دائرہ علم سے باہر ہیں وہ اس کے حق میں غیب (پوشیدہ) ہیں مگر اللہ پاک کے حق میں کوئی بھی چیز غیب (پوشیدہ) نہیں ہے وہ ہر چیز کو یکساں طور پر جانتے ہیں اور وہ بہت بڑی اور سب سے برتر وبالا ہستی ہیں، ان کی عظمتوں اور بلندیوں کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا —— ان کے لئے سب یکساں ہیں، جو تم میں سے چپکے سے بات کہتے ہیں اور جو پکار کر کہتے ہیں اور جو رات میں چھپنے والے ہیں اور جو دن میں کھلے ظاہر پھرنے والے ہیں —— یعنی اللہ پاک کے علم محیط میں خفیہ بات کرنے والے اور بلند آواز سے بات کرنے والے برابر ہیں وہ دونوں کے کلام کو یکساں طور پر سنتے اور جانتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص رات کی اندھیری میں کہیں چھپا ہوا ہے اور جو دن کے اجالے میں کھلے راستے پر چل رہا ہے، یہ دونوں بھی اللہ پاک کے علم میں برابر ہیں وہ دونوں کے حالات کو یکساں طور پر جانتے ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر منکرین کو اس لئے سنائی جارہی ہے کہ وہ رسول پاک ﷺ کے خلاف چپکے چپکے منصوبے گانٹھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم اپنی پوشیدہ چالوں سے اسلام کی دعوت روک دیں گے، مگر وہ نادان سمجھتے نہیں تھے کہ اللہ پاک تو اندھیری رات میں چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سنتے ہیں اور اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کو بھی دیکھتے ہیں۔ ان کے علم سے تکذیب کرنے والوں کے مشورے کیوں کر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں غور کرنے کی اصل چیز یہ ہے کہ معبود وہی ذات ہوسکتی ہے جس کا علم ہر چیز کو وسیع ہو، جو کائنات کے ذرے ذرے سے باخبر ہو اور مخلوقات کو وجود بخشنے سے پہلے بھی اس کے تمام احوال سے واقف ہو، پھر مخلوق کے پیدا ہونے کے بعد اس کی کوئی نقل وحرکت اور اس کی کوئی حالت اس سے پوشیدہ نہ ہو۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ

(۱) حديث متفق عليه عن ابن مسعود رضی الله عنه (مشکوۃ شریف ص ۲۰)

لَهٗ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

لَهٗ[1]	اس کے لئے ہیں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ پاک	اللّٰهُ	اللہ پاک
مُعَقِّبٰتٌ[2]	باری باری آنے والے	لَا يُغَيِّرُ	نہیں بدلتے	بِقَوْمٍ	کسی قوم کے ساتھ
	فرشتے	مَا	جو (حالت)	سُوْٓءًا	برائی
مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	انسان کے آگے سے	بِقَوْمٍ	کسی قوم کی ہوتی (ہے)	فَلَا مَرَدَّ[3]	تو نہیں پھیرنا (ہے)
وَمِنْ خَلْفِهٖ	اور اس کے پیچھے سے	حَتّٰى	یہاں تک کہ	لَهٗ	اس کے لئے
يَحْفَظُوْنَهٗ	دیکھ بھال کرتے ہیں	يُغَيِّرُوْا	وہ بدل دیں	وَمَا	اور نہیں (ہے)
	وہ اس کی	مَا	جو (حالت)	لَهُمْ	ان لوگوں کے لئے
مِنْ اَمْرِ	حکم سے	بِاَنْفُسِهِمْ	ان کی اپنی (ہے)	مِّنْ دُوْنِهٖ	اللہ سے نیچے
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	وَاِذَآ اَرَادَ	اور جب چاہتے ہیں	مِنْ وَّالٍ[4]	کوئی کارساز

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ بندوں کی حفاظت کرتے ہیں

اس آیت پاک میں اللہ پاک جل شانہ کی ایک اور صفت کا بیان ہے اور وہ صفت ہے مخلوقات کی حفاظت اور نگہبانی کرنا، معبود ہونے کے لئے علم محیط کے علاوہ یہ صفت بھی ضروری ہے، اور اسماء حسنیٰ میں اللہ پاک کا ایک نام ہے اَلْمُهَيْمِنُ (محافظ) دوسرا نام ہے اَلْحَفِيْظُ (نگہبان) اور تیسرا نام ہے الرَّقِيْبُ (نگراں) یہ سب نام ایک ہی صفت کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس آیت پاک میں اسی صفت کا بیان ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں — اللہ پاک ہی کی ملک ہیں وہ فرشتے جو انسان کے آگے پیچھے باری باری آنے والے ہیں جو امر الٰہی سے اس کی حفاظت کرتے ہیں — یعنی تمام کائنات کو اللہ پاک ہی نے پیدا فرمایا ہے، اور وہ اپنی مخلوقات کے ہر کھلے چھپے سے باخبر ہیں، اور وہی اپنی مخلوقات کی حفاظت فرماتے ہیں خود انسان کو دیکھئے: اللہ پاک کے فرشتے ہر طرف سے اس کو گھیرے رہتے ہیں۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے ہر

(۱) لَهٗ خبر مقدم ہے اور ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، خبر کی تقدیم سے حصر کا مفہوم پیدا ہوا ہے اور لام تملیک کا ہے جیسے وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ الخ میں (۲) جمع ہے مُعَقِّبَةٌ کی جس کے معنی ہیں وہ جماعت جو دوسری جماعت کے پیچھے متصلاً آئے، یہاں مراد فرشتوں کی جماعتیں ہیں (۳) مَرَدٌّ مصدر میمی ہے رَدَّهٗ (ن) رَدًّا و مَرَدًّا عن کذا: پھیرنا، واپس کرنا، لوٹانا (۴) وَالٍ اصل میں وَالِيٌ تھا۔ یاء حذف کی گئی ہے، لام کا زیر اسکی علامت کے طور پر ہے۔

طرف سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، انسان کے ان باڈی گارڈوں کی صبح وشام ڈیوٹی بدلتی ہے، یہ فرشتے انسان کی ہر مکروہ امر سے حفاظت کرتے ہیں اور اس کے تمام اچھے برے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں اور ریکارڈ تیار کرتے رہتے ہیں۔

حدیث شریف میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے: ''انسانوں کی نگرانی اور نگہبانی کے لئے فرشتوں کی دو جماعتیں مقرر ہیں۔ ایک رات کے لئے، دوسری دن کے لئے اور یہ دونوں جماعتیں صبح اور عصر کی نمازوں میں اکٹھی ہوتی ہیں''[۱] —— صبح کی نماز کے بعد رات کے محافظ فرشتے رخصت ہوجاتے ہیں اور دن کے محافظ فرشتے کام سنبھال لیتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد یہ رخصت ہوجاتے ہیں اور رات کے فرشتے ڈیوٹی پر آجاتے ہیں۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں کہ اس پر کوئی دیوار نہ گر پڑے یا وہ کسی گڑھے یا غار میں نہ گر جائے یا کوئی جانور اس کو گزند نہ پہنچائے لیکن جب نوشتۂ تقدیر پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو محافظ فرشتے اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں اور اللہ پاک نے جو مقدر فرمایا ہے وہ ہوکر رہتا ہے (روح المعانی)

حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ پاک کی حفاظت شامل حال نہ ہو تو انسان چند لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ موت ہر طرف سے انسان کو گھیرے ہوئے ہے عالم کا ذرہ ذرہ اس کے لئے سامان موت ہے، ہم جن تیز رفتار سواریوں پر سوار ہوکر دوڑے پھرتے ہیں کیا یہ موت کے گھوڑے نہیں ہیں؟ یہ ہوائی جہاز، یہ ریلیں، یہ کاریں اگر ذرا گڑبڑ ہوجائیں تو انسان کا نام باقی نہ رہے، ہمارے چاروں طرف کس قدر جانور پھیلے ہوئے ہیں جو ہماری زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہیں، ہم بے فکر ہر جگہ سوجاتے ہیں اگر چیونٹی یا مکھی یا مچھر ہمارے دماغ میں یا کان میں گھس جائے تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ اللہ پاک کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے فرشتوں کی فوج کی فوج ہماری حفاظت کے لئے متعین فرمادی ہے جو ہر آن اور ہر گھڑی ہمیں تکلیف دہ چیزوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

انہی فرشتوں میں دو فرشتے وہ بھی ہیں جو ہمارے اچھے برے کاموں کا ریکارڈ تیار کرتے ہیں، قیامت کے دن یہ نامۂ اعمال ہر انسان کے روبرو کھول دیا جائے گا اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

اور یہ جو فرمایا کہ: ''امر الٰہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے جو چیزیں نقصان رساں ہیں وہ بھی اللہ پاک ہی کی مخلوقات ہیں اور اللہ پاک ہی کی طرف سے آتی ہیں، اللہ پاک کے علاوہ کسی اور کی طرف سے کوئی چیز آنے والی نہیں، انسان کو سانپ ڈس لیتا ہے، بچھو کاٹتا ہے، اس کے جسم میں زہر پیدا ہوجاتا ہے، نبض

(۱) حديث متفق عليه عن أبي هريرة رضي الله عنه (مشکوٰۃ ص۶۲)

ڈوبنے لگتی ہے یہ سب چیزیں اللہ پاک ہی کی پیدا کردہ ہیں اور امر الٰہی (معاملات خداوندی) ہیں، اللہ پاک کے مقرر کردہ فرشتے ان آفات سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کار اُلٹ گئی اور مسافر بال بال بچ گئے، مکان ڈھیر ہوگیا اور لوگ حیرت انگیز طور پر باہر نکل آئے، کشتی ڈوب جاتی ہے اور مسافر کسی طرح بچ جاتے ہیں، بیماری خطرناک ہوجاتی ہے ڈاکٹر مایوس ہوکر جواب دیدیتے ہیں اور مریض صحت یاب ہوجاتا ہے۔ لوگ یہ واقعات دیکھ کر یا سن کر حیرت زدہ ضرور ہوجاتے ہیں مگر بہت کم ہیں جو حقیقت حال سے واقف ہوتے ہیں ——— اس آیت پاک میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ سب حفاظت خداوندی کی کرشمہ سازی ہے، اللہ پاک اپنے فرشتوں کے ذریعہ ان آفات سے بچالیتے ہیں۔

حفاظت خداوندی پر اشکال کے جواب میں دوضابطے

یہاں پہنچ کر یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب اللہ پاک فرشتوں کے ذریعہ انسان کی حفاظت فرماتے ہیں تو چاہئے کہ انسان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حالانکہ انسان بیمار بھی پڑتا ہے اُسے آفتیں، تکلیفیں اور اذیتیں بھی پہنچتی ہیں، یہ کیا بات ہے؟ اللہ پاک اس سلسلہ میں دوضابطے ارشاد فرماتے ہیں:

پہلا ضابطہ:——— اللہ پاک اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک وہ اپنی حالت بدل نہ دے ——— یعنی اللہ پاک کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم یا کوئی شخص اپنی حالت بدل لیتا ہے تو پھر اللہ پاک بھی اس کی حالت بدلنے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں اور اس سے فرشتوں کی حفاظت اٹھالیتے ہیں، مثلاً کوئی شخص معمولاً مکان میں سوتا ہے اب اگر کسی دن وہ اپنی عادت کے خلاف کھلی فضاء میں سوجائے تو نزلہ زکام یا کسی اور تکلیف کا امکان پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے میں بے احتیاطی، سردی گرمی سے بچنے میں لاپرواہی اور اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنا تکلیفوں اور اذیتوں کا سبب بن جاتا ہے اسی وجہ سے سورۃ البقرہ (آیت ۱۹۵) میں حکم دیا گیا ہے کہ: ''اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو''

اور اللہ پاک کا یہ ضابطہ افراد سے لے کر قوموں تک برابر اپنا کام کرتا ہے۔ سورۃ الانفال (آیت ۵۳) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اللہ پاک جو بھی نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں، اس نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ قوم خود کو نہ بدل ڈالے''، یعنی اللہ پاک کا یہ دستور نہیں کہ کسی قوم کو کسی نعمت سے نوازیں اور پھر بلاوجہ چھین لیں بلکہ نعمت اس وقت تک قوم پر سایہ فگن رہتی ہے جب تک وہ قوم خود کو اس کا اہل ثابت کرتی رہتی ہے، اور جب قوم اس نعمت کی پامالی پر اتر آتی ہے تو وہ نعمت باقی نہیں رکھی جاتی۔

دوسرا ضابطہ:——— اور جب اللہ پاک کسی قوم کے ساتھ برائی چاہتے ہیں تو ——— وہ برائی پہنچ کر رہتی ہے ——— اس

کے لئے پھیرنا نہیں، اور نہ ان لوگوں کے لئے اللہ پاک سے نیچے کوئی کارساز ہے — یعنی جب اللہ پاک کسی قوم پر شامت ڈالنے کا فیصلہ فرمالیتے ہیں یا کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچانا طے فرمالیتے ہیں تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ نہ اللہ پاک کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی اور مددگار ہوسکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ابھی بیان ہو چکا ہے کہ جب نوشتہ تقدیر کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تو محافظ فرشتے اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں اور اللہ پاک نے جو مقدر فرمایا ہے وہ پورا ہوکر رہتا ہے۔

آیت پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک اپنے فرشتوں کے ذریعے ہر آفت سے انسان کی حفاظت فرماتے ہیں مگر جب انسان اللہ پاک کی نعمت کی پامالی پر اتر آتا ہے یا اللہ پاک اپنے علم وحکمت میں کوئی تکلیف ڈالنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتوں کی حفاظت ہٹ جاتی ہے اور انسان کو تکلیف پہنچ کر رہتی ہے — اس آیت کا عام طور پر جو مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قوم میں اچھا انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ خود اس اچھے انقلاب کے لئے اپنے حالات کو درست نہ کرے۔ یہ آیت پاک کا مفہوم مخالف ہے اور حنفیہ کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۞ وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ ۚ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ وَهُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ۞

هُوَ الَّذِىۡ	وہی (ہیں) جو	السَّحَابَ	بادل	مِنۡ خِيۡفَتِهٖ	اُس کے ڈر سے
يُرِيۡكُمُ	دکھاتے ہیں تمہیں	الثِّقَالَ	بھاری	وَيُرۡسِلُ	اور بھیجتے ہیں وہ
الۡبَرۡقَ	بجلی	وَيُسَبِّحُ	اور پاکی بیان کرتا ہے	الصَّوَاعِقَ (۳)	کڑاکے
خَوۡفًا (۱)	ڈرانے کے لئے	الرَّعۡدُ	گرج فرشتہ	فَيُصِيۡبُ	پس پہنچاتے ہیں وہ
وَّطَمَعًا (۱)	اور امید دلانے کیلئے	بِحَمۡدِهٖ	ان کی حمد کے ساتھ	بِهَا	ان کو
وَّيُنۡشِئُ (۲)	اور اٹھاتے ہیں	وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ	اور فرشتے	مَنۡ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں

(۱) خَوۡفًا اور طَمَعًا مفعول لہ ہیں (۲) يُنۡشِئُ باب افعال سے ہے اَنۡشَاۃ: پرورش کرنا اَنۡشَاَ اللّٰهُ السَّحَابَةَ: گھٹا اٹھانا اَنۡشَاَ الشيئَ: نو پید کرنا مجرد نَشَأَ (ف) الشَّئُ: نو پید ہونا (۳) صَاعِقَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کڑک، زمین پر گرنے والی بجلی

وَهُمْ	اور وہ لوگ	فِي اللّٰهِ	اللہ کے بارے میں	الْمِحَالِ[۱]	تدبیر سے پکڑ کرنے
يُجَادِلُوْنَ	جھگڑ رہے ہوتے ہیں	وَهُوَ شَدِيْدُ	اور وہ سخت		والے (ہیں)

نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی بادلوں سے بارش برساتے ہیں اور وہی کڑا کے گراتے ہیں

پچھلی آیت میں بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا۔ اب ان دو آیتوں میں اللہ پاک جل شانہ کی ایک تیسری صفت کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ نفع اور نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ اور کسی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس مضمون کو ایک ایسی مثال سے سمجھایا ہے جس میں دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں —— وہی تمہارے سامنے ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلیاں چمکاتے ہیں —— کون ہے جس نے بجلی کوندتے نہیں دیکھی، جب وہ چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید باندھتے ہیں اور جب وہ تیزی سے بار بار ہوتی ہے تو اندیشہ بھی لاحق ہوتا ہے —— اور (وہی) بھاری بادل اٹھاتے ہیں —— ہزاروں ٹن پانی سے لدے ہوئے بھاری بادل وہی سطح زمین سے اٹھا کر فضا میں بلند کرتے ہیں۔ پھر جہاں چاہتے ہیں انہیں برساتے ہیں —— اگر اللہ پاک بارش کا یہ انتظام نہ فرمائیں تو کون طاقت ہے جو آب رسانی کا یہ انتظام کر سکے، چند دنوں میں کنوؤں کے پانی خشک ہو جائیں اور انسان پانی کے قطرے قطرے کے لئے ترس جائے۔ اللہ پاک کا کتنا بڑا کرم ہے کہ دریاؤں سے بادلوں کو اٹھا کر ساری زمین کو سیراب کرتے ہیں حقیقی نفع رسانی یہی ہے، نادان انسان کسی کو چار پیسے دے کر سمجھتا ہے کہ میں نے نفع پہنچایا، حالانکہ وہ نہ دیتا تب بھی دوسرے کا کام کسی طرح چل ہی جاتا حقیقی نفع وہ ہے جس کے بغیر زندگی کی گاڑی ایک قدم نہ چل سکے اور ایسی نفع رسانی صرف اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔

پانی سے لدے ہوئے بادل فضا میں بلند ہوتے ہیں مگر ان کی مجال نہیں کہ اللہ پاک کے حکم کے بغیر کسی جگہ برس پڑیں، نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ ان سے پانی کا ایک قطرہ چھین لے بلکہ جس طرح اللہ پاک نے انسان کے لئے محافظ اور نگراں فرشتے مقرر کئے ہیں اسی طرح بادلوں پر بھی نگراں فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ پاک کے حکم کے مطابق بادلوں کو ہانک کر لے چلتے ہیں اور جہاں جس قدر پانی برسانا اللہ پاک کو منظور ہوتا ہے برساتے ہیں، ان فرشتوں کا جو امیر ہے اس کو الرَّعْد (گرج) کہا ہے جیسے موت کے فرشتے کو ملک الموت (موت کا فرشتہ) کہا جاتا ہے ارشاد فرماتے ہیں —— اور اللہ پاک کی ہیبت سے گرج فرشتہ اور دوسرے فرشتے اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں —— یعنی بادلوں پر مقرر تمام فرشتے، انکے امیر فرشتے تک، سب ہی جلال خداوندی سے لرزتے رہتے ہیں اور اللہ پاک کی حمد و تسبیح میں لگے رہتے ہیں مشرکین اُن فرشتوں کو خداوند بارش خیال کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتے خادم ہیں

(۱) اَلْمِحَال کے دو معنی ہیں سخت سزا میں پکڑنا اور تدبیر اور داؤ سے کام کرنا۔

اور اپنے پروردگار کے جلال سے کانپتے ہوئے ان کی حمد وثنا اور تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

گرج فرشتے کی آواز ہے:

الرَّعْد کی یہ تفسیر صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ ترمذی شریف، نسائی شریف اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود نے نبی کریم ﷺ سے (امتحاناً) اَلرَّعْد (گرج) کی حقیقت پوچھی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''وہ اللہ پاک کے ایک فرشتے ہیں جو بادلوں پر مقرر ہیں، انکے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے، جس سے بادلوں کو ڈانٹتے ہیں اور جہاں اللہ پاک کا حکم ہوتا ہے ہانک کرلے جاتے ہیں'' ان لوگوں نے پوچھا کہ جو آواز ہم سنتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اس فرشتے کی آواز ہے، وہ کہنے لگے کہ آپ نے صحیح جواب دیا (ان کی تصدیق سے معلوم ہوا کہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی یہی بیان تھا)

اور سائنس بجلی اور گرج کی جو حقیقت بیان کرتی ہے وہ اس کا ظاہری پہلو ہے شریعت نے اس کے باطنی پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے مثلاً کوئی شخص راستے پر چلا جارہا ہو اور اچانک دور سے اُسے راستے پر پڑا ہوا سانپ نظر آئے اور وہ اُسے ماردے یا راستہ بدل دے تو ظاہر بین آدمی یہ سمجھے گا کہ چونکہ اس نے سانپ کو دیکھ لیا اس لئے بچ گیا مگر پچھلی آیت میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ پاک نے انسان کی حفاظت کیلئے جو فرشتے مقرر کئے ہیں ان فرشتوں نے دور سے وہ سانپ اسے دکھادیا اس وجہ سے وہ بچ گیا اور ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی اسی طرح بادل کی گرج کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے۔

اور وہ کڑاکے بھیجتے ہیں پس انہیں جن پر چاہتے ہیں گرادیتے ہیں، جبکہ وہ اللہ پاک کے بارے میں جھگڑرہے ہوتے ہیں اور اللہ پاک تدبیر سے سخت سزا میں پکڑنے والے ہیں—یعنی وہی بادل کی گرج اور بجلیاں جو بارانِ رحمت لاتی ہیں جب کڑاکا بن کر زمین پر گرتی ہیں تو بلائے ناگہانی ثابت ہوتی ہیں اور جن کے حق میں فیصلہ خداوندی صادر ہوتا ہے ان کو جلاکر خاکستر کردیتی ہیں اور لوگ ہوتے ہیں کہ اللہ پاک ہی کے بارے میں جھگڑرہے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلہ میں چند واقعات آئے ہیں۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ نے عرب کے ایک متکبر چودھری کے پاس آدمی بھیجا کہ اُسے بلالاؤ۔ قاصد نے جاکر اس سے کہا کہ: ''تمہیں اللہ کے رسول یاد فرماتے ہیں'' وہ کہنے لگا کہ رسول کون ہوتا ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ العیاذ باللہ! وہ یہی گستاخانہ کلمات بار بار بک رہا تھا تیسری مرتبہ جب یہ کلمات اس کی زبان سے نکلے تو ایک بادل اٹھا، بجلی گری اور اس کی کھوپڑی سر سے جدا ہوگئی۔

روایات میں ایک دوسرا واقعہ اس طرح آیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اَربد بن ربیعہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور

کہنے لگے کہ ہم اسلام لاتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آپ کے بعد خلافت ہم کو ملے۔ آپؐ نے انکار فرمادیا تو دونوں یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہم مدینہ کی وادی کو پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک ان کو روک دیں گے اور انصار مدینہ روکیں گے۔ وہ دونوں واپس ہوئے، تو راستہ میں اَرْبَد پر بجلی گری اور وہ جہنم رسید ہو گیا اور عامر طاعون کی گلٹی سے ہلاک ہوا —— اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سنتے تھے تو اللہ پاک سے یہ دعا کرتے تھے: ﴿ اَللّٰهُمَّ لاَ تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ، وَلاَ تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ ﴾ (اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کر دیں، اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر دیں اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دیں) —— ہمیں بھی بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک کے وقت یہی دعا پڑھنی چاہئے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿١٤﴾

لَهٗ (١)	انہی کے لئے (ہے)	يَسْتَجِيْبُوْنَ (٢)	جواب دے سکتے ہیں وہ	فَاهُ	اس کے منہ تک
دَعْوَةُ	پکارنا	لَهُمْ	ان کو	وَمَا هُوَ	اور نہیں (ہے) وہ
الْحَقِّ	سچا	بِشَيْءٍ	کچھ بھی	بِبَالِغِهٖ	اس کے منہ کو پہنچنے والا
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اِلَّا	مگر	وَمَا	اور نہیں (ہے)
يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں	كَبَاسِطِ	پھیلانے والے کی طرح	دُعَاۗءُ	پکارنا
مِنْ دُوْنِهٖ	ان کے سوا (دوسری ہستیوں) کو	كَفَّيْهِ	اپنی ہتھیلیوں کو	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں (کا)
		اِلَى الْمَاۗءِ	پانی کی طرف	اِلَّا	مگر
لَا	نہیں	لِيَبْلُغَ	تاکہ پہنچ جائے وہ	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں

اللہ پاک ہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، پس انہی سے مانگو

پچھلی آیت میں یہ بیان تھا کہ ہر قسم کے نفع و نقصان کے مالک اللہ پاک ہیں اب اس آیت میں ایک اور صفت کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کے سارے اختیارات اللہ پاک ہی کے ہاتھ میں ہیں اس لئے صرف

(١) لَهٗ خبر مقدم ہے دَعْوَةُ الْحَقِّ مبتدا مؤخر ہے —— دَعْوَةٌ مصدر ہے دَعَا يَدْعُوْ کا اور حالت بتانے کے لئے آتا ہے —— یہاں مصدر کی اضافت کی گئی ہے (٢) اِسْتَجَابَهٗ اور اِسْتَجَابَ لَهٗ کے معنی ہیں جواب دینا، دعا قبول کرنا۔

انہی سے دعائیں مانگنی چاہئیں، وہی مجیب الدعوات ہیں اور کوئی نہیں ہے جو دعائیں قبول کرے ارشاد فرماتے ہیں—— برحق دعا انہی کے لئے ہے—— برحق دعا وہ ہے جو رائیگاں نہ جائے ضائع جانے والی اور بے فائدہ دعا باطل دعا ہے، آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو دعا اللہ پاک ہی سے کی جاتی ہے، وہی دعا نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے اور جو دعائیں اللہ پاک کے علاوہ دوسروں سے کی جاتی ہیں وہ بے فائدہ ہوتی ہیں اور ضائع جاتی ہیں ارشاد فرماتے ہیں—— اور جو لوگ اللہ پاک کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگتے ہیں، وہ انکی درخواستوں کا کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے، ہاں (وہ ایسا جواب دے سکتے ہیں) جیسا پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلانے والا کہ وہ اسکے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ وہ اسکے منہ تک آنے والا نہیں، اور کافروں کی دعائیں محض بے فائدہ ہیں—— یعنی غیر اللہ سے دعائیں کرنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنویں کی مَن پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں آجا، ظاہر ہے کہ قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں، ٹھیک یہی حال ہے اللہ پاک کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگنے کا۔ وہ ساری دعائیں محض بے فائدہ ہیں کیونکہ کافر اور جاہل مسلمان جن کو پکارتے ہیں ان میں سے کچھ تو محض اوہام وخیالات ہیں لوگوں نے خالی نام رکھ لئے ہیں، ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں اور کچھ جن اور شیاطین ہیں اور بعض اللہ پاک کے مقبول بندے ہیں لیکن خدائی میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن میں کچھ خواص ہیں جیسے آگ پانی اور ستارے لیکن وہ اپنے خواص کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنے سے کیا حاصل؟ انسان کے لئے لائق یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پکارے جو اس سے بہت قریب ہیں۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۶) میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ انہیں بتلا دیں) کہ میں قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں قبول کر لیتا ہوں پس ان کو چاہئے کہ اپنی دعاؤں کی قبولیت مجھ سے چاہیں اور ان کو چاہئے کہ مجھ پر ایمان لائیں، امید ہے کہ ان کو راہ مل جائے گی“ یعنی اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے انہی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں دوسرا نہ کوئی ان کا خالق ہے نہ مالک، نہ نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے، اس لئے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانا جہالت اور کفر ہے۔

دعا صرف اس کا نام نہیں کہ بندہ جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتا ہے اُسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کی کوشش کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو اس کی کوشش رائیگاں گئی، بلکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دعا عین عبادت ہے یعنی وہ حصول مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذات خود عبادت ہے۔ سورۃ المؤمن (آیت ۶۰) میں ارشاد فرمایا ہے: ”تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا

کرو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے"۔۔۔۔ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ دعا خود عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں پس دعا بھی غیر اللہ سے جائز نہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

السجدۃ ۲

وَلِلّٰهِ	اور اللہ پاک کے لئے	قُلْ	پوچھئے	يَمْلِكُوْنَ	اختیار رکھتے
يَسْجُدُ(۱)	سجدہ کرتے ہیں	مَنْ رَّبُّ	کون (ہے) پروردگار	لِاَنْفُسِهِمْ	اپنے لئے
مَنْ	جو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	نَفْعًا	کسی نفع (کا)
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کا)؟	وَّلَا ضَرًّا	اور نہ کسی نقصان (کا)
وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہیں)	قُلِ اللّٰهُ	جواب دیجئے: اللہ پاک	قُلْ	پوچھئے
طَوْعًا(۲)	خوشی سے	قُلْ	کہئے	هَلْ يَسْتَوِي	کیا برابر ہوسکتا ہے
وَّكَرْهًا	اور ناخوشی سے	اَفَاتَّخَذْتُمْ	کیا تو بنالیا ہے تم نے	الْاَعْمٰى	اندھا
وَّظِلٰلُهُمْ	اور ان کے سائے	مِّنْ دُوْنِهٖٓ	ان سے ورے	وَالْبَصِيْرُ	اور بینا؟
بِالْغُدُوِّ(۳)	صبح	اَوْلِيَآءَ	(ایسے) کارساز	اَمْ هَلْ	اور کیا
وَالْاٰصَالِ	اور شام	لَا(۴)	(جو) نہیں	تَسْتَوِي	برابر ہوسکتی ہیں

(۱) سَجَدَ (ن) سُجُوْدًا: فروتنی سے جھکنا، عاجزی اور فرمانبرداری سے سرخم کرنا، عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا (۲) طَوْعًا اور كَرْهًا حال ہیں (۳) اَلْغُدُوُّ: دن کا ابتدائی حصہ اَلْاٰصِيْلُ: عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت (۴) جملہ لَا يَمْلِكُوْنَ صفت ہے اَوْلِيَاءَ کی۔

الظُّلُمٰتُ	تاریکیاں	خَلَقُوْا[1]	(جنھوں نے) پیدا کیا ہے	قُلِ اللّٰهُ	فرما دیجئے اللہ پاک
وَالنُّوْرُ	اور روشنی؟	كَخَلْقِهٖ	اللہ پاک کے پیدا	خَالِقُ	پیدا فرمانے والے (ہیں)
اَمْ	کیا		کرنے کی طرح	كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز (کے)
جَعَلُوْا	ٹھہرالئے ہیں انھوں نے	فَتَشَابَهَ	پس مشتبہ ہوگیا ہے	وَّهُوَ الْوَاحِدُ	اور وہ یکتا
لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے	الْخَلْقُ[2]	پیدا کرنا	الْقَهَّارُ[3]	سب کو مغلوب رکھنے
شُرَكَآءَ	(ایسے) شریک	عَلَيْهِمْ	ان پر؟		والے (ہیں)

اللہ تعالیٰ یکتا، یگانہ، زبردست اور سب کو مغلوب رکھنے والے ہیں

ربط: اب تک ہم نے جن آیتوں کی تلاوت کی ہے، ان سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کا اور چاند سورج کا مطالعہ اور زمین اور زمین میں پائی جانے والی کائناتی چیزوں کا نظارہ ہمیں توحید کی دعوت دیتا ہے اور موت کے بعد دوسری زندگی کا یقین دلاتا ہے جو لوگ موت کے بعد دوسری زندگی کے قائل نہیں ہیں وہ درحقیقت اپنے رب ہی کے قائل نہیں ہیں اور اللہ پاک کی ہستی ایک بے مثال ہستی ہے وہ ہر چھپے کھلے کو جانتے ہیں، وہ ہر آن اپنی مخلوقات کی حفاظت اور نگرانی فرما رہے ہیں وہی نفع پہنچانے والے ہیں اور وہی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں اور ان سے جو دعائیں کی جاتی ہیں وہی قبول ہوتی ہیں۔

اب ان دو آیتوں میں اللہ پاک کی دو صفتیں اور بیان کی جاتی ہیں: ایک ہے اللہ پاک کا قہار ہونا، یعنی اللہ پاک زبردست ہیں انکے نفوذ واقتدار کے سامنے سب منقاد اور سربسجود ہیں اور دوسری ہے اللہ پاک کا واحد ہونا یعنی وہ یکتا ہیں ان کا کوئی ہمسر (برابر) نہیں، ارشاد فرماتے ہیں — اور اللہ پاک ہی کے سامنے، چاروناچار، عاجزی سے سرخم کئے ہوئے ہیں، جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں اور انکے سائے (بھی) صبح وشام — یعنی زمین وآسمان کی ہر مخلوق اللہ پاک کے قانون کی مطیع ہے اللہ پاک کی مشیت سے بال برابر بھی کوئی مخلوق سرتابی نہیں کرسکتی۔ مؤمن ان کے آگے خوشی سے جھکتا ہے اور کافر کو مجبوراً جھکنا پڑتا ہے۔

سجدے سے مراد اطاعت میں جھکنا، حکم بجالانا اور سر تسلیم خم کرنا ہے، آسمانوں کو، چاند سورج کو اور بے شمار تاروں کو اللہ پاک نے جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ بڑی خوشی سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں، دریاؤں کو، درختوں کو اور حیوانات

(۱) جملہ خَلَقُوْا صفت ہے شُرَكَآءَ کی (۲) اَلْخَلْقُ مصدر ہے باب نصر کا، جو اسم کی طرح بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہیں پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا اور دوسری صورت میں معنی ہیں مخلوقات، کائنات (۳) اَلْقَهَّارُ مبالغہ کا وزن ہے قَهَرَهٗ (ف) قَهْرًا: غالب ہونا۔

کو جس غرض سے پیدا فرمایا ہے ہر وقت وہ اس مقصد کی تکمیل میں سرگرم ہیں۔ سایوں کو دیکھو ان کے گھٹنے بڑھنے کا جو قانون اللہ پاک نے بنادیا ہے کتنی سختی سے وہ اس کی پابندی کرتے ہیں صبح کے وقت اور شام کے وقت دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ہر چیز کا سایہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ پھر جب اللہ پاک کا قانون اسے گھٹاتا ہے تو گھٹ جاتا ہے۔

غرض انسان غور کرے تو اسے اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ ساری کائنات چار و ناچار حکم خداوندی بجالانے پر مجبور ہے کون انسان ہے جو مرنا چاہتا ہے یا بیمار پڑنا چاہتا ہے یا تنگ دست رہنا چاہتا ہے؟ مگر چار و ناچار سب کو ان حالات سے گزرنا پڑتا ہے جو اللہ پاک کو مانتے ہیں وہ اُسے اللہ پاک کا حکم جان کر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ خاک میں ناک رگڑ کر ان حالات سے گذرتے ہیں۔

جب اللہ پاک کا حکم مانے بغیر چارہ ہی نہیں تو کس قدر بے عقل ہیں وہ لوگ جو رضا و رغبت سے حکم نہیں مانتے، جو ہر طرح قانون خداوندی میں جکڑے ہوئے ہیں پھر بھی اطاعت کا دم نہیں بھرتے —— اُن سے پوچھئے: آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ —— اگر وہ اس سوال کے جواب میں چپ سادھ لیں تو آپ خود —— جواب دیجئے: کہ "اللہ پاک ہیں" —— مشرکین خود اس بات کے قائل تھے کہ آسمان و زمین کے رب اللہ پاک ہیں اس لئے وہ اس سوال کا جواب انکار کی صورت میں دے ہی نہیں سکتے، مگر اقرار کی صورت میں بھی جواب دینے سے کترائیں گے، کیونکہ اس اقرار کے بعد توحید کا ماننا لازم آئے گا اور شرک کے لئے کوئی بنیاد باقی نہیں رہے گی، اس لئے اگر وہ اپنے موقف کی کمزوری محسوس کر کے اس سوال کے جواب میں چپ رہیں، تو آپ خود جواب دیں کہ آسمانوں اور زمین کے رب اللہ پاک ہیں پھر —— آپ پوچھیں —— کہ جب آسمان اور زمین کے خالق و مالک اور پروردگار اللہ پاک ہیں —— تو کیا تم نے انکو چھوڑ کر ایسے کارساز بنالئے ہیں جو خود اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مختار نہیں —— یعنی جب آسمانوں اور زمین کے پروردگار اللہ پاک ہیں تو آخر یہ دوسرے کون ہیں جن کی تم بندگی کر رہے ہو؟ وہ تو خود اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں، پھر تم کن امیدوں پر ان کی عبادت کرتے ہو؟ —— آپ پوچھیں: کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں؟ یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہوسکتی ہے؟ —— اندھے سے مراد مشرک و کافر ہے جو کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے توحید کے آثار و دلائل دیکھ نہیں سکتا اور بینا سے مراد مؤمن ہے جو کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے اللہ پاک کو پہچان رہا ہے اور تاریکیوں سے مراد کفر و جہالت اور گمراہی کی تاریکیاں ہیں جن میں منکر بھٹک رہا ہے اور روشنی سے مراد علم و ایمان کی روشنی ہے —— پس غور کرو اندھا اور آنکھ والا برابر ہوسکتے ہیں؟ یعنی مومن اور کافر کا انجام یکساں ہوسکتا ہے؟ اور تاریکیاں اور روشنی برابر ہوسکتی ہے؟ یعنی ایمان اور کفر کا معاملہ یکساں ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں ہوسکتا۔ تفصیل ابھی آیت نمبر سترہ و اٹھارہ اور انیس میں آرہی

ہے یا ــــ انھوں نے اللہ پاک کے لئے ایسے شرکاء ٹھہرائے ہیں جنھوں نے اللہ پاک کے پیدا کرنے کی طرح کوئی چیز پیدا کی ہے، جس سے ان کے لئے پیدا کرنا مشتبہ ہو گیا ہے؟ آپ فرمایئے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے والے اللہ پاک ہیں، اور وہ یکتا زبردست ہیں ــــ یعنی اگر ایسا ہوتا کہ دنیا میں کچھ چیزیں اللہ پاک نے پیدا کی ہوتیں اور کچھ دوسروں نے، تب تو واقعی شرک کے لئے معقول بنیاد تھی اور دوسری ہستیوں کی پیدا کردہ چیزوں کو دیکھ کر اشتباہ ہو سکتا تھا اور ان کی خدائی کا شبہ ہو سکتا تھا لیکن جب ان کے معبودوں میں سے کسی نے ایک تنکا اور ایک پتہ بھی پیدا نہیں کیا تو پھر یہ معبود اللہ پاک کے اختیارات اور ان کے حقوق میں آخر کس بناء پر شریک ٹھہرا لئے گئے ہیں؟

''اللہ پاک کے پیدا کرنے کی طرح'' کا مطلب واقعی پیدا کرنا ہے محض نام کرنا مراد نہیں، انسان رات دن جو حیرت انگیز چیزیں بناتا رہتا ہے وہ انکا حقیقی پیدا کرنا نہیں ہے کیونکہ وہ قدرتی اجزاء کا محتاج ہے۔ اللہ پاک کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو استعمال کئے بغیر انسان ایک ذرہ بھی نہیں بنا سکتا۔

آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے رب اللہ پاک ہیں، وہی ان کے خالق و مالک ہیں، اور کائنات کی ہر چیز اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے، اس لئے ساری کائنات اللہ پاک کے حکم کے آگے سرافگندہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پاک یکتا و یگانہ زبردست اور سب کو مغلوب رکھنے والے ہیں۔ پس کتنی بڑی بھول میں ہیں وہ لوگ جو اس یکتا اور زبردست ہستی کو چھوڑ کر ان ہستیوں کی غلامی اور بندگی کا دم بھرتے ہیں جو خود اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں:

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے ❁ جہاں روشن ہو نور لاَ اِلٰہ سے

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

ع

اَنْزَلَ	اتارا (برسایا)	مِّثْلُهٗ	اسی طرح	اللّٰهُ	اللہ پاک
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان (بادل) سے	كَذٰلِكَ	یوں	الْاَمْثَالَ	مثالیں (مضامین)
مَآءً	پانی	يَضْرِبُ	واضح فرماتے ہیں	لِلَّذِيْنَ(۷)	ان کے لئے جنھوں نے
فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ(۱)	پس بہہ پڑے نالے	اللّٰهُ	اللہ پاک	اسْتَجَابُوْا(۸)	(بات) قبول کی
بِقَدَرِهَا(۲)	اپنے ظرف کے مطابق	الْحَقَّ	حق	لِرَبِّهِمُ	اپنے رب کی
فَاحْتَمَلَ(۳)	پس اوپر لے آیا	وَالْبَاطِلَ	اور باطل (کو)	الْحُسْنٰى	بھلی
السَّيْلُ	سیلاب	فَاَمَّا	پس رہا	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے
زَبَدًا	جھاگ کو	الزَّبَدُ	جھاگ	لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا	نہ قبول کی
رَّابِيًا(۴)	پھولا ہوا	فَيَذْهَبُ	سو جاتا ہے	لَهٗ	ان کی (بات)
وَمِمَّا(۵)	اور اس چیز سے	جُفَآءً(۶)	رائیگاں (بے فائدہ)	لَوْ اَنَّ	اگر بے شک
يُوْقِدُوْنَ	دھونکتے ہیں وہ	وَاَمَّا	اور رہی	لَهُمْ	ان کے پاس (ہو)
عَلَيْهِ	اس پر	مَا يَنْفَعُ	وہ چیز جو نفع پہنچاتی ہے	مَّا	جو کچھ
فِي النَّارِ	آگ میں	النَّاسَ	لوگوں کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے
ابْتِغَآءَ	چاہنے کے لئے	فَيَمْكُثُ	تو ٹھہر جاتی ہے	جَمِيْعًا	سارا
حِلْيَةٍ	زیور	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَّمِثْلَهٗ	اور اس کے مانند
اَوْ مَتَاعٍ	یا اسباب	كَذٰلِكَ	اسی طرح	مَعَهٗ	اس کے ساتھ
زَبَدٌ	جھاگ (آتا ہے)	يَضْرِبُ	بیان فرماتے ہیں	لَافْتَدَوْا	ضرور فدیہ میں دے دیں

(۱) الوادی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ندی، نالا، اس کے ایک معنی دو پہاڑوں کے درمیان ہموار زمین کے بھی ہیں، مگر وہ یہاں مراد نہیں (۲) بقدرھا ای بمقدارھا (روح) (۳) اِحْتَمَلَ (افتعال) حَمَلَ کے معنی میں ہے (۴) رَابِيًا صفت ہے زَبَدًا کی (۵) مِمَّا يُوْقِدُوْنَ الخ خبر مقدم ہے اور زَبَدٌ مِّثْلُهٗ مبتدا مؤخر ہے مِنْ ابتدائیہ ہے ما موصولہ ہے جملہ يُوْقِدُوْنَ صلہ ہے عَلَيْهِ اور فِي النَّارِ متعلق ہیں يُوْقِدُوْنَ سے ابْتِغَآءَ الخ مرکب اضافی مفعول لہ ہے يُوْقِدُوْنَ کا (۶) اَلْجُفَآء: سیلاب کا خس وخاشاک مجازی معنی ہیں بے کار، بے فائدہ (۷) للذين الخ خبر مقدم ہے اور الحُسْنٰى مبتدا مؤخر ہے (۸) اِسْتَجَابَهٗ اور اِسْتَجَابَ لَهٗ کے معنی ہیں، جواب دینا، قبول کرنا۔

بِہٖ	اس کو	سُوْٓءُ	سخت	جَهَنَّمُ	دوزخ (ہے)
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	الْحِسَابِ	حساب	وَبِئْسَ	اور برا (ہے وہ)
لَهُمْ	ان کے لئے (ہے)	وَمَاْوٰىهُمْ	اوران کا ٹھکانہ	الْمِهَادُ	ٹھکانا

نہ حق اور باطل یکساں ہیں نہ مؤمن اور کافر (مثال سے وضاحت)

پچھلی آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ اندھا اور بینا یعنی کافر اور مؤمن برابر نہیں ہوسکتے، نہ تاریکیاں اور روشنی یعنی باطل اور حق برابر ہوسکتے ہیں۔ اب ان دو آیتوں میں اس کی تفصیل ہے: پہلے دوسری بات بیان کی ہے کہ حق و باطل کا معاملہ یکساں نہیں، پھر دوسری آیت میں پہلی بات بیان کی ہے کہ مؤمن اور کافر بھی برابر نہیں ہوسکتے، ارشاد فرماتے ہیں —— اللہ پاک نے آسمان سے پانی برسایا پس ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ چلے، اور رَو پھولا ہوا جھاگ سطح پر لے آئی، اور جن چیزوں کو زیور یا اسباب بنانے کی غرض سے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ویسا ہی میل اوپر آجاتا ہے —— یوں اللہ پاک حق و باطل کو واضح فرماتے ہیں —— سو رہا جھاگ تو وہ رائگاں جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے —— یوں اللہ پاک مثالوں سے وضاحت فرماتے ہیں۔

پہلی مثال: —— ساری زمین کوڑے کرکٹ اور میل کچیل سے اٹی پٹی ہوتی ہے کہ موسم باراں آیا، اللہ پاک نے آسمان کی طرف سے پانی برسایا اور ندی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ چلے، چھوٹے نالے میں کم اور بڑے نالے میں زیادہ پانی کی سمائی ہوتی ہے، سیل جب رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے پانی گدلا ہوگیا، پھر میل کچیل پھول کر جھاگ بن کر اوپر آگیا اور پانی کی پوری سطح پر چھا گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد پانی کی روانی اس کو اس طرح بہالے جاتی ہے کہ ندی نالے کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ کہیں کوڑے کرکٹ کا نام ونشان نہیں ملے گا، ہر طرف صاف وشفاف پانی ہی رواں دواں نظر آئے گا۔

دوسری مثال: —— چاندی، تانبا، لوہا، پیتل وغیرہ معدنیات زیور، برتن اور ہتھیار وغیرہ بنانے کے لئے تیز آگ میں تپائی جاتی ہیں یا پگھلائی جاتی ہیں، ان میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے اور دھات کی پوری سطح پر چھا جاتا ہے مگر جب اس پر ہتھوڑا یا گھن بجتا ہے تو سارا میل کچیل چشم زدن میں اڑ جاتا ہے یا پگھلانے والا کسی آلہ سے دھات پر سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز ہے وہی باقی رہ جاتی ہے۔

تطبیق: —— حق و باطل کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ تاریکیاں اور روشنی کبھی برابر نہیں ہوسکتیں جیسے پانی اور جھاگ کبھی ہم رتبہ نہیں ہوسکتے یا جیسے دھات اور میل کبھی ہم قیمت نہیں ہوسکتے۔ مگر جب شروع میں حق کا نزول ہوتا ہے تو باطل اُچھل

کود کرتا ہے اور اس شان سے چرخ کھاتا ہے کہ کچھ دیر تک بس اُسی کی دھوم مچتی نظر آتی ہے، لیکن چونکہ اس کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے اس لئے تھوڑی دیر کے بعد اُس کے جوش وخروش کا پتہ نہیں رہتا۔ بس حق ہی حق باقی رہ جاتا ہے۔

نصیحت:—— مؤمن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، نہ باطل کی فتنہ پردازی سے ہراساں ہونا چاہئے اور داعی اسلام کو کبھی باطل کے شور وغوغا سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ تھوڑی دیر میں یہ اُبال بیٹھ جائے گا اور جو حق ہے اُسی کا بول بالا ہوگا۔ ثابت رہنا ٹکنا اور جمنا حق ہی کا خاصہ ہے، باطل کی قسمت میں مٹ جانا اور ٹل جانا ہی ہے ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (باطل یقیناً نکل بھاگنے والا ہے)

اور اہل باطل کو اپنی خوش حالیوں پر، اپنی فتنہ سامانیوں پر اور اہل حق کی بے بسی پر غرانا نہیں چاہئے۔ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ باطل کا حال پانی کے بلبلوں کی طرح ہے ان کو باطل کی عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

مسلمان اور غیر مسلم بھی یکساں نہیں

ارشاد فرماتے ہیں:—— جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول کی ان کے لئے بھلائی ہے اور جنھوں نے ان کی بات قبول نہ کی ان کے پاس اگر زمین کی ساری دولت ہو اور اتنی ہی اور اس کے ساتھ ہو تو وہ اس سب کو عذاب خداوندی سے بچنے کے لئے فدیہ میں دے ڈالیں انہی لوگوں کا سخت حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے—— یعنی مؤمن اور کافر برابر نہیں ہوسکتے۔ مؤمن کے لئے دنیا وآخرت کی خوبی اور بھلائی ہے جس نے اللہ پاک کے احکام قبول کئے، جس نے اسلام کی دعوت قبول کی اُس کے لئے حقیقی خوشی اور قلبی اطمینان ہے۔ سورۃ النحل (آیت ۹۷) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ’’جو شخص نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ہم اسے دنیا میں اچھی زندگی دیں گے‘‘ وہ بوریا نشین ہوکر بھی اطمینان کی دولت سے مالا مال رہے گا۔ اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مالداری دنیا کے سامان کی بہتات کا نام نہیں، بلکہ دل کی بے نیازی کا نام ہے۔

اور جن لوگوں نے اپنے رب کی بات قبول نہیں کی وہ اگر زمین کی ساری دولت کے مالک بھی ہو جائیں بلکہ اتنی ہی اور بھی فراہم کرلیں تو بھی ان کے لئے محرومی ہے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی چار دن کی بہار ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی ان پر ایسی مصیبت آپڑے گی کہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے ساری دنیا کی دولت دے ڈالنے میں بھی تامل نہیں کریں گے۔ ان کے ساتھ حساب میں کسی قسم کی رعایت نہیں ہوگی، ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے، پھر انھیں جہنم رسید کردیا جائے گا اور دوزخ دوزخیوں کا برا ٹھکانا ہے۔

کیا نپٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے اُس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کی دل کی آنکھیں کھلی ہیں
اور جو پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے؟

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

اَفَمَنْ(۱)	کیا پس جو شخص	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے	اَعْمٰی	اندھا ہے؟
يَعْلَمُ	جانتا ہے	الْحَقُّ	حق (بالکل سچ) ہے	اِنَّمَا	بس
اَنَّمَآ	کہ جو کچھ	كَمَنْ	(کیا وہ) اس شخص کی	يَتَذَكَّرُ	نصیحت قبول کرتے ہیں
اُنْزِلَ	اتارا گیا ہے		مانند (ہے)	اُولُوا الْاَلْبَابِ(۲)	سمجھدار لوگ
اِلَيْكَ	آپ کی جانب	هُوَ	(جو کہ) وہ	الَّذِيْنَ	جو لوگ

(۱) ترکیب: ہمزہ استفہام انکاری۔ فاء عاطفہ انکار کو موجہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے ای اَبَعْدَ مَا بَيَّنَ حَالَ كُلٍّ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ تُتَوَهَّمُ المما ثلة بينهما؟ —— مَنْ موصولہ اور جملہ يَعْلَمُ اس کا صلہ ہے، جملہ اَنَّمَا اُنْزِلَ مفعول ہے يَعْلَمُ کا —— اِلَيْكَ: اور مِنْ رَّبِّكَ متعلق ہیں اُنْزِلَ سے —— اَلْحَقُّ خبر ہے اَنَّ کی —— اور جملہ موصولہ مشبہ ہے، کاف حرف تشبیہ ہے اور جملہ مَنْ هُوَ اَعْمٰى مشبہ بہ ہے (۲) اَلْاَلْبَابُ جمع ہے لُبٌّ کی جس کے معنی اُس عقل کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہو ←

يُوْفُوْنَ	پورا کرتے ہیں	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار سے	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو
بِعَهْدِ	عہد (پیمان)	وَيَخَافُوْنَ	اور اندیشہ رکھتے ہیں	سِرًّا	چھپے (پوشیدہ)
اللّٰهِ	اللہ پاک (کا)	سُوْٓءَ	برے (سخت)	وَّعَلَانِيَةً	اور کھلے (ظاہر)
وَلَا يَنْقُضُوْنَ	اور نہیں توڑتے وہ	الْحِسَابِ	حساب (کا)	وَّيَدْرَءُوْنَ (۵)	اور ہٹاتے ہیں وہ
الْمِيْثَاقَ	قرار (پختہ وعدہ)	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	بِالْحَسَنَةِ	بھلائی کے ذریعہ
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	صَبَرُوا	ثابت قدم رہے	السَّيِّئَةَ	برائی کو
يَصِلُوْنَ (۱)	جوڑتے ہیں	ابْتِغَآءَ (۴)	چاہنے کے لئے	اُولٰٓئِكَ لَهُمْ	وہی لوگ ان کے لئے
مَآ	اس کو	وَجْهِ	چہرہ (خوشنودی)	عُقْبَى (۶)	اچھا بدلہ (ہے)
اَمَرَ (۲)	(کہ) حکم دیا ہے	رَبِّهِمْ	اپنے رب (کا)	الدَّارِ	اس گھر کا
اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے	جَنّٰتُ (۷)	(یعنی) باغات
بِهٖٓ	اس کے متعلق	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)	عَدْنٍ (۸)	ہمیشہ رہنے کے
اَنْ يُّوْصَلَ (۳)	کہ جوڑا جائے وہ	وَاَنْفَقُوْا	اور خرچ کیا انھوں نے	يَّدْخُلُوْنَهَا	داخل ہوں گے وہ ان
وَيَخْشَوْنَ	اور ڈرتے ہیں وہ	مِمَّا	اس میں سے جو		میں

فاللبُّ اَخصُّ من العقل اسی وجہ سے قرآن کریم میں ان تمام احکام کو جن کا ادراک صرف پاکیزہ عقلیں کرسکتی ہیں **اولو الالباب** سے متعلق رکھا گیا ہے۔

(۱) **وَصَلَ (ض) وَصْلاً الشیئَ وبالشیئ**: جوڑنا، جمع کرنا (۲) **اَمَرَ** کا پہلا مفعول محذوف ہے **ای اَمَرَهُمُ اللّٰهُ** (۳) **اَنْ يُّوْصَلَ** بدل ہے **بِهٖ** کی ضمیر سے **ای بِوَصْلِه** (۴) **اِبْتِغَاءَ** مفعول لہ ہے (۵) **دَرَأَهٗ (ف) دَرَاً**: زور سے دھکا دینا۔ دفع کرنا (۶) **عُقْبٰى** بدلہ، جزاء، انجام **اَعْقَبَهٗ**: بدلہ دینا — **عُقْبٰى** یا تو مصدر ہے یا اسم ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ **عُقْبٰى، عُقْب** اور **عَاقِبَةٌ** اچھے انجام کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور **عُقُوْبَةٌ، مُعَاقَبَةٌ** اور **عِقَابٌ** برے انجام کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ عقبٰی کے بارے میں یہ قاعدہ اکثری ہے کیونکہ **تِلْکَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِيْنَ النَّارُ** میں **عُقْبٰى** دونوں طرح کے انجاموں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور **اَلدَّارُ** پر الف لام عہدی ہے، مراد "دنیا" ہے **في الروح: أي عاقبة الدنيا وما ينبغي أن يكون مآل أمرأهلها وهي الجنة، فتعريف الدار للعهد الخ** (۷) **جَنّٰتُ** بدل ہے **عُقْبَى الدَّارِ** سے۔ (۸) **عَدَنَ (ن ض) عَدْنًا بالمكان**: اقامت کرنا **عَدَنَ البلد**: وطن بنالینا اسی سے ہے **جَنّٰتُ عَدْنٍ** (دائمی رہنے کی بہشتیں)

وَمَنْ صَلَحَ (۱)	اور جولوگ نیک ہوئے	فَنِعْمَ	سوخوب ہے	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)
مِنْ اٰبَآئِهِمْ	انکے آباؤ واجداد میں سے	عُقْبَى	بدلہ	بِهٖٓ	اس کے متعلق
وَاَزْوَاجِهِمْ	اوران کی بیویوں	الدَّارِ	اس گھر کا	اَنْ يُّوْصَلَ	کہ جوڑا جائے وہ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ	اوران کی اولاد (میں سے)	وَالَّذِيْنَ	اور جولوگ	وَيُفْسِدُوْنَ	اور بگاڑ پیدا کرتے ہیں وہ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	يَنْقُضُوْنَ	توڑتے ہیں	فِى الْاَرْضِ	زمین میں
يَدْخُلُوْنَ (۲)	آئیں گے	عَهْدَ	عہد (پیمان)	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
عَلَيْهِمْ	ان کے پاس	اللّٰهِ	خداتعالیٰ (کا)	لَهُمُ	ان کے لئے (ہے)
مِّنْ كُلِّ بَابٍ	ہر دروازے سے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	اللَّعْنَةُ	پھٹکار
سَلٰمٌ	(کہیں گے:) سلامتی ہو	مِيْثَاقِهٖ	اس کو مضبوط کرنے کے	وَلَهُمْ	اوران کے لئے (ہے)
عَلَيْكُمْ	تمہارے لئے	وَيَقْطَعُوْنَ	اور کاٹتے ہیں	سُوْٓءُ	برائی
بِمَا صَبَرْتُمْ (۳)	تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے	مَآ اَمَرَ	اس کو (کہ) حکم دیا ہے	الدَّارِ	اِس گھر کی

مؤمن اور کافر اس لئے برابر نہیں ہوسکتے کہ مؤمن احکام کی پیروی کرتا ہے اور کافر خلاف روزی

سولہویں آیت میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اندھا (کافر) اور بینا (مؤمن) کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ پھر سترہویں اور اٹھارہویں آیات میں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی تھی کہ یہ دونوں برابر اس لئے نہیں ہوسکتے کہ مؤمن کے لئے آخرت میں بھلائی ہے اور کافر کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اب ان آیات میں اُس کی مزید تفصیل ہے ـــ آیت چوبیس تک مؤمن کے احوال کا ذکر ہے اور پچیسویں آیت میں کافر کا تذکرہ ہے۔ اور تفصیل کا آغاز پھر اُسی سوال کو دُہرا کر کیا گیا ہے جو پہلے سولہویں آیت میں آچکا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــ تو بتاؤ، جو شخص یقین رکھتا ہے کہ جو دین آپ (ﷺ) پر، آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے: کیا وہ اس شخص کے برابر ہے جو (اس حقیقت سے) اندھا ہے؟ ـــ ہرگز نہیں! بھلا جو مؤمن کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے اللہ پاک کو پہچان رہا ہے، جو یقین رکھتا ہے کہ برحق دین بس وہی ہے جو اللہ پاک کی جانب سے سرور کائنات ﷺ پر نازل ہوا ہے، اور وہ اُس سچے دین کی تعلیمات کے مطابق زندگی بھی بسر کرتا ہے، وہ مؤمن کہیں اس کافر کی طرح ہوسکتا ہے جو کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے توحید کے

(۱) مَنْ کا عطف يَدْخُلُوْنَهَا کے فاعل پر ہے اور مفعول کے ذریعہ فصل ہونے کی وجہ سے تاکید کے بغیر عطف کرنا جائز ہوا ہے (۲) دَخَلَ عَلَيْهِ: زیارت کرنا (۳) بِمَا میں باسببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے۔

آثار و دلائل سے یکسر غافل ہے اور جو دین حق سے بھی نا آشنا ہے؟ ان دونوں کی زندگیاں اور زندگی کی سرگرمیاں کبھی یکساں نہیں ہوسکتیں نہ آخرت میں ان دونوں کا انجام یکساں ہوسکتا ہے، اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے مگر ـــــ نصیحت بس عقل سلیم والے ہی قبول کرتے ہیں ـــــ یعنی جن لوگوں کی عقلیں غفلت و معصیت نے بیکار نہیں کررکھیں، اور جن کے دل غلط ماحول اور شیطانی تعلیم و تربیت سے پراگندہ نہیں، وہی پاکیزہ عقل والے نصیحت قبول کرتے ہیں، وہ اللہ پاک کی باتوں کو سن کر بینا بننے کا فیصلہ کرتے ہیں، اپنی زندگیوں کو سنوار لیتے ہیں اور دین حق کی پیروی کرتے ہیں وہ اندھے بہرے بن کر اور اپنی زندگیوں کو بگاڑ کر آخرت برباد نہیں کرتے۔

مؤمن کی زندگی میں نو باتیں خاص طور پر نظر آتی ہیں

ان عقل سلیم رکھنے والے لوگوں کی زندگیوں میں جن کی دل کی آنکھیں روشن ہیں اور جو اللہ پاک کے بھیجے ہوئے دین کو بسروچشم قبول کرتے ہیں، نو باتیں خاص طور پر نظر آتی ہیں اور ان کو ان نو باتوں کے صلے میں آخرت میں تین انعامات ملیں گے ـــــ پہلے وہ نو باتیں اچھی طرح سمجھ لیں، اور اُن کو اپنی زندگیوں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، تاکہ ہم آخرت میں وہ تین عظیم انعامات پاسکیں۔

وہ نو باتیں یہ ہیں:

① ـــــ جو پیمان خداوندی کو پورا کرتے ہیں ـــــ یعنی جن لوگوں کو یقین ہے کہ آنحضور ﷺ پر جو دین نازل ہوا ہے وہ برحق دین ہے ان کی زندگیوں میں سب سے نمایاں چیز جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ پاک کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں۔

انسان نے اللہ پاک سے کیا عہد و پیمان کیا ہے؟ یہ عہد و پیمان کیا ہے کہ الٰہی! آپ ہمارے خالق و مالک اور پروردگار ہیں، ہم آپ کے بندے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی ایک سو چوہترویں (۱۷۴) آیت میں اس عہد و پیمان کا ذکر ہے کہ "جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے اُنکی اولاد کو نکالا، اور اُن سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ـــــ جب انسان نے اپنے بندے ہونے کا اور اللہ پاک کے پروردگار ہونے کا اقرار کیا اور پھر وہ اللہ پاک کے پیدا کرنے سے وجود میں آیا اور اُن کی بخشی ہوئی نعمتوں سے متمتع ہونے لگا تو اب اُس پر اپنے سابقہ عہد و پیمان کی وجہ سے کچھ ذمہ داریاں عائد ہونگی، انہی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا نام پیمان خداوندی کو پورا کرنا ہے ـــــ اللہ پاک کے یہ بندے چونکہ اپنی عبودیت میں سچے اور کامل ہوتے ہیں۔ اس لئے میثاقِ بندگی توڑنے کی جرات کبھی نہیں کرتے۔ الا یہ کہ نادانستہ کبھی ان سے کوئی لغزش ہوجائے تو

اُسے بھی وہ ندامت کے آنسوؤں سے دھوڈالتے ہیں۔

(۲)—— اور وہ اپنا اقرار نہیں توڑتے—— یعنی عقل سلیم رکھنے والے یہ بندے، لوگوں کے ساتھ کسی معاملہ میں جو عہد وپیمان باندھتے ہیں اور جو قول وقرار کرتے ہیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے، جہاں تک بس میں ہوتا ہے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں بشرطیکہ وہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو—— حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے خطبہ دیں اور یہ ارشاد نہ فرمائیں: ''جس شخص میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد وپیمان کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں''[۱] یعنی امانت اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین اور ایمان سے اس کی محرومی کی دلیل ہے، امانت داری اور ایفاء عہد ایمان واسلام کے لوازم سے ہیں—— حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: ﴿ اَلْعِدَةُ دَیْنٌ ﴾[۲] (وعدہ قرض ہے) یعنی وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے۔ لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہئے۔ اور اس کا ادا کرنا اس کا پورا کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے اوپر قرض سمجھے اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے—— لیکن اگر کسی برے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً جائز نہیں تو اس وعدہ کا پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہے اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اتباع شریعت کا ثواب ملے گا۔

(۳)—— اور جو ان تعلقات کو جوڑتے ہیں، جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے—— یعنی اللہ پاک نے جن روابط کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں ظلم وناانصافی سے توڑتے نہیں، بلکہ ہر تعلق کا پاس ولحاظ کرتے ہیں اور ہر تعلق کا حق ادا کرتے ہیں۔

اللہ پاک نے جن تعلقات کو وابستہ رکھنے کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں:

الف:—— اپنے عزیز واقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا خاندان میں محبت، مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے'' ایک دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: ''جو شخص رزق میں کشادگی اور اجل میں ڈھیل چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے''—— حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اس قوم پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہوتا ہے'' یعنی جو قوم رشتوں پر چھری چلانے والے کی مدد کرتی ہے

(۱) رواہ البیهقی فی شُعَبِ الإیمَان (۲) رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

اس قوم پر خدا تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی، اس بد بخت کی نحوست پوری قوم پر مسلط ہو جاتی ہے۔

ان حدیثوں سے ''رشتہ'' کی اہمیت بخوبی سمجھی جا سکتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ پاک نے مخلوقات پیدا کیں، جب وہ مخلوقات پیدا کر چکے تو رَحم (رشتہ) کھڑا ہوا اور اس نے رحمٰن کی کمر میں کولی بھری، رحمٰن نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' رشتے نے کہا: ''میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کوئی مجھ پر چھری چلائے!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا تو اس پر راضی نہیں کہ میں اس شخص پر احسان کروں جو تجھ پر احسان کرے اور میں اس شخص پر احسان نہ کروں جو تجھ پر احسان نہ کرے؟'' رشتہ نے کہا: ''کیوں نہیں! اے پروردگار! میں اس بات پر راضی ہوں'' اللہ پاک نے ارشاد فرمایا'' تو یہ تیرے لئے وعدہ ہے''

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ صلہ رحمی کے جواب میں صلہ رحمی کرنا حقیقی اور کامل صلہ رحمی نہیں، بلکہ وہ تو ''بدلہ'' ہے حقیقی صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ (کامل) صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو احسان کے بدلہ میں احسان کرتا ہے بلکہ (کامل) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی رشتہ داری کا پاس نہ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ [1]

جوانمرد وہ ہے جو اپنا حق طلب نہ کرے، اور دوسروں کا حق ادا کرے

ب:—— اپنے پڑوسیوں کے ساتھ، ساتھیوں کے ساتھ اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک اور شریفانہ برتاؤ کرنا، ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اللہ پاک کی وہ مؤمن نہیں! قسم اللہ پاک کی وہ مؤمن نہیں!! قسم اللہ پاک کی وہ مؤمن نہیں!!!'' پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کون مؤمن نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں'' [2] ایک دوسری حدیث شریف میں ہے: ﴿وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا﴾ [3] (اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ایمان والے ہو جاؤ گے) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: ''وہ شخص مؤمن نہیں جو پیٹ بھر کھائے اور اس کے برابر میں اس کا پڑوسی فاقے سے رہے'' [4] یعنی سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شان ایمان کے بالکل منافی ہے، اپنے پڑوسی کی بھوک سے بے نیاز اور لا پرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا، اگر چہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو، حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے—— ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگان خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہوتا ہے اس کو سامنے رکھ کر، رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں!

ج:—— دینی اخوت اور اسلامی قرابت کا پاس و لحاظ کرنا، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر

(۱) رواہ الامام البخاری (۲) رواہ البخاری (۳) رواہ الترمذی والامام احمد (۴) رواہ البیہقی فی شعب الایمان

چھ حق ہیں: (۱) جب بیمار ہو اس کی عیادت کرنا (۲) جب انتقال ہو جائے کفن و دفن کے لئے حاضر ہونا (۳) جب دعوت کرے قبول کرنا (۴) جب ملاقات ہو سلام کرنا (۵) جب اس کو چھینک آئے (اور الحمد للہ کہے) تو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہہ کر دعا دینا (۶) اور اس کی خیر خواہی کرنا خواہ وہ غائب ہو یا حاضر۔[1]

یاد رکھنا چاہئے کہ امت مسلمہ دینی رشتہ کے لحاظ سے ایک برادری بنادی گئی ہے، اور جس طرح نسلی برادری کے افراد میں جب تک اخوت، محبت اور تعاون نہ ہو، برادری کے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، اسی طرح امت کے مختلف افراد میں بھی جب تک دینی اخوت، لوجہ اللہ محبت، مخلصانہ ہمدردی، باہمی خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون نہ ہوا نکے دل آپس میں پوری طرح جڑ نہیں سکتے۔

④—— اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں—— یعنی اللہ تعالیٰ کے یہ اطاعت شعار بندے نماز، روزہ اور صدقہ خیرات جیسے نیک کام کرتے ہیں، اور اس کے باوجود اُن کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت پاک ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ (جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں، اور ان کے دل ترساں ہوتے ہیں) کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟—— آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ خدا ترس بندے مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ خیرات کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں مردود نہ ہو جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں''[2]—— اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیاز اس قدر ڈرنے کے لائق ہے کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر بندہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

دلوں کا خوف ہی بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرنے والی چیز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (فرشتوں کو) حکم دیں گے کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا ہے، یا کسی موقعہ پر مجھ سے ڈرا ہے اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے''[3] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں

(۱) رواه النسائی عن ابی هريرة (مشکوٰۃ باب السلام) (۲) رواه الترمذی و ابن ماجه. (۳) رواه الترمذی والبيهقی فی كتاب البعث والنشور

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں — اگر چہ وہ مقدار میں بہت ہی کم، مکھی کے سر کی برابر ہوں — پھر وہ آنسو بہہ کر اُس کے چہرے پر پہنچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُس چہرے کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دیں گے''(۱)

⑤ — اور وہ سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں — یعنی اللہ پاک کے ان بندوں میں پانچواں نمایاں وصفت یہ نظر آئے گا کہ وہ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا تصور کر کے لرزاں ترساں رہتے ہیں، ان کو یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے قیامت کو جب ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا تو کیا صورت پیش آئے گی؟

مؤمن کبھی بھی آخرت سے بے پروا نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں خوف آخرت کی کھٹک ہوتی ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی ضرور پیش آنے والی ہے۔

⑥ — اور جو مضبوط رہتے ہیں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے — یعنی ایمان اُن بندوں میں ایک ایسی حرارت پیدا کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سست نہیں پڑتے اور کمزوری نہیں دکھاتے، کیونکہ ایمان کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے وہ بڑی طاقت کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے کسی مرحلہ پر بے صبری کا کوئی سوال نہیں!

اس دنیا میں دُکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور انہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آئے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر وثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو حکیم اور کریم ہیں اور وہی ہم کو اُس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والے ہیں۔

اور یہ صبر واستقلال محض خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے، اس لئے نہیں کہ دنیا اس کو صابر اور مستقل مزاج کہے اور نہ اس لئے کہ بجز صبر کے چارہ نہیں رہا، مجبور ہو گئے تو صبر کر بیٹھے! — صبر کا فائدہ یہ ہے کہ صبر شعار بندہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج وغم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کرتی۔

⑦ — اور وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں — نماز کا بڑا مقصد اللہ پاک کی ''یاد'' ہے سورۃ العنکبوت میں پابندیٔ نماز

(۱) رواہ ابن ماجہ.

کے دو فائدے ذکر فرمائے ہیں: (۱) نماز بے حیائی کی باتوں سے، ناشائستہ کاموں سے اور ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے روکتی ہے (۲) نماز اللہ پاک کی یاد کا ذریعہ ہے — اور یہ دوسرا فائدہ پہلے فائدہ سے بڑا ہے ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (اور اللہ کی یاد نماز کا بڑا فائدہ ہے) اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴾ (میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو)

اللہ پاک چاہتے ہیں کہ ان کے بندے اُن کو یاد رکھیں اس لئے معراج میں پچاس نمازیں فرض کی تھیں، شب و روز میں پچاس نمازوں کی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً سارا ہی وقت اس میں صرف ہو جائے۔ پھر رحمۃ للعالمین، سید الکونین ﷺ کی درخواست پر تخفیف کی اور پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ گویا اصل مطلوب تو پچاس وقت کی نماز ہے مگر اس کو کم کر کے پانچ کر دیا ہے — لہٰذا اب پانچ نمازوں کو اس طرح پڑھنا چاہئے کہ وہ اللہ پاک کی یاد کا ذریعہ بن جائیں، حتی کہ اس وقت بھی جب آدمی بظاہر خالص دنیوی کاروبار میں مشغول ہوتا ہے، اللہ کو نہ بھولے، سورۃ النور میں ارشاد ہے:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: ایسے لوگ جن کو خرید و فروخت خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جبکہ اللہ پاک کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ پاک سات قسم کے لوگوں کو سایہ عنایت فرمائیں گے ان سات میں وہ شخص بھی ہے جس کا دل مسجد سے نکل کر بھی مسجد سے لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں لوٹ آتا ہے [۱] — اور یہ بات یعنی پانچ وقت کی نماز ہر وقت یادِ الٰہی کا ذریعہ اس وقت بن سکتی ہے جب اس کو نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کیا جائے وقت کا پورا خیال رکھا جائے کبھی کوئی نماز قضا نہ ہو، مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کی جائے۔ اور اس کی ساری شرطوں کا اور آداب و مستحبات کا خیال رکھا جائے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ طمانیت اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

⑧ — اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں — یعنی وہ جو کچھ کماتے ہیں، اُسے صرف اپنے نفس پر ہی خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں، پوشیدہ بھی اور کھلے بھی۔

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ پاک کا ہے، جو کچھ کسی کو ملا ہے وہ پروردگار کا عطیہ ہے۔ ایسی حالت میں اگر

(۱) متفق علیہ (مشکوٰۃ باب المساجد)

اللہ پاک سارے مال ومتاع کو خرچ کرنے کا حکم دیتے تو بھی انھیں ایسا کرنے کا حق تھا مگر انھوں نے صرف ایک جز کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور باقی کو ہمارے حوالے کیا ہے اب اللہ تعالیٰ کے سمجھ دار بندے، جن کو یقین ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جس دین کو لے کر تشریف لائے ہیں وہ برحق دین ہے، وہ اللہ پاک کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، کنجوسی نہیں کرتے۔ وہ لوگ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے مواقع تلاش کرتے ہیں اور جب اُن کے سامنے کوئی خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو پوشیدہ اور علانیہ ہر طرح خرچ کرتے ہیں۔

آیت پاک میں ''پوشیدہ'' کو اس لئے مقدم رکھا گیا ہے کہ پوشیدہ خرچ کرنا افضل ہے، سورۃ البقرہ (آیت ۲۷۱) میں فرمایا گیا ہے کہ صدقات کو چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے صدقات کو مخفی رکھنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط جُمَحِیُ رضی اللہ عنہ کو جب وظیفہ ملتا تو اپنے گھر والوں کے لئے ضروری خوراک خریدتے اور بقیہ رقم کو صدقہ کر دیتے، بیوی پوچھتی کہ آپ کا بقیہ وظیفہ کیا ہوا؟ تو وہ جواب دیتے قَدْ اَقْرَضْتُهُ (میں نے اُسے قرض دے دیا ہے)

لیکن اگر کسی جگہ شرعی مصلحت علانیہ دینے میں ہو تو پھر علانیہ خرچ کرنا افضل ہے مثلاً اس لئے لوگوں کے روبرو خرچ کرنا کہ اوروں کو بھی شوق اور رغبت ہو تو یہ افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت حضرت ابو ذر غفاریؓ نے بڑے حکیمانہ انداز میں بیان فرمائی ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں: ''مال میں تین شریک ہیں ایک تقدیر، جو اچھا یا برا مال ختم کرنے میں تم سے مشورہ نہ کرے گی، وہ یا تو مال کو ہلاک کر دے گی یا تم کو موت دے دیگی۔ دوسرا وارث جو اس انتظار میں ہے کہ تم قبر میں سر رکھو کہ وہ مال لے اڑے اور تم اس کی نظروں میں برے بھی ہو جاؤ گے۔ تیسرے تم خود اپنے مال میں شریک ہو، اس کے بعد حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے کہ تم تینوں شریکوں میں سب سے زیادہ عاجز نہ ٹھہرو تو تم ایسا ضرور کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''تم نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مکان میں تھیں کہ انھیں شور سنائی دیا۔ پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تجارتی قافلہ ہے جو ملک شام سے آیا ہے، اس میں سات سو اونٹ سامانوں سے لدے ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ وہ جنت میں گھسٹتے ہوئے داخل ہو رہے ہیں'' یہ بات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا: ''اگر مجھ سے ہو سکا تو میں جنت میں کھڑے ہو کر داخل ہوں گا'' اس

کے بعد انھوں نے ان تمام اونٹوں کو ان کے پالان اور لدے ہوئے سامان کے ساتھ اللہ پاک کی راہ میں دے دیا[1]

⑨ ـــــ اور وہ برائی (بدسلوکی) کو بھلائی (حسن سلوک) سے دفع کرتے ہیں ـــــ یعنی وہ لوگ بدسلوکی کے جواب میں بدسلوکی نہیں کرتے، بلکہ نیک سلوک کرتے ہیں۔ کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ جواب میں ظلم نہیں کرتے، بلکہ درگذر کرتے ہیں، بدی کے بدلے میں بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں، کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے، وہ بھلائی ہی سے پیش آتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے طرز عمل کو لوگوں کے طرز عمل کا تابع نہ بناؤ کہ کہنے لگو: اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے۔ اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے دلوں کو اس کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو، اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو''[2] (بلکہ احسان کرو) ـــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا (خاص طور سے) حکم فرمایا ہے۔ ان میں سے چار باتیں یہ ہیں:

(۱) ـــــ میں خواہ کسی سے خوش ہوں یا ناراض ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں۔

(۲) ـــــ جو میرا حق مارے، میں اس کا بھی حق ادا کروں۔

(۳) ـــــ جو مجھ کو محروم کرے، میں اس کو بھی عطا کروں۔

(۴) ـــــ جو مجھ پر ظلم کرے، میں اس کو بھی معاف کردوں[3]

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ: ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتیں، تو نیک برتاؤ سے (برے برتاؤ کو) ہٹاؤ، پھر یکایک تجھ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے، اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو مستقل مزاج ہوتے ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے'' (حم السجدہ آیت ۳۴ و ۳۵)

جن لوگوں کی زندگی میں یہ نو باتیں ہوتی ہیں یعنی وہ پیمان خداوندی کو پورا کرتے ہیں، اور اپنا قول وقرار نہیں توڑتے، اور ان تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے، اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور سخت حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دین پر مضبوط جمے رہتے ہیں، اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ پاک کے دیئے ہوئے مال میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں ـــــ انہی لوگوں کے لئے اِس دنیا کا اچھا بدلہ ہے ـــــ ان لوگوں نے اس دنیا میں جو کام کئے ہیں وہ ان کے لئے نافع

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں ہیں۔ یعنی ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری سنائی ہے۔ (۲) رواہ الترمذی (۳) رواہ رَزِیْنٌ

ہونگے، یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، انھوں نے جو بویا ہے اس کا اچھا پھل پائیں گے۔

جن کی زندگی میں مذکور نو (۹) باتیں ہوں ان کے لئے تین انعامات

انھیں آخرت میں اس دنیا کی محنتوں کے صلے میں تین عظیم انعامات سے نوازا جائے گا، وہ انعامات یہ ہیں:

① ـــــ باغات: ابدی قیام گاہ ـــــ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِن بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا ہے، جس کی تھوڑی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ـــــ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو پکارے گا کہ یہاں تندرستی ہی تمہارا حق ہے اس لئے اب تم کبھی بیمار نہ پڑو گے یہاں تمہارے لئے زندگی ہی ہے پس اب تمہیں کبھی موت نہ آئیگی، یہاں تمہارے واسطے جوانی ہی ہے، اس لئے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا اور تمہارے واسطے چین وعیش ہی ہے اس لئے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی"

② ـــــ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے، اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی بیویاں اور اُن کی اولاد میں سے جو صالح ہیں وہ بھی داخل ہوں گے ـــــ یعنی ان بندوں کو جنت میں ایک نعمت ومسرت یہ بھی حاصل ہوگی کہ وہ اور اُن کے ماں باپ، اولاد، بیویاں جو اپنی نیکی کی بدولت جنت کے لائق ہیں، وہ سب اکٹھے رہیں گے۔ اگر ان متعلقین میں سے کوئی کم رتبہ ہوگا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش سے اس کا درجہ بڑھا کر ان بندگان کامل سے نزدیک کردیں گے، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (سورۂ طور آیت ۲۱)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ان کے نقشِ قدم پر چلی، ایمان کے ساتھ، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملادیں گے، اور ان کے عمل میں سے کچھ کم نہیں لیں گے۔

یعنی ایسا نہیں کریں گے کہ بلند درجے والوں کے بعض اعمال لے کر ان کی ذریت کو دے کر دونوں کو برابر کردیا جائے، بلکہ بلند درجے والے بدستور اپنے بلند درجوں میں رہیں گے، اور ان کی ذریت کو اللہ پاک محض اپنی نوازش سے بڑھا کر وہاں پہنچا دیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وعمل صالح کے بغیر محض کاملین کی قرابت کافی نہیں، بلکہ ایمان وعمل صالح کی موجودگی ہی میں قرابت داری کی وجہ سے ترقی درجات ہوگی۔

(۳) — اورفرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تمہارے لئے سلامتی ہو تمہارے (دین پر) مضبوط رہنے کی وجہ سے — یعنی فرشتے ہر طرف سے آکر ان کو سلام کریں گے۔ اور خوشخبری دیں گے کہ اب آپ لوگ ایسی جگہ آگئے ہیں، جہاں آپ لوگوں کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ ہر آفت سے، ہر تکلیف ومشقت سے اور ہر خطرے اور اندیشے سے آپ حضرات محفوظ ہیں۔

فرشتوں کا زیارت کے لئے آنا اُن بندگان خدا کی تعظیم وتکریم کے لئے ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مخلوقات میں سے اول وہ فقرائے مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جو سرحدوں کا پہرہ دیتے ہیں، جو سختیوں میں سینہ سپر رہتے ہیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں، قیامت کے دن حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے۔ میرے ان بندوں کے پاس جا کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے۔ خداوندا! ہم آسمان کے باشندے اور آپ کی بہترین مخلوق ہیں۔ کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس جا کر سلام کریں؟ ارشاد ہوگا، ہاں! یہ میرے وہ بندے ہیں جنھوں نے توحید پر جان دی، سرحدوں کا پہرہ دیا، سختیوں میں سینہ سپر رہے اور دنیا کے سب ارمان اپنے سینوں میں لے کر چلے آئے! یہ سن کر فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور انہیں خوشخبری سنائیں گے کہ تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ تمہارے مضبوط رہنے کی وجہ سے[1] — پس کیا ہی خوب ہے اس دنیا کا نیک بدلہ!

عقل کے دشمنوں کی زندگی کا نقشہ اور ان کا انجام

عقل سلیم رکھنے والے بندوں کا حال پڑھ چکے، اب ذرا عقل کے اندھوں کا حال ملاحظہ کرلیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے — اور جو لوگ پیمان خداوندی توڑتے ہیں، مضبوط باندھنے کے بعد، اور ان روابط کو کاٹتے ہیں، جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے، اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، انہی لوگوں پر پھٹکار ہے اور انہی کے لئے اس دنیا کی برائی (برا انجام) ہے — یعنی نادان اور عقل کے کورے یہ لوگ حق تعالیٰ سے بدعہدی کرتے ہیں، قول وقرار کر کے مکر جاتے ہیں، معاشرتی روابط پر چھری چلاتے ہیں، لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتے ہیں دوسروں پر اور خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، یہ لوگ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں، انھوں نے اس جہاں میں جو برے کرتوت کئے ہیں ان کا خمیازہ انھیں ضرور بھگتنا پڑے گا، وہ سب سے زیادہ برے مقام پر پہنچنے والے ہیں جہاں انہیں نہ موت آئے گی نہ چین نصیب ہوگا۔

(۱) رواه الإمام أحمد، والبزار والحاكم وصححه والبيهقي في شعب الإيمان (الدر المنثور ص ۵۷ ج ۴)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

اَللّٰهُ يَبْسُطُ	اللہ تعالیٰ کشادہ فرماتے	وَفَرِحُوْا (۲)	اور مگن ہو گئے وہ	الدُّنْيَا	دنیا کی
الرِّزْقَ	ہیں روزی	بِالْحَيٰوةِ	دنیوی	فِي الْاٰخِرَةِ (۳)	آخرت کے مقابلہ میں
لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کیلئے چاہتے ہیں	الدُّنْيَا	زندگی پر	اِلَّا	مگر
وَيَقْدِرُ (۱)	اور تنگ فرماتے ہیں	وَمَا	اور نہیں ہے	مَتَاعٌ (۴)	چندروز برتنے کا سامان
	(جس کیلئے چاہتے ہیں)	الْحَيٰوةُ	زندگی	❁	❁

رزق کی کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہے

یہ آیت پاک اس جگہ متعدد وجوہ سے آئی ہے۔اور بڑی برمحل آئی ہے پہلے آیت پاک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، پھر اس کا مطلب سمجھیں۔ارشاد ہے ـــــ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ فرماتے ہیں اور (جس کے لئے چاہتے ہیں) تنگ فرماتے ہیں اور لوگ دنیوی زندگی پر مگن ہو گئے ہیں، اور دنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں صرف چندروزہ برتنے کا سامان ہے ـــــ آیت پاک کا مطلب چند نمبروں میں عرض کیا جاتا ہے:

① ـــــ پچھلی آیت میں جن لوگوں کا حال بیان ہوا ہے، اس پر کم عقلوں کو، جو امیری اور غریبی کے لحاظ سے انسانی اقدار اور انسانوں کی قیمتیں متعین کرتے ہیں، یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ پیمان خداوندی توڑنے والے، معاشرتی روابط پر چھری چلانے والے، زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے اور اللہ پاک کے احکام کی تعمیل سے منہ موڑنے والے، دنیا میں گل چھرے اڑا رہے ہیں، خوب داد عیش دے رہے ہیں، اور مزے لوٹ رہے ہیں۔اگر یہ لوگ رحمت خداوندی سے دور

(۱) قَدَرَ (ض،ن) قَدْرًا عَلٰى عَيَالِهٖ: اہل وعیال پر نان ونفقہ میں تنگی کرنا تقدیر عبارت يَقْدِرُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ ہے (۲) وَفَرِحُوْا جملہ مستانفہ ہے (۳) فِيْ الآخِرَةِ محل حال میں ہے ای كَائِنَةً فِيْ جَنْبِ نَعِيْمِهَا ـــــ کلمہ فِيْ باہم اندازہ کرنے، مقابلہ، اور موازنہ کرنے کے لئے ہے کما يقال: ذُنُوْبُ العَبْدِ فِيْ رَحمةِ اللّٰه كقطرة فى بحر یہاں فی مفضول اور فاضل کے درمیان واقع ہوا ہے ـــــ اور مجازاً فی ظرفیت کے لئے بھی ہو سکتا ہے لان ما يقاس بشيئ يوضع بجنبه (۴) مَتَاعٌ ہر وہ چیز جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے پھر فنا ہو جائے جیسے پوچھن (وہ کپڑا جس سے نجاست صاف کرتے ہیں) صافی (وہ کپڑا جس سے باورچی دیگ وغیرہ پکڑ کر اتارتے ہیں اور وہ کپڑا جس کو بھگو کر برتن صاف کرتے ہیں) دست مال، جھاڑن اور ڈسٹر وغیرہ۔

پھینک دئے گئے ہوتے تو ان کا ایسا اچھا حال کیوں ہوتا؟

اس آیت پاک میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے کہ رزق کی کمی بیشی کا معاملہ، اللہ پاک کے ایک دوسرے قانون سے تعلق رکھتا ہے، جس میں بے شمار مصلحتوں کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم، رزق کی تنگی اور فراخی مقبول و مردد ہونے کی علامتیں نہیں، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں، وہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا اور اس کی تمام تازگیوں کی حقیقت، آخرت کی زندگی اور اس کی سدا بہار نعمتوں کے مقابلے میں جھاڑن اور پوچھن سے زیادہ نہیں، پس کس قدر بھولے ہیں وہ لوگ جو ایسی حقیر چیز پر مرے جارہے ہیں!

(۴)—— اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی عموماً وہ لوگ کرتے ہیں جو کھاتے پیتے اور آسودہ حال ہوتے ہیں وہ دولت کے نشے میں مست ہوتے ہیں، کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور نفس کے غلام بن کر جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں، اس آیت پاک میں ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے کہ نادانو! دولت کی فراوانی پر نہ ریجھو کیونکہ رزق کا بست وکشاد اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، انھوں نے آج اگر تمہارے لئے رزق کے دروازے کھول رکھے ہیں تو ضروری نہیں کہ کل بھی وہ کھلے رہیں وہ ان کو بند بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر بند نہ بھی کریں تو بھی دنیا کی دولت اترانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ تو بس چند روزہ برتنے کا سامان ہے، بہت جلد یہ اپنی قیمت کھودینے والا ہے۔

جو شخص دنیا کی دولت اور اس کی زندگی میں مگن ہے اس کی مثال اس بندر کی سی ہے جسے ادرک کی ایک گرہ مل گئی تھی اور وہ پنساری بن بیٹھا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: ''اگر اللہ پاک کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتے''[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ کا گذر بکری کے ایک مردہ بوچے[2] بچہ پر ہوا، جو راستے میں مرا پڑا تھا، آپ نے اس کو دیکھ کر ہمراہیوں سے پوچھا: تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اس کو یہ مرا ہوا بچہ صرف ایک روپے میں مل جائے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم تو اس کو کسی بھی قیمت پر خریدنا پسند نہیں کرتے آپ نے ارشاد فرمایا: خدا پاک کی قسم! دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردہ بچہ ہے[3]'' رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مثال بس ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکالے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے[4] —— غور فرمایئے جو لوگ اتنی حقیر چیز میں مگن ہیں جو اس کی محبت میں اللہ پاک کے احکام کو پس

---

(۱) رواہ أحمد والترمذی وابن ماجہ عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ (۲) بوچا یعنی بن کانوں کا۔
(۳) رواہ مسلم (۴) رواہ مسلم عن مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ۔

پشت ڈال رہے ہیں، ان کے حق میں کیا رائے قائم کی جائے! خدا تعالیٰ ہم سب کو سمجھ عطا فرمائیں۔ اور دنیا کی حقیقت سمجھنے کی توفیق بخشیں۔

(۳) ـــــ لوگ عام طور پر دولت کے چکر میں اور مال کمانے کی فکر میں احکام خداوندی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے مال کی یہی بڑھی ہوئی محبت معاشرتی اور خاندانی حق تلفیوں کا سبب بنتی ہے۔ لوگوں میں جھگڑے دعوے اور فتنے فساد مال ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں، کاروبار احکام خداوندی سے اہم بن جاتے ہیں اس آیت پاک میں یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ جس رزق کے لئے تم یہ سب کچھ کررہے ہو اس کا بست وکشاد اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کے لئے چاہتے ہیں روزی کشادہ فرماتے ہیں، اور جس کے لئے چاہتے ہیں تنگ کرتے ہیں، جب حقیقت یہ ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ پاک کے حکموں کے ماتحت رہ کر روزی طلب کرے جو روزی اس کے لئے مقدر ہے وہ ضرور ملے گی۔ اور جو مقدر نہیں وہ کبھی بھی نہیں مل سکتی، چاہے اس کے لئے ہزار جتن کرلئے جائیں، اور چاہے اس کے لئے جائز وناجائز سبھی ذرائع استعمال کرلئے جائیں۔

خرابی کی اصل جڑ ''دولت ملنے پر خوشی'' ہے دنیا ملنے پر خوشی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی احکام خداوندی سے بے التفاتی ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ ایک دوکاندار کے لئے گاہک آنے کا امکان بھی جماعت بلکہ نماز سے غافل کرنے کیلئے کافی ہوجائے گا پس عقل مند وہ ہے جو دنیا کی چیزوں کے ملنے پر زیادہ خوش نہ ہو اور اسکی تدبیر یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کی اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ وہ فقط چند روزہ برتنے کا سامان ہے اور آخرت کی زندگی دائم وقائم رہنے والی زندگی ہے جب دنیا کی یہ حقیقت اور آخرت کے مقابلے میں اس کی یہ قیمت پیش نظر رہے گی تو ان شاء اللہ ایک سمجھ دار آدمی کبھی بھی احکام خداوندی کو دوسرے درجہ میں نہیں رکھے گا۔ کیونکہ مقصد زندگی طاعت حق ہے فکر جہاں میں پڑنا نہیں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۗ قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿۲۷﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ ٱللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ﴿۲۸﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَـَٔابٍ ﴿۲۹﴾ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَٰكَ فِىٓ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَآ أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ ٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِٱلرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾

وَيَقُوْلُ	اور کہتے ہیں	مَنْ اَنَابَ (۲)	اس کو جو متوجہ ہوا	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	اَلَّذِيْنَ (۳)	(وہ لوگ) جو	طُوْبٰى (۵)	خوشحالی (ہے)
كَفَرُوْا	انکار کیا	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَهُمْ	ان کے لئے
لَوْلَآ	کیوں نہیں	وَتَطْمَئِنُّ	اور مطمئن ہوئے	وَحُسْنُ	اور بہترین
اُنْزِلَ عَلَيْهِ	اتاری گئی اس پر	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	مَاٰبٍ (۶)	لوٹنے کی جگہ ہے
اٰيَةٌ	کوئی نشانی	بِذِكْرِ اللّٰهِ (۴)	اللہ پاک کے ذکر	كَذٰلِكَ	اسی طرح
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے؟		(قرآن) سے	اَرْسَلْنٰكَ	بھیجا ہم نے آپ کو
قُلْ	(آپ) جواب دیں	اَلَا	خوب سمجھ لو	فِيْٓ اُمَّةٍ	(ایسی) قوم میں
اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	بِذِكْرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے ذکر سے	قَدْ	(کہ) تحقیق
يُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں	تَطْمَئِنُّ	مطمئن ہوتے ہیں	خَلَتْ (۷)	گذر چکی ہیں
مَنْ يَّشَآءُ (۱)	جس کو چاہتے ہیں	الْقُلُوْبُ	دل	مِنْ قَبْلِهَآ	اس سے پہلے
وَيَهْدِيْٓ	اور راہ دکھاتے ہیں	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جولوگ ایمان لائے	اُمَمٌ	قومیں
اِلَيْهِ	اپنی طرف	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	لِّتَتْلُوَا۠ (۸)	تاکہ پڑھ کر سنائیں آپ

(۱) مَنْ يَّشَآءُ مفعول ہے يُضِلُّ کا ـــــ مَنْ موصولہ ہے اور جملہ يَشَآءُ اس کا صلہ ہے يَشَآءُ کی ضمیر فاعل اللہ پاک کی طرف راجع ہے، اور مَنْ کی طرف لوٹنے والی ضمیر مفعول کے ساتھ محذوف ہے تقدیر عبارت ہے: يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ هُوَ اِضلالَ لَهٗ (۲) اَنَابَ اِنَابَةً اِلَى اللّٰهِ: متوجہ ہونا (۳) مبتدا محذوف ہے ای: هُمُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ (۴) قرآن پاک کا وصفی نام اَلذِّكْر بھی ہے سورۃ الحجر آیت ۶ اور ۹ میں یہ نام آیا ہے اس وصفی نام میں الف لام مضاف الیہ کا بدل ہے پس الذکر کا مطلب ذکراللہ ہے (۵) طُوْبٰى مؤنث ہے اَلْاَطْيَبُ کا اور محذوف کی صفت ہے ای عِيْشَةٌ طُوْبٰى (خوشحالی) لیکن استعمال میں یہ موصوف کے قائم مقام ہے اس لئے بغیر موصوف کے استعمال ہوا ہے (۶) مَآب لوٹنے کی جگہ جمع مَآوب ظرف مکان ہے (۷) خَلاَ خُلُوًّا وَخَلاءً الشيئُ: گذرنا (۸) تَتْلُوْا جمع کا صیغہ نہیں بلکہ مضارع کا واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور حالت نصبی میں ہے اور اس کے آخر میں واو جمع کا نہیں بلکہ مادہ کا ہے لیکن چونکہ یہ واو آخر کلمہ میں ہونے کی وجہ سے جمع کے واؤ کے مشابہ ہے اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

عَلَيۡهِمُ	ان کو	يَكۡفُرُوۡنَ	انکار کر رہے ہیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
الَّذِىۡۤ	وہ (کتاب) جو	بِالرَّحۡمٰنِ	نہایت مہربان ذات کا	عَلَيۡهِ	انہی پر
اَوۡحَيۡنَاۤ	وحی کی ہے ہم نے	قُلۡ	آپ فرمادیں	تَوَكَّلۡتُ	بھروسہ کیا میں نے
اِلَيۡكَ	آپ کی طرف	هُوَ رَبِّىۡ	وہی میرے رب ہیں	وَاِلَيۡهِ	اور انہی کی طرف
وَهُمۡ [1]	درانحالیکہ وہ	لَاۤ اِلٰهَ	نہیں ہے کوئی معبود	مَتَابِ [2]	میرا متوجہ ہونا ہے

قرآنِ کریم رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے

اس سورت کی ساتویں آیت میں دعوت حق کے منکرین کا ایک سوال اور اس کا جواب گذر چکا ہے۔ اب دوبارہ اسی اعتراض کو نقل کر کے ایک دوسرے طریقے سے جواب دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں — اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا وہ کہہ رہے ہیں کہ: ''اُس پر اُس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟'' — یعنی اگر محمدؐ سچے نبی ہیں اور اللہ پاک نے ان کو اپنا پیغامبر مقرر کیا ہے تو منکرین جن کرشموں کا مطالبہ کرتے ہیں وہ دکھاتے کیوں نہیں؟ — آپ جواب دیں: اللہ پاک گمراہ کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں، اور اپنی راہ دکھاتے ہیں ان کو جو ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں — یعنی جس میں خود ہدایت کی طلب نہیں ہوتی، جو جان بوجھ کر سرکشی کرتا ہے اور اللہ پاک کی ہر طرف پھیلی ہوئی نشانیوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے: اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ اس کی ہدایت یاب ہونے کی استعداد کھو دیتے ہیں، اُسے زبردستی راہ راست دکھانے کا طریقہ نہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''میں اپنی آیتوں سے ایسے لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق زمین میں سرکشی کرتے ہیں''[3] — اور جن لوگوں میں ہدایت طلبی ہوتی ہے، جو ہر طرف بے حساب پھیلی ہوئی نشانیوں کو اندھے بن کر نہیں دیکھے۔ جو اللہ پاک کی آیتوں پر کان دھرتے ہیں اور وہ اللہ پاک کی طرف لو بھی لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ہدایت یاب فرماتے ہیں، وہ کبھی خدا تعالیٰ کی بخشش سے محروم نہیں رہتے[4]

غور کیجئے منکرین دعوت کے اعتراض کا کس خوبی سے جواب دیا ہے، اور کتنا مبنی بر حقیقت جواب دیا ہے کہ تمہیں راہ راست نہ ملنے کا اصل سبب تمہاری مطلوبہ نشانیوں کا نہ ملنا نہیں، بلکہ تم میں ہدایت کی طلب ہی نہیں۔ پیغمبر ﷺ کی صداقت کا یقین دلانے کے لئے تو بے شمار نشانیاں موجود ہیں لیکن وہ تمہارے لئے نشان راہ نہیں بنتی کیونکہ تم خدا پاک کے

(۱) جملہ وَهُمۡ حال ہے اَرۡسَلۡنٰكَ کی ضمیر سے (۲) مَتَابِ مصدر ہے اور آخر سے اضافت کی یا محذوف ہے با کا زیر اسی کی علامت کے طور پر ہے۔ (۳) سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶ (۴) ومشیة العبد تتوقف علی مشیة اللہ تعالیٰ کما فی سورۃ الدھر (رقم الآیۃ ۳۰) والتکویر (رقم الآیۃ ۲۹)

راستے پر جانے کے خواہش مند ہی نہیں ہو۔ جن لوگوں میں اللہ پاک سے تعلق قائم کرنے کا جذبہ ہوتا ہے جو ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ان کو اللہ پاک ضرور راہ دکھاتے ہیں، اور وہ لوگ یہ ہیں — جو ایمان لائے، اور جن کے دلوں کو اللہ پاک کے ذکر (قرآن) سے اطمینان نصیب ہوتا ہے — یعنی تمہارے سامنے مؤمنین کی یہ جماعت موجود ہے، تم غور کرو ان اللہ والوں میں اور تم میں انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اُن کی کچھ اللہ پاک سے رشتہ داری یا دوستی نہیں، اور تم سے ناچاقی یا دشمنی نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ مطلوبہ نشانیاں ظاہر نہ ہونے کے باوجود ان کو دولت ایمان نصیب ہوگئی اور تم محروم رہ گئے؟! غور کرو گے تو تمہیں یہ حقیقت روز روشن کی طرح نظر آئے گی کہ ان میں ہدایت کی طلب تھی اور تم میں اس کا فقدان ہے۔ وہ اللہ پاک کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں، اور تم ان سے برگشتہ ہو، ان کے دلوں کو اُس نشانی سے جو اللہ پاک نے از خود عنایت فرمائی ہے، دولت اطمینان نصیب ہو رہی ہے اور تم مرغ کی ایک ٹانگ گائے جا رہے ہو — خوب سمجھ لو! اللہ پاک کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے — کرشموں سے یہ بات کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ صالح علیہ السلام کی قوم کو اللہ پاک نے ان کا فرمائشی معجزہ دکھایا مگر ان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ فرعون کو لگاتار نو معجزے دکھائے، مگر اس کی غفلت دور نہ ہوئی۔ دلوں کو اطمینان صرف ''اللہ کے ذکر'' سے حاصل ہوتا ہے اور یہ معجزہ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو از خود عنایت فرمایا ہے، جو ہر وقت تمہارے سامنے ہے اگر تم میں ہدایت کی سچی طلب ہو تو اس میں تدبر کرو، اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا اور اس سے تمہارے لئے ہدایت کی راہیں کھلیں گی۔

ہر پیغمبر کو اللہ پاک نے زمانہ کے تقاضے کے مطابق، کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور دیا ہے۔ ہمارے سردار، آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن عظیم بطور معجزہ دیا ہے، یعنی قرآن پاک کتاب ہدایت بھی ہے اور اس میں معجزۂ نبوی ہونے کی شان بھی ہے، سابقہ کتابوں میں یہ شان نہیں تھی۔ یہ وہ معجزہ ہے جو اللہ پاک نے از خود اپنے پیغمبر کو عطا فرمایا ہے لیکن دعوت حق کے منکر مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے لئے زمین پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کر دیجئے، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیجئے۔ اللہ پاک اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آیئے اور آسمان پر چڑھ کر وہاں سے ایک ایسی تحریر لے آیئے جسے ہم پڑھ لیں[1]

یہ فرمائشی معجزات دکھانا پیغمبر ﷺ کے اختیار میں نہیں، ان کے اختیار میں صرف وہی معجزہ ہے جو اللہ پاک نے ان کو عنایت فرمایا ہے یعنی قرآن کریم۔ فرمائشی معجزات دکھانے نہ دکھانے کا اختیار اللہ پاک کا ہے۔ ان کی مصلحت ہوگی تو وہ اُسے بھی دکھائیں گے اور نہیں ہوگی تو نہیں دکھائیں گے۔

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل آیات ۹۰-۹۳۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے مطلوبہ کرشموں کو اس لئے نہیں دکھایا جارہا کہ ان سے دلوں کو اطمینان نصیب نہیں ہوتا، دلوں کو چین صرف قرآن پاک سے حاصل ہوتا ہے، جو لوگ اس میں تدبر کرتے ہیں اور ان میں ہدایت کی سچی طلب بھی ہوتی ہے تو ان کے تمام شبہات اس سے دور ہوجاتے ہیں۔ اور انہیں قرآن پاک کی دعوت پر یقین آجاتا ہے اور وہ ایمان لے آتے ہیں۔

اور یہ ایمان لانا چونکہ عقل وفہم کی بنیاد پر ہوتا ہے اس لئے وقت کے گذرنے سے وہ مضمحل نہیں ہوتا بلکہ اور پختہ ہوتا ہے اور کرشمے چونکہ عقل وفہم کو اپیل نہیں کرتے بلکہ صرف قوت واہمہ پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس وجہ سے جن لوگوں کی عقلیں قوی ہوتی ہیں وہ اس کرشمہ کی کوئی نہ کوئی تاویل کرلیتے ہیں، اور جن کا واہمہ قوی ہوتا ہے وہ اگر ایمان لے بھی آئیں تو جوں جوں وقت گذرتا ہے ان کا تأثر کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ جاتے ہیں اس کے برخلاف قرآن کریم انسانوں کی عقلوں کو مطمئن کرتا ہے، دلوں کو اطمینان بخشتا ہے اس لئے جو شخص قرآن پاک کی دعوت مطمئن ہوکر قبول کرتا ہے اس کا ایمان بڑھتا جاتا ہے وہ کبھی ایڑیوں پر نہیں پلٹتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دل میلے ہوجاتے ہیں جس طرح پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہوجاتا ہے'' لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ان کی صفائی کس طرح ہوسکتی ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''موت کو کثرت سے یاد کرنے سے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے''[1]

پھر قرآن پاک کی دعوت پر ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے ارشاد فرماتے ہیں —— جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، انہی کے لئے خوشحالی[2] اور لوٹنے کی بہترین جگہ ہے —— یعنی جنت الفردوس۔

ایسے ہی —— یعنی ذکر اللہ (قرآن) کا معجزہ دیکر —— ہم نے آپ کو ایک ایسی قوم میں مبعوث فرمایا ہے جس سے پہلے یقیناً بہت سی قومیں گذر چکی ہیں، تاکہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنائیں جو وحی کے ذریعے ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے، درانحالیکہ وہ لوگ نہایت مہربان ہستی کے منکر ہورہے ہیں —— نہ صرف عرب بلکہ روئے زمین پر بسنے والے سارے انسان اپنے نہایت شفیق ومہربان خدا کو بھول چکے تھے، نہ صرف بھول چکے تھے بلکہ منکر ہوچکے تھے ایسی صورت حال میں سنہ ۶۱۰ عیسوی مطابق سنہ ۶۶۸ بکرمی میں رحمت عالم ﷺ قرآن پاک کے ساتھ مبعوث ہوئے:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ❁ اور نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اور آپ ﷺ کی یہ بعثت کوئی انوکھی بات نہیں تھی، آپ سے پہلے سینکڑوں ہزاروں پیغامبر مبعوث ہوچکے ہیں،

(۱) رواہ البیهقی فی شعب الإیمان (مشکوٰۃ ص ۱۸۹) (۲) جنت کی سدا بہار نعمتوں میں ایک بڑی نعمت شجرۂ طوبیٰ بھی ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں آیا ہے۔ خوشحالی کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

بہت سی قومیں گذر چکی ہیں جن کو اللہ پاک کے فرستادے پیغام حق سنا چکے ہیں اسی سنت اللہ کے مطابق آپ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے تاکہ آپ لوگوں کے روبرو اس کتاب مقدس کی تلاوت کریں جو وحی کے ذریعے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے۔

تلاوت کے معنی ہیں: ''کسی کے کلام کو ذہن نشیں کرنا اور لازماً اس کی پیروی کرنا'' اسی وجہ سے تَلَوْتُ رُقْعَتَکَ (میں نے آپ کے خط کی تلاوت کی) کہنا صحیح نہیں، کیونکہ کسی بھی خط کی لازماً پیروی ضروری نہیں، صرف اللہ پاک کے کلام کی اتباع واجب ہے اس وجہ سے تلاوت کا لفظ صرف آسمانی کتابوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تَلٰی عَلَیْہِ کے معنی ہیں: ''خود اس نے اللہ پاک کے کلام کو ذہن نشیں کیا، پھر اوروں کو وہ کلام پڑھ کر سنایا اور اُس کے موجبات پر عمل کر کے دکھایا'' یعنی رسولوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اللہ پاک کا کلام لوگوں تک پہنچائیں اور عملی نمونہ بھی پیش فرمائیں پس —

آپ اعلان فرمادیں: وہی میرے رب ہیں ان کے سوا کوئی معبود نہیں، انہی پر بھروسہ کیا میں نے، اور انہی کی طرف مجھے لوٹنا ہے — یعنی جس مہربان ہستی کے تم منکر ہو، وہی میرے رب ہیں، وہی میرے معبود ہیں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، میرا آغاز اور انجام سب انہی کے ہاتھ میں ہے، میں انہیں پر بھروسہ کرتا ہوں، مجھے کسی کے انکار و تکذیب کی پرواہ نہیں، کسی کی امداد و اعانت کی حاجت نہیں، انہی کا سہارا میرے لئے کافی ہے اور مجھے انہی کی طرف پلٹنا ہے۔

اس اعلان واجب الاذعان میں توحید، رسالت اور معاد تینوں باتوں کا ذکر آ گیا، اس میں لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ معبود اور سہارا صرف اللہ پاک کا ہے، ان کے سوا کوئی نہیں جو پروردگاری کرتا ہو، جو عبادت کا حق دار ہو جو سہارا بن سکتا ہو اور سب کو لوٹ کر انہی کے پاس جانا ہے یعنی انسان مر کر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اللہ پاک کے پاس پہنچ جاتا ہے جہاں یا تو دائمی جنت ہے یا دائمی جہنم۔ یہ ایک انتہائی سنگین صورت حال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص موجودہ زندگی میں اللہ پاک کی مرضی سے بے خبر رہا اور اسی حال میں مرا تو وہ مرنے کے بعد ایک لامحدود عذاب میں پھنس جائے گا جس سے رستگاری کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ انسان کے نزدیک خواہ جس چیز کی بھی اہمیت ہو مگر اللہ پاک کے نزدیک سب سے زیادہ اہم بات یہی ہے، جس سے انسان کو باخبر ہونا چاہئے۔

موت وہ فیصلہ کن لمحہ ہے جب عمل کی مہلت چھین لی جاتی ہے اور انسان اچانک ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں صرف دو ہی چیزیں ہیں جنت یا جہنم!

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
وَلَوْ اَنَّ	اور اگر (ہوتا) بیشک	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے (ہے)	كَفَرُوْا	کفر کا رویہ اختیار کیا
قُرْاٰنًا (١)	کوئی قرآن	الْاَمْرُ	اختیار	تُصِيْبُهُمْ	پہنچتا رہے گا ان کو
سُيِّرَتْ	چلائے جاتے (ہٹائے	جَمِيْعًا	سارا	بِمَا صَنَعُوْا (٦)	ان کے کرتوتوں کی
	جاتے)	اَفَلَمْ	کیا تو نہیں		وجہ سے
بِهِ (٢)	اس کے ذریعہ	يَايْـَٔسِ (٤)	ناامید ہوئے	قَارِعَةٌ (٧)	کوئی حادثہ
الْجِبَالُ	پہاڑ	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اَوْ تَحُلُّ (٨)	یا اترے گا وہ (حادثہ)
اَوْ قُطِّعَتْ	یا طے کی جاتی	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	قَرِيْبًا	نزدیک
بِهِ (٢)	اس کے ذریعہ	اَنْ لَّوْ (٥)	کہ اگر	مِّنْ دَارِهِمْ	ان کے گھروں کے
الْاَرْضُ	زمین	يَشَآءُ اللّٰهُ	چاہتے اللہ پاک	حَتّٰى يَاْتِيَ	یہاں تک کہ آپہنچے
اَوْ كُلِّمَ	یا بات چیت کی جاتی	لَهَدَى	تو ہدایت فرمادیتے	وَعْدُ	وعدہ
بِهِ (٢)	اس کے ذریعہ	النَّاسَ	لوگوں کو	اللّٰهِ	اللہ پاک کا
الْمَوْتٰى	مردوں سے (تب بھی	جَمِيْعًا	سب کو؟	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ
	یہ ایمان نہ لاتے) (٣)	وَلَا يَزَالُ	اور برابر	لَا يُخْلِفُ	نہیں خلاف ورزی کرتے
بَلْ	بلکہ	الَّذِيْنَ	جن لوگوں نے	الْمِيْعَادَ (٩)	وعدے (کی)

(۱) قُرْآنًا اسم ہے اَنَّ کا اور سُيِّرَتْ اپنے معطوفات کے ساتھ خبر ہے — سَيَّرَ الرجلَ: چلانا — قَطَّعَ الشَّئَ: ٹکڑے ٹکڑے کرنا، قَطَّعَ الاَرْضَ تیزی سے راستہ طے کرنا — كَلَّمَهٗ: بات چیت کرنا (۲) بَا تینوں جگہ سببیہ ہے (۳) بین القوسین کی عبارت لَوْ کا جواب ہے جو محذوف ہے، دوسری جگہ اسی مضمون کا یہ جواب مذکور ہے دیکھئے آٹھویں پارے کی پہلی آیت۔ (۴) يَئِسَ يَيْأَسُ وَيَيْئِسُ يَأْسًا: ناامید ہونا (۵) اَنْ سے پہلے باسببیہ محذوف ہے۔ ضمیر شان اس کا اسم ہے اور جملہ لَوْ يَشَآءُ خبر ہے اور بِاَنْ متعلق ہے يَايْئَسُ سے (۶) بِمَا میں ما مصدریہ ہے (۷) قَارِعَةٌ: ہلاک کرنے والی مصیبت جمع قَوَارِع (۸) حَلَّ (ن) حُلُوْلاً المكانَ وبالمكان: نازل ہونا (۹) المِيْعَاد، اسم مصدر ہے۔

مسلمانوں کی یہ خواہش پوری نہ ہوگی کہ اگر منکرین کو مطلوبہ نشانیاں دکھادی جائیں تو وہ ایمان لے آئیں

اس آیت پاک میں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے، مسلمان جب بار بار کافروں کی طرف سے نشانی کا مطالبہ سنتے تو ان کی دلی خواہش ہوتی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھادی جائے جس سے وہ لوگ قائل ہو جائیں اس پر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا جارہا ہے—اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا مسافت تیزی سے طے ہوجایا کرتی یا مردوں سے بات چیت کی جاسکتی (تو بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)—یعنی قرآن کی جو موجودہ حالت ہے کہ اس کا معجزہ ہونا غور وفکر اور تدبر پر موقوف ہے، بجائے اس کے اس میں یہ تاثیر رکھ دی جاتی کہ اس سے یہ اور یہ معجزات ظہور پذیر ہوتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، جن لوگوں کو قرآن کی اعلیٰ تعلیم میں، نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں اور مؤمنین کی سلامت روی میں نور حق نظر نہیں آتا انہیں پہاڑوں کے ہٹ جانے سے، مسافتیں تیزی سے طے ہوجانے سے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے سے کیا روشنی ملے گی؟

اور ان تین عجائبات کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے انہی کا مطالبہ کیا تھا۔ شان نزول کی روایتوں میں ہے کہ مشرکین مکہ جن میں ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ قابل ذکر ہیں، ایک روز بیت اللہ شریف کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور عبداللہ بن امیہ کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس نے آکر آپؐ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ قوم آپ کو رسول تسلیم کرلے تو آپ اپنے قرآن کے ذریعہ ہمارے چند مطالبات پورے کردیں، ہم سب اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ مطالبات یہ ہیں:

(۱)— مکہ شریف کی زمین بڑی تنگ ہے۔ سب طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے، جس میں نہ کاشت ہوسکتی ہے نہ باغات لگ سکتے ہیں نہ دوسری ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ آپ ان پہاڑوں کو دور ہٹادیں تاکہ مکہ کی زمین فراخ ہوجائے۔ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑ مسخر کردیئے گئے تھے آپ بھی اگر اللہ کے رسول ہیں تو یہ کام کردکھائیں۔

(۲)— آپ بتاتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کردی گئی تھی جس کے ذریعہ وہ زمین کے بڑے بڑے فاصلے نہایت مختصر وقت میں طے کرلیتے تھے آپ بھی ہمارے لئے ایسا کردیں، تاکہ ہمارے لئے شام ویمن کے سفر آسان ہوجائیں۔

(۳)— آپ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے آپ بھی ہمارے لئے ہمارے دادا قُصی کو زندہ

کردیں تا کہ ہم ان سے دریافت کرسکیں کہ آپ کا دین سچا ہے یا نہیں؟

یہ گفتگو سن کر مسلمانوں کی دلی خواہش ہوئی کہ کاش یہ نشانیاں دکھادی جائیں تا کہ یہ سب مسلمان ہوجائیں اور اللہ کا دین سر بلند ہوجائے۔ اللہ پاک مسلمانوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تمام مطالبات پورے کرنا اللہ پاک کی قدرت میں ہے مگر اس کا فائدہ کیا؟ اگر یہ سب مطالبے پورے بھی کردیئے جائیں تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں —— بلکہ سارا اختیار اللہ پاک کا ہے —— وہ جسے چاہیں ایمان نصیب فرمائیں، اور جسے چاہیں کفر کی اندھیریوں میں بھٹکنے دیں، ایک ہی چیز کو ایک شخص کے حق میں رحمت اور ایمان کا سبب بنادیں اور دوسرے کے لئے گمراہی کا باعث بنادیں۔ سب کچھ اُن کے قبضہ میں ہے۔

اور وہ کسی معجزہ کو ایمان کا سبب اس وقت بناتے ہیں جب انسان میں ہدایت کی طلب ہوتی ہے اور جب انسان میں ہدایت کی طلب نہ ہو تو وہ اسی معجزہ کو اس کے حق میں مزید گمراہی کا باعث بنادیتے ہیں۔ غرض عجائبات سے ایمان کی دولت میسر نہیں آتی، یہ گنج گرانمایہ تو سچی طلب ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

جب کسی شخص میں ہدایت کی طلب پیدا ہوجاتی ہے تو ایک معمولی واقعہ بھی زندگی میں انقلاب لانے کے لئے کافی ہوجاتا ہے

پس کیا اہل ایمان نا امید نہیں ہوئے یہ سمجھ کر کہ اگر اللہ پاک چاہتے تو سارے انسانوں کو ہدایت مآب بنادیتے؟ یعنی جب مؤمنین یہ جانتے ہیں کہ اگر اللہ پاک چاہیں تو سبھی انسانوں کو ہدایت دیدیں، ان کے لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں، پھر جب اللہ پاک نے ان لوگوں کو ہدایت نہیں دی تو وہ ان کے ایمان کی فکر میں کیوں پڑے ہیں؟ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ان ضدی لوگوں کی ہدایت سے آس توڑلیں، ان کے پیچھے جان نہ کھوئیں۔

اور جب محقق ہوگیا کہ وہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تو کسی کو یہ خیال آسکتا ہے کہ پھر ان کو سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے اُن پر ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہے گا، یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آپہنچے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے —— یعنی برابر کوئی نہ کوئی آفت اُن پر یا اُن کے آس پاس پڑتی رہے گی، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوجائے، خدا کا وعدہ اٹل ہے وہ پورا ہوکر رہے گا۔

نزول آیت کے وقت یہ ایک پیشین گوئی تھی جو بعد میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد مکہ والوں سے جنگیں شروع ہوئیں، کافر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، قید

ہوئے اور یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگیا، مکہ فتح ہوگیا اور پورا جزیرۃ العرب شرک وکفر کی گندگی سے پاک ہوگیا۔

پاس پڑوس میں آنے والی آفتوں میں بھی عبرت کا سامان ہوتا ہے

> وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲

وَلَقَدِ	اور قسم بخدا! واقعی	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	كَفَرُوْا	کفر کیا
اسْتُهْزِئَ	ٹھٹھا کیا گیا (مذاق	فَاَمْلَيْتُ (۱)	پس مہلت (ڈھیل)	ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ	پھر پکڑ لیا میں نے ان کو
	اڑایا گیا)		دی میں نے	فَكَيْفَ	سو کیسی تھی
بِرُسُلٍ	پیغمبروں کے ساتھ	لِلَّذِيْنَ	(ان کو) جنھوں نے	كَانَ عِقَابِ (۲)	میری سزا؟

نبی ﷺ کو تسلی کہ کفار کا یہ برتاؤ ہمیشہ ہی رہا ہے، مگر سزا کا وقت آرہا ہے

پچھلی آیات میں روئے سخن مومنین کی طرف تھا، اب اس آیت میں پیغمبر ﷺ کی طرف ہے، مشرکین کی ہٹ دھرمی، تمسخر اور طرح طرح کے سوالات سے رسول کریم ﷺ کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لئے آپ کی تسلی فرماتے ہیں: — اور بخدا! آپ سے پہلے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا — یعنی یہ حالات جو آپ کو درپیش ہیں کچھ آپ ہی کو پیش نہیں آرہے، آپ سے پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی طرح کے حالات سے سابقہ پڑا ہے — پس میں نے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کی روش اختیار کی، زمانہ دراز تک گمراہی میں چھوڑے رکھا — یعنی منکروں کو ان کے جرم پر فوراً نہیں پکڑا، وہ انبیاء کرام کے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کرتے رہے اور اللہ پاک ان کو مہلتوں پر مہلتیں دیتے رہے تاکہ وہ انبیاء کرام کی دعوت سے کسی طرح سنبھل جائیں کیونکہ اللہ پاک انسانوں کو سنبھلنے کے لئے ہر ممکن مہلت دیتے ہیں۔ مگر جب وہ کسی طرح باز نہ آئے اور ان کی گمراہی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی تو پھر ان کو عذاب الٰہی نے پکڑ لیا ارشاد ہے — پھر میں نے

(۱) اَمْلٰى اِمْلَاءً اللّٰهُ فُلَانًا عُمُرَهٗ: عمر طویل کرنا، اور دیر تک نفع اٹھانے دینا اَمْلَى اللّٰهُ الظَّالِمَ وَلَهٗ: مہلت دینا اَمْلٰى لَهٗ فِيْ غَيِّهٖ: گمراہی میں زمانۂ دراز تک چھوڑنا۔ یہاں یہ آخری محاورہ استعمال ہوا ہے (۲) اصل عِقَابِيْ تھا یا حذف کردی گئی ہے باکا زیر اس کی علامت ہے۔

ان کی داروگیر کی، پس کیسی رہی میری سزا؟! —— الامان والحفیظ! اللہ پاک کی داروگیر اتنی سخت تھی کہ کسی میں مقابلہ کی تاب نہ رہی، سب یک لخت تباہ وبرباد ہوگئے اور آج تک اُن کی تباہی کی داستانیں زبانوں پر ہیں! بلاشبہ پروردگار کی پکڑ دردناک اور سخت ہوتی ہے۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

اَفَمَنْ (۱)	کیا پس جو	وَجَعَلُوْا (۴)	اور ٹھہرائے انھوں نے	بِمَا (۵)	اس چیز کی
هُوَ	(کہ) وہ	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے	لَا يَعْلَمُ	(کہ) نہیں جانتے وہ
قَآئِمٌ	نگہبانی کرنے والا (ہے)	شُرَكَآءَ	شریک	فِی الْاَرْضِ	زمین میں (اس کو) (۶)
عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ (۲)	ہرنفس کی	قُلْ	کہو	اَمْ بِظَاهِرٍ (۷)	یا (کہتے ہوتم) سرسری
بِمَا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے (اس کو	سَمُّوْهُمْ	نام لو اُن کے؟	مِّنَ الْقَوْلِ (۸)	بات
	سزا نہیں دے سکتا) (۳)	اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ	کیا خبر دیتے ہوتم ان کو	بَلْ زُيِّنَ	بلکہ خوشنما بنادی گئی

(۱) ترکیب: ہمزہ استفہام انکاری ہے — مَنْ موصولہ مبتدا ہے — جملہ اسمیہ هو قائم الخ صلہ ہے — ضمیر ھو راجع ہے مَنْ کی طرف (۲) عَلٰی اور با دونوں صلہ کے ہیں جس کی نگہبانی کی جاتی ہے اس پر عَلٰی داخل ہوتا ہے اور جس چیز کی نگہبانی کی جاتی ہے اس پر بَا داخل ہوتی ہے مثلاً قَامَ عَلٰی اَوْلَادِهٖ بِالتَّعْلِيْمِ: اولاد کی تعلیم کی نگرانی کی — بِمَا میں مَا مصدریہ ہے (۳) خبر محذوف کا ترجمہ ہے عربی میں لَا يَاْخُذُهُمْ عبارت بنے گی اور اس کا قرینہ گذشتہ آیت ہے پس یہاں قرینہ پہلے آیا ہے اور خبر کی یہ تقدیر شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے نکالی ہے (۴) وَجَعَلُوْا نیا جملہ ہے (۵) بَا صلہ کی ہے نَبَّأَ بالخبر: خبر دینا (۶) ضمیر محذوف کا ترجمہ ہے جو لَا يَعْلَمُ کا مفعول ہے اور ما موصولہ کی طرف راجع ہے (۷) بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ متعلق ہے محذوف سے ای تقولون (۸) مِنَ الْقَوْلِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔

لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	وَلَعَذَابُ	اور البتہ عذاب	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے
كَفَرُوْا	انکار کی راہ اپنائی	الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	الْاَنْهٰرُ	نہریں
مَكْرُهُمْ	ان کی چالیں	اَشَقُّ	زیادہ سخت (ہے)	اُكُلُهَا	اس کے پھل
وَصُدُّوْا	اور روک دیئے گئے وہ	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں (ہے) ان کے لئے	دَآئِمٌ	دائمی (ہیں)
عَنِ السَّبِيْلِ[1]	راہ راست سے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے	وَّظِلُّهَا[3]	اور اس کا سایہ (بھی)
وَمَنْ يُّضْلِلِ	اور جسے گمراہ کردیں	مِنْ وَّاقٍ[2]	کوئی بچانے والا	تِلْكَ عُقْبَى	یہ (جنت) بدلہ (ہے)
اللّٰهُ	اللہ پاک	مَثَلُ	حالت (شان)	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جو
فَمَا لَهٗ	تو نہیں اس کے لئے	الْجَنَّةِ	(اس) جنت (کی)	اتَّقَوْا	پرہیزگار ہوئے
مِنْ هَادٍ	کوئی راہ دکھانے والا	الَّتِيْ وُعِدَ	جس کا وعدہ کئے گئے ہیں	وَّعُقْبَى	اور بدلہ
لَهُمْ عَذَابٌ	ان کے لئے عذاب ہے	الْمُتَّقُوْنَ	خداترس بندے	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں (کا)
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی میں	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	النَّارُ	آگ (دوزخ) ہے

غافل انسان خیال کرتا ہے کہ اللہ پاک کو اس کی حرکتوں کی کیا خبر اور وہ اللہ کے قابو میں کہاں آنے والا ہے!

ان آیات میں منکرین سے خطاب ہے۔ پچھلی آیت میں اُن کو در حدیث دیگراں سنایا تھا کہ جتنا چاہو ہمارے پیغمبر کا ٹھٹھا کرلو، مگر یاد رکھو کہ جب وقت آئے گا تو اللہ پاک ایسی سخت داروگیر فرمائیں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ یہ بات سن کر بعض منکرین کے دل میں، جن کو اللہ پاک کی صفات کا صحیح ادراک نہیں، خیال پیدا ہوا کہ ہماری شرارتوں کا اللہ پاک کو کیا پتہ؟ اور اُن میں جو ڈھیٹ تھے وہ سمجھتے تھے کہ خاکم بدہن! اللہ پاک اُن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ وہ لوگ اللہ پاک کے قابو میں آنے والے کہاں؟ اللہ پاک ان سے ارشاد فرماتے ہیں —— بھلا وہ خدا جو ہر نفس کے کاموں کی نگہبانی کرنے والا ہے (ان کو سزا نہیں دے سکتا؟) —— یعنی وہ اللہ پاک جو ایک ایک متنفس کے حال سے فرداً فرداً واقف ہے، جن کی نگاہ سے کسی کا کوئی ادنیٰ عمل چھپا ہوا نہیں، جو ہر شخص کے کاموں کی ہر وقت نگرانی کرتے ہیں، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں

(۱) السَّبِيْلُ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای سبیل اللّٰہِ (۲) وَاقٍ اسم فاعل ہے اصل میں وَاقِيٌ تھا وَقٰى يَقِيْ وِقَايَةً حفاظت کرنا، بچانا (۳) ظِلُّهَا کا عطف اُكُلُهَا پر ہے۔

ہوتے، اُن کے بارے میں تمہارے یہ خیالات ہیں کہ ان کو تمہاری شرارتوں کا کیا پتہ؟ تم ان کے قابو میں آنے والے کہاں؟! یادرکھو! مجرم ان سے چھوٹ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے نہ اُنکا کوئی کام ان سے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ وقت آنے پر وہ ہر سرکش کو اس کی ہر شرارت کا مزہ چکھائیں گے۔

انسان کا یہ گمان کہ ''اللہ پاک کو ہمارے بہت سے کاموں کی خبر نہیں'' اس کی بربادی اور ہلاکت کا سبب ہے، قیامت کے روز جب انسان کے خلاف خود اس کے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی تو انسان اپنے اعضاء کو لتاڑے گا کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے ہمیں اللہ پاک نے گویائی دی اس لئے ہم مجبور تھے بولنے پر، اور دربار خداوندی میں چونکہ کوئی جھوٹ نہیں چل سکتا اس لئے ہم نے سچ سچ بتادیا، قیامت کا یہ منظر بیان فرما کر اللہ پاک سورۂ حم السجدۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور تم دنیا میں اپنے آپ کو اس سے چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں (یعنی تم کوئی کام اپنے اعضاء سے چھپ کر نہیں کرسکتے تھے) لیکن تم اس گمان میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے کاموں کی خبر نہیں، اور تمہارے اس گمان نے، جو تم نے اپنے رب کے بارے میں قائم کیا تھا، تم کو برباد کیا، پس تم خسارے میں پڑ گئے'' (آیت ۲۲ اور ۲۳)

معبودانِ باطل اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکیں گے

گفتگو کے اس مرحلہ میں مشرکین کے دلوں میں خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ چلو سب کچھ صحیح مگر ہم جن بتوں کی ڈنڈوت کرتے ہیں وہ ہماری مدد کریں گے وہ ہمیں اللہ پاک کی گرفت سے بچالیں گے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— اور ان لوگوں نے اللہ پاک کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں! —— یعنی تُف ہے ان کی اس جسارت پر کہ انھوں نے اللہ پاک کے ہمسر اور مدمقابل تجویز کئے ہیں! اُن سے —— کہو، نام تو لو اُن کا؟ —— وہ کون کون ہیں؟ اور ان کے خدا تعالیٰ کے ہمسر ہونے کی دلیل کیا ہے؟ —— یا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتے —— یعنی خدا تعالیٰ کو تو تمام روئے زمین میں اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں، کیونکہ کوئی ہے ہی نہیں، پھر تم انہیں یہ کیا چیز بتلا رہے ہو جسے وہ جانتے نہیں؟ —— یا تم بس یونہی سرسری بات کہتے ہو؟ —— یعنی ایک چلتی ہوئی بات کہتے ہو؟ کچھ تو بولو تا کہ ہم سمجھیں کہ تمہارے شرک کی اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شرکاء کی حقیقت کیا ہے؟

سبحان اللہ! کس قدر معقول سوالات ہیں مگر مشرکین ان کے جوابات دیں تو کیا دیں؟ نام لیں تو کس کا لیں، اور پھر اس کے شریک خدا ہونے کی دلیل لائیں تو کہاں سے لائیں! اور صفائی سے اپنی پوزیشن کا اقرار کریں تو کیوں کر کریں؟

پس کیا اب امید رکھتے ہو کہ وہ قائل ہو جائیں گے اور شرارتوں سے باز آجائیں گے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے خلاف چالیں چلنا بند کردیں گے؟ ہرگز نہیں! ـــ بلکہ منکرین کے لئے ان کی چالیں خوشنما بنادی گئی ہیں، اور وہ راہ راست سے روک دیئے گئے ہیں، اور جن لوگوں کو اللہ پاک بچلا دیں ان کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں ـــ یعنی وہ ہرگز اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں، شیطان نے ان کی چالیں ان کے لئے خوشنما بنادی ہیں اس لئے وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ اب بھی اپنی روش کو بجا سمجھتے ہیں، اور ان کے انہی کرتوتوں کی وجہ سے اللہ پاک نے اُن سے ان کی راہ راست پر آنے کی توفیق چھین لی ہے اور جس کی توفیق ہدایت چھن جائے اُسے راہ دکھانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

اس آیت پاک سے یہ بات واضح ہوئی کہ جس طرح نیکی، نیکی کا سبب بنتی ہے اسی طرح برائی، برائی کا سبب بنتی ہے جن لوگوں نے سرکار دوعالم ﷺ کے خلاف محاذ آرائی کی، ان کی توفیق ہدایت چھین لی گئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ پاک کے نزدیک صدیق (نہایت سچا) لکھ دیا جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ پاک کے نزدیک مہا جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے[1] لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہمیشہ اچھے کام کرنے کی کوشش کریں اور برے کاموں سے، چاہے وہ کتنے ہی معمولی ہوں اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ اللہ پاک ہمیں بات سمجھے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

سرکش لوگوں کا انجام:

اب دیکھئے ان سرکشوں کا انجام ـــ ان کے لئے دنیوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ پاک کی گرفت (سے) کوئی بچانے والا نہیں ـــ یعنی ان سرکشوں کو دنیا میں بھی سزا ملے گی چنانچہ ان آیتوں کے نزول کے چند سالوں کے بعد ایک ایک شیطان کی اچھی طرح مرمت ہوئی۔ ابوجہل جو ان کا سرغنہ تھا میدان بدر میں مارا گیا، ابولہب کتے کی موت مرا۔ غرض کوئی نہیں بچا جسے دنیا میں سزا نہ ملی ہو اور آخرت میں جو عذاب ان کے لئے تیار ہے اس کی ہولناکی اور سختی کا تو پوچھنا ہی کیا! اللہ پاک کی گرفت سے ان کو نہ کوئی دنیا میں بچا سکا اور نہ آخرت میں بچا سکے گا۔

اور آخرت کی سزا دوہری سزا ہے ایک دوزخ کی سزا اور دوسری جنت سے محرومی کی سزا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ہر جنتی کو جہنم کی وہ جگہ ضرور دکھائی جائے گی جہاں وہ برے کام کرنے کی صورت میں پہنچتا، تاکہ اس کی خوشی فزوں ہو جائے۔ اسی طرح ہر جہنمی کو جنت کی وہ جگہ ضرور دکھائی جائے گی جہاں وہ اچھے کام کرنے کی صورت میں پہنچتا، تاکہ اس کی حسرت

(۱) ملخصُ حدیثٍ متفقٍ علیه عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه۔

بڑھ جائے — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میت سے قبر میں سوالات کے بعد اگر میت مسلمان ہے تو اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے اور یہ وہ نعمتیں ہیں جو اللہ پاک نے تیرے لئے تیار کر رکھی ہیں جسے دیکھ کر مؤمن بہت خوش ہوگا، پھر اس مؤمن کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اُسے بتایا جائے گا کہ اگر تو نافرمانی کرتا تو یہ تیرا ٹھکانا ہوتا اور یہ سزائیں تجھے ملتیں (پھر وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا) مؤمن یہ جان کر خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا، ٹھیک اسی طرح کافر میت کے لئے جہنم کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے اور یہ سزائیں تیرا انتظار کر رہی ہیں کافر کا رنج وغم اس سے بہت بڑھ جاتا ہے، پھر اس کیلئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو فرمانبرداری کرتا تو یہ تیرا ٹھکانا ہوتا اور یہ نعمتیں تجھے ملتیں (پھر وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے) اس وقت کافر کی حسرت کا ٹھکانا نہیں رہتا[1]

خدا ترس بندوں کا انجام:

پھر ان کافروں کو سنانے کے لئے جنت کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے، تاکہ انہیں احساس ہو کہ وہ حضور پاک ﷺ کی مخالفت کر کے کیسی نعمت سے محروم رہ گئے، ارشاد فرماتے ہیں — اس جنت کا حال جس کا خدا ترس بندوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کا سایہ لازوال ہے۔

درختوں کی آبپاشی کے دو طریقے ہیں: ایک متعارف طریقہ جس میں نہر یا کنویں کے پانی سے درختوں کی جڑوں میں پانی بھر دیا جاتا ہے۔ دوسرا: غیر متعارف طریقہ جس میں زیر زمین قناتیں بنا کر پورے باغ میں نہریں جاری کر دی جاتی ہیں باغوں کی سینچائی کا یہ دوسرا طریقہ ملک شام میں رائج تھا اور عرب اپنے تجارتی اسفار کی وجہ سے اس سے اچھی طرح واقف تھے — پہلے طریقے سے سینچائی کرنے سے زمین میں نمی صرف چند روز رہتی ہے، دھوپ اور ہو کی وجہ سے پانی جلد خشک ہو جاتا ہے اور دوسرے طریقے میں نمی دیر تک رہتی ہے، جس کی وجہ سے باغ نہایت سرسبز وشاداب رہتے ہیں مگر پہلے طریقے میں محنت کم ہے اور دوسرے طریقے میں زیر زمین قناتیں بنانے کی محنت زیادہ ہے اس وجہ سے لوگ عام طور پر پہلے طریقے سے سینچائی کرتے ہیں مگر جنت کے باغات کی آبپاشی دوسرے طریقے پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے جنت کے باغات ہمیشہ سرسبز وشاداب اور ہرے بھرے رہتے ہیں۔ اس کے پھل دائمی اور سایہ لازوال ہے، وہاں خزاں کا نام نہیں، وہاں سدا بہار ہے — جنت کا سایہ دنیا کے سایہ کی طرح نہیں، کیونکہ وہاں چاند سورج نہیں، وہاں نور پھیلا ہوا ہے۔ سورج نکلنے سے ذرا دیر پہلے جو کیفیت ہوتی ہے اس طرح کا وہاں سماں ہوگا، اس لئے وہاں کے سایے کی کیفیت بھی بیان نہیں کی

(۱) رواه الطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی صحیحه فی حدیث طویل (الترغیب والترہیب ص۳۷۲ ج۴)

جاسکتی، بس وہیں جا کر پتہ چلے گا کہ وہ کیسا ہے! دعا فرمائیں اللہ پاک ہم سب کو ان خوش نصیب انسانوں میں شامل فرمائیں جن کو جنت کے میوے اور سایے نصیب ہوں (آمین یارب العالمین) —— یہ بدلہ ہے پرہیزگاروں کا اور کافروں کا بدلہ آگ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ؑ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

ع ۵ / ۱۱

وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ	بَعْضَهٗ	اس کی بعض باتیں	اَدْعُوْا (۲)	بلاتا ہوں میں
اٰتَيْنٰهُمُ	جن کو دی ہم نے	قُلْ	کہہ دیں	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف
الْكِتٰبَ	کتاب	اِنَّمَآ اُمِرْتُ	یہی حکم دیا گیا ہوں میں	مَاٰبِ (۳)	(میرا) لوٹنا (ہے)
يَفْرَحُوْنَ	خوش ہوتے ہیں	اَنْ اَعْبُدَ	کہ بندگی کروں	وَكَذٰلِكَ	اور ایسے ہی
بِمَآ اُنْزِلَ	اس سے جو نازل کیا گیا ہے	اللّٰهَ	اللہ پاک (کی)	اَنْزَلْنٰهُ	نازل کیا ہم نے اس کو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَلَآ اُشْرِكَ	اور نہ شریک ٹھہراؤں	حُكْمًا (۴)	فرمان
وَمِنَ الْاَحْزَابِ (۱)	اور فرقوں میں سے	بِهٖ	ان کے ساتھ	عَرَبِيًّا	عربی زبان کا
مَنْ يُّنْكِرُ	جو نہیں مانتے	اِلَيْهِ	انہی کی طرف	وَلَئِنِ	اور بخدا اگر

(۱) الاَحْزَاب جمع حِزْبٌ کی: پارٹی: لوگوں کی جماعت، ہر وہ قوم جس کے خیالات وافکار ایک ہوں، اگرچہ آپس میں ملاقات نہ ہو (۲) اَدْعُوْا فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم ہے اور آخر میں الف اس قاعدے سے لکھا گیا جو آیت ۳۰ کے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے (۳) مَآبُ مصدر ہے آب (ن) اَوْبًا و مَآبًا من السفر: لوٹنا، واپس ہونا۔ آخر سے اضافت کی یا محذوف ہے با کا زیر اس کی علامت ہے (۴) حُكْمًا اور عَرَبِيًّا حال ہیں۔

اتَّبَعْتَ	پیروی کریں آپ	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے
اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	رُسُلًا	پیغامبروں کو	اللّٰهِ	اللہ پاک (کی)
بَعْدَ	بعد	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	لِكُلِّ اَجَلٍ	ہر مدت کے لئے
مَا	(اس کے) جو	وَجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے	كِتَابٌ	نوشتہ (ہے)
جَآءَكَ	آچکا آپ کے پاس	لَهُمْ	ان کے لئے	يَمْحُوا (۲)	مٹاتے ہیں
مِنَ الْعِلْمِ	یعنی علم سے	اَزْوَاجًا	بیویاں	اللّٰهُ	اللہ پاک
مَا لَكَ	نہیں ہے آپ کے لئے	وَّذُرِّيَّةً	اور بچے	مَا يَشَآءُ	جو چاہتے ہیں
مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے ورے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	وَيُثْبِتُ	اور باقی رکھتے ہیں (جو
مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی مددگار	لِرَسُوْلٍ	کسی رسول کے لئے		چاہتے ہیں)
وَّلَا وَاقٍ (۱)	اور نہ کوئی بچانے والا	اَنْ يَّاْتِيَ	کہ لے آئے	وَعِنْدَهٗ	اور انہی کے پاس (ہے)
وَلَقَدْ	اور بخدا! تحقیق	بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	اُمُّ الْكِتٰبِ (۳)	اصل کتاب

رسالت پر اہل کتاب کے تین اعتراضات کے جواب

گذشتہ آیتوں میں ان اعتراضات کے جوابات تھے جو مشرکین کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی رسالت پر کئے گئے تھے، اب اِن آیتوں میں ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو اہل کتاب یہود و نصاری کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی پیغمبری پر کئے گئے تھے۔ ان آیتوں میں ان کے تین اہم اعتراضوں کے جوابات نہایت دلنشین انداز میں دئے گئے ہیں، یہ جوابات ایک تمہید سے شروع ہوئے ہیں، جو بجائے خود تمام اعتراضوں کا جواب ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:—— اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب الٰہی دی ہے وہ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے—— یعنی تورات و انجیل کے سچے حاملین، قرآن پاک سن کر نہایت خوش ہوتے ہیں، نجاشیؓ جو پہلے عیسائی تھے اور ملک حبشہ کے بادشاہ تھے جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں تو وہ بے حد متاثر ہوئے اور آبدیدہ ہوگئے، اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور فرمایا: ''خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں''——

(۱) وَاقٍ اسم فاعل ہے اصل میں وَاقِيٌ تھا (۲) يَمْحُوا فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے آخر میں الف اسی قاعدے سے لکھا گیا ہے، جس کا تذکرہ آیت ۳۰ کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ مَحَا يَمْحُوْ مَحْوًا الشيئَ: مٹانا (۳) خلیل نے تصریح کی ہے کہ ہر وہ چیز اُمٌّ سے موسوم کی جاتی ہے جس کی طرف اس کی تمام متعلق چیزیں ملادی جائیں۔

ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جوستر عیسائیوں پر مشتمل تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اُن کو قرآن سنایا وہ کلام الٰہی سن کر وقف گریہ وبکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر رَبَّنَا آمَنَّا کے کلمات جاری تھے۔

اسلام اور قرآن کے ساتھ اِن اہل کتاب کا یہ عمل شاہد ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت سچی ہے، مگر یہ حال تمام اہل کتاب کا نہیں، صرف تورات وانجیل کے سچے حاملین کا ہے مگر وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں، اکثر یہود ونصاری گمراہ ہو چکے تھے، تورات وانجیل کی تعلیمات سے برگشتہ ہو چکے تھے اور سینکڑوں فرقے وجود میں آگئے تھے ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات ان گمراہ فرقوں کے عقائد پر منطبق نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس لئے قرآن کریم کی وہ تعلیمات جو انکے مزعومہ عقائد کے خلاف تھیں اُن کے گلے نہیں اترتی تھیں، وہ اس کا انکار کرتے تھے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور فرقوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس (قرآن) کی بعض باتیں نہیں مانتے ـــــ گمراہ عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بعینہٖ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا جو وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا: اس نے آپ سے بہت جھگڑا کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں، سورۂ آل عمران کی شروع کی نوے آیتیں انہی کو سمجھانے کے لئے نازل کی گئی ہیں، مگر اس وفد نے مان کر نہیں دیا ـــــ قرآن پاک خالص توحید کی تعلیم دیتا ہے اور اس کا بیشتر حصہ اس کے لئے وقف ہے، یہ فرقے قرآن پاک کی خالص توحید کی تعلیم نہیں مانتے، اللہ پاک اپنے رسول کو حکم دیتے ہیں ـــــ آپ کہہ دیں: مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں اللہ پاک کی بندگی کروں اور (کسی کو) ان کے ساتھ شریک نہ کروں، میں انہی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور مجھے ان ہی کی طرف لوٹنا ہے ـــــ یعنی اے پیغمبر! آپ صاف کہہ دیں کہ چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض، مجھے تو اللہ پاک کی طرف سے یہی حکم ملا ہے کہ اُسی خدائے وحدہ لاشریک لہ کی بندگی کروں لہٰذا میں ساری دنیا کو اس کی دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ مجھے انہی کی طرف لوٹنا ہے ـــــ اور ایسا ہی (یعنی خاص توحید کی تعلیم پر مشتمل) ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اس حال میں کہ وہ عربی فرمان ہے ـــــ یعنی جس طرح ہر پیغمبر کو اسی زبان میں کتاب الٰہی دی جاتی ہے جو اس کی قومی زبان ہوتی ہے، ایسے ہی آپؐ کو عربی قرآن دیا گیا ہے اور یہ قرآن حکم ہے یعنی لوگوں کے اختلافی مسائل میں فیصلہ کن ہے اور اس کا فیصلہ ناطق ہے، اور وہ فرمان خداوندی ہے، پس اس کا ماننا ضروری ہے ـــــ اور بخدا! اگر آپ اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کریں تو اللہ پاک سے وَرے نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا نہ کوئی بچانے والا ـــــ یعنی کوئی مانے نہ مانے آپ لوگوں کی خوشی اور ناخوشی کی پروا کئے بغیر قرآن پاک کی پیروی کریں، اور خالص توحید پر گامزن رہیں اگر بالفرض آپ ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے اور توحید میں شرک کی آمیزش کر لی تو آپ کو اُس کے وبال سے

کوئی نہیں بچا سکتا۔

ان آیتوں میں خطاب اگرچہ نبی کریم ﷺ سے ہے مگر مقصود امت کو سنانا ہے کہ قرآن کریم کی دعوت خالص توحید کی دعوت ہے، پس کسی مسلمان کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ توحید میں شرک کی آمیزش کرلے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اسے اللہ پاک کی سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

اس تمہید کے بعد اب اہل کتاب کے اعتراضات کے جوابات ہیں:

پہلا اعتراض:— یہود کہتے تھے کہ ان صاحب پر تو نکاح اور عورتوں کی فکر ہی سوار رہتی ہے، ان کی ساری تگ ودو اسی کے لئے ہے، بھلا پیغمبروں کا خواہشات نفسانی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

جواب:— اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے ہیں — یعنی تم بیوی بچوں کو کس دلیل سے نبوت و رسالت کے منافی سمجھتے ہو، اللہ پاک کی تو یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو اہل وعیال والے بناتے ہیں۔ ماضی میں بہت سے انبیاء کرام گذرے ہیں جن کی نبوت کے تم بھی قائل ہو، وہ سب بیویوں والے اور اولاد والے تھے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں؟ کیا تم بھول گئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں پھر تم کس منہ سے یہ بات کہتے ہو؟

دوسرا اعتراض:— وہ کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام ید بیضاء اور عصاء کا معجزہ لائے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کرتے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا، تم کیا نشانی لے کر آئے ہو؟ تم کیسے رسول ہو جو کوئی معجزہ نہیں دکھاتے؟

جواب:— اور کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں کہ وہ کوئی نشانی اللہ پاک کی اجازت کے بغیر دکھائے — یعنی جس پیغمبر نے جو نشانی دکھائی وہ اپنے اختیار سے نہیں دکھائی اللہ پاک نے جس وقت جس پیغمبر کے ذریعے جو معجزہ ظاہر کرنا مناسب سمجھا وہ ظاہر کیا، اب اگر اللہ پاک کی مصلحت ہوگی تو وہ جو کچھ چاہیں گے دکھائیں گے میرے اختیار میں کوئی معجزہ دکھانا نہیں، جو تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔

تیسرا اعتراض:— اہل کتاب کہتے تھے کہ جب پہلے آئی ہوئی کتابیں موجود ہیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ اب وہ منسوخ ہیں اور اس نئی کتاب کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے مگر کوئی کتاب الٰہی منسوخ کیسے ہوسکتی ہے؟ احکام خداوندی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہیں تھا اس لئے حالات بدلنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ حق

تعالیٰ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی چیز ان کے علم سے باہر ہو۔

جواب:—— ہر زمانے کے لئے ایک کتاب ہے اللہ پاک جو کچھ چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں۔ اور جس چیز کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں۔ اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے—— یعنی احکام ہر زمانے اور قوم کے مناسب حال آتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ سب احکام دائمی ہوں، بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے اعتبار سے اپنی حکمت بالغہ سے جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے—— جس میں پہلے ہی سے یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے، ایک خاص میعاد کے لئے یا خاص حالات کے لئے ہے۔ جب وہ میعاد گذر جائے گی یا وہ حالات بدل جائیں گے، تو وہ حکم بھی بدل جائے گا۔

الحاصل جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لئے ہے، اس کے بعد بدلا جائے گا جیسے مریض کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا اس کے مناسب حال تجویز کرتا ہے مگر وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا اور اتنے دنوں کے بعد اس دوا کو بدل کر دوسری دوا دی جائے گی۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ گذشتہ تمام آسمانی کتابیں خاص زمانے اور خاص حالات کے لئے تھیں اور اللہ تعالیٰ ہر مابعد کتاب میں ماسبق کتاب کے ثابت احکام نقل فرما دیتے ہیں اور زمانے کے بدلنے سے بدل جانے والے احکام موقوف کر دیتے ہیں، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ قرآن پاک کا نمبر آیا۔ اب قرآن پاک کو گذشتہ تمام کتابوں کے لئے مُهَيْمِنٌ (نگہبان) بنایا ہے، ان کتابوں کے تمام ثابت احکام قرآن پاک میں نقل کر دیئے ہیں اور جن احکام کا دور ختم ہو گیا ان کو اللہ پاک نے موقوف کر دیا ہے ان کو قرآن پاک میں بیان نہیں کیا، اور نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے احکام نازل فرمائے ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ نزول قرآن کے بعد بھی تو حالات بدلیں گے پس تغیر پذیر دنیا کے لئے نئے احکامات آنے چاہئیں۔ قرآن کریم قیامت تک کے احکام کے لئے کیونکر کافی ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پچھلی کتابوں میں اور قرآن کریم میں کئی وجوہ سے فرق ہے:

پہلا فرق:—— گذشتہ کتابیں تحریف اور ضائع ہونے سے محفوظ نہیں تھیں اور قرآن پاک کی حفاظت کا اللہ پاک نے ذمہ لیا ہے اس میں نہ کوئی تحریف ہو سکتی ہے نہ وہ ضائع ہو سکتی ہے اس وجہ سے پہلے جب لوگ اللہ پاک کی کتاب میں تحریف کر ڈالتے تھے تو اللہ پاک دوسری کتاب نازل فرماتے تھے اور اب چونکہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے

اس وجہ سے دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔

دوسرا فرق:۔۔۔ گذشتہ کتابیں معجزہ نہیں تھیں اور قرآن کریم معجزہ ہے یعنی گذشتہ کتابیں انسان کا کلام تھیں، اس لئے ان میں جامعیت اور ہمہ گیری کی شان نہیں تھی اور قرآن کریم معجزہ ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، اس لئے اس میں محیر العقول جامعیت اور ہمہ گیری کی شان ہے، اور وہ قیامت تک کے مسائل کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے۔

تیسرا فرق:۔۔۔ گذشتہ کتابیں جزئیات پر مشتمل تھیں اور جزئیات میں زمانے کے بدلنے سے تغیر ہوتا ہے اور قرآن کریم میں اصول بیان کئے گئے ہیں اور جزئیات کو اصول کے دامن میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اگر کوئی جزوی حکم بیان ہوا بھی ہے تو وہ جزئی ہونے کی حیثیت سے نہیں بیان ہوا بلکہ وہ اپنے جلو میں کوئی کلی اصول لئے ہوئے ہے، جن سے جزئیات کا استنباط ہوتا رہتا ہے۔

غرض: پس جب قرآن پاک قیامت تک محفوظ ہے اور اس میں تمام جامع اصول موجود ہیں تو اب جو نئے مسائل پیش آئیں گے مجتہدین ان کے احکام انہی اصولوں سے مستنبط کرلیں گے۔ اب کسی نئی کتاب کی ضرورت نہیں۔

قرآن پاک آفاقی اور ابدی کتاب ہے اس میں ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾

وَاِنْ مَّا(۱)	اور اگر	نُرِيَنَّكَ	دکھادیں ہم آپ کو	بَعْضَ(۲)	کوئی حصہ

(۱) مَا فقط شرط کے معنی کی تاکید کے لئے ہے اس لئے اس کا ترجمہ نہیں کیا (۲) جملہ ناقصہ بَعْضَ الَّذِىْ الخ مفعول ثانی ہے نُرِيَنَّ کا۔

الَّذِیْ	اس (عذاب) کا جس کا	لَا	نہیں	اَلْکُفّٰرُ	کافر
نَعِدُھُمْ	وعدہ کر رہے ہیں ہم ان سے	مُعَقِّبَ (۳)	کوئی فیصلہ کرنے والا	لِمَنْ	(کہ) کس کیلئے (ہے)
اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ	یا اٹھالیں ہم آپ کو	لِحُکْمِہٖ	ان کے فیصلے کے خلاف	عُقْبَی (۴)	اچھا بدلہ
فَاِنَّمَا (۱)	بہر صورت بس	وَھُوَ	اور وہ	الدَّارِ	اس گھر کا
عَلَیْکَ	آپ کے ذمہ (ہے)	سَرِیْعُ	بڑی جلدی لینے والے	وَیَقُوْلُ	اور کہہ رہے ہیں
الْبَلٰغُ	پیغام پہنچا دینا		(ہیں)	الَّذِیْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
وَعَلَیْنَا	اور ہمارے ذمے (ہے)	الْحِسَابِ	حساب	کَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا
الْحِسَابُ	حساب لینا	وَقَدْ مَکَرَ	اور تحقیق داؤ کیا	لَسْتَ	نہیں ہو تم
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	الَّذِیْنَ	ان لوگوں نے جو	مُرْسَلًا	خدا کے بھیجے ہوئے
یَرَوْا	دیکھ رہے وہ	مِنْ قَبْلِھِمْ	ان سے پہلے ہوئے	قُلْ کَفٰی	آپ کہیں کافی ہیں
اَنَّا نَاْتِی	کہ ہم چلے آتے ہیں	فَلِلّٰہِ	سو اللہ پاک ہی کے	بِاللّٰہِ (۵)	اللہ پاک
الْاَرْضَ	ان کی زمین (پر)		لئے ہیں	شَھِیْدًا	گواہ
نَنْقُصُھَا (۲)	درانحالیکہ گھٹا رہے	الْمَکْرُ جَمِیْعًا	ساری تدبیریں	بَیْنِیْ	میرے درمیان
	ہیں ہم اس کو	یَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ	وَبَیْنَکُمْ	اور تمہارے درمیان
مِنْ اَطْرَافِھَا	اس کے کناروں سے؟	مَا تَکْسِبُ	(اس کو) جو کماتا ہے	وَمَنْ (۶)	اور وہ شخص
وَاللّٰہُ	اور اللہ تعالیٰ	کُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	عِنْدَہٗ	جس کے پاس
یَحْکُمُ	فیصلہ فرماتے ہیں	وَسَیَعْلَمُ	اور ابھی جان لیں گے	عِلْمُ الْکِتٰبِ	آسمانی کتاب کا علم ہے

اسلام اپنی خاموش تبلیغ کے ذریعہ پھیلتا رہا اور مخالفین اسلام کے پیروں تلے سے زمین نکلتی رہی!

چونتیسویں آیت میں اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کو دھمکی دی تھی کہ ان کے لئے دنیوی زندگی میں

(۱) فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الخ شرط کی جزاء ہے دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جزا محذوف ہو اور فَاِنَّما اس کا قرینہ ہو وتقدیرہ فَاِنَّا قَادِرُوْنَ (ہم ہر صورت میں قادر ہیں) (۲) جملہ نَنْقُصُھَا حال ہے نَاْتِیْ کے فاعل سے یا اس کے مفعول سے (۳) عَقَّبَ الْحَاکِمُ علی حکم سَلَفِہٖ: حاکم کا اپنے سلف کے فیصلے کے خلاف فیصلہ کرنا (۴) عقبیٰ کے لئے دیکھئے آیت ۲۲ کا حاشیہ (۵) کفٰی کے فاعل پر با کی زیادتی ہوتی ہے پس کلمہ اللہ محلاً مرفوع ہے اور شھیدا تمیز ہے۔ (۶) وَمَنْ عِنْدَہٗ الخ معطوف ہے اَللّٰہُ پر جو کَفٰی کا فاعل ہے۔

عذاب ہے، وہ یہ سن کر کہا کرتے تھے کہ تم جس عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہو وہ آخر آ کیوں نہیں جاتا؟ اُس کے آنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے؟ ہماری روش غلط ہے اور تم خدا کا کام کر رہے ہو تو خدا ہمیں ہمارے برے کاموں کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ اللہ پاک اپنے برگزیدہ رسول سے ارشاد فرماتے ہیں—اور خواہ ہم آپ کو کوئی حصہ اس عذاب کا دکھا دیں جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا آپ کو اٹھا لیں بہرصورت آپ کے ذمے صرف پیغام حق پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے—یعنی ہوسکتا ہے جس عذاب کی دھمکی مخالفین کو دی جا رہی ہے اس کا کچھ حصہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں ظاہر ہو جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پورا عذاب آپؐ کے بعد ظاہر ہو۔ بہر حال جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا خواہ جلد ظہور میں آئے یا دیر سے، مخالفین ڈھیل ہوتی دیکھ کر بے فکر نہ ہو جائیں، بلکہ— کیا وہ لوگ دیکھ نہیں رہے کہ ہم ان کی عملداری کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں؟—یعنی کیا مخالفین کو نظر نہیں آ رہا کہ اسلام کا اثر اُن کی قلمرو میں پھیلتا جا رہا ہے۔ اور کفر کی عملداری گھٹتی جا رہی ہے۔ انکی سرزمین اسلامی جہاد کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ رسول اللہ ﷺ کی عملداری میں چلی آ رہی ہے اور چاروں طرف سے اُن پر دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ کیا اس میں اُن کو اپنی شامت نظر نہیں آ رہی؟ کیا اب بھی وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ''ہم ہی غالب رہیں گے''(۱)

اسلام اپنی خاموش تبلیغ کے ذریعے مسلسل پھیل رہا تھا، مکہ کی بہت سی اہم شخصیتیں مسلمان ہو چکی تھیں، اطراف مکہ کے قبائل اسلام کے دائرے میں چلے آ رہے تھے، مدینہ شریف جو اہل مکہ کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، اس کے دونوں قبیلے اوس وخزرج مسلمان ہو چکے تھے اور اسلامی جہاد شروع ہونے سے دوسرے عرب قبائل کا تعلق بھی اہل مکہ سے کٹ کر رسول اللہ ﷺ سے جڑتا جا رہا تھا، اس طرح مخالفین اسلام کی زمین دن بدن سکڑتی جا رہی تھی کیا اس صورت حال میں دیدۂ انجام بیں کے لئے کوئی سبق نہیں؟ یاد رکھو، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ اہل مکہ کیلئے انکے اپنے گھر بھی تنگ ہو جائیں گے۔ یہ اللہ پاک کا اٹل فیصلہ ہے—اور اللہ پاک فیصلہ فرماتے ہیں، ان کے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں اور وہ بڑی جلدی دارو گیر فرمانے والے ہیں۔

اور مخالفین رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو شکست دینے کے لئے جو ہتھیار استعمال کر رہے ہیں، اور جو چالیں چل رہے ہیں اس سے دین حق کو کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں، ماضی میں بارہا ایسی کوششیں کی جا چکی ہیں مگر اللہ پاک نے وہ سب تدبیریں انہی پر الٹ دی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں—اور یقیناً ان لوگوں نے (بھی) مخالفانہ تدبیریں کیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں سو اللہ پاک ہی کے لئے ہیں ساری تدبیریں— وہ جانتے ہیں جو ہر شخص کرتا ہے—یعنی کسی کا

(۱) دیکھئے سورۃ الانبیاء آیت ۴۴۔

کوئی کھلا چھپا کام اُن سے پوشیدہ نہیں وہ ان مکاروں کو ان کی چالوں کا خوب مزہ چکھائیں گے —— اور ابھی جان لیں گے کافر کہ اچھا بدلہ کس کے لئے ہے؟—— یعنی دنیا کی زندگی تمام ہوتے ہی ان کو پتہ چل جائے گا کہ نیک انجامی کس کے لئے مقدر ہے؟

پھر آخری آیت میں واضح کیا ہے کہ حق وباطل کی موجودہ آویزش کا سبب کیا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور منکرین کہہ رہے ہیں کہ: ''تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو'' آپ کہہ دیں ''میرے اور تمہارے درمیان اللہ پاک کی گواہی کافی ہے اور ان لوگوں کی گواہی جو آسمانی کتابوں کا علم رکھتے ہیں''—— یعنی اصل نزاع آپ کو رسول ماننے نہ ماننے کا ہے، آپ کا دعوی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کا رسول مانو، لوگ اس کے لئے تیار نہیں، وہ کہتے ہیں: تم اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہو! وہ ہر طرح سمجھانے پر بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، پس آپ ان سے یہ بات کہہ کر گفتگو ختم کردیں کہ اس معاملہ میں اللہ پاک کی گواہی کافی ہے اور جن لوگوں کو آسمانی کتابوں کا علم ہے ان کی گواہی کافی ہے، یعنی یہ دونوں گواہیاں میرے حق میں موجود ہیں اور تمہارا انکار محض اپنی بات کی پچ ہے۔

اہل کتاب کی چند گواہیاں:

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے حق میں اللہ پاک کی گواہیاں تو ہم برابر تلاوت کرتے آرہے ہیں اور آئندہ بھی تلاوت کریں گے، البتہ اہل کتاب کی چند گواہیاں پڑھ لیں تا کہ ایمان تازہ ہوجائے۔

پہلی گواہی:—— رجب سنہ ۵ نبوی میں مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر تقریباً ایک سو مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، قریش نے وہاں بھی ان کو چین کا سانس نہیں لینے دیا، انھوں نے فوراً ایک وفد روانہ کیا اور شاہ حبش سے ان کا مطالبہ کیا، شاہ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا، اور ان سے حقیقت حال دریافت کی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بے کم وکاست تمام صورت حال بیان کی، نجاشی رحمہ اللہ نے پوچھا تمہیں قرآن کا کوئی حصہ یاد ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ تلاوت کیا، بادشاہ اور تمام درباری سن کر رو پڑے، اور نجاشی نے کہا: یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں: دونوں ایک ہی شمع کے پرتو ہیں۔ اور حضرت جعفرؓ سے درخواست کی کہ اس پاکیزہ کلام میں سے کچھ اور سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری سورت پڑھ کر سنائی، نجاشی رحمہ اللہ نے سن کر کہا: بے شک حق ہے تم نے سچ کہا اور تمہارے نبی ﷺ نے بھی سچ کہا اور خدا کی قسم تم سب راست باز ہو۔ اللہ کے نام پر یہاں امن وامان سے رہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بادشاہ نے کہا: میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور انہیں بھی جن

کے پاس سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور یقیناً وہی پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے، اگر سلطنت کا کام نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کی جوتیوں کو چومتا

فرضی اللّٰہ تعالی عنہ رضاً لایسخط بعدَہُ ابدًا۔

دوسری گواہی:—— حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تورات کے بڑے عالم تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو آقائے نامدار ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ایسے وقت پہنچی کہ آپ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے، آپ نے خوشی میں وہیں سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، ان کی پھوپھی نے کہا: اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبر سنتا تب بھی اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا۔ آپ نے جواب دیا: جی ہاں! خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں، وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے، ان کی پھوپھی نے کہا: بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی خبریں ہم سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے سانس کے ساتھ مبعوث ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں یہ وہی نبی ہیں۔

اس کے بعد آپ زیارت نبوی کے لئے حاضر ہوئے، فرماتے ہیں: میں نے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

تیسری گواہی:—— حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کی عمر ڈھائی سو سال سے زیادہ بتلائی جاتی ہے، ان کو عیسائی پادریوں سے نبی آخر الزماں ﷺ کی تین علامتیں پہنچی تھیں، ایک یہ کہ وہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے، دوسری یہ کہ وہ ہدیہ کی چیز کھائیں گے اور تیسری یہ کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں وارد ہوئے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کچھ کھجوریں لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ سب حضرات ضرورت مند ہیں اس لئے میں آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے یہ صدقہ پیش کرتا ہوں۔ آپؐ نے اپنی ذات کے لئے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابۂ کرام کو اجازت دی کہ وہ کھائیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ ایک علامت صحیح نکلی، پھر چند روز کے بعد دوبارہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کروں، آپ صدقہ تو قبول نہیں فرماتے۔ اس لئے یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

آپ ﷺ نے وہ ہدیہ قبول فرمایا اور خود بھی تناول فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی کھلایا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نے دل میں سوچا کہ دو علامتیں تو صحیح ثابت ہوئیں۔ اب تیسری کا مسئلہ تھا، مہر نبوت پیٹھ پر تھی۔ اور پیٹھ مبارک کپڑوں سے ڈھکی رہتی تھی۔ حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ ایک روز جبکہ آپؐ ایک جنازے کی تدفین کے لئے بقیع میں تشریف فرما تھے۔ میں حاضر ہوا میں نے سلام کیا اور پشت مبارک کی طرف گھومنے لگا آپ سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک کمر سے ہٹادی حضرت سلمان نے مہر نبوت کو دیکھا تو جوش میں اس پر جھک گئے، اور چومنا اور رونا شروع کر دیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: سامنے آؤ، کیا بات ہے؟ وہ سامنے آئے اور سارا قصہ سنایا اور مشرف باسلام ہوئے اللہ پاک اُن کو اپنی خوشنودی کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔

چوتھی گواہی:۔۔۔ جب حضور اقدس ﷺ نے شاہان عجم کے نام دعوتی والا نامے ارسال فرمائے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ قیصر روم کو بھی والا نامہ بھیجا، جب حضرت دحیہ والا نامہ لے کر قیصر کے پاس پہنچے اور وہ قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا بھتیجا نہایت غصہ میں بھر گیا۔ اس نے کہا: یہ خط مجھے دید یجئے، قیصر نے کہا تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا: یہ پڑھنے کے قابل نہیں، کیونکہ اس کی ابتداء آپ کے نام سے نہیں ہے بلکہ بھیجنے والے نے اپنے نام سے ابتداء کی ہے۔ پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے قیصر نے کہا: تو بےوقوف ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کا خط پھینک دوں جس کے پاس ناموس اکبر (حضرت جبرئیل علیہ السلام) آتے ہیں اگر وہ نبی ہیں تو ان کو اسی طرح لکھنا چاہئے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس نے خط کو پڑھ کر چوما اور سر پر رکھا پھر ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اور اس سے مشورہ کیا۔ پوپ نے کہا: بیشک یہ نبی آخر الزماں ہیں، جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں ہیں۔ قیصر نے کہا: مجھے بھی اس کا یقین ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاتا ہوں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ اور سلطنت جاتی رہے گی۔ افسوس! اس نے دنیا کی لالچ میں دین برباد کر لیا، سب کچھ جانتے ہوئے بھی فیض محمدی سے محروم رہا، سچ کہا ہے کسی نے:

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل ❁ کہ خضر ز آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

تباہی ان لوگوں کے لئے مقدر ہے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ابراہیم

نمبر شمار ۱۴ نزول کا نمبر ۷۲ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۷ آیات ۵۲

یہ پوری سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر بہتر ہے یعنی مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے، یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت پریشان کُن تھا،حق وباطل کی آویزش زوروں پر تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی شرارتیں ناقابل برداشت تھیں، ایسے پرآشوب دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے—— اس سورت کی پینتیسویں آیت سے اکتالیسویں آیت تک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند دعائیں آئی ہیں۔ جو سورت کی موعظت کا نقطۂ عروج ہیں۔اس وجہ سے اس سورت کا نام ابراہیم رکھا گیا ہے اس نام کا یہ مطلب نہیں کہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح عمری بیان ہوئی ہے، بلکہ اس نام کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں ہیں۔

مضامین:

مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے بنیادی مضامین بھی تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت،سورت کا آغاز بیان مدعا سے ہوا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ قرآن کریم کلام خداوندی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نبی برحق ہیں، لوگوں کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی راہ پر گامزن ہونا چاہئے اور منکرین دعوت کے لئے بڑی تباہی ہے، ساتھ ہی منکرین کی نفسیات بھی بیان فرمائی ہیں—— اس کے بعد چوتھی آیت میں رسالت اور قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے پر وارد ہونے والے ایک شبہ کا جواب ہے—— پھر آیت پانچ سے آٹھ تک سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت ہے، جس کے مخاطب مسلمان بھی ہیں اور اہل مکہ (کفار) بھی —— پھر آیت نو سے تمام انبیاء کرام کی مجموعی سرگذشت ہے اور اس کے مخاطب بھی اہل ایمان اور اہل کفر دونوں ہیں۔ یہ سلسلہ آیت سترہ تک چلا گیا ہے—— پھر آیت اٹھارہ سے بائیس تک منکرین کے تین باطل گمانوں کی حقیقت کھولی گئی ہے۔ پھر آیت تیئیس میں بطور مقابلہ مؤمنین کا انجام بیان ہوا ہے، اس کے بعد آیت

چوبیس سے توحید کی دعوت شروع کی ہے، پہلے مثالوں سیکلمہ ایمان اور کلمۂ کفر کا فرق سمجھایا ہے پھر آیت اٹھائیس میں بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کا معاملہ عجیب ہے، جنھوں نے نعمت خداوندی کو کفر سے بدل ڈالا، پروردگار کے مقابل ہمسر تجویز کر لئے، حالانکہ ان کے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تو ان کے حق میں تمنائیں اور دعائیں یہ تھیں کہ وہ شرک کی آلودگی سے کوسوں دور رہیں۔ بیت الحرام کا حق ادا کریں اور نمازیں قائم کریں مگر وہ ہیں کہ پروردگار کی نعمتوں کو کفران سے بدل رہے ہیں —— پھر آیت بیالیس سے آخر سورت تک سورت کی آخری موعظتیں ہیں جن میں دھمکی کا رنگ غالب ہے اللہ پاک ہم سب کو اس سورت پاک کی بغور تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝۲ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۳

بِسْمِ اللّٰهِ	نام سے اللہ پاک (کے)	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف	وَمَا فِي الْاَرْضِ	اور زمین میں (ہیں)
الرَّحْمٰنِ	نہایت مہربان	بِاِذْنِ (۲)	اجازت (توفیق) سے	وَوَيْلٌ	اور بڑی تباہی (ہے)
الرَّحِيْمِ	بڑے رحم والے	رَبِّهِمْ	ان کے رب (کی)	لِّلْكٰفِرِيْنَ	منکرین کے لئے
الٓرٰ	الف، لام، را	اِلٰى صِرَاطِ (۳)	راہ کی طرف	مِنْ عَذَابٍ	عذاب کی وجہ سے
كِتٰبٌ (۱)	(یہ) ایک کتاب (ہے)	الْعَزِيْزِ	زبردست	شَدِيْدِ	سخت
اَنْزَلْنٰهُ	جسے نازل کیا ہے ہم نے	الْحَمِيْدِ (۴)	بڑی خوبیوں والے	الَّذِيْنَ (٦)	جو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اللّٰهِ (۵)	اللہ تعالیٰ (کی)	يَسْتَحِبُّوْنَ	ترجیح دیتے ہیں
لِتُخْرِجَ	تاکہ نکالیں آپ ﷺ	الَّذِيْ لَهٗ	جو (کہ) ان کی ہیں	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو
النَّاسَ	لوگوں کو	مَا	(وہ چیزیں) جو	عَلَى الْاٰخِرَةِ	آخرت پر
مِنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں (ہیں)	وَيَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہیں

(۱) مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیرہ: هذا کتابٌ — جملہ اَنْزَلْنٰهُ صفت ہے کتاب کی (۲) بِاِذْنِ متعلق ہے تُخْرِجُ سے (۳) اِلٰى صِرَاطِ الخ بدل ہے اِلَى النُّوْرِ سے (۴) حَمِيْدٌ بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ بمعنی مفعول ہے یعنی مَحْمُوْدٌ مگر دونوں لفظوں میں لطیف فرق ہے مَحْمُوْدٌ اس وقت کہیں گے جب کسی شخص کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو اور حَمِيْدٌ خوبیوں والی ذات کو کہیں گے خواہ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے (۵) اللّٰهِ بدل ہے العزیز الحمید سے اور جملہ الذی له الخ صفت ہے۔ (٦) الذین موصول اپنے صلات کے ساتھ بدل ہے کَافِرِیْنَ سے۔

گمراہی میں (ہیں)	فِیْ ضَلٰلٍ	ٹیڑھا کرنا	عِوَجًا(۲)	اللہ تعالیٰ کی راہ سے	عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
دور کی	بَعِیْدٍ	یہ لوگ	اُولٰٓئِكَ	اور چاہتے ہیں اس کو	وَيَبْغُوْنَهَا(۱)

اللہ پاک کے نام نامی سے شروع ہے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورت کی ابتدا چھ باتوں سے ہوئی ہے

یہ اس سورہ شریف کی ابتدائی آیتیں ہیں جو پوری صراحت کے ساتھ مدعا بیان کر رہی ہیں، مدعا یہ ہے:

(۱) — قرآن کریم اللہ پاک کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، کسی انسان کی تصنیف نہیں۔

(۲) — محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، قرآن کریم آپؐ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

(۳) — لوگوں کو زبردست خوبیوں والی ہستی کی راہ اپنانی چاہئے، اس وحدہ لاشریک لہ کی راہ جس کی ملکیت میں کائنات کا ذرہ ذرہ ہے۔

(۴) — جو لوگ قرآن کریم کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے بڑی تباہی اور سخت عذاب ہے۔

(۵) — منکرین کی نفسیات یہ ہیں: دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا، اللہ پاک کی راہ پر پڑنے سے باز رہنا اور دوسروں کو روکنا اور اس بات کا خواہش مند رہنا کہ دین ان کی چاہتوں کے تابع ہو جائے اور ان کے غلط نظریات کی ہم نوائی کرے۔

(۶) — جن منکرین میں مذکورہ بالا نفسیات ہوتی ہیں وہ گہری گمراہی میں پھنس جاتے ہیں اور بظاہر امید نظر نہیں آتی کہ وہ اس گمراہی سے نکل سکیں۔

یہ ہے اس سورت کا مدعا، جسے تین آیتوں میں پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

الف، لام، را — یہ حروف مقطعات ہیں، جن کو الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے اور یہ پانچویں سورت ہے جو ان

(۱) يَبْغُوْنَهَا کی ضمیر سَبِیْل کی طرف راجع ہے اور سبیل کا لفظ مذکر بھی مستعمل ہوتا ہے اور مؤنث بھی ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اس کی تانیث زیادہ غالب ہے سورۃ الاعراف آیت ۱۴۶ میں مذکر استعمال ہوا ہے اور یہاں اور سورۂ یوسف آیت ۱۰۸ میں مؤنث استعمال ہوا ہے (۲) عِوَجًا تمیز ہے عَوِجَ يَعْوَجُ عَوَجًا (باب سمع) ٹیڑھا اور کج ہونا ابوزید کہتے ہیں: جو کجی آنکھوں سے نظر آئے اس کے لئے عَوَجٌ (عین کے زبر کے ساتھ) ہے اور جو آنکھ سے نہیں بلکہ عقل و شعور سے سمجھ میں آئے اس کے لئے عِوَجٌ (عین کے زیر کے ساتھ) ہے۔

حروف سے شروع ہوئی ہے، البتہ سورۃ الرعد میں میم کی زیادتی تھی، اِن حروف کی واقعی مراد اللہ پاک ہی جانتے ہیں، مگر اتنی بات کا اندازہ ہم بھی کر سکتے ہیں کہ یہ سورت بھی پچھلی چار سورتوں کے ساتھ مضامین میں بڑی حد تک ہم آہنگ ہے۔

یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے — یعنی قرآنِ کریم کوئی معمولی کتاب نہیں، نہایت عظیم المرتبت کتاب ہے، خود ذاتِ حق نے اس کو نازل فرمایا ہے۔ اور سید الاولین والآخرین پر نازل فرمایا ہے پس اُس کتاب کی عظمت شان کا کیا پوچھنا جس کے نازل فرمانے والے رب العزت ہوں، اور جس کو اٹھانے والی آپ ﷺ کی رفیع الشان شخصیت ہو؟ پھر اس کے نزول کا مقصد بھی اس قدر بلند ہو جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔

وہ مقصد یہ ہے — تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں — یعنی تمام دنیا کے لوگوں کو، خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے، سب کو کفر و جہالت کی اندھیریوں سے نکال کر ایمان و معرفت کی روشنی میں لائیں تمام لوگوں کو شیطانی راستوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر ڈالیں۔

جو شخص اللہ کی راہ پر نہیں، وہ حقیقت میں جہالت کی اندھیریوں میں بھٹک رہا ہے۔ خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو اور اپنے زعم میں نورِ علم سے منور ہو اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا راستہ پالیا، وہ علم کی روشنی میں آ گیا، چاہے وہ اَن پڑھ دیہاتی ہو۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب دنیا میں کفر و ضلالت کی تاریکیاں پھیل جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ وحی اور انبیاء کے ذریعے انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتے ہیں۔ قرآن کریم کا نزول اسی مقصد سے ہوا ہے — مگر کوئی مبلغ، خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، راہِ راست پیش کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا، سید المرسلین ﷺ کے حق میں ارشاد پاک ہے:
﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں) یعنی کسی کو راہِ راست پر لانا کسی کے بس کی بات نہیں، اس کا مدار سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق پر ہے، اس لئے ارشاد فرماتے ہیں — ان کے رب کی توفیق سے — یعنی اللہ پاک جن کو توفیق دیں انہی کو ہدایت کی روشنی میں لایا جا سکتا ہے، حضور اکرم ﷺ بھی صرف انہی لوگوں کو ایمان کی روشنی سے بہرہ ور فرمائیں گے جن کے شامل حال توفیق خداوندی ہو جائے، اور جن کے حق میں فیصلۂ خداوندی یہ ہو کہ انھیں کفر و ضلالت کی اندھیریوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا جائے انہیں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب اور سید المرسلین جیسی عالی شان ذات بھی کوئی فیض نہیں پہنچا سکتی۔

اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کی توفیق اُسی کو ملتی ہے جو خود ہدایت کا طالب ہوتا ہے اور جو جان بوجھ کر سرکشی کرتا

ہے، اللہ پاک اس کی ہدایت کا سامان نہیں کرتے ـــــ توفیق خداوندی کی شرط کے ساتھ لوگوں کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لانا رسول اللہ ﷺ کا فریضہ ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہدایت بخشنا اگرچہ حق تعالیٰ کا فعل ہے مگر یہ دنیا چونکہ ''عالم اسباب'' ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے بغیر اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضور اقدس ﷺ کے بعد یہ فریضہ امت پر عائد ہوتا ہے آج امت کی محنت ہی توفیق خداوندی کی شرط کے ساتھ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے۔

آیت پاک کا اصل زور اس بات پر ہے کہ انسانوں کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا واحد ذریعہ اور دونوں جہاں کی بربادی اور ہلاکت سے نجات کا واحد راستہ قرآن کریم ہے۔ لوگ جتنا قرآن کریم سے قریب آئیں گے اتنا ہی انہیں امن وامان اور عافیت واطمینان نصیب ہوگا۔ اور آخرت میں فلاح وکامیابی پائیں گے، اور جتنا اُس سے دور ہوں گے اتنا ہی دونوں جہاں کی خرابیوں، بربادیوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوں گے ـــــ اور قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لانے کی صرف یہ صورت ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات وہدایات کو لوگوں میں پھیلایا جائے اور لوگوں کو اس کا پابند کیا جائے۔

قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو جس روشنی کی طرف لایا جاتا ہے وہ روشنی وہ نہیں، جو عام آنکھوں سے نظر آتی ہے بلکہ ـــــ زبردست، بڑی خوبیوں والی ہستی کی راہ ـــــ پر لانا مراد ہے جس پر گامزن ہونے والا نہ اندھیریوں میں چلنے والے کی طرح بھٹکتا ہے نہ لغزش کھاتا ہے وہ کبھی مقصد تک پہنچنے میں ناکام نہیں ہوتا کیونکہ وہ ـــــ اس اللہ پاک کی ـــــ راہ ہے جس کا راہرو اس ذات اقدس کی طرف جانے والا ہے، جو زبردست، قوی، غالب اور بے حد وحساب خوبیوں والی ذات ہے اس لئے اس پر چلنے والا نہ کہیں ٹھوکر کھاتا ہے نہ اس کی کوشش رائیگاں جاتی ہے، بلکہ اس کا منزل مقصود تک پہنچنا یقینی ہے۔

اور اللہ پاک کی ذات وہ ہے ـــــ جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ـــــ پس انہی کی ذات عبادت کی مستحق ہے۔ انہی کی راہ کامیابی کی راہ ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بہترین جذبات (عبادات) معبودان باطل کی چوکھٹوں پر ضائع نہ کریں۔ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو غیر محل میں خرچ نہ کریں اور اپنی کوششوں کو برباد نہ کریں، اوہام وخرافات سے نکل کر معرفت الٰہی کی روشنی میں آئیں اور زبردست، خوبیوں والے، مالک الملک خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں۔

اور بڑی تباہی ہے سخت عذاب کی وجہ سے، اُن منکرین کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس کو ٹیڑھی کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ گہری گمراہی میں ہیں ـــــ یعنی جو لوگ ایسی کتاب نازل

ہونے کے بعد اور ایسے پیغمبر کی تشریف آوری کے بعد بھی کفر وشرک اور جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے نہ نکلیں ان کے لئے سخت عذاب کی وجہ سے ہلاکت خیز مصیبت ہے۔ دنیا میں بھی ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بربادی!

اور یہ انجام ان منکرین کا ہے جن میں تین باتیں پائی جاتی ہیں:

پہلی بات:— جن کا اوڑھنا، بچھونا یہی دنیا ہے جنھیں ساری فکر بس دنیا کی ہے آخرت کی بالکل پروا نہیں، آخرت کے مقابلے میں وہ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو دنیاوی فائدوں کے لئے آخرت کا نقصان تو مول لے سکتے ہیں مگر آخرت کی کامیابیوں کے لئے دنیا کا کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتے— ایسے لوگوں کو دنیا کی محبت نے آخرت کے معاملات سے اندھا کر رکھا ہے وہ اندھیریوں ہی کو پسند کرتے ہیں، روشنی کی طرف آنے کی ان میں کوئی رغبت نہیں۔

دوسری بات:— جو خود تو اندھیریوں میں رہنے کو پسند کرتے ہی ہیں مگر ستم یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی روشنی میں آنے سے روکتے ہیں یعنی وہ صرف گمراہ نہیں، بلکہ گمراہی کے داعی بھی ہیں، جس طرح وہ خود ڈوبے ہیں، دوسروں کو بھی لے ڈوبنا چاہتے ہیں— ایسے لوگ جو گمراہی کے داعی ہوتے ہیں اُن کے راہ راست پر آنے کی امید بہت ہی کم ہوتی ہے۔ صحیح بات اگرچہ ان کی سمجھ میں آجاتی ہے، مگر وہ اسے قبول نہیں کر سکتے۔ کچھ تو اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے، کچھ دنیاوی مفادات کی حفاظت کے لئے اور کچھ اپنی بات کی پچ کرتے ہوئے۔

تیسری بات:— وہ لوگ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ دین ان کے خیالات اور خواہشات کے تابع ہوجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو کر نہیں رہنا چاہتے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین اُن کی مرضی کے موافق ہوجائے۔ اُن کے خیالات ونظریات کو اپنی تعلیمات میں داخل کریں، ان کے طور طریقوں کو سند جواز دیں، اور وہ دین نہ تو ان کو ٹوکے نہ کسی مقام پر اُن کو اپنے راستہ کی طرف موڑے، وہ اللہ کے دین کو موجودہ صورت میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، البتہ اگر وہ ان کی خواہشات کے مطابق ٹیڑھا ہوجائے تو وہ اسے مان سکتے ہیں— ایسے لوگوں کو بھی ہدایت کی روشنی کم ہی نصیب ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا دین تو ان کی خواہشات کے مطابق ٹیڑھا ہونے سے رہا اور وہ اس کے بغیر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، پھر بات کیسے بنے؟ اس لئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ گہری گمراہی میں ہیں، ان کا راست پر آنا مشکل ہے!

مؤمن کا موقف یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات وخواہشات سے خالی ہو کر کتاب وسنت کو دیکھتا ہے

پھر جو کچھ ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اس کی پیروی کرتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴

وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	لَهُمْ	ان کو	مَنْ	جس کو
مِنْ رَّسُوْلٍ (۱)	کوئی پیغمبر	فَيُضِلُّ	پھر بھٹکا دیتے ہیں	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں
اِلَّا بِلِسَانِ (۲)	مگر ہم زباں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَهُوَ	اور وہ
قَوْمِهٖ	اس کی قوم (کا)	مَنْ يَّشَآءُ (۴)	جس کو چاہتے ہیں	الْعَزِيْزُ	زبردست
لِيُبَيِّنَ (۳)	تاکہ کھول کر سمجھائے وہ	وَيَهْدِيْ	اور ہدایت آپ فرماتے ہیں	الْحَكِيْمُ	حکمت والے (ہیں)

رسول امت کا ہم زباں ہوتا ہے

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن کریم اللہ پاک کی نازل کی ہوئی کتاب ہے، کسی انسان کی تصنیف نہیں، اس پر کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپ ﷺ کی زبان میں ہے، ہم کیوں کر یقین کریں کہ یہ آپ کی تصنیف نہیں، بلکہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب ہے؟ اگر یہ کسی اور زبان میں ہوتی جسے آپؐ نہ جانتے ہوتے تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے، اللہ پاک اس شبہ کا جواب دیتے ہیں — اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کا ہم زبان، تاکہ وہ ان کو کھول کر سمجھائے — یعنی اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف بھیجا ہے تو اس قوم کا ہم زبان بھیجا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام انہی کی زبان اور انہی کے محاورات میں سمجھائے جس سے ان کے لئے راہ پانا آسان ہوجائے، کیونکہ اگر رسول کی زبان امت کی زبان سے مختلف ہوگی تو احکام سمجھنے کے لئے امت کو ترجمہ کرانے کی مشقت برداشت کرنی پڑے گی اور پھر بھی احکام کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہوگا نیز قوم یہ عذر بھی کرسکے گی کہ آپ کی باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں پھر ہم آپ پر ایمان کیسے لائیں!

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت آفاقی، عمومی اور ابدی ہے یعنی جگہ کے اعتبار سے پوری دنیا کے لئے، مخاطبین کے اعتبار سے تمام جن وانس کے لئے اور زمانے کے اعتبار سے قیامت تک کے لئے ہے۔ مگر سورۃ الجمعہ میں آپؐ کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک حصہ وہ ہے جس میں آپؐ براہ راست مبعوث

(۱) مِنْ نفی کی تاکید کے لئے ہے (۲) ای متلبِّسًا بلسان الخ۔ (۳) بَيَّن تَبْيِينًا: کھول کر بیان کرنا، واضح کرنا، تشریح کرنا (۴) مَنْ يَّشَآءُ کی ترکیب کے لئے سورۃ الرعد آیت ۲۷ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوئے ہیں اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی طرف آپ کی بعثت امت کے پہلے گروہ کے واسطہ سے ہوئی ہے پہلا حصہ عرب ہیں ان کی طرف آپ کی بعثت بلا واسطہ ہوئی ہے اور باقی تمام انسانوں کی طرف آپ کی بعثت عربوں کے واسطہ سے ہوئی ہے (۱) — پس جس قوم کے لئے آپ اصالۃً اٹھائے گئے ہیں، ان کی زبان عربی تھی اس لئے قرآن کریم عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ آپ کے بعد آپ کے نائبین یعنی علمائے امت ہر قوم اور ہر ملک میں قرآن کریم کی ہدایات کو اس قوم اور اس ملک کی زبان میں سمجھائیں گے اور پھیلائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بھٹکا دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت پر لے آتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والے ہیں — یعنی ہدایت کا سامان مکمل کردیا ہے، اب جو اس سے فائدہ اٹھائے گا اس کی دستگیری فرمائیں گے راہ راست پر لگا دیں گے اور جس نے روگردانی کی اُسے گمراہی میں چھوڑ دیں گے، وہ زبردست ہیں، چاہیں تو سب کو زبردستی ہدایت کے راستے پر لگا دیں مگر ان کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کو ایک حد تک آزادی دیکر رحمت وغضب کا حق دار بنائیں۔ (۲)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ؑ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

ع ۱۲

وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	مُوْسٰى	موسیٰ (کو)	اَنْ اَخْرِجْ (۴)	کہ نکالئے
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	بِاٰيٰتِنَآ (۳)	اپنی نشانیوں کے ساتھ	قَوْمَكَ	اپنی قوم (کو)

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے مفسر کی کتاب ''اسلام تغیر پذیر دنیا میں'' ص ۲۶-۳۰ (۲) فوائد شبیریہ بتغییر یسیر فی اللفظ (۳) ای متلبساً بِاٰيٰتِنَا (۴) اَنْ مُفَسِّرَہ ہے جو ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں قول (کہنے) کے معنی ہوتے ہیں، چاہے قول کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے ﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ ﴾ (پس ہم نے ان کو ←

مِنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے	اِذْ	جب	وَاِذْ تَاَذَّنَ(۶)	اور جب خبردار کیا
اِلَی النُّوْرِ	روشنی کی طرف	اَنْجٰكُمْ	نجات دی انھوں نے تم کو	رَبُّكُمْ	تمہارے رب (نے)
وَذَكِّرْهُمْ(۱)	اور نصیحت کیجئے ان کو	مِّنْ اٰلِ	لوگوں سے	لَئِنْ شَكَرْتُمْ	بخدا! اگر شکر کروگے تم
بِاَيّٰىمِ(۲)	واقعات سے	فِرْعَوْنَ	فرعون (کے)	لَاَزِيْدَنَّكُمْ	تو ضرور زیادہ دوں گا
اللّٰهِ	اللہ پاک (کے)	يَسُوْمُوْنَكُمْ(۴)	تکلیفیں پہنچاتے ہیں		میں تمہیں
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں		وہ تمہیں	وَلَئِنْ	اور بخدا! اگر
لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں (ہیں)	سُوْٓءَ	سخت	كَفَرْتُمْ	ناشکری کی تم نے
لِّكُلِّ	واسطے ہر	الْعَذَابِ	تکلیف	اِنَّ عَذَابِيْ	(تو) بیشک میری سزا
صَبَّارٍ	صبر شعار	وَيُذَبِّحُوْنَ	اور ذبح کرتے ہیں وہ	لَشَدِيْدٌ	البتہ سخت (ہے)
شَكُوْرٍ	شکر گزار (کے)	اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے لڑکوں کو	وَقَالَ	اور کہا
وَاِذْ قَالَ	اور جب کہا	وَيَسْتَحْيُوْنَ	اور زندہ رکھتے ہیں وہ	مُوْسٰى	موسیٰ (نے)
مُوْسٰى	موسیٰ (نے)	نِسَآءَكُمْ	تمہاری عورتوں کو	اِنْ تَكْفُرُوْٓا	اگر ناشکری کروگے
لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے	وَفِيْ ذٰلِكُمْ	اور اس میں	اَنْتُمْ	تم
اذْكُرُوْا	یاد کرو	بَلَآءٌ(۵)	آزمائش ہے	وَمَنْ	اور جو لوگ
نِعْمَةَ(۳)	احسان	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی	فِي الْاَرْضِ	زمین میں (ہیں)
اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کا)		جانب سے	جَمِيْعًا	سارے ہی
عَلَيْكُمْ	اپنے اوپر	عَظِيْمٌ	بڑی	فَاِنَّ	تو بے شک

← حکم دیا کہ کشتی بنایئے) یا دلالت معنوی ہو جیسے ﴿ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا ﴾ (اور چل کھڑی ہوئی ان میں کی ایک جماعت کہ چلو) یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔

(۱) ذَكَّرَ القوم، وعظ ونصیحت کرنا (۲) اَيَّام جمع ہے يَوْمٌ کی جس کے معنی دن کے ہیں۔ اور ایام کا لفظ عربی زبان میں یادگار تاریخی واقعات کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اَيَّامُ اللّٰهِ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ پاک نے سرکشوں کو ان کی بدکرداری کی سزا دی ہے یا فرمانبردار بندوں کو خصوصی فضل سے نوازا ہے۔ (۳) نِعْمَةٌ اسم جنس ہے جس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور متعدد پر بھی اور جمع نِعَمٌ آتی ہے (۴) سَامَهُ الْاَمْرُ تکلیف دینا —— كُمْ مفعول اول ہے اور سوء العذاب مفعول ثانی ہے (۵) بَلَا (ن) بَلْوًا وَبَلَاءً الرجلَ: آزمانا امتحان لینا (۶) تَاَذَّنَ الْاَمْرَ: آگاہ کرنا، جتلانا۔

اللہ	اللہ تعالیٰ	لَغَنِيٌّ	یقیناً بے نیاز	حَمِيدٌ	بڑی خوبیوں والے ہیں

بنی اسرائیل کی سرگذشت میں قریش کے لئے عبرت اور مسلمانوں کے لئے تسلی ہے

سورت کی پہلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ قرآن کریم کا نزول اور حضور اقدس ﷺ کی بعثت اس غرض سے ہوئی ہے کہ آپ ؐ قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں کو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وعرفان کی روشنی میں لائیں پھر چوتھی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنا کام شروع کیا تو لوگوں نے روشنی میں آنے کے بجائے تاریکیوں میں رہنے کو پسند کیا، انھوں نے اعتراضات شروع کئے، قرآن کو منزل من اللہ اور حضور ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار کر دیا، اب اللہ پاک ان کو دو سرگذشتیں سناتے ہیں: پہلی سرگذشت سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے جو ان آیتوں میں بیان ہوئی ہے، ارشاد پاک ہے:— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں — یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ اپنی قوم کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائے اور اس کو اللہ پاک کا راستہ نظر آنے لگے— اور ان کو اللہ کے واقعات کے ذریعے نصیحت کریں، ان واقعات میں ہر صبر شعار، شکر گزار بندے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں — یعنی اللہ کے بھٹکے ہوئے بندوں کو راہ راست پر لانے کی صورت یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندوں کا انجام اور ان پر آنے والے ہولناک عذاب یاد دلائیں تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور اللہ پاک کے اطاعت شعار بندوں پر ہونے والی نعمتیں یاد دلائیں تاکہ ان میں اطاعت کی رغبت پیدا ہو۔

اہم معاملات خداوندی سن کر صابر وشاکر بندوں کو ان گنت عبرتیں حاصل ہوتی ہیں کہ دنیا کے ساز وسامان اور شان ونمود پر اترانا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں سرکشی اور تکذیب کو اپنا شعار بنانا، دنیا وآخرت کے خسارہ کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنا، انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرنا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی بسر کرنا نہ صرف آخرت کی کامیابی کی ضامن ہے بلکہ دنیا میں بھی سرخروئی انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ نشانیاں تمام معاملات خداوندی میں ہوتی ہیں مگر ان سے فائدہ اٹھانا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو آزمائشوں سے گھبراتے نہیں، مصیبتوں کو صبر اور پامردی کے ساتھ جھیلتے ہیں، جو راحتوں میں اتراتے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''مؤمن بندے کا بھی عجیب معاملہ ہے، اس کا ہر حال اس کے لئے بہتر ہے اور یہ بات صرف مؤمن ہی کو میسر ہے، جب وہ خوشگوار حالات سے گذرتا ہے تو اپنے رب کا شکر ادا

کرتا ہے جو اس کے لئے بہتر ہے اور جب وہ پریشانیوں سے دوچار ہوتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے''۔(۱)

بے صبرے، تُھڑ دلے، ناشکرے اور احسان فراموش لوگوں کے لئے ان اہم معاملات خداوندی میں کوئی سبق نہیں ہوتا ان کو اگر یہ واقعات سنائے بھی جائیں اور وہ ان کا ادراک بھی کرلیں تو بھی ان کی یہ اخلاقی کمزوریاں انھیں اس ادراک سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتیں۔

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب حکم اپنی قوم کو نصیحت کی، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس احسان کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس وقت کیا تھا جبکہ تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تمہیں بری طرح ستاتے تھے—— طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتے تھے، غلام بنا کر سخت بیگاریں لیتے تھے —— اور تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش تھی—— کہ تم صبر وتحمل کرتے ہو یا نہیں، اور نجات پانے پر شکر خداوندی بجالاتے ہو یا نہیں؟

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو احسان خداوندی یاد دلایا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرے دین اور حکومت دونوں کو ختم کرے گا اس پر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دو، اس واقعہ میں بنی اسرائیل کے لئے سخت امتحان تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:—— اور وہ وقت (بھی) یاد کرو جب تمہارے رب نے تمہیں خبردار کیا تھا: ''اگر تم شکر بجالاؤ گے تو بخدا! میں تم کو زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو بخدا! میری سزا یقیناً سخت ہے''—— یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بھی یاد دلایا تھا کہ اللہ پاک تمہیں خبردار کر چکے ہیں کہ اگر تم اللہ پاک کی نعمتوں کا حق پہچان کر ان کا صحیح استعمال کروگے، نافرمانیوں اور ناجائز کاموں سے بچوگے، اور ان کے احکام کے مقابلے میں سرکشی نہ کروگے تو اللہ پاک ضرور تمہیں زیادہ نعمتیں دیں گے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق مل گئی وہ کبھی نعمتوں میں زیادتی سے محروم نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اگر تم شکر گزار رہوگے تو بخدا میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا''۔(۲)

حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو چار باتیں حاصل ہوجائیں، وہ چار چیزوں سے کبھی محروم نہیں رہتا:

(۱) رواہ مسلم عن صہیب رضی اللہ تعالی عنہ (۲) اخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود (درمنثور ج۴ ص۷۱)

(۱) جسے شکر گزاری کی توفیق مل جائے وہ نعمتوں میں زیادتی سے محروم نہیں رہتا، کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اگر تم شکر بجالاؤ گے تو بخدا! میں ضرور تم کو زیادہ دوں گا''

(۲) جسے دعا کرنے کی توفیق مل جائے وہ قبولیت دعا سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا''

(۳) جسے استغفار کرنے کی توفیق مل جائے وہ مغفرت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، وہ یقیناً بڑے بخشنے والے ہیں''

(۴) اور جسے توبہ کی توفیق مل جائے وہ قبولیت سے محروم نہیں رہتا کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اللہ پاک ہی ہیں جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ [1]

حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے کا کیا صلہ ملتا ہے اور ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ نے اس کو ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے یہ کہہ کر پھینک دی کہ عجیب! پیغمبر ہو کر ایک کھجور دیتے ہو؟ اور چلدیا تھوڑی دیر بعد دوسرا سائل آیا آپ نے اس کو بھی ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے یہ کہہ کر لے لی کہ: ''سبحان اللہ! حضور کی عطا فرمائی ہوئی ایک کھجور ملی، میں تاحیات اس کو اپنے سے علاحدہ نہیں کروں گا'' یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کا تبرک ہے میں اس کو برکت کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ آپؐ نے باندی کو حکم دیا کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس سائل کو دیدیئے جائیں۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ملنے والی ایک کھجور اللہ پاک کی بڑی نعمت تھی، پہلے سائل نے اس کی ناشکری کی تو وہ حضور اقدس ﷺ کے تبرک سے محروم رہ گیا اور دوسرے سائل نے اس کی قدر کی تو اسے مزید چالیس درہم مل گئے بلکہ روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ چند ہی دنوں میں مالدار ہو گیا [2]

اور فرمایا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی سزا سخت ہے، ناشکری یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو ان کی نافرمانی اور ناجائز کاموں میں خرچ کرے اور فرائض و واجبات کی ادائیگی میں سستی کرے ـــــ ناشکری کی سزا دنیا میں بھی مل سکتی ہے کہ نعمت سلب ہو جائے یا ایسی مصیبت میں پھنس جائے کہ نعمت سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور آخرت میں تو ضرور ملے گی نعمت خداوندی کی ناشکری کرنے والا عذاب میں گرفتار ہوگا۔

---

(۱) اخرجه البیهقی فی شعب الایمان عن عطارد بن مصعب (۲) اخرجه احمد والبیهقی عن انس (درمنثور ج۴ ص۷۱)

یہاں ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ شکر گزاروں کے لئے تو اجر وثواب اور نعمت کی زیادتی کا پختہ وعدہ فرمایا ہے، لیکن ناشکری کرنے والوں کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ: ''میں ضرور تمہیں سزا دوں گا'' بلکہ صرف اتنا فرما کر ڈرایا کہ: ''بخدا! میری سزا نہایت سخت ہے''، یعنی میرا عذاب جس کو بھی پہنچے، وہ بڑا سخت ہوتا ہے لیکن ہر ناشکرے کا گرفتار عذاب ہونا کچھ ضروری نہیں، معافی کا بھی امکان ہے۔

اور موسیٰ نے (یہ بھی) کہا کہ اگر تم اور زمین کے سارے بندے ناشکری کرو گے تو اللہ پاک یقیناً بے نیاز، بڑی خوبیوں والے ہیں ـــ یعنی جتنے آدمی زمین پر آباد ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذرہ بھر نقصان نہیں۔ وہ لوگوں کے شکر اور ناشکری سے بے نیاز، بڑی خوبیوں والے ہیں۔ انھیں لوگوں کے شکر کی کیا حاجت ہے، کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، حمد وثنا کرے یا نہ کرے ان کے حمید ہونے میں کیا کلام ہے! حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، جن وانس، سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا، اور اگر سب اگلے پچھلے جن وانس بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی'' ـــ شکر کا فائدہ جو کچھ ہے وہ شکر گزاروں ہی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر گزار ہونے کی تاکید کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں، بلکہ شکر گزاروں ہی کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس مختصر سرگذشت کے دو مقصد ہیں:

پہلا مقصد: ـــ مکی دور کے آخر میں مسلمان سخت آزمائش سے گذر رہے تھے ان کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت سنائی جارہی ہے جو فرعون کے ظلم واستبداد کی وجہ سے ایسے ہی حالات سے گذر چکی تھی اور ان کے صبر وتحمل کی وجہ سے ان کے حق میں پروردگار کا بہترین وعدہ پورا ہو چکا تھا۔ پریشان حال، ستم زدہ مسلمانوں کو یہ سرگذشت سنا کر بتایا جارہا ہے کہ صبر وتحمل کا صلہ کامیابی ہے ایک ایسی کامیابی جو واقعی کامیابی ہے۔

دوسرا مقصد: ـــ مکہ والوں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر احسان کرتے ہیں اور جواب میں وہ قوم سرکشی کرتی ہے تو پھر ایسی قوم کو وہ عبرتناک انجام دیکھنا پڑتا ہے جو فرعون والوں کو دیکھنا پڑا، تو کیا تم بھی خدا تعالیٰ کی نعمت اور ان کے احسان کا جواب ناشکری سے دے کر وہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟ ـــ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان سے مراد یہاں آقائے دوجہاں، فخر المرسلین، سید الاولین والآخرین حضرت محمد ﷺ کی ذات شریفہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کے درمیان پیدا کیا، اور جن کے ذریعہ ان کے پاس قرآن پاک جیسی عظیم دولت بھیجی۔

انبیاء کرام کی بعثت انسانیت کے لئے اللہ کا احسان ہے، اور خاتم النّبیین ﷺ کی بعثت احسان عظیم ہے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی قدر کرو!

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۛ وَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

اَلَمْ	کیا نہیں	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے ہوئے	وَّ ثَمُوْدَ	اور ثمود
يَاْتِكُمْ	آئی تمہارے پاس	قَوْمِ(۲)	(یعنی) قوم	وَ الَّذِيْنَ(۳)	اور ان کی جو
نَبَؤُا(۱)	خبر	نُوْحٍ	نوح	مِنْ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد ہوئے
الَّذِيْنَ	ان کی جو	وَّ عَادٍ	اور عاد	لَا يَعْلَمُهُمْ	نہیں جانتے ان کو

(۱) اَلنَّبَأُ: خبر، قرآن پاک کے رسم الخط میں آخر میں واؤ اور اس پر ہمزہ لکھا جاتا ہے پھر چونکہ یہ واو مشابہ ہو جاتا ہے واو جمع کے اس لئے اس کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے (۲) قَوْمِ نُوْحٍ الخ عطف بیان ہے الذین کا (۳) والذین من بعدھم پہلے الذین پر بھی معطوف ہو سکتا ہے اور قَوْمِ نُوْحٍ پر بھی، اسی وجہ سے یہاں معانقہ ہے پہلی ترکیب میں لایعلمھم الا اللّٰہ کا ←

اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ تعالیٰ	رُسُلُهُمْ	ان کے رسولوں نے	اَنْ تَصُدُّوْنَا	کہ روک دو ہم کو
جَآءَتْهُمْ	آئے ان کے پاس	اَفِي اللّٰهِ	کیا اللہ کے بارے میں	عَمَّا	ان سے جن کی
رُسُلُهُمْ	ان کے رسول	شَكٌّ	شک ہے	كَانَ يَعْبُدُ	بندگی کرتے تھے
بِالْبَيِّنٰتِ[1]	واضح دلیلوں کے ساتھ	فَاطِرِ	(جو) پیدا فرمانے	اٰبَآؤُنَا	ہمارے باپ دادا
فَرَدُّوْٓا	سو لوٹائے انھوں نے		والے ہیں	فَاْتُوْنَا	سو لاؤ تم ہمارے پاس
اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں (کے)	بِسُلْطٰنٍ[4]	دلیل
فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں میں	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کے)	مُّبِيْنٍ	کھلی (صریح)
وَقَالُوْٓا	اور کہا انھوں نے	يَدْعُوْكُمْ	بلاتے ہیں وہ تمہیں	قَالَتْ	جواب دیا
اِنَّا كَفَرْنَا	یقیناً ہم انکار کرتے ہیں	لِيَغْفِرَ	تاکہ بخشیں وہ	لَهُمْ	ان کو
بِمَآ	اس بات کا جو	لَكُمْ	تمہارے لئے	رُسُلُهُمْ	ان کے رسولوں نے
اُرْسِلْتُمْ	بھیجے گئے ہو تم	مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	تمہارے گناہ	اِنْ نَّحْنُ	نہیں (ہیں) ہم
بِهٖ	اس کے ساتھ	وَيُؤَخِّرَكُمْ	اور مہلت دیں وہ تمہیں	اِلَّا بَشَرٌ	مگر انسان
وَاِنَّا	اور یقیناً ہم	اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت مقررہ تک	مِّثْلُكُمْ	تم جیسے
لَفِيْ شَكٍّ	البتہ شک میں ہیں	مُّسَمًّى		وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	لیکن اللہ تعالیٰ
مِّمَّا	اس بات سے جو	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	يَمُنُّ	احسان فرماتے ہیں
تَدْعُوْنَنَآ	بلاتے ہو تم ہم کو	اِنْ اَنْتُمْ	نہیں (ہو) تم	عَلٰى مَنْ	جس پر
اِلَيْهِ	اس کی جانب	اِلَّا بَشَرٌ	مگر انسان	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں
مُرِيْبٍ[2]	خلجان میں ڈالنے والے	مِّثْلُنَا[3]	ہم جیسے	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے
قَالَتْ	جواب دیا	تُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہو تم	وَمَا كَانَ	اور نہیں (اختیار) ہے

تعلق صرف والذین من بعدھم سے ہوگا اور دوسری ترکیب میں قَوْمَ نُوْحٍ سے والذین من بعدھم تک سب سے ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رجحان دوسری ترکیب کی طرف ہے۔

(۱) ای ملتبسًا بالبینٰت (۲) مُرِیْب اسم فاعل، اِرَابَۃٌ سے، ریب مادہ: متردد بنا دینے والا، بے چین کردینے والا (۳) مِثْلُنَا پہلی صفت ہے بَشَرٌ کی اور جملہ تُرِیْدُوْنَ دوسری صفت ہے (۴) باصلہ کی ہے أتی بہ: لانا۔

لَنَآ	ہمیں	الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین	سُبُلَنَا	ہماری راہیں
اَنْ نَّاْتِيَكُمْ	کہ لے آئیں ہم	وَمَا	اور کیا (مانع ہے)	وَلَنَصْبِرَنَّ	اور ضرور صبر کریں گے ہم
	تمہارے پاس	لَنَآ	ہمارے لئے	عَلٰى مَآ (۲)	تمہارے اذیتیں دینے
بِسُلْطٰنٍ	دلیل	اَلَّا	کہ نہ	اٰذَيْتُمُوْنَا	(پر) ہمیں
اِلَّا بِاِذْنِ	مگر اجازت سے	نَتَوَكَّلَ	بھروسہ کریں ہم	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ پر
اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ
وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ پر	وَقَدْ هَدٰىنَا (۱)	درانحالیکہ دکھائی ہے		کریں
فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں		انھوں نے ہمیں	الْمُتَوَكِّلُوْنَ	بھروسہ کرنے والے

تمام انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا ہے

یہ دوسری سرگذشت ہے جو مؤمنین اور کفار مکہ دونوں کو سنائی ہے مگر یہ کوئی جزئی واقعہ نہیں، بلکہ جزئیات کو ایک کلی صورت میں پیش کیا ہے یعنی تمام انبیاء کرام کا ظہور ایک ہی طرح ہوا ہے سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا ہے، سب کی دعوت ایک تھی، سب کو مخالفین نے ایک ہی طرح کے جوابات دیئے، پھر نتیجہ بھی سب کا ایک ہی طرح کا نکلا: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متبعین کامیاب ہوئے اور سرکش ومخالف نامراد ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں —— کیا تمہیں ان قوموں کے حالات نہیں پہونچے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں یعنی قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی قومیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا —— یعنی بے شمار قومیں گذر چکی ہیں، جن کے حالات بجز حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ بعض کے صرف نام معلوم ہیں اور اکثر کے نام بھی معلوم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے بخوبی واقف ہیں وہ ارشاد فرماتے ہیں، ان کا ارشاد بغور سنو! —— اُن کے پاس اُن کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں دے لئے، اور کہنے لگے: ''تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اُسے قطعاً نہیں مانتے، اور جس بات کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو، اس کے بارے میں ہم بے چین کرنے والے شک میں ہیں —— یعنی سب قوموں کے پاس اُن کے رسول اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر پہنچے، اور انہیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی، مگر ان لوگوں نے مان کر نہیں دیا، اور نہ صرف یہ کہ مانا نہیں بلکہ غصہ کی وجہ سے انگلیاں چبانے لگے اور اپنے ہاتھ کاٹنے لگے (۳) اور

(۱) وَقَدْ هَدٰىنَا جملہ حالیہ ہے (۲) ما مصدریہ ہے ای علی إذائکم إیانا۔ (۳) فَرَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے) کے مفہوم میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں، ہم نے صحابی جلیل سیدنا ابن ←

انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تمہاری دعوت کو قطعاً نہیں مانتے، ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے۔

اوران کے رسولوں نے جواب دیا: ”کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کے خالق ہیں جو تمہیں دعوت دے رہے ہیں تا کہ تمہارے کچھ قصور معاف فرمائیں اور تمہیں مقررہ مدت تک مہلت دیں؟— پیغمبروں نے جواب دیا کس بارے میں تمہیں شک ہورہا ہے؟ اللہ پاک کے بارے میں جو آسمانوں اور زمین کے بنانے والے ہیں؟ ہم جس چیز کی تمہیں دعوت دے رہے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ بندگی کے حقیقی مستحق آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے اللہ تعالیٰ ہیں؟ پھر کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تم کو شک ہے؟— پھر تمہیں دعوت بھی ہم نہیں دے رہے، بلکہ اللہ پاک ہی دے رہے ہیں، ہم تو صرف واسطہ ہیں اور وہ تمہیں دعوت بھی کچھ اپنے فائدے کے لئے نہیں دے رہے بلکہ تمہارے ہی بھلے کے لئے سمجھا رہے ہیں وہ اپنی کمال رحمت سے چاہتے ہیں کہ تم توحید وایمان کا راستہ اپناؤ تا کہ وہ تمہارے کچھ قصور معاف فرمائیں اور تمہیں تمہاری مقررہ مدت تک مہلت دیں۔

اُن لوگوں نے کہا: ”تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان! تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُن معبودوں کی بندگی سے روک دو، جن کی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؛ اچھا تو لاؤ کوئی صریح دلیل“— یعنی تم ہم جیسے انسان ہی تو ہو، کھاتے ہو، پیتے ہو، سوتے ہو، جاگتے ہو، بیوی بچے رکھتے ہو۔ تمہارے اندر کوئی غیر معمولی بات ہمیں نظر نہیں آتی، پھر ہم کیوں کر یقین کرلیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول ہو اور اللہ کے فرشتے تمہارے پاس وحی لے کر آتے ہیں— اور تم چاہتے یہ ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت ترک کردیں جن کی عبادت باپ داداوں سے چلی آئی ہے یعنی اپنا آبائی طریقہ چھوڑ کر تمہاری اتباع کرلیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں، پس کوئی صریح دلیل لاؤ تم جو معجزات دکھلا رہے ہو ان سے ہمیں اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہم جو معجزات طلب کرتے ہیں وہ دکھاؤ تو ہم مانیں۔

ان کے رسولوں نے انہیں جواب دیا: ”واقعی ہم کچھ نہیں مگر تمہیں جیسے انسان لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور یہ بات ہمارے قبضے میں نہیں کہ ہم تمہیں کوئی معجزہ دکھائیں، بغیر حکم خداوندی کے، اور اللہ تعالیٰ ہی پر مؤمنین کو بھروسہ کرنا چاہئے؛ اور ہم کیوں نہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہماری راہیں سمجھائی ہیں؟ اور ہم ضرور تمہاری ایذاؤں پر صبر کریں گے اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

← مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان فرمایا ہوا مطلب لیا ہے اخرج عبد الرزاق، والفریابی وابو عبید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه عن ابن مسعود رضی الله عنه، فردوا أیدهم فی أفواهِهِمْ قال : عضوا علیها ، وفی لفظ: عضوا علی انا ملهم غیظًا علی رسلهم (درمنثور ج۴ ص۷۲)

رسولوں نے اپنے جواب میں تین باتیں فرمائی ہیں:

پہلی بات:—— یہ کہی ہے کہ بلاشبہ ہم انسان ہی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ہم کو رسالت کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں خصوصی احسان فرمائیں۔

تمام انسان فضائل وکمالات میں یکساں نہیں ہوتے، کوئی عقل مند ہے تو کوئی بے عقل، کوئی عالم وفاضل ہوتا ہے تو کوئی جاہل، کوئی مالدار بلکہ بہت بڑا مالدار ہوتا ہے تو کوئی فقیر بلکہ نان شبینہ کا محتاج۔ غرض انسانوں کے افراد میں جسمانی، دماغی، معاشی اور اخلاقی حالات کے اعتبار سے زمین وآسمان کا تفاوت ہوتا ہے پس اگر اللہ پاک نے اپنے بعض بندوں کو ان کی فطری قابلیت کی وجہ سے روحانی کمالات کے اس بلند مقام پر پہنچادیا جسے مرتبۂ ''رسالت'' کہتے ہیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟

دوسری بات:—— انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہی کہ تمہاری فرمائشیں پوری کرنا ہمارے اختیار میں نہیں، ہم اپنی نبوت کی سند (روشن نشانی) پہلے ہی دکھلا چکے ہیں وہ اطمینان کے لئے کافی ہے۔

تمام انبیاء کرام رسالت کی سند اور واضح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں، جن میں اطمینان کا پورا سامان موجود ہوتا ہے مگر ضدی لوگ ان سے تو کوئی اطمینان حاصل نہیں کرتے دوسرے دوسرے معجزات طلب کرتے ہیں، جن کا دکھانا انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر وہ ایسی کوئی فرمائش پوری نہیں کرسکتے۔

تیسری بات:—— انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمائی کہ لوگو! سن لو، ہم تمہارے ڈرانے دھمکانے سے خائف نہیں، تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہمارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور ہر ایک ایماندار کو انہی پر بھروسہ کرنا چاہئے—— اور ہم تمہارے ظلم وتشدد سے کیوں ہراساں ہوں؟ کیوں اللہ پاک کی تائید ونصرت پر بھروسہ نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کی ہے کیا وہ حق وباطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھولے گا؟ دیر چاہے ہو مگر وہ ہستی ضرور ہماری دستگیری فرمائے گی پس ہم ضرور صبر کریں گے۔ اور ان شاء اللہ صبر کا میٹھا پھل ہمارے حصہ میں آئے گا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿١٥﴾ مِّن وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ	اور کہا جنھوں نے	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	اُن کے بعد	صَدِيْدٍ[۴]	پیپ کے
كَفَرُوْا	انکار کیا	ذٰلِكَ	یہ (وعدہ)	يَّتَجَرَّعُهٗ	وہ اس کو گھونٹ گھونٹ
لِرُسُلِهِمْ	اپنے رسولوں سے	لِمَنْ	اس کے لئے (ہے) جو		پیئے گا
لَنُخْرِجَنَّكُمْ	ہم ضرور ہی تم کو نکال	خَافَ	ڈرتا ہے	وَلَا يَكَادُ[۵]	اور قریب نہیں
	دیں گے	مَقَامِيْ[۱]	میرے حضور پیشی سے	يُسِيْغُهٗ	(کہ) وہ اس کو آسانی
مِّنْ اَرْضِنَآ	اپنے ملک سے	وَخَافَ	اور ڈرتا ہے		سے گلے سے اتار سکے
اَوْ	یا	وَعِيْدِ	(میری) دھمکی (سے)	وَيَاْتِيْهِ	اور پہونچے گی اُسے
لَتَعُوْدُنَّ	تم ضرور ہی واپس آجاؤ	وَاسْتَفْتَحُوْا	اور انھوں نے فیصلہ چاہا	الْمَوْتُ	موت
فِيْ مِلَّتِنَا	ہمارے مذہب میں	وَخَابَ	اور نامراد ہوا	مِنْ كُلِّ	ہر
فَاَوْحٰٓى	تب وحی بھیجی	كُلُّ	ہر	مَكَانٍ	جانب سے
اِلَيْهِمْ	اُن کی طرف	جَبَّارٍ[۲]	مغرور	وَّمَا	اور نہیں (ہے)
رَبُّهُمْ	ان کے رب نے	عَنِيْدٍ[۳]	دشمن حق	هُوَ	وہ
لَنُهْلِكَنَّ	ہم ضرور ہلاک کریں گے	مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ	اس کے آگے (ہے)	بِمَيِّتٍ	مرنے والا
الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو	جَهَنَّمُ	دوزخ	وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ	اور اسکے آگے (ہے)
وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ	اور ہم ضرور تم کو بسائیں گے	وَيُسْقٰى	اور پلایا جائے گا	عَذَابٌ	عذاب
الْاَرْضَ	ملک (میں)	مِنْ مَّآءٍ	پانی سے	غَلِيْظٌ	گاڑھا (سخت)

منکرین نے رسولوں کو دھمکی دی، اللہ پاک نے ان کو تسلی دی

ہر طرح سمجھانے پر بھی منکرین نرم نہ ہوئے، بلکہ اور گرم ہوئے —— اور منکرین نے اپنے رسولوں سے کہا: ''ہم ضرور

(۱) مَقَامُ مصدر مضاف ہے ی کی طرف (۲) انسانوں میں جَبَّار وہ شخص ہے جو اپنی کمی کو بلند بانگ دعووں سے پورا کرنا چاہے (۳) عَنِيْدٌ عِنَادٌ سے ہے، دین سے دشمنی رکھنے والا (۴) مَآءٌ صَدِيْدٍ کی ترکیب ایسی ہے جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ، جُبَّةُ صُوْفٍ کی (۵) فعل کاد جب منفی ہوتا ہے تو وہ اثباتِ فعل کے لئے ہوتا ہے اور جب مثبت ہوتا ہے تو فعل کی نفی کرتا ہے۔

تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے یا ضرور تم کو ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا''——یعنی اب دو باتوں میں سے ایک بات ہوکر رہے گی یا تو تم چپ چاپ ہمارے دین میں واپس آجاؤ، ورنہ ہم تم سب کو جلاوطن کردیں گے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی اپنی گمراہ قوموں کی ملت میں شامل نہیں تھے مگر چونکہ نبوت سے پہلے وہ ایک طرح کی خاموش زندگی بسر کرتے تھے، شرک وکفر کی تردید نہیں کرتے تھے اس لئے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ یہ بھی ہماری ہی ملت میں ہیں اور بعثت کے بعد جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو احکام خداوندی سنانا شروع کرتے ہیں تو وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے، حالانکہ وہ نبوت سے پہلے بھی کبھی مشرکین کی ملت میں شامل نہیں تھے۔

اس تکبر کی کیا انتہا ہے کہ خدائے پاک کے برگزیدہ پیغمبروں کو دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ ہمارے دھرم میں پلٹ آؤ ورنہ ہم تمہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے طاقت کا غرور، دولت کا نشہ، اور اکثریت کا گھمنڈ کس طرح انسانوں کو اندھا کردیتا ہے اس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے انبیاء کرام کے لئے یہ وقت کس قدر پریشانی کا ہوگا، اس کا ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے—— تب اُن پر اُن کے رب نے وحی بھیجی کہ ہم یقیناً ظالموں کو ہلاک کریں گے، اور ان کے بعد ہم یقیناً تم کو ملک میں بسائیں گے——یعنی گھبراؤ نہیں، یہ تم کو کیا نکالیں گے، ہم ہی ان ظالموں کو تباہ وبرباد کریں گے اور ہمیشہ کے لئے ان کو ملک سے نکال دیں گے اور ان کی جگہ تم کو آباد کریں گے، آگے فرماتے ہیں ہماری طرف سے——یہ وعدہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے حضور میں پیش ہونے سے ڈرتا ہے اور میری دھمکی سے ڈرتا ہے——یہ وعدہ یعنی دشمنانِ دین کی بربادی کا اور مؤمنین کی کامیابی کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو خدائے پاک سے ڈرتے ہیں یہ خیال کرکے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہے ہیں اور ہمیں ایک دن حساب دینے کے لئے ان کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اس وقت ان کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

اور ان لوگوں نے فیصلہ چاہا——یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے خدائے پاک سے فیصلہ چاہا کہ الٰہی! اب آپ کھول دیں کہ باطل کدھر ہے اور حق کدھر ہے، آپ کس سے خوش ہیں اور کس سے ناراض ہیں، آپ کی زمین پر باقی رہنے کا حق دار کون ہے اور زمین سے ہٹادیئے جانے کے لائق کون ہے—— اور منکرین نے بھی فیصلہ چاہا کیونکہ وہ بزعم خویش انبیاء کرام اور اہل ایمان کو گمراہ اور خود کو برحق سمجھتے تھے۔ غرض دونوں طرف سے فیصلہ چاہا گیا تو اللہ پاک نے فیصلہ کن عذاب نازل فرمایا——اور ہر مغرور دشمنِ حق ناکام ہوا—— ان کی تمام چالیں فیل ہوگئیں، سب خیالات کافور ہوگئے نہ وہ رہے نہ اُن کی توقعات رہیں، ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوگیا اور یہ ناکامی تو یہاں کا عذاب تھا——اس کے بعد دوزخ ہے—— اس کی ہولناکی کا کیا ٹھکانا! وہاں ان کے لئے طرح طرح کے عذاب ہیں—— اور اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے

گا، جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور جسے آسانی کے ساتھ گلے سے اتارنے کی کوئی صورت نہ ہوگی —— یعنی دوزخ میں شدت تشنگی کے وقت ان کو پیپ پلائی جائے گی۔ وہی پیپ جس کی سڑاند سے انسان کی جان نکل جاتی ہے، جو دوزخیوں کے زخموں سے بہہ کر کھڈوں میں اکٹھا ہوئی ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کافر پیاس سے بے تاب ہوگا تو یہی پیپ اس کو پینے کے لئے دی جائے گی، وہ اُسے خوشی سے کہاں پی سکے گا، فرشتے لوہے کے گرز سر پر مار مار کر زبردستی اُس کے منہ میں ڈالیں گے، جس وقت پیپ اس کے منہ سے قریب ہوگی تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال گر پڑے گی اور منہ میں پہنچ کر گلے میں پھنس جائے گی، بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ گھونٹ گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتارے گا، اور جب پی لے گا تو اس کی آنتیں کٹ کر استنجاء کی راہ سے باہر آجائیں گی [1] —— اور ہر طرف سے اُس کو موت کا سامنا ہوگا۔ مگر وہ مرنے والا نہیں —— یعنی اس پیپ کا پینا کیا ہوگا ہر طرف سے موت کا سامنا ہوگا۔ سر سے پاؤں تک ہر عضو پر موت کی سکرات طاری ہوجائے گی لیکن موت بھی نہیں آئے گی، جو سب تکلیفوں کا خاتمہ کردے —— اور اس کے بعد اور سخت عذاب ہے —— یعنی یہ پیپ تو دوزخ کا معمولی عذاب ہے اس کے علاوہ وہاں طرح طرح کے نہایت سخت اور زہرہ گداز عذاب اور بھی ہیں، جن کا منکرین حق تا ابد مزہ چکھیں گے۔ اللہ پاک تمام انسانوں کو سمجھ عطا فرمائیں کہ وہ اس بھیانک عذاب سے بچنے کی صورت آج اختیار کرلیں، ورنہ موت وہ لمحہ ہے جس پر عمل کی گھڑیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ پہلی سرگذشت کی طرح اس تاریخی بیان میں بھی کفار مکہ کو اُن باتوں کا جواب دیا جارہا ہے جو وہ نبی پاک ﷺ سے کہا کرتے تھے۔ پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات ذکر کر کے مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تمہارا مستقبل بھی تمہارے رویے پر منحصر ہے اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کرلو گے، تو عرب کی سر زمین تمہارے لئے ہے اور اگر اُسے رد کردو گے تو یہاں سے تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝١٨ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝١٩ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝٢٠ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ

(۱) اخرجه احمد والترمذی والنسائی وغیرهم عن ابی امامة رضی الله عنه۔

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ع ۱۵

مَثَلُ	حال	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر	جَدِيْدٍ	نئی
الَّذِيْنَ	ان کا جنھوں نے	ذٰلِكَ هُوَ	یہی وہ	وَّمَا ذٰلِكَ	اور نہیں ہے یہ
كَفَرُوْا	انکار کیا	الضَّلٰلُ	گمراہی ہے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
بِرَبِّهِمْ	اپنے رب (کا)	الْبَعِيْدُ	دور (کی)	بِعَزِيْزٍ[۳]	کچھ دشوار
اَعْمَالُهُمْ[۱]	ان کے اعمال	اَلَمْ تَرَ	کیا آپ نے نہیں دیکھا	وَبَرَزُوْا	اور ظاہر ہوئے وہ
كَرَمَادِ	جیسے راکھ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ خدائے پاک (نے)	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے
اشْتَدَّتْ	لے اڑی	خَلَقَ	پیدا کئے	جَمِيْعًا	سارے ہی
بِهِ[۲]	اُسے	السَّمٰوٰتِ	آسمان	فَقَالَ	پس کہا
الرِّيْحُ	ہوا	وَالْاَرْضَ	اور زمین	الضُّعَفٰٓؤُا	کمزوروں (نے)
فِيْ يَوْمٍ	دن میں	بِالْحَقِّ	بامقصد	لِلَّذِيْنَ	ان سے جو
عَاصِفٍ	طوفانی آندھی کے	اِنْ يَّشَاْ	اگر وہ چاہیں	اسْتَكْبَرُوْٓا	بڑے بنے ہوئے تھے
لَا يَقْدِرُوْنَ	قدرت نہیں رکھتے وہ	يُذْهِبْكُمْ	فنا کردیں تمہیں	اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے
مِمَّا	اس میں سے جو	وَيَاْتِ	اور لے آئیں	لَكُمْ	تمہاری
كَسَبُوْا	کمایا انھوں نے	بِخَلْقٍ	مخلوق	تَبَعًا[۴]	تقلید کرنے والے

(۱) اَعْمَالُهُمْ بدل ہے مَثَلُ سے (۲) الباء للتعدية أى اسرَعَتِ الذهاب به (روح) (۳) باء خبر پر نفی کی تاکید کے لئے آئی ہے۔ (۴) تبَعًا جمع ہے تابع کی۔

فَهَلْ اَنْتُمْ	پس کیا تم	الشَّيْطٰنُ	شیطان (نے)	فَلَا	پس نہ
مُّغْنُوْنَ (۱)	دور کرنے والے (ہو)	لَمَّا	جب	تَلُوْمُوْنِیْ	ملامت کرو تم مجھے
عَنَّا	ہم سے	قُضِیَ	فیصل ہو چکا	وَلُوْمُوْٓا	اور ملامت کرو تم
مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ	عذاب خداوندی میں سے	الْاَمْرُ	معاملہ	اَنْفُسَكُمْ	اپنے آپ کو
مِنْ شَیْءٍ	کچھ بھی	اِنَّ اللّٰهَ	بیشک اللہ تعالیٰ (نے)	مَآ اَنَا	نہیں (ہوں) میں
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	وَعَدَكُمْ	وعدہ کیا تم سے	بِمُصْرِخِكُمْ (۴)	تمہاری فریاد کو پہنچنے والا
لَوْ هَدٰىنَا	اگر راہ دکھائی ہوتی ہمیں	وَعْدَ الْحَقِّ	سچا وعدہ	وَمَآ اَنْتُمْ	اور نہیں (ہو) تم
اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	وَوَعَدْتُّكُمْ	اور وعدہ کیا میں نے تم سے	بِمُصْرِخِیَّ	میری فریاد کو پہنچنے والے
لَهَدَيْنٰكُمْ	تو ہم ضرور راہ دکھاتے	فَاَخْلَفْتُكُمْ (۳)	سو پورا نہ کیا میں نے تم سے	اِنِّیْ كَفَرْتُ	بیشک انکار کیا میں نے
	تمہیں	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ (۵)	تمہارے شریک ٹھہرانے
سَوَآءٌ	یکساں (ہے)	لِیَ	میرے لئے		کا مجھ کو
عَلَيْنَآ	ہمارے حق میں	عَلَيْكُمْ	تم پر	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں (دنیا میں)
اَجَزِعْنَآ	خواہ روئیں پیٹیں ہم	مِّنْ سُلْطٰنٍ	کچھ زور	اِنَّ	تحقیق
اَمْ صَبَرْنَا	یا صبر کریں ہم	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	الظّٰلِمِیْنَ	ظالمین
مَا لَنَا	نہیں (ہے) ہمارے لئے	دَعَوْتُكُمْ	میں نے بلایا تم کو	لَهُمْ	ان کے لئے (ہے)
مِنْ مَّحِيْصٍ (۲)	کوئی بھاگنے کی جگہ	فَاسْتَجَبْتُمْ	پس لبیک کہا تم نے	عَذَابٌ	عذاب
وَقَالَ	اور کہا	لِیْ	میری بات پر	اَلِيْمٌ	دردناک

کفار کے تین باطل گمانوں کی تردید

۱- کفار کے نیک اعمال آخرت میں راکھ کا ڈھیر ثابت ہونگے

ان آیتوں میں منکرین کے تین گمانوں کی حقیقت واضح کی گئی ہے، پچھلی آیتوں میں ان کا جو انجام بیان ہوا ہے اسے

(۱) اغنى عنه كذا: دور کردینا (۲) مَحِيْصٍ ظرف ہے حَاصَ (ض) حَيْصًا ومَحِيْصًا عن كذا: الگ ہونا، ہٹ جانا (۳) اَخْلَفَ وعده: پورا نہ کرنا (۴) مُصْرِخٌ اسم فاعل از اِصْرَاخٌ: فریادرس، صَرَخَ (ن) صُراخًا وصَرِيْخًا: سخت چیخنا، فریاد کرنا صَرَخَ الْقَوْمَ: فریادرسی کرنا، مدد کرنا (۵) ما مصدریہ ہے۔

سن کر شاید ان کے ذہنوں میں یہ خیالات پیدا ہوں اس لئے یہاں ان کی حقیقت اچھی طرح واضح کی جارہی ہے۔

پہلا خیال:— منکرین کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام کئے ہیں، بڑے بڑے خیراتی اور رفاہی کام انجام دیئے ہیں۔ بہت سوں کی مصیبتوں میں کام آئے ہیں اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی ہے تو کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا دلایا اُس وقت کچھ کام نہ آئے گا؟

جواب:— جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اُن کے اعمال کا حال اُس راکھ جیسا ہے جسے کسی طوفانی دن میں آندھی لے اڑی ہو— یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ بے وفائی، نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار کی ہے اور اطاعت و بندگی کا وہ طریقہ اختیار کرنے سے انکار کردیا، جس کی دعوت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی، جنھیں خدائے پاک کی صحیح معرفت حاصل نہیں، محض فرضی اور وہمی خداؤں کو پوجتے رہے ہیں، ان کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہونگے، وہ محشر میں اسی طرح برباد ہوجائیں گے، جیسے راکھ کا ڈھیر اکٹھا ہوکر مدت دراز میں ٹیلہ بن گیا ہومگر جب طوفانی دن میں زور کی آندھی چلتی ہے تو اس راکھ کے تمام ذرات منتشر ہوجاتے ہیں۔ منکرین کے تمام کارنامے آخر کار راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے جسے قیامت کے دن کی آندھی بالکل صاف کردے گی۔ اور عالم آخرت میں— جو کچھ انھوں نے کمایا ہے اس میں سے کسی چیز پر بھی قادر نہ ہوں گے— خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ حالانکہ وہی موقع ہوگا جہاں نیک کاموں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! کیسی حسرت کا وقت ہوگا جن اعمال کو ذریعۂ نجات سمجھے ہوئے تھے وہ راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے— یہی پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ منکرین کے اعمال نہ صرف آخرت میں راکھ کا ڈھیر ثابت ہوں گے بلکہ اس دنیا میں بھی ان کے کارنامے اور ان کا وجود برباد کردیئے جانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ انسانوں کے مقصد تخلیق کو پورا نہیں کررہے، ارشاد فرماتے ہیں— کیا تمھیں یہ بات معلوم نہیں کہ خدائے پاک نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا ہے؟— یعنی کیا تم غور نہیں کرتے کہ کائنات کی ہر چیز کسی خاص مصلحت اور مقصد کے لئے بنائی گئی ہے پھر کیوں کر ممکن ہے کہ تمہارا وجود اور تمہارے اعمال بے مقصد ہوں، ان میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو، بھلا یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ ہر ذرے اور ہر پتے کے وجود کی تو کوئی نہ کوئی مصلحت ہو اور اشرف الخلوقات انسان محض بے مقصد پیدا کیا گیا ہو؟!— نہیں بلکہ اشرف الخلوقات انسان عظیم الشان مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پس اگر وہ مقصد تخلیق پورا نہیں کرتا تو اُسے چھانٹ دیا جائے گا اور اگر اس کے کارنامے مقصد حق کے مطابق نہیں ہیں تو انہیں ردی کی نذر کردیا جائے گا ارشاد فرمایا جاتا ہے— اگر وہ چاہیں تو تمھیں فنا کردیں اور کوئی دوسری مخلوق (تمہاری جگہ) لے آئیں، اور ایسا کرنا اللہ پاک کے لئے کچھ دشوار نہیں

—— یعنی وہ انسان جو مقصد تخلیق پورا نہیں کر رہے، وہ ہر وقت اس خطرے میں ہیں کہ انھیں فنا کر دیا جائے اور کسی دوسری قوم کو ان کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس خطرے کے عملاً رونما ہونے میں اگر دیر لگ رہی ہے تو اُس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ خطرہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ مہلت کے ایک ایک لمحے کو غنیمت جاننا چاہیئے اور اپنی غلط روش کو جلدی سے بدل کر مقصد تخلیق کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر دھان کی ہے اور پیا[1] کو کسان خود ہی پھٹک کر علاحدہ کر دیتا ہے

۲- کافروں کے اکابر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے

دوسرا خیال:—— منکرین حق کو یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ ان کے وہ اکابر، لیڈر، پیشوا اور مذہبی رہنما جن کے پیچھے وہ آنکھیں بند کر کے چلتے رہے ہیں وہ ان کو قیامت کے دن عذاب خداوندی سے بچالیں گے، اس خیال کی حقیقت بھی واضح کی جاتی ہے۔

جواب:—— اور برآمد ہوئے سارے ہی اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے کے لئے، پھر کمزوروں نے اُن لوگوں سے کہا جو بڑے بنے ہوئے تھے: ''ہم یقیناً تمہاری پیروی کرنے والے تھے تو کیا اب تم عذاب خداوندی کا کوئی حصہ ہم سے ہٹاؤ گے؟''—— انھوں نے جواب دیا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم بھی تمہیں دکھادیتے! اب تو ہمارے لئے یکساں ہے خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں!''——

قیامت کے دن کافروں کی اس گفتگو سے صاف ہوتا ہے کہ منکرین حق کے پیشوا اور مذہبی رہنما اپنے متبعین کے کچھ کام نہ آئیں گے، پس آج جو لوگ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے ہیں انہیں جان لینا چاہیئے کہ کل اِن میں سے کوئی بھی انہیں عذاب خداوندی سے ذرہ برابر نہ بچا سکے گا، لہٰذا آج ہی سوچ لو کہ تم کس کے پیچھے چل رہے ہو اور وہ تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔

آیت پاک میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو تمام عرب کے سردار اور پیشوا بنے ہوئے تھے، تمام باشندگان عرب اُن کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی، اس آیت میں تمام قبائل عرب کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے نہیں بچا سکتے پس ان کی اندھی تقلید اور اطاعت نہ کرو۔

(۱) پیا: دھان کا وہ بیج جس میں چاول نہیں ہوتا، محض چھلکا ہوتا ہے۔ بعض علاقوں میں اُسے ''پوچ'' بھی کہتے ہیں ۱۲

۳-کافروں کے معبود اور شیطان بھی کوئی مدد نہیں کریں گے

تیسرا خیال:—— مشرکین کو یہ خیال بھی آ سکتا ہے کہ وہ خدائے پاک کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو پوجتے ہیں وہ قیامت کے دن ان کے کام آئیں گی تو اس کی حقیقت بھی جان لیں:

جواب:—— اور جب تمام مقدمات فیصل ہو چکے—— اور جنتی جنت میں پہنچ گئے اور دوزخی دوزخ میں ڈال دئے گئے تو وہاں دوزخیوں نے مل کر ابلیس لعین پر لعن طعن اور ملامت شروع کی کہ مردود تو نے ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا، اب کوئی تدبیر بتا جس سے عذاب الٰہی سے رہائی ملے—— تو شیطان نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم سے سچے وعدے کئے تھے—— جن کی سچائی آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو—— اور میں نے بھی تم سے وعدے کئے تھے—— کہ آخرت واخرت کچھ نہیں، سب ڈھکوسلا ہے—— سو میں نے وہ وعدے پورے نہ کئے—— یعنی میرے وعدے جھوٹے تھے، جن کا جھوٹ ہونا بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، غرض تمہارے تمام گلے شکوے اِس حد تک بالکل صحیح ہیں، مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں مگر آگے سنو—— اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تو تم نے میری دعوت پر لبیک کہا—— یعنی میں نے زبردستی آپ لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر غلط راستے پر نہیں کھینچ لیا، میں نے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اللہ پاک کی سچی دعوت کے مقابلے میں اپنی جھوٹی دعوت آپ لوگوں کے سامنے رکھی، سچائی کے مقابلے میں جھوٹ کی طرف آپ کو بلایا، نیکی کے مقابلے میں برائی کی طرف آپ کو پکارا۔ اُس سے آگے میرا کچھ زور نہیں تھا، ماننے نہ ماننے کے سارے اختیارات آپ ہی حضرات کو حاصل تھے۔ میرے پاس آپ لوگوں کو مجبور کرنے کی کوئی طاقت نہیں تھی آپ لوگوں نے خود برضا ورغبت میری دعوت پر لبیک کہا۔ میں اپنی باطل دعوت کا ذمہ دار ضرور ہوں اور اس کی سزا بھی پا رہا ہوں مگر آپ لوگوں نے جو لبیک کہا تھا اس کی ذمہ داری آخر مجھ پر کیوں ڈالتے ہو، اس کے ذمہ دار تو تم خود ہو—— پس اب مجھے ملامت مت کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو—— آج کے دن—— نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو—— میں قطعاً بری الذمہ ہوں تمہارے قبل ازیں مجھ کو شریک ٹھہرانے سے—— یعنی تم نے دنیا میں اپنی حماقت سے مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا تھا، آج میں اس سے منکر اور بیزار ہوں پس مجھ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تم خود ہی ظالم ہو، اپنے پیروں پر تم نے خود ہی کلہاڑی ماری ہے —— اور ظالموں کے لئے یقیناً دردناک عذاب ہے —— پس اپنے کئے کی سزا بھگتو، شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ ابلیس لعین کے اس جواب سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور وہ کلیجہ تھام کر رہ جائیں گے—— ابلیس کے اس جواب سے جھوٹے معبودوں کا بھروسہ بھی ختم ہوا کیونکہ جھوٹے معبودوں کی عبادت کا اصل بانی اور محرک ابلیس ہی ہے اور وہی غیر اللہ کی

عبادت سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اسی وجہ سے قیامت کے دن دوزخی اسی سے کہیں گے، سنیں گے، اور جب اسی نے صاف جواب دے دیا تو اوروں سے کیا امید ہوسکتی ہے۔ غرض منکرین حق کے تمام خیالات باطل ثابت ہوئے اور ان کی نجات کے سب راستے مسدود ہو گئے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝

وَاُدْخِلَ	اور داخل کئے جائیں گے	تَجْرِيْ	(کہ) رواں ہیں	بِاِذْنِ (۳)	اجازت سے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وہ لوگ جو ایمان لائے	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے	رَبِّهِمْ	ان کے رب (کی)
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	تَحِيَّتُهُمْ (۴)	ان کی ملاقات کی دعا
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	خٰلِدِيْنَ (۲)	سدا رہنے والے ہیں وہ	فِيْهَا	اس (جنت) میں
جَنّٰتٍ (۱)	(ایسے) باغوں (میں)	فِيْهَا	ان میں	سَلٰمٌ	سلامتی (ہے)

مقابلۂ مؤمنین کی خوش انجامی کا بیان

کفار کی سزا بیان کرنے کے بعد اب بطور مقابلہ مؤمنین کا انجام بیان فرماتے ہیں، ارشاد ہے: —— اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں —— جس کی وجہ سے ان کی سرسبزی اور شادابی جوبن نکال رہی ہے —— وہ لوگ وہاں اُن کے رب کی اجازت سے ہمیشہ رہیں گے —— یعنی اگر پروردگار چاہیں تو وہ جنت سے نکال سکتے ہیں کیونکہ ان کو ہر طرح قدرت ہے۔ خلود جنت کی ذاتی خاصیت نہیں، وہاں اہل جنت کو جو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا وہ ان کے پروردگار کی اجازت سے ہوگا —— وہاں ان کی باہم ملاقات کی دعا ''سلام'' ہے —— یعنی وہ ایک دوسرے کا استقبال لفظ سلام سے کریں گے اور فرشتے بھی ملاقات کے وقت اُن کو ''سلام'' کریں گے، لفظ ''سلام'' دنیا میں سلامتی کی دعا ہے اور جنت میں سلامتی ملنے پر مبارک باد ہے۔

(۱) جَنّٰتٍ مفعول فیہ ہے (۲) خٰلِدِيْنَ حال ہے اُدْخِلَ کے نائب فاعل سے (۳) بِاِذْنِ جار مجرور خٰلِدِيْنَ سے بھی متعلق ہوسکتے ہیں اور ادخل سے بھی (۴) تحیۃ کے لغوی معنی ہیں درازی عمر کی دعا دینا مگر اصطلاحاً یہ لفظ خیر مقدم اور خوش آمدید کہنے کے لئے بولا جاتا ہے جو آمنا سامنا ہونے پر لوگ سب سے پہلے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝۲۴ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝۲۵ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝۲۷ ع

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
أَلَمْ تَرَ	کیا آپ نے دیکھا نہیں	أُكُلَهَا (۳)	اپنا پھل	كَشَجَرَةٍ	جیسے بیکار درخت
كَيْفَ	کیسی	كُلَّ حِينٍ	ہر وقت	خَبِيثَةٍ	
ضَرَبَ	بیان فرمائی	بِإِذْنِ	اجازت سے	اجْتُثَّتْ (۴)	جڑ سے اکھیڑ دیا گیا
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	رَبِّهَا	اپنے رب (کی)	مِنْ فَوْقِ	زمین کے اوپر سے
مَثَلًا	مثال	وَيَضْرِبُ	اور بیان فرماتے ہیں	الْأَرْضِ	
كَلِمَةً طَيِّبَةً (۱)	ستھری بات کی	اللَّهُ	اللہ پاک	مَا لَهَا	نہیں اس کے لئے
كَشَجَرَةٍ	جیسے درخت	الْأَمْثَالَ	مثالیں	مِنْ قَرَارٍ	کوئی استحکام
طَيِّبَةٍ	اچھی ذات کا	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	يُثَبِّتُ	مضبوط رکھتے ہیں
أَصْلُهَا	اس کی جڑ	لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
ثَابِتٌ	جمی ہوئی ہے	يَتَذَكَّرُونَ	نصیحت پذیر ہوں	الَّذِينَ آمَنُوا	ان کو جو ایمان لائے
وَفَرْعُهَا (۲)	اور اس کی شاخیں	وَمَثَلُ	اور مثال	بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (۵)	پکی بات کے ذریعے
فِي السَّمَاءِ	آسمان میں (ہیں)	كَلِمَةٍ	گندی بات (کی)	فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
تُؤْتِي	دیتا ہے وہ	خَبِيثَةٍ		وَفِي الْآخِرَةِ	اور آخرت میں

(۱) كَلِمَةً طَيِّبَةً کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں اور سب کا حاصل ایک ہے: (۱) فعل مضمر سے منصوب ہو ای جعل کلمة الخ اور یہ جملہ سابق جملہ کیف ضرب الخ کی تفسیر ہو (۲) مثلاً سے بدل ہو (۳) مضاف حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہو ای مثل کلمة الخ (۲) اَلْفَرْعُ (مصدر) من کل شی: اوپر کا حصہ جو اصل سے نکلا ہو (۳) الاُكُلُ و الاُكْلُ: پھل (۴) اُجْتُثَّتْ اِجْتِثَاثٌ سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے جَثَّهُ (ن) جَثًّا و اِجْتَثَّهُ: جڑ سے اکھیڑنا۔ (۵) بائے سببیت ہے۔

وَيُضِلُّ اللّٰهُ	اور بھٹکا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ	الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ	ظالموں (کو) اور کرتے ہیں	اللّٰهُ مَا يَشَآءُ	اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

منکرین کی آخرت میں جو دُرگت بنے گی، وہ آپ نے دیکھ لی، اور مؤمنین کا حسن انجام بھی دیکھ لیا، اب ان آیتوں میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی حالت بیان کرتے ہیں، کیونکہ مثال سے بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے، نیز دنیا و آخرت میں دونوں کلموں کے اثرات وثمرات بھی بیان فرمائے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں — کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی (اچھی) مثال بیان فرمائی ہے — یعنی کیسی باموقع اور پُر معنی مثال ہے:— پاکیزہ بات جیسے ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہوں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں جو اپنے رب کے حکم سے ہر آن اپنے پھل دے رہا ہو — پاکیزہ بات یعنی کلمہ طیبہ اور ایمان کی باتیں ایک نہایت پاکیزہ درخت کے مشابہ ہیں جس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں گئی ہوئی ہیں، زور کا جھکڑ بھی اُسے جڑ سے اکھیڑ نہیں سکتا اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، اس کی بلندی اور مضبوطی کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اس کی نفع بخشی کا یہ حال ہے کہ بارہ مہینے اس پر تازہ پھل لگے رہتے ہیں جب جی چاہا پھل توڑ لئے اور اُن سے لطف اندوز ہو لئے۔

ٹھیک یہی حال کلمۂ طیبہ کا ہے، ایمان کی جڑیں بندۂ مؤمن کے قلب میں نہایت مستحکم اور مضبوط ہوتی ہیں حوادث کے جھکڑ اس کو ہلا نہیں سکتے، ہر زمانے کے پکے مسلمانوں کی ایسی مثالیں کچھ کم نہیں، جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں نہ جان کی پرواہ کی، نہ مال کی، نہ کسی دوسری چیز کی —— حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ اور افضل کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے، اور معمولی شاخ راستے سے تکلیف دِہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیاء (شرم) ایمان کی ایک اہم شاخ ہے[۱] —— ایمان کی شاخوں سے مراد وہ اعمال واخلاق اور ظاہری وباطنی احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں، جس طرح سرسبز وشاداب درخت میں برگ وبار نکل آتے ہیں۔

اور یہ ایمانی برگ وبار فرش سے لے کر عرش تک ساری کائنات کو اپنے انوار سے بھر دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ دل کے اخلاص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو اس کے لئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش الٰہی تک پہنچ جاتا ہے، بشرطیکہ وہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچا ہوا ہو[۲] حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

(۱) حدیث متفق علیه عن ابی هریرة رضی الله عنه. (۲) رواه الترمذی.

ارشادفرمایا: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ آسمان اورزمین کی درمیانی فضاء کوبھر دیتے ہیں[1] اوراللہ پاک کاارشاد ہے:

﴿ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ ﴾ (سورۂ فاطر آیت ۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی جانب پاکیزہ باتیں اور نیک عمل چڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اٹھاتے ہیں۔

پاکیزہ باتوں اور نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنی وقعت ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو اپنی طرف اٹھاتے ہیں، قبول فرماتے ہیں اور صلہ عطا فرماتے ہیں!

اہل ایمان کو پاکیزہ باتوں کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں بلکہ کلمہ طیبہ ایسا بارآور درخت ہے کہ جو شخص اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے، اُس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں، کلمہ طیبہ سے فکر میں سلجھاؤ، مزاج میں اعتدال، طبیعت میں سلامت روی، اخلاق میں پاکیزگی، برتاؤ میں خوشگواری، معاملات میں راست بازی، جسم میں نظافت اور کلام میں صداقت پیدا ہوتی ہے وہ ایک ایسا پارس ہے جس کی تاثیر اگر کوئی ٹھیک ٹھیک قبول کرے تو کندن بن جائے ــــ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ نصیحت قبول کریں ــــ یعنی پہلے مثال کے ذریعے لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ مثال مقصود کو محسوس بنا کر پیش کرتی ہے اور صورت کے آئینہ میں معنی کا سمجھنا نہایت آسان ہو جاتا ہے پھر بات سمجھ کر اُس سے نصیحت قبول کریں اور سبق لیں کیونکہ مقصود کلام یہی ہے۔

اور گندی بات کی مثال ایک بیکار درخت کی سی ہے، جسے زمین کے اوپر ہی سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے، جس کے لئے کچھ جماؤ نہیں ــــ گندی بات یعنی کلمہ کفر اور باطل عقیدہ کا حال اس بیکار خودرو درخت کا سا ہے، جو کھیت میں اگتا ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر زیادہ نہیں جاتیں، بس اوپر ہی اوپر ہوتی ہیں، ذرا سے جھٹکے سے اکھڑ جاتا ہے، جونہی اس بیکار پودے نے زمین سے سر نکالا اور وہاں سے کسان کا گذر ہوا اور اس کی نگاہ اس خودرو پودے پر پڑی کہ اس نے اُسے پکڑ کر جڑ موڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اُس پودے کو نہ تو کھیت میں پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے نہ اس کے لئے کچھ ثبات ہے، یہی حال باطل عقیدے کا ہے اس کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی، ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کا یہ فرق ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو انسانوں کی مذہبی اور فکری تاریخ کا مطالعہ کئے ہوئے ہے، وہ دیکھے گا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کلمۂ طیبہ ایک رہا ہے اور کلماتِ خبیثہ خودرو پودوں کی طرح بے شمار پیدا ہو چکے ہیں، کلمہ طیبہ کو آج تک کوئی طاقت جڑ سے نہیں اکھاڑ سکی اور ہزاروں کلمات خبیثہ، باطل عقائد اور غلط افکار آج مردہ ہو چکے ہیں، اپنے زمانے میں جن نظریات کا بڑا زور و شور رہا ہے، آج ان کا ذکر کیا جائے، تو لوگ حیران ہوں گے کہ انسان

(۱) رواہ مسلم۔

کبھی ایسی حماقتوں کا بھی قائل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ذریعے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں — یعنی اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے مؤمنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط و ثابت قدم رکھتے ہیں دنیا میں کیسی ہی آفات وحوادث آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو مؤمن کلمہ طیبہ کی بدولت ثابت قدم رہتا ہے۔ قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے صحیح جواب دیتا ہے، اور جب محشر کا ہولناک ہوش اڑا دینے والا منظر سامنے آئے گا تو مؤمن اس کلمہ کی بدولت نہایت مطمئن ہوگا، اُسے ادنی گھبراہٹ نہ ہوگی — اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دیتے ہیں — دنیا و آخرت میں کسی جگہ انہیں استقامت نصیب نہیں ہوتی۔

یہاں ہم تینوں زندگیوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی مثال: — مدینہ شریف میں خبر پہنچی کہ ایک شخص دعثور نامی چار سو پچاس آدمیوں کو لے کر بے خبری میں لوٹ مار کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ آیا، نبی کریم ﷺ نے کچھ ساتھیوں کو تیاری کا حکم دیا، جب دعثور کو تیاری کی خبر ہوئی تو اس پر ایسا رعب چھایا کہ وہ میدان چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔ حضور اقدس ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان میں پہنچے، وہاں کوئی نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر کوئی نہ ملا، دوپہر کا وقت ہو گیا۔ شاہ دو جہاں ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے، تلوار درخت میں لٹکا دی دوسرے ساتھی آس پاس کے درختوں کے نیچے، ہتھیار کھول کر آرام کرنے لگے، جب سب غافل ہو گئے تو دعثور پہاڑیوں سے نکل کر ایک دم حضور اقدس ﷺ کے سر پر آ کھڑا ہوا، آپ کی تلوار پر قبضہ کیا آپ کی بھی آنکھ کھل گئی، مگر آپ لیٹے رہے، وہ نہایت تکبر سے بولا: ''بتا، اب تجھے کون بچا سکتا ہے؟'' حضور اقدس ﷺ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: اللہ! — خدائے پاک کا نام سچے رسول کی زبان پر کچھ اس شان سے آیا کہ دعثور ہیبت کے مارے تھر تھر کانپنے لگا، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اب حضور اٹھے اور تلوار پر قبضہ کیا اور ارشاد فرمایا: ''بتا، اب تجھے کون بچائے گا؟'' — دعثور چونکہ کافر تھا خدا پر اس کا بھروسہ نہیں تھا، ظاہری ساز و سامان پر اس کا تکیہ تھا اس لئے اب وہ مجبور اور لاچار تھا، اُسے اپنی موت کا یقین ہو گیا وہ گھبرا کر بولا: ''حضور کے رحم و کرم کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا!'' رحمۃ للعالمین ﷺ کا جذبۂ رحمت جوش میں آیا، آپؐ نے اس کو معاف فرما دیا، دعثور آپؐ کا رحم و کرم دیکھ کر مسلمان ہو گیا، کفر کی حمایت میں آیا تھا مگر وہ خود اسلام پر مر مٹا![1]

دوسری مثال: — حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن بندہ جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے (یعنی اس دنیا سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے) تو اس کے پاس اللہ

(۱) یہ واقعہ اصابہ میں واقدی کے حوالہ سے مروی ہے۔

تعالیٰ کے دوفرشتے[1] آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ بتا، تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرے پروردگار اللہ تعالیٰ ہیں، وہ فرشتے دوسرا سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ ہستی جو تمہارے اندر مبعوث کی گئی تھی اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، اب فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ باتیں تمہیں کس نے بتلائیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی ــــ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مؤمن بندے کا یہی جواب ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ذریعے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں۔

اِس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے کہ ”میرے بندے نے ٹھیک بات کہی اور صحیح جوابات دیئے، لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش کرو، اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو“ ــــ چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور بھینی بھینی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اور منتہائے نظر تک اس کے لئے جنت کشادہ کردی جاتی ہے۔

اور کافر جب مرتا ہے اور عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دوفرشتے[2] آتے ہیں، وہ اُس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا پھر فرشتے اس سے دوسرا سوال پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا تھا؟ وہ کہتا ہے: ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ ہستی جو تمہارے درمیان مبعوث کی گئی تھی اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یہی دیتا ہے کہ ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا ــــ پھر آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا (یعنی یہ جانتا سب کچھ ہے مگر چونکہ زندگی بھر منکر رہا ہے۔ اس لئے اب اقرار کس منہ سے کرے!) اس کیلئے دوزخ کا فرش کرواور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ، اور اس کیلئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو ــــ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور آگ کی لپٹیں اور جھلسا دینے والی ہوائیں پہنچتی رہیں گی اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کردی جائے گی جس کی وجہ سے اس کے سینے کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جائیں گی پھر اس کو عذاب دینے کیلئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا جو نہ کچھ دیکھے گا اور نہ کچھ سنے گا۔ اس کے پاس لوہے کی ایک ایسی مونگری ہوگی، کہ

(۱) جن کے نام مبشر اور بشیر ہیں (۲) جن کے نام منکر اور نکیر ہیں۔

اگراس کی ایک چوٹ کسی پہاڑ پر ماری جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہوجائے وہ فرشتہ اس مونگری سے اس پر چوٹ مارے گا جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ اس کی چیخ کو، جن وانس کے علاوہ مشرق ومغرب کے درمیان موجود ہر مخلوق سنے گی وہ کافراس چوٹ سے خاک ہوجائے گا، مگر فوراً ہی اس میں پھر روح ڈال دی جائے گی[1]

تیسری مثال:۔۔۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: مجھے بتایئے کہ قیامت کے دن۔۔۔ جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: ''اُس دن لوگ رب العالمین کے حضور میں کھڑے ہوں گے'' تو اس دن۔۔۔ کس کو کھڑے رہنے کی طاقت ہوگی؟ (یعنی کون اُس پورے دن میں کھڑا رہ سکے گا، جو پچاس ہزار سال کی برابر ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا کردیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے لئے بس ایک فرض نماز کی طرح ہوجائے گا[2]۔۔۔ قرآن پاک میں بھی یہی ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ﴾ (سورۂ مدثر آیت ۸-۱۰) ترجمہ: جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن نہایت سخت ہوگا، کافروں کے لئے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ ہلکا اور آسان کردیا جائے گا اور یہ سب برکت ہوگی کلمہ طیبہ کی۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔۔۔ یعنی اپنی حکمت کے موافق جیسا معاملہ جس کلمے کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتے ہیں، کوئی طاقت نہیں جو ان کی مشیت کو روک سکے۔ حضرت ابی بن کعب عبداللہ بن مسعود، حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو اس بات کا اعتقاد لازم ہے کہ اس کو جو بھی چیز حاصل ہوئی ہے وہ اللہ پاک کی مشیت اور ارادہ ہی سے حاصل ہوئی ہے اس کا نہ ملنا ناممکن تھا۔ اسی طرح جو چیز حاصل نہیں ہوئی اس کا حاصل ہونا ممکن نہ تھا اور ان حضرات صحابہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تمہیں اس پر یقین واعتماد نہ ہو تو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔

کلمۂ طیبہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایسی لازوال دولت ہے، جس کی برکت سے دنیا وآخرت میں تائید ایزدی شامل حال رہتی ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ قُلْ تَمَتَّعُوْا

(۱) رواہ احمد وابو داؤد رحمہما اللہ تعالی (۲) رواہ البیہقی فی البعث والنشور۔

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۷

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	وَجَعَلُوْا	اور تجویز کیے انھوں نے	لِّعِبَادِيَ	میرے (ان) بندوں سے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	لِلّٰهِ	خدائے پاک کے لئے	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو ایمان لائے
بَدَّلُوْا	بدل دیا	اَنْدَادًا (۵)	ہمسر	يُقِيْمُوا	(کہ) اہتمام کریں وہ
نِعْمَتَ اللّٰهِ (۱)	اللہ کی نعمتوں (کو)	لِّيُضِلُّوْا	تا کہ وہ (لوگوں کو)	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)
كُفْرًا	کفران (سے)		بہکا دیں	وَ يُنْفِقُوْا	اور خرچ کریں وہ
وَّاَحَلُّوْا (۲)	اور اتارا انھوں نے	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اللہ کی راہ سے	مِمَّا	اس میں سے جو
قَوْمَهُمْ	اپنی قوم (کو)	قُلْ	(اُن سے) کہو:	رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو
دَارَ الْبَوَارِ (۳)	ہلاکت کے گھر	تَمَتَّعُوْا	چند روز فائدہ اٹھالو	سِرًّا	چھپے (پوشیدہ)
جَهَنَّمَ	جہنم (میں)	فَاِنَّ	کیونکہ یقیناً	وَّعَلَانِيَةً	اور کھلے (ظاہر)
يَصْلَوْنَهَا (۴)	وہ اس میں جلیں گے	مَصِيْرَكُمْ	تمہارا لوٹنا	مِّنْ قَبْلِ	اس سے پہلے
وَبِئْسَ	اور بری	اِلَى النَّارِ	آگ کی طرف (ہے)	اَنْ يَّاْتِيَ	کہ آئے
الْقَرَارُ	جائے قرار (ہے وہ)	قُلْ	آپ فرمائیں	يَوْمٌ	(وہ) دن

(۱) نعمة الله پہلا مفعول ہے بدلوا کا اور کُفْرًا دوسرا مفعول ہے (۲) اَحَلَّ المکان وبالمکان: اتارنا (۳) بَارَ (ن) بَوْرًا وَبَوَارًا ہلاک ہونا (۴) صَلِيَ (س) النار وبها: آگ کی گرمی برداشت کرنا، آگ میں جلنا ای یُقَاسُوْنَ حَرَّهَا (روح) (۵) نِدٌّ کی جمع ہے، مقابل، برابر ہمسر، ہمتا (جو کسی شے کی ذات اور جوہر میں شریک ہو)

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
لَا بَيْعٌ	نہیں خرید وفروخت ہے	مِنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں کی	دَآىِٕبَيْنِ [۳]	(جو) لگاتار چلنے والے ہیں
فِيْهِ	اس میں	رِزْقًا [۲]	روزی	وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور تمہارے کام میں لگادیا
وَلَا خِلٰلٌ [۱]	اور نہ دوستیاں	لَكُمْ	تمہارے لئے	الَّيْلَ وَالنَّهَارَ	رات اور دن (کو)
اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَسَخَّرَ	اور بیگار میں لگادیا	وَاٰتٰىكُمْ	اور تمہیں دیا
الَّذِىْ	(وہ ہیں) جنھوں نے	لَكُمُ	تمہارے لئے	مِّنْ كُلِّ مَا	ہر اُس چیز میں سے جو
خَلَقَ	پیدا کئے	الْفُلْكَ	کشتی (کو)	سَاَلْتُمُوْهُ	تم نے ان سے مانگی
السَّمٰوٰتِ	آسمان	لِتَجْرِىَ	تاکہ وہ چلے	وَاِنْ تَعُدُّوْا	اور اگر تم شمار کرو
وَالْاَرْضَ	اور زمین	فِى الْبَحْرِ	سمندر میں	نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ پاک کی نعمتیں
وَاَنْزَلَ	اور اتارا	بِاَمْرِهٖ	اللہ کے حکم سے	لَا	(تو) نہ
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور تمہارے کام میں لگادیا	تُحْصُوْهَا	شمار کرسکو گے ان کو
مَآءً	پانی	الْاَنْهٰرَ	نہروں (کو)	اِنَّ الْاِنْسَانَ	بلاشبہ انسان
فَاَخْرَجَ	پھر نکالی	وَسَخَّرَ لَكُمُ	اور تمہارے کام میں لگادیا	لَظَلُوْمٌ	بڑا ہی ناانصاف
بِهٖ	اُس کے ذریعے	الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	سورج اور چاند (کو)	كَفَّارٌ	بڑا ناشکرا (ہے)

انسان کا بھی عجیب حال ہے، نعمتیں کھاتا ہے اللہ کی اور عبادت کرتا ہے شیطان کی!

ان آیتوں میں بھی روئے سخن اہل مکہ (قریش) کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک عرب کی پیشوائی اور مذہبی رہنمائی تھی، سارا عرب انہی کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے — کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے نعمت خداوندی کو کفران سے بدل ڈالا؟ — یعنی ان کی محرومی دیکھو، حق تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے احسان کئے اور وہ کس طرح نعمت خداوندی کی ناشکری کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے فخر دوعالم ﷺ کو بھیجا، قرآن پاک نازل فرمایا، حرم پاک اور بیت اللہ کی تولیت کا شرف بخشا اور تمام عرب کی پیشوائی عنایت فرمائی جس کا حق یہ

(۱) خُلَّةٌ کی جمع ہے جس کے معنی دوستی کے ہیں (۲) رزقًا مفعول ہے اَخْرَجَ کا اور من الثمرات مضاف الیہ تھا رزقًا کا اس سے علاحدہ کرکے مستقل کردیا گیا ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی فاخرج به رزقًا من الثمرات لکم یہ عبارت چونکہ غیر فصیح تھی اس لئے من الثمرات کو الگ کرکے حال بنایا گیا ہے ای کائنة من الثمرات (۳) دأَبَ (ف) دَابًا و دَأَبًا و دُؤُوبًا فی العمل: لگاتار جانفشانی کرنا دَائِبٌ صفت کا صیغہ ہے اور حال ہے۔

تھا کہ وہ دعوت حق قبول کرنے میں سب سے آگے ہوتے اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے مگر وہ ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے، دعوت حق کو جھٹلایا، رسول پاک ﷺ سے لڑائی مول لی، اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو اپنا شعار بنالیا جس کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوئے ـــــ اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر جہنم میں پہنچادیا۔ وہ اس میں پھکیں گے۔ اور وہ بدترین جائے قرار ہے ـــــ یعنی جہنم جو نہایت ہولناک، بے حد خطرناک اور بدترین جگہ ہے وہی ان کی جائے قرار ہے، ان کو وہیں جم کر رہنا ہے، وہاں سے اُن کو کبھی نجات نصیب نہ ہوگی کیونکہ ان کا جرم نہایت سنگین ہے وہ ناقابل عفو گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ـــــ اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہمسر تجویز کئے تاکہ وہ خدائے پاک کی راہ سے بھٹکا دیں ـــــ یہ ہے ان کا جرم، سوچو کتنا بڑا جرم ہے! چاہئے تو یہ تھا کہ خدائے پاک کے احسانات کی شکر گذاری میں لگ جاتے مگر یہ تو نہ ہوا، اُلٹے بغاوت پر تل بیٹھے، مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور خدائے پاک وحدہ لاشریک لہ کے مقابل دوسری سینکڑوں چیزیں کھڑی کر دیں اُن کے لئے خدائی اختیارات ثابت کئے اور عبادت جیسی گرانمایہ چیز ان کی نذر کر دی ـــــ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ دوسروں کی راہ ماریں انھیں بہلا کر اپنے دام میں پھانسیں، اور دنیا کی دولت بٹوریں، اہل مکہ (قریش) اپنی اس حرکت کی نتیجہ میں روز بروز مالدار ہوتے جا رہے تھے اور ان کی ریاست کا سکہ جم رہا تھا مگر کیا یہ مالداری اور یہ ریاست اُن کے لئے سود مند ثابت ہوگی؟ نہیں ـــــ ان سے کہئے: ”خیر، چند روز فائدہ اٹھالو، آخر پلٹ کر تمہیں آنا دوزخ ہی میں ہے! ـــــ یعنی بے وقوفو! لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑالو، مگر آخر آؤ گے تو تم دوزخ ہی میں؟ وہاں تمہیں اپنی حرکتوں کا خمیازہ اچھی طرح بھگتنا ہوگا اور وہاں ہم تمہیں جتلا دیں گے کہ حرام لقموں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پھر درمیان میں ایک آیت میں روئے سخن مؤمنین کی طرف ہے، اس میں بتلایا ہے کہ اہل ایمان کی روش کفار کی روش سے مختلف ہونی چاہئے۔ وہ تو احسان فراموش ناشکرے ہیں، مومنین کو تو شکر گزار ہونا چاہئے ارشاد فرماتے ہیں ـــــ میرے جو بندے ایمان لائے ہیں، اُن سے فرمادیجئے کہ نماز کا اہتمام کریں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ دوستی ـــــ اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں چاہئے کہ نعمت الٰہی کی قدر پہچانو اور ناشکری سے بچو اور شکر گزاری کی عملی صورت یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، اس میں سے ان کی راہ میں خرچ کرو ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچتانا پڑے کیونکہ ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جس میں نہ دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا، اور نہ دوستی کا تعلق باقی رہے گا، وہ دن بڑا ہولناک اور فیصلہ کن ہوگا اس دن کے لئے سامان کرو کیونکہ آج فرصت عمل ہے، کل یہ مہلت چھین لی جائے گی پس جو کچھ

کرنا ہے آج کرلو۔

اہل ایمان سے ضمنی خطاب کے بعد اب پھر روئے سخن مشرکین کی طرف ہے ارشاد ہے — اللہ تعالیٰ وہی ہیں جنھوں نے آسمان اور زمین پیدا کئے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے لئے پھلوں کی روزی پیدا کی، اور کشتی کو تمہاری بیگار میں لگا دیا، تا کہ وہ بحکم خداوندی سمندر میں چلے، اور نہروں کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور لگاتار چلنے والے سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور رات اور دن کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے اُن سے مانگی اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو ان کو شمار نہیں کر سکتے، انسان بلاشبہ بڑا ہی نا انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے — یعنی اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر خدائے پاک کی بخششوں پر نظر ڈالو، تمہیں صاف نظر آئے گا کہ تمہاری زندگی کی کوئی ضرورت اور احتیاج ایسی نہیں، جس کا پروردگار عالم نے انتظام نہ کر دیا ہو۔ انھوں نے تمہاری فطرت کی ہر مانگ پوری فرمائی ہے، تمہاری زندگی اور تمہاری بقاء کے لئے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ سب مہیا فرما دیئے ہیں پس وہی ذات تمہاری ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق ہے پھر تم یہ کیا غضب کر رہے ہو کہ اُس ذات پاک کے مقابل ہمسر تجویز کر رہے ہو یہ یقیناً بہت ہی بڑی نا انصافی اور بہت ہی بڑی ناسپاسی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

ع ۱۸

وَاِذْ قَالَ	اور جب دعا فرمائی	عَصَانِیْ	میرا کہنا نہ مانا	تَهْوِیْٓ (۵)	(کہ) مشتاق ہوویں
اِبْرٰهِیْمُ	ابراہیم (علیہ السلام نے)	فَاِنَّكَ	تو آپ یقیناً	اِلَيْهِمْ	ان کی جانب
رَبِّ (۱)	(اے میرے) پروردگار	غَفُوْرٌ	بےحد درگزر فرمانے والے	وَارْزُقْهُمْ	اور روزی عنایت فرمائیے
اجْعَلْ	بنادیجئے	رَّحِیْمٌ	نہایت مہربانی فرمانے		ان کو
هٰذَا الْبَلَدَ	اس شہر کو		والے (ہیں)	مِّنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں کی
اٰمِنًا	امن والا	رَبَّنَآ	(اے میرے) پروردگار	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
وَّاجْنُبْنِیْ (۲)	اور بچائے رکھئے مجھے	اِنِّیْٓ	بے شک میں نے	یَشْكُرُوْنَ	شکرگزار بنیں
وَبَنِیَّ (۳)	اور میرے لڑکوں کو	اَسْكَنْتُ	لابسایا ہے (آباد کیا ہے)	رَبَّنَآ	(اے میرے) پروردگار
اَنْ نَّعْبُدَ (۴)	عبادت کرنے (سے)	مِنْ ذُرِّیَّتِیْ	میری کچھ اولاد کو	اِنَّكَ تَعْلَمُ	آپ یقیناً جانتے ہیں
الْاَصْنَامَ	بتوں (کی)	بِوَادٍ	میدان میں	مَا نُخْفِیْ	جو کچھ ہم چھپاتے ہیں
رَبِّ	(اے میرے) پروردگار	غَیْرِ	بن	وَمَا نُعْلِنُ	اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے
اِنَّهُنَّ	بلاشبہ ان بتوں نے	ذِیْ زَرْعٍ	کھیتی والے		ہیں
اَضْلَلْنَ	گمراہ کیا	عِنْدَ	نزدیک	وَمَا یَخْفٰی	اور نہیں پوشیدہ ہے
كَثِیْرًا	بہت سے	بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ	آپ کے محترم گھر کے	عَلَی اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
مِّنَ النَّاسِ	لوگوں کو	رَبَّنَا	(اے میرے) پروردگار	مِنْ شَیْءٍ	کوئی چیز
فَمَنْ	سو جو شخص	لِیُقِیْمُوا	تاکہ اہتمام کریں وہ	فِی الْاَرْضِ	زمین میں
تَبِعَنِیْ	میرے طریقہ پر چلا	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)	وَلَا	اور نہ (کوئی چیز)
فَاِنَّهٗ	تو وہ یقیناً	فَاجْعَلْ	لہٰذا بنادیجئے	فِی السَّمَآءِ	آسمان میں
مِنِّیْ	میرا (ہے)	اَفْئِدَةً	دلوں کو	اَلْحَمْدُ	سب تعریف
وَمَنْ	اور جس شخص نے	مِّنَ النَّاسِ	کچھ لوگوں کے	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے ہے

(۱) رَبِّ کی اصل یَارَبِّیْ ہے (۲) اُجْنُبْ، جَنَبٌ (نصر) سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم ہے (۳) بَنِیْنَ کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی گئی ہے جس کی وجہ سے نون جمع حذف ہوگیا ہے (۴) اَنْ مصدریہ ہے اور اس پر سے حرف جر عَنْ محذوف ہے۔ (۵) جملہ تَهْوِیْ دوسرا مفعول ہے اِجْعَلْ کا۔

الَّذِیْ	جنھوں نے	الدُّعَآءِ	دعا(کو)	دُعَآءِ(۲)	(میری)دعا
وَھَبَ لِیْ	بخشے مجھے	رَبِّ	(اے میرے)پروردگار	رَبَّنَا	(اے میرے)پروردگار
عَلَی الْکِبَرِ	بڑھاپے میں	اجْعَلْنِیْ	بنادیجئے مجھے	اغْفِرْلِیْ	بخشش فرمایئے میری
اِسْمٰعِیْلَ	اسماعیل	مُقِیْمَ	اہتمام کرنے والا	وَلِوَالِدَیَّ	اور میرے والدین کی
وَاِسْحٰقَ	اوراسحاق	الصَّلٰوۃِ	نماز(کا)	وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ	اور مؤمنین کی
اِنَّ رَبِّیْ	یقیناً میرے پروردگار	وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ(۱)	اور میری کچھ اولاد کو	یَوْمَ	(جس)دن
لَسَمِیْعُ	البتہ خوب سننے والے	رَبَّنَا	(اے میرے)پروردگار	یَقُوْمُ	برپاہو
	(ہیں)	وَتَقَبَّلْ	اور قبول فرمایئے	الْحِسَابُ	حساب

قریش کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمنائیں اور دعائیں

یہ بابرکت آیتیں سورت کی نصیحت کا نقطۂ عروج ہیں، جو بات شروع سورت سے اہل مکہ کو سمجھائی جارہی ہے، اب وہی بات ایک ایسے پیرائے میں سمجھائی جاتی ہے جس سے پیارا کوئی پیرایہ نہیں ہوسکتا، قریش مکہ کو یاد دلایا جاتا ہے کہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمہارے حق میں تمنائیں اور دعائیں کیا تھیں، انھوں نے تمہیں کن تمناؤں کے ساتھ یہاں لاکر بسایا ہے، پھر ان کی دعاؤں کے طفیل میں اللہ پاک نے تم پر کیسے کیسے احسانات کئے ہیں، مگر افسوس تم ہو کہ اپنے باپ کی تمناؤں اور اپنے پروردگار کے احسانات کا جواب گمراہیوں اور بداعمالیوں سے دے رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف زمانوں کی چھ دعائیں ذکر فرماتے ہیں: ارشاد فرماتے ہیں:

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی:

① — پروردگار اس شہر کو امن والا شہر بنادیجئے — یعنی مکہ مکرمہ کو پر امن شہر بنادیجئے، یہاں کے لوگوں کو ہر قسم کے اندیشوں سے محفوظ رکھئے — یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ شریف کی بستی بس جانے کے بعد فرمائی ہے اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۶ میں جو دعا مذکور ہے وہ آپ نے اس وقت کی تھی جب مکہ محض ایک اجاڑ میدان تھا وہاں بستی نہ بسی تھی۔

② — اور مجھے اور میرے لڑکوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھئے — انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں، شرک وبت پرستی بلکہ ہر گناہ سے اللہ پاک ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود اپنی اولاد کو شرک وبت

(۱) وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کا عطف اِجْعَلْ کے پہلے مفعول یائے متکلم پر ہے (۲) آخر سے یائے متکلم حذف کی گئی ہے، ہمزہ کا کسرہ اس کی علامت ہے۔

پرستی سے بچانے کی دعا کرنا ہے اور اولاد کو اس کی اہمیت سمجھانے کے لئے دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل کیا ہے بلکہ حضرت خلیل اللّٰہ نے یہ بھی عرض کیا کہ ـــــ پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ـــــ یعنی یہ بت بہت ہی خطرناک چیزیں ہیں، یہ پتھر کی مورتیاں بہت سے آدمیوں کی گمراہی کا سبب بنی ہیں، انھوں نے لوگوں کو خدا سے پھیر کر اپنا گرویدہ بنالیا ہے، اس لئے انسان کو ہمیشہ دعا کرنی چاہئے کہ الٰہی! ہمیں ان کی جال میں پھنسنے سے محفوظ رکھئے ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں یہ بھی عرض کیا: ـــــ پھر وہ شخص جو میرے طریقے پر چلا وہ یقیناً میرا ہے، اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو آپ یقیناً بے حد درگزر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں ـــــ یعنی میری اولاد میں سے جو شخص میری اتباع کرے، ایمان اور عمل صالح کا پابند رہے۔ بس وہی میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے اور میرے طریقہ پر نہ چلے، وہ میرا نہیں، البتہ آپ بے حد درگذر فرمانے والے نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں، آپ اپنی رحمت سے اس کو توبہ اور دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے پچھلے گناہ معاف فرمادیں تو وہ پھر میرا ہو جائے گا۔

قریش مکہ کو جو حضرت خلیل اللہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے حرم شریف کے مجاور بنے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا یاد دلا کر سمجھایا ہے کہ انھوں نے کعبہ شریف کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی، وہ دنیا سے یہی دعا اور وصیت کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ پس قریش مکہ کو سوچنا چاہئے کہ انھوں نے کہاں تک اُن کی وصیت کا پاس کیا ہے، اور کس حد تک وہ خدائے پاک کے احسانات کے شکر گزار ہوئے ہیں۔

(۳) ـــــ ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو، بن کھیتی والے میدان میں، آپ کے محترم گھر کے پاس آباد کیا ہے، اے ہمارے پروردگار! تا کہ وہ نماز کا اہتمام کریں، لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر دیجئے اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمایئے، تا کہ وہ شکر گزار بنیں ـــــ ''کچھ اولاد'' سے مراد سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل ہے کیونکہ حضرت خلیل اللہ کی دوسری اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام وغیرہ ملک شام میں آباد تھی ـــــ بن کھیتی والے میدان میں یعنی بنجر اور چٹیل میدان میں جس میں زراعت (کھیتی) کی صلاحیت بالکل نہیں، مگر وہاں آپ کا محترم گھر کعبہ شریف ہے اسی کے زیر سایہ میں نے اپنی اولاد کو آباد کیا ہے تا کہ وہ آپ کی عبادت کریں خاص طور پر نماز کا اہتمام کریں لہٰذا خداوند! آپ اپنے فضل وکرم سے کچھ لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل فرما دیجئے کہ وہ یہاں آئیں اور یہاں بسیں، اور آپ ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمایئے یعنی ان کی دلجمعی کے لئے غیب سے سامان فرمایئے تا کہ یہ لوگ اطمینان کے ساتھ آپ کی عبادت اور شکر گزاری میں لگیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے خلیل کی یہ دعا قبول فرمائی، جرہم قبیلہ وہاں آکر آباد ہوا اور ہر طرح کے پھل، غلے اور دوسرے سامان رزق وہاں پہنچنے لگے، یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبانی مفصل واقعہ سن لیں۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر شام سے چلے اور جہاں آج کعبہ شریف ہے وہاں ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ میں ان کو چھوڑ دیا، یہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام ونشان نہیں تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام ماں بیٹے کو وہاں چھوڑ کر اوران کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی رکھ کر روانہ ہونے لگے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پیچھے چلیں، انھوں نے آپ سے پوچھا: ''ابراہیم! آپ ہمیں ایسے میدان میں چھوڑ کر کہاں چل دئے جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ کوئی مونس وغم خوار؟'' وہ بار بار یہ کہتی جاتی تھیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے، آخر حضرت ہاجرہ نے پوچھا ''کیا اللہ پاک نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟'' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ جی ہاں! میں تم کو یہاں خدائے پاک کے حکم سے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ حضرت ہاجرہ کہنے لگیں: ''اگر یہ خدائے پاک کا حکم ہے تو وہ یقیناً ہم کو ضائع اور برباد نہیں کریں گے'' —— وہ یہ کہہ کر واپس لوٹ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے، چلتے ہوئے جب وہ ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے کہ اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو آپ رُکے اور کعبہ شریف کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی: —— ''ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بن کھیتی والے میدان میں آپ کے محترم گھر کے پاس آباد کیا ہے، اے ہمارے پالنہار! تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں، لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر دیں اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمائیں تاکہ وہ شکر گزار رہوں''

حضرت ہاجرہ مشکیزہ سے پانی اور تھیلے سے کھجوریں کھاتی رہیں اور اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ نہ پانی رہا نہ کھجوریں، خود بھی بھوکی پیاسی تھیں اور بچہ بھی بھوکا پیاسا تھا، بچہ شدت پیاس سے بلک رہا تھا اور بیتابی سے پیر رگڑ رہا تھا، جب ماں میں بچے کی یہ حالت دیکھنے کی سکت نہ رہی تو وہ اس کو چھوڑ کر چل دیں، قریب ہی صفا نامی پہاڑی تھی وہ اس پر اس خیال سے چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے مگر کچھ نظر نہ آیا، وہ بیتابی کی حالت میں وہاں سے اتریں، جب ہموار میدان میں پہنچیں تو کرتے کا پلہ اٹھا کر پوری قوت سے دوڑتی ہوئی میدان کی دوسری جانب تک چلی گئیں اس طرف مروہ نامی پہاڑی تھی، وہ اس پر چڑھ گئیں مگر جب وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا تو بیتابی کی حالت میں وہاں سے اتر کر دوڑتی ہوئی پھر صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا —— نبی پاک ﷺ نے اس مقام پر

پہنچ کر فرمایا کہ یہی وہ صفا مروہ کے درمیان سعی ہے جو حج میں لوگ کرتے ہیں — آخر میں جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگیں، خاموش! اور کان لگا کر سننے لگیں، آواز دوبارہ آئی، کہنے لگیں: تمہاری آواز سن گئی اگر تم کچھ مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ اچانک انھیں ایک فرشتہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) زمزم کے کنویں کی جگہ نظر آیا، فرشتے نے اس جگہ پر اپنا پر یا پیر رگڑا یہاں تک کہ اس جگہ سے پانی ابلنے لگا[1] — حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں پہنچ کر پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں اور اس میں سے پانی اپنے مشکیزہ میں بھی بھر لیا مگر پانی برابر ابلتا رہا۔

اس جگہ پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسماعیلؑ کی ماں پر رحم فرمائیں، اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اُس کی چاروں طرف باڑھ نہ بناتیں تو آج زمزم چشمۂ رُواں ہوتا۔

اب حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا، فرشتے نے ان سے یہ بھی کہا کہ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو یہ مقام ''بیت اللہ'' ہے، اس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کے والد کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کو ضائع نہیں ہونے دیتے — بیت اللہ شریف کی جگہ ٹیلے کی طرح بلند تھی، موسم باراں میں پانی کے سیل آتے تو ٹیلے کے دائیں بائیں ہو جاتے اور بیت اللہ شریف ٹیلے کے نیچے محفوظ رہتا۔

دن گزرتے رہے یہاں تک کہ بنی جرہم کا ایک قافلہ اس وادی کے قریب آ کر ٹھہرا انھوں نے دیکھا کہ قریب ہی پرند اُڑ رہے ہیں جرہم نے کہا یہ پانی کی علامت ہے، تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا تو واقعی پانی تھا، قافلے نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس شرط پر اجازت دی کہ پانی کی ملکیت میں وہ حصہ دار نہیں ہوں گے، جرہم نے یہ شرط منظور کر لی اور وہیں مقیم ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ہاجرہ خود بھی انس چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آ کر آباد ہو، اس لئے انھوں نے مسرت کے ساتھ بنی جرہم کو قیام کی اجازت دیدی، جرہم نے آدمی بھیج کر اپنے باقی خاندان کو بلا لیا اور یہاں مکانات بنا کر رہنے لگے — یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پہلا اثر تھا کہ کچھ لوگوں کے دل اُن کی جانب مائل ہو گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام پرورش پاتے رہے، آپ نے بنی جرہم سے عربی زبان سیکھی جب آپ جوان ہوئے تو آپ کی رعنائی اور خوبصورتی بنی جرہم کو بہت بھائی، ان لوگوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی کر دی، کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام برابر اپنے اہل و عیال کو دیکھنے

---

(۱) اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے ظاہر ہوا ہے یہ غلط ہے، بلکہ فرشتے کے پر یا پیر رگڑنے سے ظاہر ہوا ہے۔

کے لئے آتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ تھے، آپ نے اہلیہ[1] سے دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ روزی کی تلاش میں باہر گئے ہوئے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گذران کی حالت دریافت کی، کہنے لگی۔سخت مصیبت اور پریشانی ہے دکھ اور تکلیف سے دن گزرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: اسماعیل سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں ــــ اسماعیل علیہ السلام جب گھر واپس آئے تو آپ نے گھر میں انوار محسوس کئے، پوچھا کوئی شخص یہاں آیا تھا؟ بیوی نے سارا قصہ اور پیغام سنایا اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے ابا تھے، وہ مجھے یہ مشورہ دے گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دیدوں لہٰذا میں تم کو جدا کرتا ہوں۔

اسماعیل علیہ السلام نے اس کے بعد دوسری شادی کرلی، ابراہیم علیہ السلام پھر ایک بار ایسے وقت تشریف لائے کہ اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔آپ نے بی بی صاحبہ سے حسب سابق سوالات کئے، بی بی نے کہا خدا کا شکر ہے اچھی طرح دن گذر رہے ہیں۔آپ نے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کیا ملتا ہے؟ بی بی نے جواب دیا: گوشت، آپ نے پوچھا اور پینے کو؟ انھوں نے جواب دیا: پانی۔آپ نے دعا فرمائی: الٰہی! ان کے گوشت اور پانی میں برکت فرما اور چلتے ہوئے پیغام دے گئے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھنا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو حسب سابق انوار کا احساس ہوا، بیوی سے دریافت کیا تو بیوی نے تمام واقعہ دہرایا اور پیغام بھی سنایا۔آپ نے فرمایا کہ وہ میرے اباجان تھے، مجھے یہ مشورہ دے گئے ہیں کہ تمہیں زندگی بھر رفیقہ حیات رکھوں۔

عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس جو بڑا درخت تھا اس کے نیچے تیروں کی تراش خراش میں مشغول تھے اباجان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں اس طرح ملے کہ باپ نے باپ ہونے کا حق ادا کیا اور بیٹے نے بیٹا ہونے کا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے خدائے پاک نے ایک کام کرنے کا حکم فرمایا ہے۔اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار کا جو حکم ہوا سے ضرور پورا کرنا چاہئے آپ نے پوچھا تم میری مدد کروگے۔فرمانبردار فرزند نے جواب دیا کہ سرتسلیم خم ہے۔آپ نے فرمایا کہ خدائے پاک نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں بیت اللہ شریف کی تعمیر کروں اور آپ نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ فرمایا۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر باپ بیٹے نے بیت اللہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اسماعیل علیہ السلام چن چن کر پہاڑیوں سے پتھر لاتے تھے۔اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے تھے۔یہاں تک کہ جب دیواریں بلند ہوگئیں۔اور پیڑ باندھنے کا وقت آیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ پتھر لائے جو اب مقام ابراہیم میں رکھا ہوا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوکر تعمیر

(۱) اہلیہ آپ کو نہیں پہچانتی تھیں، کیونکہ آپ شادی کے بعد پہلی مرتبہ آئے تھے۔

فرماتے رہے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے رہے اور دونوں بزرگ یہ دعا فرماتے رہے کہ اے پروردگار ہمارا یہ عمل قبول فرما بلاشبہ آپ خوب سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں (۱) —— انھیں ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی نسل سے قریش مکہ ہیں۔ اور انھیں کی دعاؤں کی برکت سے خوش وخرم زندگی بسر کررہے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس نعمت خداوندی کا حق کس طرح ادا کیا؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہوگئے۔ ظلم وگمراہی کو اپنا شیوہ بنالیا، وہ دین حق جس کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اس کو اصنام سے بھر دیا، اور اب اپنی تمام طاقتیں اس اسلام کی مخالفت میں خرچ کررہے ہیں جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے۔

کیا یہ طُرفہ تماشا نہیں کہ توحید کے سب سے بڑے علم بردار نے اللہ پاک کے لئے جو گھر تعمیر کیا

تھا، اسی میں ان کی اولاد نے تین سو ساٹھ بت بٹھا دیئے؟!

(۴) —— اے ہمارے پروردگار! آپ یقیناً جانتے ہیں جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہے نہ آسمان میں، شکر ہے اللہ پاک کا جنھوں نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عنایت فرمائے، بلاشبہ میرے پروردگار خوب دعا سننے والے ہیں —— حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے ذکر کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے کا طریقہ سکھلانا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی نعمت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا ہے یعنی اولاد عنایت فرمائی ہے اور اولاد بھی لڑکے، اور لڑکے بھی سیدنا اسماعیل اور سیدنا اسحاق علیہما السلام جیسے نامی گرامی پیغمبر اور پھر وہ بھی بڑھاپے میں جبکہ اولاد کی امید نہ رہی تھی —— حضرت ابراہیم علیہ السلام اس نعمت کے ملنے پر شکر کا پتلا بن جاتے ہیں ان کے جسم کا رواں رواں زبان حال سے خدائے پاک کی تسبیح کرنے لگتا ہے اور وہ دل کی گہرائی سے اور زبان سے شکر الٰہی بجالاتے ہیں عرض کرتے ہیں الٰہی ہمارا ظاہر و باطن آپ کیلئے یکساں ہے بلکہ آپ کیلئے تو کائنات کی ہر شی ظاہر ہے آپ جانتے ہیں کہ میری زبان شکر گزاری میں زمزمہ سنج ہے تو میرا دل جذبات تشکر سے لبریز ہے، میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری دعا قبول فرمائی، اور بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق جیسی اولاد عنایت فرمائی آپ یقیناً خوب دعا سننے والے ہیں۔

(۵) —— پروردگار! مجھے اور میری کچھ اولاد کو نماز کا اہتمام کرنے والا بنایئے، ہمارے پروردگار! اور میری دعا قبول

(۱) یہ طویل حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دوجگہ ذکر فرمائی ہے ایک کتاب الرؤیا میں اور دوسرے کتاب الانبیاء میں۔

فرمایئے— آپ کی یہ دعا دنیوی زندگی کے حق میں ہے کہ الٰہی جب تک ہم زندہ رہیں نماز کا اہتمام کرنے والے رہیں، ہماری زندگی کا کوئی سانس آپ کی یاد سے خالی نہ رہے ہماری پوری زندگی آپ کی اطاعت کی حالت میں بسر ہو کیونکہ ایک مؤمن کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے جنازہ کی نماز میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ (الٰہی! ہم میں سے جن کو آپ بقید حیات رکھیں ان کو اطاعت کاملہ کی حالت میں زندہ رکھیں) اور حضور اقدس ﷺ کی دعاؤں میں یہ دعا ہے کہ: اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ: الٰہی! اپنے ذکر میں، اپنے شکر میں اور اپنی بہترین عبادت کرنے میں ہماری مدد فرما۔

(۶)— ہمارے پروردگار میری، میرے والدین [1] کی اور مؤمنین کی جس دن حساب برپا ہو مغفرت فرما— آپ کی یہ دعا اخروی زندگی کے حق میں ہے، مومن کی ہمیشہ یہی دعا رہنی چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ پاک مغفرت سے نوازیں کیونکہ جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ پورا کامیاب ہوگیا۔

اے ہمارے کریم پروردگار! اس تفسیر کے لکھنے والے کی، اس کی تلاوت کرنے والوں کی اور تمام مؤمنین کی قیامت کے دن بخشش فرما، اور روزِ جزاء کی رسوائی سے بچا (آمین یارب العالمین)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعائے مغفرت میں اُس وعدے کی بناء پر شریک کیا تھا جو انھوں نے وطن سے نکلتے وقت کیا تھا مگر بعد میں جب انھیں معلوم ہوگیا کہ اس کی موت کفر کی حالت میں ہوئی تو آپ نے اس سے بیزاری ظاہر فرمادی دیکھئے سورۃ التوبہ آیت ۱۱۴۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ع ۱۱ / ۱۹

وَلَا تَحْسَبَنَّ	اور ہرگز نہ سمجھیں آپ	تَشْخَصُ(۱)	(کہ) پھٹی رہ جاویں گی	هَوَآءٌ(۴)	باختہ (صلاحیتیں ہارے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	فِيْهِ	اس میں		ہوئے) ہیں
غَافِلًا	بے خبر	الْاَبْصَارُ	آنکھیں	وَاَنْذِرِ	اور آپ خبردار کریں
عَمَّا	ان کاموں سے جو	مُهْطِعِيْنَ(۲)	ذلت سے ٹکٹکی باندھے	النَّاسَ	لوگوں کو
يَعْمَلُ	کرتے ہیں	مُقْنِعِيْ(۳)	رسوائی سے اوپر اٹھائے	يَوْمَ	(اس) دن (سے)
الظّٰلِمُوْنَ	ظالم	رُءُوْسِهِمْ	اپنے سروں کو	يَاْتِيْهِمُ	(کہ) آپڑے گا ان پر
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	لَا يَرْتَدُّ	لوٹ کر نہ آئیں گی	الْعَذَابُ	عذاب
يُؤَخِّرُهُمْ	مہلت دے رہے ہیں	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	فَيَقُوْلُ	پھر کہیں گے
	وہ ان کو	طَرْفُهُمْ	ان کی آنکھیں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
لِيَوْمٍ	(اس) دن تک	وَاَفْئِدَتُهُمْ	اور ان کے دل	ظَلَمُوْا	ظلم کیا

(۱) شَخَصَ (ف) شُخُوْصًا بَصَرُهٗ: ٹکٹکی باندھنا (۲) مُهْطِعِيْنَ اور مُقْنِعِيْ حال ہیں مضاف محذوف سے ای اصحابُ الأبصار (روح) اَلْمُهْطِعُ اسم فاعل ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی ٹکٹکی باندھنے کے کئے ہیں یعنی وہ ذلت اور عاجزی سے ایک ہی طرف نظر جمانے والے ہوں گے۔ اور حضرت ابن جبیر نے ''ڈر سے جلدی چلنا'' ترجمہ کیا ہے اس صورت میں یہ اَهْطَعَ فی السیر سے ماخوذ ہوگا (۳) اَلْمُقْنِعُ کی جمع ہے اضافت کی وجہ سے آخر سے نون جمع حذف ہوگیا ہے اَقْنَعَ رَأْسَهٗ: سر بلند کرنا اَلْمُقْنِعُ: ذلت کے ساتھ سر کو اوپر اٹھانے والا (۴) اَلْهَوَاءُ: خالی ای قلوبهم خالية مِنَ العقل والفهم لِفَرْط الحيرة والدهشة (روح) فضا کو اسی وجہ سے هَوَاء کہتے ہیں کہ وہ خالی نظر آتی ہے۔

رَبَّنَآ	(اے) ہمارے پرودگار	لَكُمْ	تمہیں	وَعْدِهٖ	اپنے وعدے کا
اَخِّرْنَآ	مہلت دیجئے ہمیں	كَيْفَ	(کہ) کیسا	رُسُلَهٗ	اپنے رسولوں سے
اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ	تھوڑی مدت	فَعَلْنَا	(سلوک) کیا ہم نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
نُّجِبْ [1]	تاکہ لبیک کہیں ہم	بِهِمْ	ان کے ساتھ	عَزِيْزٌ	زبردست
دَعْوَتَكَ	آپ کی دعوت پر	وَضَرَبْنَا	اور بتلائے تھے ہم نے	ذُوانْتِقَامٍ	پورا بدلہ لینے والے ہیں
وَنَتَّبِعِ	اور پیروی کریں ہم	لَكُمُ	تمہیں	يَوْمَ	جس دن
الرُّسُلَ	پیغامبروں کی	الْاَمْثَالَ	سب واقعات	تُبَدَّلُ	بدل دی جائے گی
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	وَقَدْ	اور تحقیق	الْاَرْضُ	زمین
تَكُوْنُوْٓا	تھے تم	مَكَرُوْا	چلے تھے وہ	غَيْرَ الْاَرْضِ	علاوہ زمین سے
اَقْسَمْتُمْ	قسمیں کھاتے	مَكْرَهُمْ	اپنی چالیں	وَالسَّمٰوٰتُ	اور آسمان
مِّنْ قَبْلُ	قبل ازیں	وَعِنْدَ اللّٰهِ	اور اللہ کے پاس ہیں	وَبَرَزُوْا	اور ظاہر ہوئے وہ
مَا	(کہ) نہیں ہے	مَكْرُهُمْ	ان کی چالیں	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سامنے
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاِنْ كَانَ	اگرچہ تھیں	الْوَاحِدِ	ایک
مِّنْ زَوَالٍ	کسی طرح ٹلنا	مَكْرُهُمْ	ان کی چالیں	الْقَهَّارِ	زبردست
وَّسَكَنْتُمْ	درانحالیکہ بسے ہوئے	لِتَزُوْلَ	کہ ٹل جائیں	وَتَرَى	اور دیکھیں گے آپ
	تھے تم	مِنْهُ	اُن سے	الْمُجْرِمِيْنَ	مجرموں کو
فِيْ مَسٰكِنِ	گھروں میں	الْجِبَالُ	پہاڑ	يَوْمَئِذٍ	اس دن
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	فَلَا	پس ہرگز نہ	مُّقَرَّنِيْنَ [2]	جکڑے ہوئے
ظَلَمُوْٓا	ظلم کیا	تَحْسَبَنَّ	خیال کریں آپ	فِي الْاَصْفَادِ [3]	زنجیروں میں
اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	سَرَابِيْلُهُمْ [4]	اُن کے کُرتے
وَتَبَيَّنَ	اور معلوم ہو گیا تھا	مُخْلِفَ	خلاف کرنے والا	مِّنْ قَطِرَانٍ [5]	روغن چیڑ کے (ہوں گے)

(۱) نُجِبْ جواب امر ہے (۲) مُقَرَّنٌ (اسم مفعول) کی جمع ہے مصدر تَقْرِيْنٌ ہے ترجمہ جکڑے ہوئے کس کر باندھے ہوئے (۳) صَفَدٌ اور صَفَادٌ کی جمع ہے جس کے معنی بیڑی اور زنجیر کے ہیں (۴) سِرْبَالٌ کی جمع ہے کرتا، قمیص خواہ کسی قسم کا ←

وَتَغۡشٰی	اور چھائے گی	سَرِیۡعُ	بہت جلد لینے والے	وَلِیَعۡلَمُوۡٓا	اور تا کہ جان لیں وہ
وُجُوۡهَهُمُ	ان کے چہروں پر		ہیں	اَنَّمَا	کہ اس کے سوانہیں کہ
النَّارُ	آگ	الۡحِسَابِ	حساب	هُوَ	وہ (اللہ پاک)
لِیَجۡزِیَ	تا کہ بدلہ دیں	هٰذَا	یہ (سورت)	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود (ہیں)
اللّٰهُ	اللہ پاک	بَلٰغٌ	ایک پیغام (ہے)	وَّلِیَذَّکَّرَ	اور تا کہ نصیحت حاصل
کُلَّ	ہر	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے		کریں
نَفۡسٍ	متنفس کو	وَلِیُنۡذَرُوۡا	اور تا کہ خبر دار کئے	اُولُوا	خالص عقل رکھنے
مَّا کَسَبَتۡ	اس کی کمائی کا		جائیں وہ	الۡاَلۡبَابِ	والے
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	بِهٖ	اُس کے ذریعہ	۞	۞

یہ آیتیں اس سورت کی آخری نصیحتیں ہیں

ہم اللہ پاک کے فضل وکرم سے سورت کا بڑا حصہ تلاوت کر چکے، آیئے اب یہ آخیری باتیں بھی بغور پڑھ لیں۔

ان آیتوں میں اللہ پاک تمام انسانوں کو متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو، مجرموں کو، اللہ پاک کے نافرمان بندوں کو اور رسول پاک ﷺ کے مخالفین کو سزا ملنے میں دیر ہو رہی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ اللہ پاک ان کے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ اللہ پاک سے تو ان کا چھوٹا بڑا کوئی عمل پوشیدہ نہیں، البتہ اللہ پاک کی سنت یہ ہے کہ وہ مجرموں کو فوراً نہیں پکڑتے۔ بڑے سے بڑے مجرم کو بھی طویل سے طویل مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے یا پھر گناہ کرتا کرتا اُس حد تک پہنچ جائے، جس کے بعد بس دوزخ ہی ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اس سے تم خدائے پاک کو ہرگز بے خبر نہ سمجھو — یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اللہ پاک نے جو ان ظالموں کو ڈھیل دے رکھی ہے، تو وہ اس وجہ سے ہے کہ خاکم بدہن اللہ پاک کو ان کے کرتوتوں کی کچھ خبر نہیں، بلکہ ان کو جو مہلت مل رہی ہے اس کی حقیقت یہ ہے: — اللہ پاک ان کو صرف اُس دن تک مہلت دے رہے ہیں جس دن میں ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاویں گی، وہ ذلت سے ٹکٹکی باندھے، رسوائی سے سر اُوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے، وہ اپنی پلکیں نہ جھپک سکیں گے اور ان کے دل باختہ (صلاحتیں کھوئے ہوئے) ہوں گے — یہ قیامت کا دن ہے جس کی شدت اور ہولنا کی دیکھ کر مجرموں کی آنکھیں کھلی کی ←

ہو (۵) قَطِرَان تیل کی طرح کا ایک سیال مادہ جو چیڑ یا صنوبر وغیرہ کے درختوں سے نکلتا ہے اور خارشتی اونٹ کے لگایا جاتا ہے، وہ تیزی سے آگ پکڑنے میں پٹرول کی طرح ہوتا ہے۔

کھلی رہ جائیں گی۔ وہ ذلت سے ٹکٹکی باندھے، رسوائی سے سر اٹھائے قیامت کا دہشت ناک نظارہ دیکھیں گے، اس سے نہ اُن کی نظر ہٹ سکے گی نہ پلک جھپک سکے گی اور دلوں کا حال یہ ہوگا کہ سمجھ بوجھ سے یکسر خالی ہو چکے ہوں گے، نہ حواس ٹھکانے ہوں گے نہ عقل قابو میں ہوگی، جب یہ دن آئے گا تو ظالموں کو پل بھر کی مہلت نہ ملے گی، اس دن مجرموں کو انکی حرکتوں کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔

ایک بار حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ میدان حشر میں ننگے پیر ننگے بدن جمع کئے جائیں گے، مستورات کے مجمع سے ایک صاحبہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! پھر تو لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نگاہیں اٹھی ہوئی ہوں گی اور آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر منظر کشی کی![1] یعنی سب لوگوں کی نگاہیں قیامت کے ہولناک منظر سے اٹھی ہوئی ہوں گی، اس دن کسی کو ہوش نہیں ہوگا کہ کسی کو ننگا دیکھے — حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو قیامت کے دن میں جمع فرمائیں گے جہاں لوگ چالیس سال تک اس حال میں کھڑے رہیں گے کہ ان کی نگاہیں کھلی کی کھلی ہوں گی اور وہ فیصلہ خداوندی کا انتظار کر رہے ہوں گے[2]

اور آپؐ لوگوں کو اس دن سے خبر دار کریں جس میں اُن پر عذاب واقع ہوگا، پھر ظالم کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی مہلت دیجئے تاکہ ہم آپ کی دعوت پر لبیک کہیں اور پیغمبروں کی پیروی کریں'' — حضور پاک ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتلائیں کہ آج تو تمہارے لئے مہلت عمل ہے لیکن جلد ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ مہلت چھین لی جائے گی، آج جس کو تیاری کرنی ہے کر لے جب وہ دن آئے گا اور عذاب سر پے آ پڑے گا تب ہر ظالم مہلت طلب کرے گا، وہ درخواست کرے گا کہ الٰہی! ہمیں دوبارہ تھوڑی مدت کے لئے دنیا میں بھیج دیں تاکہ ہم توحید کی دعوت قبول کریں اور پیغمبروں کی پیروی کریں، مگر اُس دن ان کی درخواست قبول نہیں ہوگی، ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ — کیا تم اس سے پہلے قسمیں کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ تمہارے لئے دنیا سے کبھی ٹلنا نہیں! — یعنی تم وہی تو ہو جو دنیا میں قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شوکت کو کبھی زوال نہ ہوگا، نہ ہمیں مر کر کبھی خدائے پاک کے پاس جانا ہے، ہم سدا دنیا ہی میں رہیں گے — حالانکہ تم اُن لوگوں کی بستیوں میں رہ رہے تھے جنھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اور تمہیں (یہ بھی) معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کی ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اور ہم نے تمہیں (ان کے) سب قصے بتلا

(۱) رواه الطبرانی عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالی عنهما (ترغیب ص۳۸۶ ج۴) (۲) رواه ابن ابی الدنیا والطبرانی والحاکم فی حدیث طویل (ترغیب ص۳۹۱ ج۴)

(بھی) دیئے تھے، اور وہ لوگ واقعی اپنی ساری چالیں چل چکے تھے — اوران کی وہ چالیں خدائے پاک کے پاس ہیں — گو کہ ان کی چالیں ایسی تھیں کہ اُن سے پہاڑ ٹل سکتے ہیں! — مگر وہ سب چالیں اور تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں، جب اللہ پاک کا حکم پہنچا تو سب کو دنیا چھوڑ کر چل دینا پڑا۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اب تم مہلت مانگ رہے ہو حالانکہ پچھلی زندگی میں تم ہی لوگ تو قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ آخرت واخرت کچھ نہیں، زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اسی باطل گمان نے تمہاری راہ ماردی اور تمہیں قیامت کے لئے تیاری کرنے سے غفلت میں ڈالے رکھا حالانکہ تم پچھلی تباہ شدہ قوموں کی بستیوں میں بودوباش رکھتے تھے اور تمہیں خوب معلوم تھا کہ ان کا انجام کیا ہوا اور اللہ پاک نے بھی رسولوں کی معرفت تمہیں ان ظالم قوموں کے حالات سے باخبر کر دیا تھا مگر تم نے ان سے کوئی سبق نہ لیا، پس اب کیا امید کی جاسکتی ہے کہ تم جو مہلت عمل مانگ رہے ہو تو واقعی تم عمل کرو گے؟

سورۃ المومنین میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ان لوگوں کی درخواست قبول کر لی جائے اور عمل کی مہلت دیدی جائے تو وہ ہرگز عمل نہیں کریں گے ان کی یہ درخواست محض ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہے ہیں (آیت ۱۰۰)

آخری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پچھلی تباہ شدہ قوموں کا بھی یہی گمان تھا جو تمہارا ہے کہ ان کے لئے کبھی دنیا سے ٹلنا نہیں اور انھوں نے دنیا میں رہنے کی ساری ہی تدبیریں کر لی تھیں، ایسی مضبوط تدبیریں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائیں، دریاؤں کی روانی رک جائے، ہواؤں کے لئے چلنا مشکل ہو جائے مگر چونکہ وہ سب تدبیریں اللہ پاک کے قبضۂ قدرت میں تھیں اس لئے وہ سب گاؤ خورد ہو گئیں جو اللہ پاک نے چاہا وہ پورا ہوا، اور جب ان کی تباہی کا وقت آیا تو وہ اس طرح فنا کی گھاٹ اتار دئے گئے کہ اُن کے پیچھے کوئی رونے والا بھی باقی نہ رہا۔

اور تم یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ اللہ پاک اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کریں گے — یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدائے پاک نے اپنے رسولوں سے جو فتح و نصرت اور کامیابی کے وعدے کئے ہیں، وہ اُن کے خلاف کریں گے — اللہ پاک یقیناً زبردست، پورا پورا بدلہ لینے والے ہیں — وہ ضرور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لیں گے، اور پیغمبروں سے جو وعدے کئے ہیں ان کو پورا کریں گے۔

اس آیت میں مخالفین اسلام کو سنایا گیا ہے کہ اللہ پاک نے پہلے بھی اپنے رسولوں سے جو وعدے کئے تھے وہ پورے ہوئے، ہمیشہ پیغمبروں کے مخالفین کو نیچا دکھایا، اور اب بھی جو وعدے اللہ پاک اپنے حبیب ﷺ سے کر رہے ہیں ان کو پورا کریں گے اور ان لوگوں کو برباد کریں گے جو ان کی مخالفت کر رہے ہیں، اللہ پاک یقیناً زبردست پورا پورا بدلہ لینے

والے ہیں، ان کو بدلہ لینے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

مخالفین اسلام سے بدلہ کب لیا جائے گا؟ــــ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور لوگ ایک زبردست خدائے پاک کے سامنے پیشی کے لئے (قبروں سے) رونما ہوں گے اور اس دن تم مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھو گے، ان کے کرتے روغن چیڑ کے ہوں گے، اور ان کے چہروں پر آگ چھائی ہوئی ہوگی ــــ تاکہ اللہ پاک ہر متنفس کو اس کے کئے کا بدلہ دیں، اللہ پاک یقیناً بہت جلد حساب لینے والے ہیں ــــ یعنی مخالفین اسلام سے پورا پورا بدلہ اللہ پاک قیامت کے دن لیں گے، جس دن یہ زمین جو ہمارے پیروں تلے ہے، دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی دوسرے آسمانوں سے بدل دئے جائیں گے۔ اور سب لوگ زبردست خدائے واحد کے روبرو پیش ہونے کے لئے قبروں سے نمودار ہوں گے تاکہ اللہ پاک تمام مخلوقات کا حساب کریں اور ہر متنفس کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیں اس دن مخالفین اسلام کی ایک ایک حرکت کا ان کو بدلہ دیا جائے گا۔

قیامت کے دن مجرموں کا حال یہ ہوگا کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ پیروں میں بیڑیاں اور گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کے کپڑے روغن چیڑ کے ہوں گے، جو نہایت بدبودار، سیاہ، تیزی سے آگ پکڑنے والا مادہ ہے اور آگ کی لپٹیں ان کے چہروں پر چھا رہی ہوں گی اس دن اللہ پاک نے اپنے رسولوں سے جو وعدے فرمائے ہیں، وہ مکمل شکل میں پورے ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن جو یہ زمین دوسری زمین سے اور یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے بدل دئے جائیں گے تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟ وہ اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں البتہ احادیث میں اس کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُسے ضرور پڑھ لیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت پاک کی تفسیر میں نبیٔ پاک ﷺ کا یہ مبارک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ محشر میں زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی، جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا، نہ اس پر کسی کا ناحق خون کیا گیا ہوگا (۱)

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگ ایک ایسی زمین پر جمع کئے جائیں گے جو میدے کی روٹی کی طرح صاف اور سفید ہوگی، اس میں کسی کی کوئی علامت (باغ، درخت، مکان وغیرہ) نہ ہوگی (۲)

ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت

(۱) اخرجه البزار وابن المنذر والطبرانی وابن مردويه والبيهقی عنه (درمنثور ص۹۰ ج۴) (۲) ترغیب ص ۳۸۶ ج۴

کے دن یہ زمین اس طرح کھینچی جائے گی جس طرح چمڑے کو کھینچا جاتا ہے، جس سے اس کی سلوٹیں اور شکن نکل جائیں گے، پھر تمام اولادِ آدم اسی زمین پر جمع ہوگی، اس دن ہجوم کی وجہ سے ایک انسان کے حصہ میں صرف اتنی زمین آئے گی جس پر وہ کھڑا ہو سکے گا۔ حضور پاک ﷺ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پھر محشر میں سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ میں رب العزت کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو میں تمام مخلوق کے لئے شفاعت کروں گا کہ ان کا حساب کتاب جلد ہو جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی عالم آیا، اس نے پوچھا: جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدلی جائے گی اُس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: پل صراط کے پاس ایک اندھیری میں ہوں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس آیت پاک کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا[1]

اب سورت کی آخری آیت تلاوت فرمائیں، ارشاد فرماتے ہیں:— یہ (سورت) تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے— تاکہ لوگ نیکی اور بدی کو پہچانیں، اور اندھریوں سے نکل کر روشنی میں آئیں— اور اس لئے ہے کہ لوگ اس کے ذریعے خبردار کئے جائیں— کہ دنیا کی یہ زندگی صرف چندروزہ ہے، اس کے بعد ہر شخص کا ٹھکانا یا تو جنت ہے یا جہنم ہر دن لاکھوں انسان زمین پر مر رہے ہیں مگر ان کو نہیں معلوم کہ وہ مر کر کہاں جا رہے ہیں، پیغمبروں کے ذریعے اور رسولوں کے ذریعے اللہ پاک نے اس راز کو کھولا ہے کہ زندگی صرف اس دنیا کی زندگی نہیں ہے اور مر کر آدمی فنا نہیں ہو جاتا۔ قرآن پاک اس لئے نازل ہوا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر کرے تاکہ لوگ زندگی کے اگلے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے اس کی تیاری کرلیں— اور یہ بات جان لیں کہ صرف اللہ پاک ہی ایک معبود ہیں— یعنی لوگوں نے جو کروڑوں معبود گھڑ رکھے ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں، معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہیں— اور اس لئے ہے کہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں— یعنی جن میں کچھ بھی عقل و ہوش ہے وہ شرک سے باز آجائیں۔

عقل اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے اور عقل مند وہ ہے جو عقل سے کام لے

(۱) اخرجه ابن ابی الدنیا و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم (درمنثور ص۹۱ ج۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجر

نمبر شمار ۱۵ نزول کا نمبر ۵۴ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۶ آیات ۹۹

یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے، نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چون (۵۴) ہے، یعنی مکی دور کے درمیانی زمانے میں نازل ہوئی ہے، اس سے پہلے سورۂ یوسف (نزول کا نمبر ۵۳) ہود (۵۲) بنی اسرائیل (۵۰) القصص (۴۹) اور النمل (۴۸) نازل ہو چکی ہیں۔

نام: آیت اسّی سے چوراسی تک حِجر والوں کا تذکرہ ہے، حجر قوم ثمود کے مرکزی شہر کا نام ہے، مدینہ شریف سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہراہ پر ملتا ہے، اور قافلے اس وادی سے ہوکر گذرتے ہیں۔ حجر والوں کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے تھے، آپ نے حق تبلیغ ادا فرمایا، مگر قوم کے لیڈروں نے آپ کے خلاف پلان بنایا، انھوں نے چاہا کہ آپ کا قصہ ختم کر دیں، مگر قدرت کہاں غافل تھی، وہ اندر ہی اندر اُن کی تباہی کا سامان کر رہی تھی، چنانچہ جب حجر والوں کی شرارت کا پارہ چڑھ گیا تو اچانک ان کو ایک سخت آواز نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

حجر والوں کی یہ داستان قرآنِ کریم کے پہلے مخاطبین، اہل مکہ کے احوال سے بہت مشابہ تھی، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اہل مکہ کو چوکنا کرنے کے لئے یہ سورت نازل کی گئی ہے۔

موضوع: یہ سورت جس دور میں نازل ہوئی ہے، وہ وہ وقت تھا کہ مکہ والوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ایک مدت گذر چکی تھی، عام لوگ تو کچھ نہ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے، مگر قوم کے لیڈر پوری طرح بر سرِ پیکار تھے، ان کی مسلسل ہٹ دھرمی، استہزاء اور مسلمانوں پر ان کے ظلم وستم کی حد ہو گئی تھی، قوم کی مسلسل مزاحمت سے خود نبی پاک ﷺ پر اور مسلمانوں پر دل شکستگی کی کیفیت طاری تھی، اس وجہ سے اس سورت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کا انکار کر رہے تھے۔ آپ کا مذاق اڑا رہے تھے اور آپ کے کام میں مزاحمتیں کھڑی کر رہے تھے، ساتھ ہی اللہ پاک آپ کو اور مؤمنین کی مختصر جماعت کو تسلی بھی دے رہے ہیں اور ہمت بندھا رہے ہیں۔

سورت کا آغاز ایک تمہید سے ہوا ہے، جس میں قرآنِ پاک کا کتابِ الٰہی ہونا بیان کیا ہے، پھر منکرین دعوت کو تنبیہ کی

ہے اور آپ کی ذات والا صفات کی شان میں جو لوگ گستاخیاں کرتے تھے ان کو جواب دیا ہے، اسی ضمن میں اللہ پاک نے قرآن کی حفاظت کا اعلان فرمایا ہے، اس کے بعد حضور ﷺ اور مؤمنوں کو تسلی دی ہے، اور اس پر پہلا رکوع پورا ہوا ہے۔ اس کے بعد آفاقی اور انفسی دلائل سے دوسری زندگی کا امکان اور اس کی ضرورت ثابت کی ہے۔ پھر انسانی زندگی کے ابتدائی احوال، شیطان کی انسانی دشمنی، شیطان کے پیروکاروں کا انجام اور پرہیزگاروں کی جزا بیان کی ہے، اسی ضمن میں یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ پاک جہاں بے حد درگذر کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں وہیں ان کی سزا بھی بے حد دردناک ہے، پھر رحمتِ خداوندی کی ایک مثال اور عذابِ الٰہی کے تین نمونے پیش کئے ہیں، اور پھر خلاصۂ گفتگو بیان فرما کر سورت کی آخری نصیحتیں شروع ہوگئی ہیں، اور اسی ضمن میں مکہ کے لیڈروں کو آگاہ کیا ہے کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو وہ دن دور نہیں جب تمہیں بھی حجر والوں کی طرح عذاب چکھنا پڑے گا، قرآن پاک نے اس سلسلہ میں مقتسمین (باہم قسمیں کھانے والے) کا لفظ استعمال کرکے اعمال اور جزائے اعمال کی مناسبت کے اصول سے، گویا پیشین گوئی فرمائی ہے کہ مکہ والے حضور ﷺ کے ساتھ ٹھیک حجر والوں کا عمل دہرا رہے ہیں، اس لئے ان کا انجام بھی انہی جیسا ہوگا، بعد کے واقعات نے اس پیشین گوئی کی حرف بہ حرف تصدیق کی۔
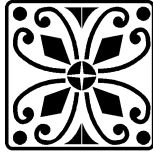
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ۝۲ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳ وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۝۴ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ۝۵

بِسۡمِ	نام سے	الۡكِتٰبِ (۲)	کتابِ الٰہی	لَوۡ	(کہ) کاش
اللّٰهِ	اللہ کے	وَقُرۡاٰنٍ	اور قرآن	كَانُوۡا	ہوتے وہ
الرَّحۡمٰنِ	بے حد مہربان	مُّبِيۡنٍ	واضح (کی)	مُسۡلِمِيۡنَ	دین اسلام اختیار کرنے
الرَّحِيۡمِ	نہایت رحم والے	رُبَمَا (۳)	کبھی		والے
الٓرٰ	الف، لام، را	يَوَدُّ	تمنا کریں گے	ذَرۡهُمۡ	چھوڑیں انہیں
تِلۡكَ (۱)	وہ (یعنی یہ)	الَّذِيۡنَ	وہ لوگ جنھوں نے	يَاۡكُلُوۡا	کھائیں وہ
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	كَفَرُوۡا	انکار کیا	وَيَتَمَتَّعُوۡا	اور مزے اڑائیں

(۱) اسم اشارہ بعید تعظیم کے لئے ہے (۲) الکتاب میں الف لام عہدی ہے، مراد کتاب الٰہی ہے (۳) رُبَّ: حرف جر ہے، اس میں کئی لغتیں ہیں، ایک باء کی تخفیف کی بھی ہے، وہی یہاں استعمال ہوئی ہے۔ یہ کلمہ قرآن پاک میں بس اسی جگہ استعمال ہوا ہے، یہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جر دیتا ہے مگر جب اس کے ساتھ ما کافہ آئے تو عمل نہیں کرتا اور فعل پر بھی داخل ہوتا ہے، اس کے وضعی معنی تقلیل کے ہیں اور جب وہ کَمْ کے معنی میں ہوتا ہے تو تکثیر کے معنی دیتا ہے، علامہ زوزنی سبعہ معلقہ کی شرح میں اَلَا رُبَّ یومٍ إلخ کی شرح میں لکھتے ہیں: ورب موضوع فی کلام العرب للتقلیل، وکم موضوع للتکثیر ثم ربما حملت رب علی کم فی المعنی فیراد بھا الکثیر (ص:۱۱) قرآنِ کریم کے اولین مترجم حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے تقلیل کا ترجمہ کیا ہے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بھی اس کو باقی رکھا ہے، احقر کے ناقص خیال میں یہی ترجمہ راجح ہے۔

نہیں	مَا	بربادی ہم نے	اَهْلَكْنَا	اور غفلت میں ڈالے	وَيُلْهِهِمُ
بڑھتی	تَسْبِقُ	کوئی بستی	مِنْ قَرْيَةٍ [1]	رہیں انھیں	
کوئی امت	مِنْ اُمَّةٍ	مگر	اِلَّا	امیدیں	الْاَمَلُ
اپنے مقررہ وقت (سے)	اَجَلَهَا	درانحالیکہ اس کے لئے	وَ لَهَا [2]	پس عنقریب	فَسَوْفَ
اور نہ	وَمَا	(تھا)		جان لیں گے وہ	يَعْلَمُوْنَ
پیچھے رہتی ہے	يَسْتَاْخِرُوْنَ	نوشتہ	كِتَابٌ	(انجام کار)	
❁	❁	جانا ہوا	مَّعْلُوْمٌ	اور نہیں	وَمَآ

اللہ پاک کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بے حد مہربان، نہایت رحم والے ہیں!

الف، لام، را —— یہ چھٹی سورت ہے جو ان حروف سے شروع ہوئی ہے، البتہ سورۃ الرعد میں میم کی زیادتی تھی، ان کلمات کی واقعی مراد اللہ پاک ہی کو معلوم ہے، البتہ اتنی موٹی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سورت کے مضامین بھی پچھلی سورتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

قرآن کا نزول پڑھنے اور عمل کرنے کے لئے ہوا ہے

سورت کا آغاز ایک پُر زور تمہید سے ہو رہا ہے، ارشاد ہے: —— یہ کتابِ الٰہی اور قرآنِ مبین کی آیتیں ہیں —— یعنی یہ آیتیں جو آپ تلاوت فرما رہے ہیں، کوئی معمولی کلام نہیں، بلکہ کتابِ الٰہی کی آیتیں ہیں، لہٰذا پڑھنے والوں کو اور سننے والوں کو ان سے سرسری نہیں گذر جانا چاہئے، بلکہ پوری توجہ سے تلاوت کرنی چاہئے اور غور سے سننا چاہئے اور جو کچھ ان میں ارشاد فرمایا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ساتھ ہی ''اللہ کی کتاب'' کا یہ کہہ کر تعارف کرایا ہے کہ وہ ایک واضح پڑھنے کی کتاب ہے، قرآن مصدر ہے جس کے معنی ہیں: پڑھنا، قرآن کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا نزول پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے ہوا ہے، خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر طاق میں حفاظت سے رکھنے کے لئے نہیں ہوا۔ پھر یہاں اس کی صفت مُبین لائی گئی ہے، جس کے معنی ہیں: واضح، یعنی قرآنِ کریم اپنی دعوت، اپنے دلائل اور اپنا مطالبہ صاف ظاہر کرتا ہے، اس کی کوئی بات الجھی

(۱) دونوں جگہ مِنْ استغراقیہ ہے (۲) واو حالیہ ہے، لها خبر مقدم ہے، اور كتابٌ معلومٌ مبتدا مؤخر ہے اور جملہ وَلَهَا إلخ قريةٌ کا حال ہے، جس کا استثناء کیا گیا ہے۔

ہوئی نہیں، اس کا کوئی مضمون مشکل نہیں، اور اس کا کوئی مطالبہ نا قابل فہم نہیں، ہر ذہن اُسے بوجھ سکتا ہے، ہر دل اُسے قبول کر سکتا ہے، ہر روح اس سے مطمئن ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ مبین ہے یعنی اپنی بات کھول کر بیان کرنے والی کتاب ہے، وہ ایک روشن صحیفہ ہے جسے ہر پڑھا لکھا پڑھ سکتا ہے۔ اور ہر کان والا دوسرے سے پڑھوا کر سن سکتا ہے۔ قرآنِ پاک کے سلسلہ میں کسی کے لئے یہ کہنے کا موقع نہیں کہ وہ پڑھا لکھا انسان نہیں، کیونکہ اگر وہ خود پڑھا لکھا نہیں، تو کسی سے پڑھوا کر سن سکتا ہے، نہ کسی کے لئے اس بہانے کی گنجائش ہے کہ قرآن کریم اس کی سمجھ سے بالاتر ہے، کیونکہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم کو اتنا واضح نازل فرمایا ہے کہ ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ، چھوٹا اور بڑا، مرد اور عورت، جوان اور بوڑھا اس کی بات بخوبی سمجھ سکتا ہے، اس لئے آگے جو ارشاد فرمایا جا رہا ہے لوگوں کو چاہئے کہ پوری توجہ سے پڑھیں اور سنیں:

قوموں کی موت وحیات کے لئے ایک میعاد مقرر ہے جس سے وہ ایک سکنڈ آگے پیچھے نہیں ہو سکتیں

اس تمہید کے بعد اگلی آیتوں میں جن کو ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلی بات: ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں، آپؐ کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، ان سے کہا جا رہا ہے کہ آج تم جتنا چاہو دل سے پھپھولے پھوڑ لو، مگر یاد رکھو ایک وقت آرہا ہے جب تم اپنی محرومی پر ماتم کروگے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہوگے: کاش ہم نے دینِ اسلام قبول کر لیا ہوتا! مگر اس وقت کی تمہاری آرزو بیکار ثابت ہوگی، کیونکہ وہ وقت اعمال کا نہیں ہوگا، نتائج اعمال کا ہوگا۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— کسی وقت منکرینِ اسلام تمنا کریں گے: ”کیا اچھا ہوتا جو وہ دینِ اسلام قبول کر لیتے!“ —— یعنی دنیا وآخرت میں جب بھی کوئی موقعہ کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کا پیش آئے گا، ہر موقع پر کفار کو رہ رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمتِ اسلام سے محرومی پر حسرت ہوگی، اس سلسلہ کا پہلا اتفاق بدر کی لڑائی کے بعد پیش آیا، جب کفار مکہ نے مسلمانوں کی جانب کھلی فتح اور تائید غیبی دیکھی تو انھوں نے محسوس کیا کہ اسلام ہی نے فقراء مہاجرین کو اور اَوس وخزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا ہے، اس وقت انھیں افسوس ہوا کہ ہائے! وہ اس دولت سے محروم رہ گئے۔

پھر اسلامی فتوحات وترقیات کی ہر منزل پر کفار کو اپنی حرماں نصیبی پر کف افسوس ملنا پڑا، اور حسرت کے آنسو بہانے پڑے —— اور اس سلسلہ کا انتہائی افسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتے جان نکالنے کے لئے سامنے آکھڑے ہوں گے، اور ان کے منہ پر اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے، اُس وقت وہ ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا تا کہ اس دن کے ہولناک عذاب سے محفوظ رہ سکتے۔

پھر یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوجائے گا بلکہ عالم آخرت میں جہنم رسید ہونے کے بعد بھی جاری رہے گا، طبرانی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے بہت سے آدمی، اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں جائیں گے اور جب تک اللہ پاک چاہیں گے، وہاں رہیں گے، وہاں مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ بتاؤ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ تم بھی آج ہماری طرح دوزخ میں ہو! اس پر اللہ تعالیٰ تمام مؤمنین کو جہنم سے باہر نکال لیں گے، اس وقت مشرکین تمنا کریں گے کہ: ''کیا اچھا ہوتا جو انھوں نے بھی دین اسلام قبول کرلیا ہوتا''

غرض: منکرینِ اسلام پر ایسا وقت ضرور آنے والا ہے، آج وہ لوگ نہیں مانتے تو ـــــ چھوڑو انھیں، کھائیں اور مزے کرلیں، اور غفلت میں ڈالے رہیں انھیں امیدیں، سو عنقریب انھیں پتہ چل جائے گا ـــــ یہ داعیٔ اسلام کو تسلی دی ہے کہ جب کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو وہ ان کا غم نہ کھائیں، بلکہ انھیں چند دن جانوروں کی طرح کھانے پینے دیں، اور وہ لوگ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھے رہیں، عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائے گی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائے گا۔

اس آیت پاک سے یہ سبق ملتا ہے کہ کھانے پینے کو اصلی مقصد بنالینا اور موت سے بےفکر ہوکر دنیاوی عیش وعشرت کے لئے لمبے چوڑے منصوبوں میں لگا رہنا کافروں ہی کا کام ہے، جن کا آخرت اور جزاء وسزا پر ایمان نہیں۔

مؤمن کھاتا پیتا ضرور ہے، گذران کے بقدر سامان بھی کرتا ہے اور اپنے کاروبار کے منصوبے بھی بناتا ہے، مگر موت اور فکر آخرت سے غافل ہوکر یہ کام نہیں کرتا، اسی لئے ہر کام میں اُسے حلال وحرام کی فکر رہتی ہے ـــــ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہوکر وعظ فرمایا کہ: اے دمشق والو! کیا تم اپنے ایک ہمدرد، خیر خواہ بھائی کی بات سنو گے؟ سن لو! تم سے پہلے بڑی بڑی قومیں گذر چکی ہیں، جنھوں نے بےشمار مال ومتاع جمع کیا تھا، بڑے بڑے شاندار محلات تعمیر کئے تھے۔ اور دور دراز کے لمبے چوڑے منصوبے باندھ رکھے تھے، لیکن آج وہ سب ہلاک ہوچکے ہیں، ان کے مکانات ان کی قبریں بن چکے ہیں، ان کی طویل امیدیں دھوکہ ثابت ہوئی ہیں۔ قوم عاد تمہارے قریب تھی، جن کا طنطنہ تمہیں معلوم ہے، آج کوئی ہے جو ان کی میراث مجھ سے دو روپیوں میں خرد لینے کے لئے تیار ہوجائے؟

دوسری بات: منکرینِ اسلام کو جو مہلت دی جارہی ہے اور فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا جارہا ہے، تو یہ سنتِ الٰہی کے مطابق ہورہا ہے۔ اس سے نادان لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور ہم نے ہر بستی کو اس کے نوشتۂ مقرر پر ہی ہلاک کیا ہے، کوئی امت نہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوتی ہے، نہ اس کے بعد بچی رہتی ہے ـــــ یعنی کفر ومعصیت میں مبتلا ہوتے ہی اللہ پاک کبھی کسی قوم کی گرفت نہیں فرماتے۔ پھر یہ نادان لوگ کیوں اس غلط فہمی کا شکار ہیں

کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تکذیب واستہزاء کی جو روش انھوں نے اختیار کی ہے، چونکہ اس پر ابھی تک انہیں سزا نہیں ملی، اس لئے آپ ﷺ سرے سے نبی نہیں۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ ہر قوم کے لئے پہلے سے مہلت عمل مقرر کی جا چکی ہے، جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک ہو چکی ہیں، ہر ایک کے لئے ہلاکت کا ایک وقت معین تھا، یہ مہلت جب تک باقی رہی، اللہ پاک ان کی رسّی ڈھیلی فرماتے رہے، پھر جب ان کی معیاد پوری ہوگئی اور ہلاکت کی گھڑی سر پر آ کھڑی ہوئی، تو ایک دم غارت کر دی گئیں —— منکرین اسلام بھی عذاب کی تاخیر اور امہالِ خداوندی پر مغرور نہ ہوں، جب ان کا وقت آئے گا، خدائی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰۤئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰۤئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

وَقَالُوْا	اور ان لوگوں نے کہا	لَمَجْنُوْنٌ	مجنون ہو	نُنَزِّلُ	اتارتے ہم
يٰۤاَيُّهَا (۱)	اے	لَوْمَا (۲)	کیوں نہیں	الْمَلٰۤئِكَةَ	فرشتوں کو
الَّذِيْ	وہ شخص	تَاْتِيْنَا	لے آتے ہمارے پاس	اِلَّا	مگر
نُزِّلَ	اتارا گیا ہے	بِالْمَلٰۤئِكَةِ	فرشتوں کو	بِالْحَقِّ (۳)	فیصلۂ عذاب کے ساتھ
عَلَيْهِ	اس پر	اِنْ كُنْتَ	اگر ہو تم	وَمَا كَانُوْۤا (۴)	اور نہیں ہونگے وہ
الذِّكْرُ	قرآن	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے؟	اِذًا	اس وقت
اِنَّكَ	واقعی تم	مَا	نہیں	مُّنْظَرِيْنَ	مہلت دیئے ہوئے

(۱) یا حرف ندا ہے اور الذی نزل إلخ منادی ہے اور جب منادی پر الف لام داخل ہوتا ہے تو مذکر میں أیُّ اور مؤنث میں اَيَةُ معروف باللام کو حرف ندا سے ملانے کے لئے لایا جاتا ہے اور ھا حرف تنبیہ ہے جو اَیُّ اور اسم معرف باللام کے درمیان فصل کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ (۲) لَوْمَا شرطیہ ہے اور حرف تحضیض ہے، کیونکہ اس سے متصل فعل ظاہر آیا ہے اور جب وہ امتناعیہ ہوتا ہے تو اس سے متصل اسم ظاہر آتا ہے (۳) باء ملابست کی ہے اور جار مجرور مصدر محذوف کی صفت ہیں جو مستثنیٰ ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے: إلا نز ولاً بالحق (۴) کانوا: کا ترجمہ مقامِ شرط میں استقبال کے ساتھ کیا جاتا ہے یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہے: وما کانوا إذا أنزلناهم منظرین۔

اِنَّا نَحْنُ(۱)	بے شک ہم نے ہی	الذِّكْرَ	قرآن	لَهٗ	اس کے
نَزَّلْنَا	نازل کیا ہے	وَاِنَّا	اور یقیناً ہم	لَحٰفِظُوْنَ	محافظ (نگہبان) ہیں

ان آیتوں میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں:

(۱) منکرینِ اسلام کی نبی کریم ﷺ کی ذات والاصفات کی شان میں گستاخی، تمسخر اور استہزاء کا بیان، وہ لوگ خاکم بدہن آپ ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ سب سے پہلے معاندینِ اسلام کا یہ تمسخر ذکر کیا ہے۔

(۲) آپ ﷺ دیوانے ہیں یا فرزانے، اس سے تعرض کئے بغیر(۲) فرشتوں کے اترنے کے سلسلہ میں سنتِ الٰہی بیان کی ہے کہ فرشتے رسول کے سامنے پرا باندھے کھڑے نہیں رہتے، نہ وہ اس کے جلو میں چلتے ہیں، فرشتے تو رسول کی دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں عذابِ الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں۔

(۳) کفار کے تمسخر کے جواب میں اللہ پاک اپنی حفاظت کا اعلان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ہم نے قرآن نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، مخالفین کی تمام ریشہ دوانیاں خاک میں مل جائیں گی، اور قرآن پاک کے کسی حرف کا بھی نقصان نہ ہوگا۔

اندھوں کو اندھیرے میں دور کی سوجھی! کہا: رسول پاگل ہے اور قرآن دیوانے کی بڑ ہے!

خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب تفصیل پڑھئے:

پہلی بات: —— اور ان لوگوں نے کہا: ”اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے، یقیناً تو دیوانہ ہے، تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا، اگر سچا ہے؟“ —— معاندین اسلام یہ بات استہزاء اور ٹھٹھے کے طور پر کہتے تھے۔ ان کو تسلیم ہی نہیں تھا کہ قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے، یہ بات تسلیم کر لینے کے بعد وہ لوگ آپ کو دیوانہ نہیں کہہ سکتے تھے، درحقیقت ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ: ”اے وہ شخص جس کا دعوی یہ ہے کہ مجھ پر قرآن نازل ہوا ہے:“ یہ اُسی طرح کی بات ہے جیسی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سننے کے بعد اپنے درباریوں سے کہی تھی کہ: ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (الشعراء ۲۷): ”یہ تمہارے پیغمبر صاحب، جو تم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، یقیناً

(۱) نحن: فصل کے لئے نہیں ہے، کیونکہ وہ دو اسموں کے درمیان نہیں ہے، بلکہ اِنَّ کے اسم کی تاکید ہے یا مبتداء ہے اور دونوں صورتوں میں اسناد کی تاکید حاصل ہوگی، اس وجہ سے حصر کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ (۲) قرآنِ پاک میں دوسری متعدد جگہوں میں آپ ﷺ کے دیوانے ہونے کی تردید کی گئی ہے، مثلاً دیکھئے سورۃ القلم آیت ۲، سورۃ التکویر آیت ۲۲۔

دیوانے ہیں؟

منکرین اسلام کے نزدیک آپ ﷺ کا دعوئے نبوت ہی سب سے بڑی دیوانگی تھا، وہ کہتے تھے: یہ خوب رہی کہ مکہ کا ایک معمولی آدمی سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آیا، اور پھر یکہ وتنہا ساری دنیا کو چیلنج کر دیا کہ ایک وقت آئے گا جب منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔ یہ کونسی عقل وہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے! اور وہ جو قرآن پڑھ کر سناتا ہے وہ دیوانے کی بڑ ہے، اور دیوانوں کی باتوں کو بھلا کون یاد رکھتا ہے؟

اگر آپ واقعی نبی ہوتے تو فرشتے آپؐ کے ساتھ کیوں نہ کر دیئے گئے جو ہر وقت کوڑا ہاتھ میں لئے رہتے اور لوگوں سے کہتے کہ مانو ان کی بات ورنہ ابھی خدا کا عذاب برسا دیتے ہیں، کیونکہ دنیا کا معمولی بادشاہ بھی جب اپنا کوئی نمائندہ بھیجتا ہے تو اس کے ساتھ پولیس کی فورس ضرور بھیجتا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے کہ کائنات کے مالک ایک شخص کو نبوت کا جلیل القدر منصب عطا فرمائیں اور پھر یونہی اکیلا چھوڑ دیں کہ لوگوں کی گالیاں اور پتھر کھاتا پھرے۔ سورۃ الفرقان کی ساتویں آیت میں ان کا قول ہے: ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا﴾ (کیوں نہ اُن کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو ان کے ساتھ رہ کر (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟)

فرشتے عذاب کا کوڑا لے کر آتے ہیں، رسولوں کے ساتھ نہیں رہتے

دوسری بات: —— ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر فیصلۂ عذاب کے ساتھ اور اس وقت اُن کو مہلت نہ دی جائے گی —— یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کبھی بھی خدائی فوج نہیں بھیجی گئی، کیونکہ یہ تو جبر واکراہ کی ایک صورت ہے، انبیاء ہمیشہ ہی تنہا مبعوث ہوئے ہیں، خدائی فوج (فرشتوں) کو بھیجنے کا وقت تو آخری وقت ہوتا ہے جب کسی قوم کا فیصلہ چکا دینے کا ارادہ کر لیا جاتا ہے، اس وقت بس فیصلہ چکایا جاتا ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اب ایمان لاؤ تو چھوڑ دیتے ہیں، ہمیشہ سنتِ الٰہی یہی رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، اور تفہیم وہدایت کے سارے مراحل طے ہو جاتے ہیں، تب فرشتوں کی فوج اُس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے، پھر اُس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لی

تیسری بات: —— یقیناً ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں —— یعنی یہ قرآن جس کے لانے والے کو تم دیوانہ بتا رہے ہو، یہ ہمارا نازل کیا ہوا ہے، کوئی دیوانے کی بڑ نہیں، جسے تھوڑی دیر کے بعد لوگ بھول جاتے ہیں، نیز یہ براہِ راست ہماری حفاظت میں ہے، نہ تمہارے مٹائے مٹ سکے گا، نہ تمہارے دبائے دب

سکے گا، نہ تمہارے اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ تمہارے روکے اس کی دعوت رُک سکے گی، نہ اس میں تحریف کا کبھی کسی کو موقع مل سکے گا۔

یہ قرآنِ کریم کا ایسا کھلا معجزہ ہے جس کو ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے، قرآنِ کریم کا اعجاز یعنی اس کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، یہ تو اہلِ علم کے سمجھنے کی چیز ہے، مگر کمی بیشی نہ ہونے کو تو ایک اَن پڑھ بھی دیکھ سکتا ہے، بلکہ غیر مسلم بھی اس کا تجربہ کر سکتا ہے، عباسی خلیفہ مامون کے دربار کا واقعہ ہے کہ ان کے یہاں ایک علمی مباحثہ میں شرکت کے لئے ایک یہودی آیا، جو شکل و صورت سے ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، گفتگو بھی فصیح و بلیغ اور عاقلانہ تھی، جب مجلس ختم ہوئی تو مامون نے اُسے بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس سے اقرار کیا، مامون نے کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا: میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا۔ بات ختم ہوگئی اور وہ شخص چلا گیا، ایک سال بعد یہی شخص مسلمان ہو کر دربار میں حاضر ہوا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر کی، مجلس ختم ہونے پر مامون نے اس سے پوچھا کہ تم وہی شخص ہو جو گذشتہ سال آئے تھے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! میں وہی شخص ہوں، مامون نے کہا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا کیا سبب ہوا؟

اس نے بتایا کہ جب میں دربار سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی جانچ کرنے کا ارادہ کیا، چونکہ میں ایک خوشنویس آدمی ہوں، اس لئے میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے اور ان میں کئی جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، پھر وہ نسخے لے کر میں کنیسہ پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے اُن کو خرید لیا —— پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے گرجا گھر میں لے گیا، انھوں نے بھی بڑی قدر و منزلت کے ساتھ وہ نسخے مجھ سے خرید لئے —— پھر یہی حرکت میں نے قرآن کے ساتھ کی، اس کے بھی تین نسخے نہایت عمدہ کتابت کئے، جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، جب ان کو لے کر میں فروخت کرنے نکلا تو جس مسلمان کے پاس بھی لے گیا پہلے اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اور جب اس میں کمی بیشی نظر آئی تو مجھے واپس کر دیا، کسی نے بھی اس کو نہ خریدا —— اس تجربہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہی کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی حفاظت فرما رہے ہیں، اس لئے میں مسلمان ہو گیا۔

قرآنِ کریم اور دیگر کتبِ سماوی میں فرق:

قرآنِ کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ پاک جل شانہ نے لی ہے، اور دیگر کتب سماوی کی حفاظت کی ذمہ داری

حاملین کتاب کو سونپی گئی تھی۔ سورۃ المائدۃ (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾ (بوجہ اس کے کہ ان کو کتاب اللہ (تورات) کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کی خبر گیری پر مقرر تھے) یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ قرآنِ کریم کی طرح ﴿ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ کا وعدہ نہیں تھا، اس لئے جب تک علماء واحبار نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا تورات محفوظ رہی، اور جب دنیا پرست علماء کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو تحریف ہو کر ضائع ہوگئی —— اور قرآنِ کریم کی حفاظت خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، اس لئے دشمنوں کی ہزار کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطے اور زبر زیر میں فرق نہ آسکا۔

قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے کیوں لیا؟

قرآنِ کریم کسی گروہ یا قوم کے لئے مخصوص نہیں، اور نہ کسی خاص دور کے لئیے ہے، بلکہ یہ قیامت تک تمام عالم انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے خدا کا آخری پیغام ہے، قرآنِ کریم کے پیغام کی اس ابدیت اور آفاقیت کا تقاضا تھا کہ اس کا ایک ایک حرف محفوظ رہے، تاکہ قیامت تک آنے والے اس آفتابِ عالم تاب سے روشنی حاصل کرتے رہیں، اور کسی دور میں یہ خلا محسوس نہ کیا جائے کہ انسانیت کے لئے ہدایت خداوندی کیا ہے؟ اگر انسانیت کی نجات کا یہ آخری سفینہ بھی تحریف کے بھنور میں پھنس جاتا تو پھر وہ کونسا سفینہ ہوتا جو انسانیت کو ساحل مراد تک پہنچاتا؟

حفاظت قرآن ختم نبوت کی دلیل:

حفاظت قرآن کی یہ ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے لی ہے "ختم نبوت" کی بڑی دلیل ہے، جب تک سلسلۂ نبوت جاری رہا، اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی، بلکہ حاملین کتاب کو یہ فریضہ سپرد کیا، پھر جب حاملین کتاب کی کوتاہیوں سے کتابِ الٰہی ضائع ہوگئی یا مسخ ہوگئی تو اللہ پاک نے دوسرا پیغمبر مبعوث فرمایا اور اس کے ذریعہ انسانیت کو دوسرا ہدایت نامہ دیا، اس طرح ایک سو سے زیادہ ہدایت نامے مختلف زمانوں میں انسانوں کے پاس بھیجے گئے، مگر اب جبکہ سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النّبیین ﷺ کی ہدایات وتعلیمات اور کتاب وسنت کی حفاظت کا پورا پورا انتظام ہو، کیونکہ جب آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا پیغمبر آنے والا نہیں، اور آپ ہی اس دنیا کے آخر تک کے لئے نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی کتاب ہدایت (قرآنِ کریم) دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے، تاکہ ہر زمانہ کے طالبان رشد وہدایت اُس سے روشنی حاصل کر سکیں۔

آج کوئی مخالف بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پچھلی چودہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا

ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہے گا، اور قرآن پاک رہتی دنیا تک حرف بہ حرف محفوظ رہے گا، اور جب عالم کی بساط لپیٹ لینے کا وقت آئے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے، قرآنِ کریم اٹھالیا جائے گا، ضائع یا اس میں تحریف ہرگز نہ ہوسکے گی۔

حفظِ قرآن:

کسی کتاب کی حفاظت دو ہی طریقوں سے ممکن ہے: ایک یہ کہ اُسے لکھ لیا جائے تا کہ اس میں کوئی ردوبدل نہ کیا جاسکے، دوسرے: یہ کہ انسانی حافظہ میں محفوظ کردیا جائے، اس صورت میں جب تک اس کا ایک بھی یادرکھنے والا موجود رہے گا، وہ کتاب محفوظ رہے گی۔

قرآنِ کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ دونوں ہی طریقوں سے اس کا تحفظ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نزولِ وحی کے ساتھ ہی کاتبانِ وحی میں سے کسی کو بلا کر نازل شدہ آیات لکھوالیا کرتے تھے، اور قرآن کی یہ کتابت ایسی عام اور کھلی ہوئی بات تھی کہ کفارِ عرب بھی اُسے جانتے تھے، ایک موقعہ پر انھوں نے کہا تھا: ﴿ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴾ (الفرقان آیت ۵) جن (صحیفوں) کو اس (پیغمبر) نے لکھوالیا ہے، پھر وہی صبح وشام اس کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

حفظ (زبانی یادداشت) کے ذریعے قرآن کی حفاظت کی طرف بھی رسول اللہ ﷺ نے پوری توجہ فرمائی، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حفظِ قرآن کی بکثرت تلقین فرماتے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جس شخص کو کچھ بھی قرآن یاد نہیں وہ ایک اجاڑ گھر کی مانند ہے، صحابۂ کرام کی جماعت سے بڑھ کر تعمیل ارشاد کرنے والی بھلا کونسی جماعت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ ان کا معمول تھا کہ مسجدِ نبوی میں حلقے بنا کر قرآن یاد کیا کرتے تھے۔ اور یاد کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

غرض حفاظتِ قرآن سے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الٰہی ایسے حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہوکر رہا ہے جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب مخالفوں کے سر نیچے ہوگئے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا ایسا رہا ہے، جس نے قرآن کے علوم ومطالب کی حفاظت کی، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، اور حافظوں نے الفاظ وعبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیروزبر تبدیل نہ ہوسکا، کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کرڈالیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی، حتی کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ شمار کرڈالا، آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی گھڑی ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں لاکھوں

حفاظ قرآن موجود نہ رہے ہوں، خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرانا مشکل ہے، وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی بڑی کتاب، جو متشابہات سے پُر ہے، کس آسانی سے یاد کر لیتا ہے اور کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ کسی مجلس میں کسی بڑے باوجاہت عالم یا حافظ سے پڑھتے ہوئے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے، چاروں طرف سے تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والا غلطی پر قائم رہ سکے:

یہ وہ کتاب ہے جس کی کوئی مثال نہیں ۞ یہی کلام ہے، جس کو کبھی زوال نہیں

حافظِ قرآن کو حافظ کیوں کہا جاتا ہے؟

حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد عرصہ تک حافظِ قرآن کو ''قاری'' کہا جاتا تھا، جس کی جمع قُرَّاء ہے، یہ اصطلاح قرآنِ کریم کی سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ سے ماخوذ تھی، لیکن بعد میں جب قرآن کو زبانی حفظ کرنا اور اس کو تجوید کے ساتھ عمدگی سے پڑھنا الگ الگ ہو گیا اور دونوں کی جامع شخصیتیں باقی نہ رہیں تو ''قاری'' وہ لوگ کہلانے لگے جو قرآن پاک کو نہایت عمدگی سے پڑھتے ہیں، اور جن کو سارا قرآنِ کریم زبانی یاد ہوتا ہے، ان کو ''حافظ'' کہا جانے لگا۔ یہ نئی اصطلاح اسی آیت پاک سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس میں اللہ پاک نے وعدۂ حفاظت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ حافظون جمع ہے حافظ کی۔

یہ اصطلاح اس لئے مقرر کی گئی کہ عالم اسباب میں اللہ پاک قرآن کی حفاظت حافظوں (قرآن یاد کرنے والوں) کے ذریعہ فرماتے ہیں۔ یہ بات حافظوں کے لئے کتنی بڑی فضیلت ہے کہ وہ ایک وعدۂ الٰہی کی تکمیل کا ذریعہ بن رہے ہیں، اسی وجہ سے احادیث میں حفاظ کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، اور شریعت میں قرآن کا حفظ کرنا فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے یعنی ہر زمانے میں اتنے مسلمانوں پر قرآنِ پاک حفظ کرنا فرض ہے جس سے قرآن کی مکمل حفاظت ہو سکے۔ حافظون کو جمع لانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ایک دو حافظ کافی نہیں، پوری جماعت حافظوں کی ضروری ہے۔

قرآنِ پاک کا صرف ترجمہ شائع کرنا:

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ قرآن نہ صرف الفاظ کا نام ہے اور نہ صرف معانی کا، بلکہ دونوں کے مجموعے کو قرآن کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے کسی بھی زبان (اردو، انگریزی وغیرہ) میں قرآن پاک کا صرف ترجمہ شائع کرنا جائز نہیں، نہ اس کو قرآن نام دینا جائز ہے۔ قرآن کی حفاظت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صرف ترجمہ ہرگز شائع نہ کیا جائے۔

قرآنِ کریم اپنے اس دعوے میں بالکل منفرد ہے کہ یہ لفظ بہ لفظ کلامِ الٰہی ہے، آج روئے زمین پر کوئی بھی دوسری کتاب یہ دعوی نہیں کرسکتی

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے:	مِّنْ رَّسُوْلٍ	کوئی پیغمبر	فِیْ قُلُوْبِ	دلوں میں
اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے (پیغمبروں کو)	اِلَّا كَانُوْا	مگر تھے وہ	الْمُجْرِمِیْنَ (۴)	مجرموں کے
مِنْ قَبْلِكَ (۱)	آپ سے پہلے	بِهٖ	اس کا	لَا يُؤْمِنُوْنَ	(پس) نہیں ایمان
فِیْ شِیَعِ (۲)	گروہوں میں	يَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے		لائے گا وہ
الْاَوَّلِیْنَ	اگلے لوگوں کے	كَذٰلِكَ	اسی طرح	بِهٖ	اس (قرآن) پر
وَمَا	اور نہیں	نَسْلُكُهٗ (۳)	داخل کر رہے ہیں ہم	وَقَدْ	اور تحقیق
يَاْتِيْهِمْ	آیا ان کے پاس		اُس (انکار واستہزاء) کو	خَلَتْ	گذر چکا

(۱) **من قبلک**: متعلق ہے أرسلنا سے (۲) **شِیَعٌ**: اور اَشْیَاعٌ جمع ہیں شِیْعَۃٌ کی، جس کے معنی ہیں: فرقہ، گروہ **الجماعة المتفقة علی طریقة و مذهب** (روح) اس کے ثانوی معنی ہیں: اتباع وانصار اور الاولین کی طرف اس کی اضافت ہے، فرّاء کے نزدیک: موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اور بصری نحویوں کے نزدیک: موصوف محذوف ہے، تقدیرِ عبارت **فی شیع الأمم الأولین** ہے جار مجرور أرسلنا سے متعلق ہیں (۳) **سلک** (ن) لازم ومتعدی، معنی: چلایا، داخل کیا، یقال **سلکت الخیط فی الإبرة، والسنان فی المطعون أی: أدخلت** (روح) ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ہے، مرجع انکار واستہزاء ہے، الذکر (قرآن) کو مرجع قرار دینا صحیح نہیں، ورنہ کذلک کی تشبیہ کا کوئی مطلب نہیں رہے گا۔ حضرت انسؓ اور حسن بصریؒ نے شرک کو مرجع کہا ہے، اس سے بھی انکار واستہزاء کے مرجع ہونے کی تائید ہوتی ہے، **وتفریق الضمائر المتعاقبة علی الأشیاء المختلفة إذا دَلَّ الدلیل علیه لیس ببدع فی القرآن** (روح) (۴) **المجرمین** کا الف لام عہدی ہے، مراد مکہ شریف کے مجرمین ہیں جو اولین مخاطب ہیں۔

سُنَّةُ(1)	(اللہ تعالیٰ کا) دستور	مِّنَ السَّمَاۗءِ	آسمان کا	اِنَّمَا	(کہ) بس
الْاَوَّلِيْنَ	پہلوں کے ساتھ	فَظَلُّوْا(2)	پس ہو یں وہ (فرشتے)	سُكِّرَتْ(3)	بند کردی گئی ہیں
وَلَوْ	اور اگر	فِيْهِ	اس میں	اَبْصَارُنَا	ہماری آنکھیں
فَتَحْنَا	کھول دیں ہم	يَعْرُجُوْنَ	چڑھ رہے ہیں	بَلْ نَحْنُ	بلکہ ہم
عَلَيْهِمْ	ان پر	لَقَالُوْٓا	(تو بھی) ضرور کہیں	قَوْمٌ	لوگ ہیں
بَابًا	کوئی دروازہ		گے وہ	مَّسْحُوْرُوْنَ	جادو کئے ہوئے

یہ آیتیں پچھلے سلسلۂ کلام کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں، اور ان میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں: ایک حضور ﷺ کی تسلی اور دوسری مؤمنین کی تشفی۔

۱- تاریخی نظیروں سے نبی ﷺ کی تسکین وتسلی

پہلی بات: ایک مخلص اور قوم کی بھلائی کا خواہش مند مصلح، جب اُسی قوم کی طرف سے جس کی بہبودی میں وہ گھلا جاتا ہے، شدید مخالفت ومزاحمت دیکھتا ہے تو طبعاً اُسے سخت صدمہ پہنچتا ہے، چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر شفقت ہو! غور کرو! جب حضور اقدس ﷺ اپنی ہی قوم کی طرف سے تکذیب واستہزاء سنتے ہوں گے تو آپ کے دل پر کیا گذرتی ہوگی، اس لئے قرآنِ کریم بار بار آپ کی تسکین وتسلی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: —— اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے گذری ہوئی مختلف قوموں میں بھی ہم پیغامبر بھیج چکے ہیں، اور کوئی بھی رسول اُن کے پاس ایسا نہیں آیا جس کا انھوں نے مذاق نہ اڑایا ہو —— یعنی آپ مکہ والوں کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں، کیونکہ آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ منکرین، پیغامبروں کی تکذیب کرتے آئے ہیں، اور ان کا مذاق اڑاتے رہے ہیں —— ٹھیک اسی طرح ان مجرموں کے دلوں میں بھی ہم اس کا جذبہ ڈال رہے ہیں —— یعنی جس طرح گذشتہ قوموں کے دلوں میں ہم نے تکذیب واستہزاء ڈالی تھی اسی طرح آپ کے مخالفوں کے دلوں میں بھی ہم وہی جذبہ ڈال رہے ہیں، جس کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں

(۱) المراد عادة الله فيهم على أن الإضافة لأدنى ملابسة (روح) (۲) ظَلّ: کے معنی ہیں: کسی کام کو روز روشن میں کرنا، لاتقول العرب ظل يظل إلا لكل عمل عمل بالنهار (کبیر) يعبر به عما يفعل بالنهار (راغب) ظلوا کی ضمیر فاعل کا مرجع ملائکہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے یہی مرجع بیان فرمایا ہے: أى فظل الملائكة الذين اقترحوا إتيانهم يعرجون فى ذلك الباب وهم يرونهٔ على أتم وجه (روح) (۳) سكّر الباب: بند کرنا۔

ان مجرموں کے دلوں میں تکذیب واستہزاء کا یہ القاء بالکل اسی طرح ہے جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی کے تحت مسبب الاسباب کی طرف سے ہوتا رہتا ہے، نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزاء کسی درجہ میں بھی مطلوب ومقصود ہے۔

اور جب اِن مجرموں کے دلوں میں گذشتہ اقوام کی طرح، تکذیب واستہزاء کی عادت جاگزیں ہوگئی تو —— یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے —— پس آپ اُن کے ایمان نہ لانے کا افسوس نہ کریں اور مخالفانہ چالوں سے پریشان نہ ہوں، کیونکہ ان کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو ہمیشہ سے ایسے لوگوں کا ہوتا رہا ہے —— اور بالتحقیق گذر چکی ہے اگلے لوگوں کے ساتھ سنتِ الٰہی! —— یعنی ہمیشہ سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ سرکش ہلاک اور رسوا ہوئے ہیں اور انجام کار حق کا بول بالا ہوا ہے۔

۲- اگر کافروں کو ان کی مطلوبہ نشانی دکھائی جائے گی تو وہ اس کو نظر بندی یا جادو قرار دیں گے

دوسری بات: مسلمانوں نے جب کافروں کی طرف سے وہ مطالبہ سنا جس کا تذکرہ ساتویں آیت میں آیا ہے، تو ان کی دلی خواہش ہوئی کہ اگر ان کی یہ ضد پوری کردی جائے اور اُن کے سامنے فرشتوں کو لے آیا جائے تو کیا بعید ہے کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں[1] اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر ان کا یہ مطالبہ پورا کردیا جائے تب بھی وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشاد ہے: —— اور اگر اُن پر ہم آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، پھر فرشتے اس میں دن دہاڑے چڑھنے لگیں، تو بھی وہ لوگ یہی کہیں گے یہ صرف ہماری نظر بندی کی گئی ہے، بلکہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے —— یعنی اگر ان لوگوں کا یہ مطالبہ پورا کردیا جائے، اس طرح پر کہ ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے جس میں دن میں فرشتے اتریں چڑھیں، اور وہ لوگ ہوش وبیداری کے عالم میں، پوری روشنی کی حالت میں، یہ نظارہ دیکھیں تو بھی ان معاندین کی زبانیں خاموش نہیں ہوسکتیں، یہ اس میں بھی اپنی کٹ حجتی سے کوئی نہ کوئی انکار کا پہلو نکال لیں گے، مثلاً: کہیں گے کہ یہ فرشتوں کا آسمان میں چڑھنا اترنا جو ہمیں دکھائی دے رہا ہے، واقعہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ان صاحب نے ہماری نظر بندی کردی ہے، اس لئے ہمیں ایسا دکھائی دے رہا ہے۔ اور اگر کوئی ان سے کہے کہ نظر بندی تو تھوڑی دیر کے لئے ہوتی ہے وہ کوئی مستمر حالت نہیں ہوتی، اور تم تو فرشتوں کا اترنا چڑھنا برابر دیکھ رہے ہو تو وہ کہیں گے: ہم پر جادو کردیا گیا ہے، غرض رہے گی مرغ کی ایک ہی ٹانگ[2]

---

(۱) قال ابن جريج في قوله: ولو فتحنا عليهم بابا من السماء فظلّوا فيه يعرجون، قال: رجع إلى قوله: لوماتأتينا بالملائكة (الدرالمنثور) (۲) أخرج عبد الرزاق وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ←

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ؗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع ۲

وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے:	بُرُوْجًا (۱)	روشن ستارے	وَحَفِظْنٰهَا (۲)	اور محفوظ رکھا ہم نے اس کو
جَعَلْنَا	بنائے ہم نے	وَّزَيَّنّٰهَا (۲)	اور خوشنما بنایا ہم نے اس کو	مِنْ كُلِّ	ہر مردود (پھٹکارے
فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	لِلنّٰظِرِيْنَ	دیکھنے والوں کے لئے	شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ	ہوئے) شیطان سے

← ابن عباس فی قوله: ولو فتحنا علیهم بَابًا من السمآء فظلّوا فیه یعرجون یقول: ولو فتحنا علیهم باباً من السّماء فظلت الملائكة تعرج فیه یختلفون فیه ذاهبین وجائئین لقال أهل الشرک: إنما اخذت أبصَارنا وشبه علینا، وسحرنا (الدر المنثور)

(۱) بُروجٌ، بُرْجٌ کی جمع ہے، اس مادہ میں ظہور کے معنی ہیں، تَبَرَّجَتِ الْمَرْأَةُ: اجنبیوں کے سامنے آراستہ ہوکر نکلنا، الْبَارِجَةُ: بڑی جنگی کشتی، بَرَجَ الشیئ: ظاہر ہونا، بلند ہونا۔ بَرِجَتْ عَیْنُهٗ آنکھ کا سیاہ اور کشادہ ہونا، خوبصورت ہونا—— ستون، قلعہ، محل، منارہ اور گنبد چونکہ ظاہر ہوتے ہیں، دور سے نظر آتے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کو اَلْبُرْج کہا جانے لگا۔ سورۃ النساء (آیت ۷۸) میں محل اور قلعہ کے معنی ہیں: ﴿وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ —— آسمانی برجوں کا قرآنِ کریم میں تین جگہ ذکر آیا ہے: ایک یہاں، دوسرے سورۃ الفرقان (آیت ۶۱) میں اور تیسرے سورۃ البروج (آیت ۱) میں، ان آسمانی برجوں سے کیا مراد ہے؟ ایک مفسر کہتے ہیں کہ اس سے مراد فضائے بسیط کے وہ غیر مرئی خطے ہیں، جو مستحکم سرحدوں سے گھرے ہوئے ہیں، جنھیں پار کرکے ایک خطے سے دوسرے خطہ میں جانا سخت مشکل ہے۔ غالباً ان صاحب نے سورۃ النساء کی (آیت ۷۸) کے قرینے سے یہ معنی سمجھے ہیں، یعنی اُس آیت میں بُرُجٌ کے معنی یقیناً قلعہ کے ہیں اور چونکہ آسمان میں قلعے نہیں، ←

إِلَّا	مگر	فِيهَا	اس میں	إِلَّا	مگر
مَنِ	جو	مِن كُلِّ شَيْءٍ	ہر مناسب چیز	عِندَنَا	ہمارے پاس (ہیں)
اسْتَرَقَ[۱]	چوری چھپے	مَّوْزُونٍ	میں سے	خَزَائِنُهُ	اس کے خزانے
السَّمْعَ	سن لے	وَجَعَلْنَا	اور بنائی ہم نے	وَمَا	اور نہیں
فَأَتْبَعَهُ	تو پیچھا کرتا ہے اس کا	لَكُمْ	تمہارے لئے	نُنَزِّلُهُ	اتارتے ہیں ہم اس کو
شِهَابٌ	شعلہ	فِيهَا	اس میں	إِلَّا	مگر
مُّبِينٌ	روشن	مَعَايِشَ[۳]	معیشت	بِقَدَرٍ	باندازہ
وَالْأَرْضَ	اور زمین (کو)	وَمَن[۴]	اور (اُن کے لئے) جن کو	مَّعْلُومٍ	مقرر
مَدَدْنَاهَا	پھیلایا ہم نے	لَّسْتُمْ	نہیں ہو تم	وَأَرْسَلْنَا	اور چلائیں ہم نے
وَأَلْقَيْنَا	اور ڈالے ہم نے	لَهُ	ان کو	الرِّيَاحَ	ہوائیں
فِيهَا	اُس میں	بِرَازِقِينَ	روزی پہنچانے والے	لَوَاقِحَ[۵]	باردار کرنے والی
رَوَاسِيَ[۲]	مضبوط پہاڑ	وَإِن	اور نہیں ہے	فَأَنزَلْنَا	پس برسایا ہم نے
وَأَنبَتْنَا	اور اگائی ہم نے	مِن شَيْءٍ	کوئی بھی چیز	مِنَ السَّمَاءِ	آسمان سے

← لہٰذا ثانوی معنی ''محفوظ خطے'' بنالئے، حالانکہ قلعہ اور محل خود اس لفظ کے ثانوی معنی ہیں، اس سے تیسرے معنی پیدا نہیں ہوسکتے، ثانوی درجے کے تمام معانی اصلی معنی سے ماخوذ ہوا کرتے ہیں — بلکہ آسمانی بروج سے مراد بڑے بڑے روشن ستارے ہیں، جو زینت سماء ہیں اور بحر و بر کی ظلمتوں میں انسانوں کی راہ نمائی کرتے ہیں، حضرت مجاہد، قتادہ اور ابو صالح رحمہم اللہ سے یہی معنی مروی ہیں (درمنثور) علاوہ ازیں سورۃ الفرقان (آیت ٦١) میں بُرُوج کے معنی ''روشن ستارے'' متعین ہیں، دوسرے معنی ممکن نہیں، کیونکہ ان کے بعد چراغ (آفتاب) اور نورانی چاند کا ذکر ہے، لہٰذا معنی کی تعیین کے لئے اسی کو قرینہ بنانا چاہئے — روشن ستاروں کو بُرُوج اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے، جس مناسبت سے ستون، قلعہ، محل، مینارہ اور گنبد کو بُرُوج کہا جاتا ہے۔ (۲) ضمیر ھا راجع ہے السَّمَاء کی طرف۔

(۱) اِسْتَرَقَ السَّمْعَ: چھپ کر سننا، سن گن لینا (۲) رَوَاسِيَ جمع ہے رَاسِيَةٌ کی، مضبوط پہاڑ، مادہ رَسَا يَرْسُوْ رَسْوًا: ٹھہرنا، ثابت ہونا (۳) مَعَايِشَ جمع ہے مَعَاش اور مَعِيشَةٌ کی، اور معنی ہیں کھانے پینے کی وہ چیزیں جن پر زندگی بسر ہوسکے (۴) مَنْ کا عطف لَكُمْ کی ضمیر مجرور كُمْ پر ہے، حرف جر کا اعادہ کئے بغیر یونس، اخفش وغیرہ کوفی نحات کے نزدیک عطف جائز ہے (۵) لَوَاقِح جمع ہے لَاقِحٌ کی جس کے معنی ہیں: بادلوں کو باردار کرنے والی ہوا، رِيْحٌ لَاقِحٌ وہ ہوا ہے، جس سے درخت باردار ہوجائیں۔

مَآءً	پانی	لَنَحْنُ	البتہ ہم ہی	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ (۱)	پس پلایا ہم نے تمہیں	نُحْيٖ	جلاتے ہیں	عَلِمْنَا	جانتے ہیں ہم
	اس کو	وَنُمِيْتُ	اور مارتے ہیں	الْمُسْتَاْخِرِيْنَ (۳)	پیچھے رہنے والوں کو
وَمَآ	اور نہیں (تھے)	وَنَحْنُ	اور ہم	وَاِنَّ رَبَّكَ	اور بیشک آپ کے رب
اَنْتُمْ	تم	الْوٰرِثُوْنَ	وارث (ہیں)	هُوَ	وہ
لَهٗ	اس کا	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	يَحْشُرُهُمْ	اکٹھا کریں گے ان کو
بِخٰزِنِيْنَ	ذخیرہ (اسٹاک)	عَلِمْنَا	جانتے ہیں ہم	اِنَّهٗ	یقیناً وہ
	کرنے والے	الْمُسْتَقْدِمِيْنَ (۲)	آگے ہونے والوں کو	حَكِيْمٌ	حکمت والے
وَاِنَّا	اور بے شک ہم	مِنْكُمْ	تم میں سے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

تین آفاقی نشانیاں فرشتوں کو لے آنے سے بھی اہم ہیں

تیسری آیت میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ منکرین کو چھوڑ دو (کھائیں پیئیں) اور مزے اڑائیں اور امیدیں انھیں غفلت میں ڈالے رہیں، عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا! —— کب پتہ چلے گا؟ اس وقت جبکہ پروردگار عالم اُن سب کو میدانِ حشر میں جمع کریں گے۔ موجودہ پورے رکوع کی گفتگو کا حاصل اور نچوڑ یہی ہے —— علاوہ ازیں ساتویں آیت میں منکرین کا یہ مطالبہ بھی آیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟ اس رکوع میں انہیں بتایا جارہا ہے کہ تمہارے گردوپیش پھیلی ہوئی کائنات میں غور کرو، فرشتوں سے بھی اہم دلائل اور روشن نشانیاں ان میں موجود ہیں، قرآن پاک تین بہت ہی اہم نشانیاں پیش کرتا ہے:

پہلی نشانی: جگمگاتی، بے حد خوشنما فضائی کائنات۔ ارشاد ہے: —— اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ ہم نے آسمان میں روشن ستارے بنائے ہیں —— آسمان میں یعنی آسمان سے نیچے فضائے بسیط میں، جسے خلا کہا جاتا ہے، سماء کا اطلاق دونوں معنی میں مشہور ہے، جِرمِ آسمان کو بھی سماء کہا جاتا ہے اور آسمان سے نیچے جو فضا ہے اس کو بھی سماء سے تعبیر کیا جاتا ہے —— اور اس کو دیکھنے والوں کے لئے خوشنما بنایا ہے —— یعنی دیکھو، روشن ستاروں کی وجہ سے آسمان کتنا خوشنما نظر آتا

(۱) اَسْقٰی اِسْقَاءً: سیراب کرنا، پلانا، اَسْقَيْنٰكُمُوْهُ میں تین ضمیریں ہیں: ایک نا ضمیر جمع متکلم جو فاعل ہے، دوسری کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر جو مفعول اول ہے، اور تیسری ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب جو مفعول ثانی ہے (۲) اِسْتَقْدَمَ الْقَوْمَ: آگے کو بڑھ جانا اَلْمُسْتَقْدِمُ اسم فاعل ہے (۳) اِسْتَاْخَرَ الرَّجُلُ: پیچھے رہنا، اَلْمُسْتَاْخِرُ: اسم فاعل ہے۔

ہے، رات کے وقت پوری کائنات کس طرح جگمگاتی ہے —— آسمان گرد وغبار سے صاف ہو تو پانچ ہزار ستارے خالی آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں، اور معمولی دوربینوں سے دیکھا جائے تو یہ تعداد بیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور وقت کی سب سے بڑی دوربین جو ماؤنٹ پیلومر پر لگی ہوئی ہے، اس سے اربوں ستارے نظر آتے ہیں، مگر یہ تعداد بھی اصل تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے —— رات کے وقت ان بے شمار ستاروں سے آسمان دیکھنے والوں کو کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے! اور غور کرنے والوں کے لئے اس میں کتنی نشانیاں پائی جاتی ہیں؟ آسمان سے فرشتے اُتارنے یا ان کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں، اگر انسان ماننا چاہے تو یہ کائنات خود خدا کی گواہی دیتی ہے۔

یہ روشن ستارے اور چمکدار تارے، نہ دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ، بلکہ مخلوق خداوندی اور زینت سماوی ہیں اور انسانوں کے لئے سامانِ عبرت

اور اس کو تمام مردود شیاطین سے محفوظ رکھا ہے —— یعنی آسمانوں تک شیاطین کی پہنچ نہیں، وہاں پر ان کا کوئی عمل دخل نہیں —— جس طرح دوسری زمینی مخلوقات زمین کے علاقے میں مقید ہیں، اس کی حدود سے باہر نہیں جاسکتیں، اسی طرح شیاطین بھی اِسے خطے میں مقید ہیں، اور اس کی سرحدوں سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے —— رہا تخلیقِ آدم کے وقت ابلیس کا آسمانوں میں ہونا، اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دھوکہ دینا، تو یہ سب آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے کے واقعات ہیں، اس وقت تک جنات وشیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا، بلکہ خود انسان بھی جنت میں تھا۔ یہ پابندی نزول آدم علیہ السلام اور اخراج شیطان کے بعد لگی ہے —— اب شیاطین کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک سلسلہ قائم کرکے فضا میں پہنچتے ہیں، وہاں آسمانوں سے نیچے جہاں بادل ہیں، فرشتے آسمانی خبروں کا باہم تذکرہ کرتے ہیں، شیاطین چھپ کر یہ خبریں سنتے ہیں، ارشاد ہے: — مگر یہ کہ کوئی چوری چھپے سن لے، تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے —— اور وہ اس کو زخمی یا ہلاک کردیتا ہے —— شیاطین اپنے دوستوں کو، کاہنوں، جوگیوں اور فقیر نما عاملوں کو غیب کی خبریں لاکر دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کے لئے ایک سلسلہ قائم کرکے فضاء میں دور تک جاتے ہیں، وہاں بادلوں میں فرشتے تکوینی امور کا مذاکرہ کرتے ہیں، شیاطین یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان تکوینی انتظامات کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں، مگر جونہی کوئی بات ان کے پلے پڑتی ہے کہ ایک روشن شعلہ ان کا تعاقب کرتا ہے اور بات چرانے والے کو زخمی یا ہلاک کرکے رکھ دیتا ہے، مگر شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک آدھ بات جو ان کے ہاتھ لگی ہے، وہ ہلاک ہونے سے پہلے، عجلت کے ساتھ، دوسرے شیاطین کو، اور وہ ان سے نیچے والے شیاطین کو پہنچادیں —— اس ہنگامۂ دار وگیر میں

اگر کوئی بات شیاطین کے پلے پڑجاتی ہے تو وہ اسے اپنے دستوں کو پہنچاتے ہیں، جو اس میں سینکڑوں جھوٹ ملا کر چلتی کرتے ہیں اور عوام میں اپنی غیب دانی کا ڈھونگ رچاتے ہیں، پھر جب وہ ایک آدھ بات سچی نکلتی ہے تو اس کے معتقدین اُسے اُن کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں باتیں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں، ان کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔

''روشن شعلے'' سے مراد یہی ''شہاب ثاقب'' ہیں جو ہماری اصطلاح میں ''ٹوٹنے والے تارے'' کہے جاتے ہیں۔ مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں تشریف فرماتے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا، آپؐ نے پوچھا: زمانۂ جاہلیت میں تم اِسے کیا سمجھتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا: ہم یہ سمجھتے تھے کہ یا تو دنیا میں کوئی بڑا حادثہ ہونے والا ہے، یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے، اِس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ شیاطین کو ہٹانے کے لئے ہیں —— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت آنکھوں سے نظر آنے والے ''ٹوٹتے تارے'' وہ ''روشن شعلے'' ہیں جن کا اس آیت پاک میں ذکر ہے۔

دوسری نشانی: زمین کا پھیلانا، اُس پر پہاڑوں کا قائم کرنا اور زمین سے تمام مناسب چیزیں اگانا ہے۔ ارشاد ہے:

—— اور ہم نے زمین کو پھیلایا —— زمین گیند کی طرح گول ہے، مگر خدا کی حکمت کے قربان جایئے کہ انھوں نے اس کو اس طرح پھیلایا ہے کہ کوئی آنکھ اس کی گولائی محسوس نہیں کرتی، ہر شخص آخری نظر تک اس کو پھیلا ہوا پاتا ہے، وہ ہر طرف ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح نظر آتی ہے، اگر اس کے پھیلاؤ کی یہ حالت نہ ہوتی تو وہ تمام زمینی خصوصیات ظہور میں نہ آتیں، جو انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہیں، اگر اس کا حجم کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہوتی، مثلاً کرۂ زمین، اگر چاند جتنا چھوٹا ہوتا یعنی اس کا قطر موجودہ قطر کی بہ نسبت چوتھائی ہوتا، تو اس کی کشش موجودہ کشش کا چھٹا حصہ رہ جاتی، اور کشش کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ زمین اپنے اوپر پانی اور ہوا کو روک نہ سکتی، جیسا کہ حجم کی اسی کمی کی وجہ سے چاند کی صورتِ حال ہے، چاند پر اس وقت نہ پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کرہ، ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے، رات کے وقت وہ بے حد سرد ہوجاتا ہے اور دن کے وقت تنور کی طرح جلنے لگتا ہے، یہی حال زمین کا بھی ہوکر رہ جاتا جب اس کا درجۂ حرارت چڑھتا تو انتہائی حد تک چڑھ جاتا، اور گرتا تو انتہائی حد تک گر جاتا —— اسی طرح اگر زمین موجودہ مقدار سے دوگنی ہوتی تو اس کی کشش بھی دوگنی ہوجاتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا کرہ جو اس وقت زمین کے اوپر پانچ سو میل کی بلندی تک پایا جاتا ہے وہ بہت نیچے تک سمٹ جاتا اور اس کے دباؤ میں فی مربع انچ پندرہ تا تیس پونڈ کا اضافہ ہوجاتا، جس کا ردعمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوتا —— اور اگر زمین سورج کے بقدر بڑی ہوتی[1] تو اس کی

(۱) سورج کا قطر آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے ۱۲

کشش ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی اور ہوا کا کرہ پانچ سو میل سے گھٹ کر صرف چار میل رہ جاتا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک جا پہنچتا۔ اس غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے زندہ اجسام کا نشوونما ممکن نہ رہتا، ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس پونڈ ہوجاتا اور انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہوجاتا —— اے اللہ آپ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کون پاسکتا ہے، آپ نے جو چیز بنائی ہے خوب بنائی ہے، اور آپ کا ارشاد کس قدر سچا ہے کہ: ﴿ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴾ (الذاریات ۴۸) ''اور ہم نے زمین کو فرش کے طور پر بچھایا، سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں!'' یعنی اس میں کیسے کیسے منافع رکھے ہیں!

اور اس میں مضبوط پہاڑ ڈالے —— تاکہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہو، سورۂ لقمان کی دسویں آیت میں پہاڑوں کی یہی حکمت بیان ہوئی ہے —— یعنی پہاڑ، حکمت تکوینی میں زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ہیں، گویا زمین سمندری گہرائیوں اور پہاڑی بلندیوں کے ذریعے اپنے توازن کو برقرار رکھتی ہے —— پہاڑوں کی اس حیثیت کے بارے میں انسانی علم ماضی قریب تک نہ کے برابر تھا، مگر اب جغرافیہ والے اس سے آشنا ہوچکے ہیں، اگرچہ اس سلسلہ میں ابھی انسان کا علم ابتدائی منزل میں ہے۔

اور اس میں تمام مناسب چیزیں اگائیں —— مَوْزُوْنٌ کے معنی ہیں: وزن کی ہوئی، نپی تلی، مقدار متعین، نحوی ترکیب میں یہ شیئ کی صفت ہوسکتا ہے اور کُلّ کی بھی۔ پہلی صورت میں آیت پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ زمینی پیداوار حیرت انگیز طور پر موزوں اور مناسب ہے، جو چیز جتنی مقدار میں مطلوب اور مفید ہے اور جس علاقے میں جو چیز مناسب ہے بس اللہ پاک نے اتنی ہی مقدار اور وہاں وہی چیز اگائی ہے، حالانکہ نباتات کی ہر نوح میں بڑھنے کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے کو بڑھنے کا موقع دیا جائے تو چند سال میں روئے زمین پر بس وہی وہ نظر آئے، مگر یہ صانع حکیم کی کاریگری ہے کہ ہر نوع کی پیداوار ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے اور جس ملک کے لئے جو چیز مناسب ہوتی ہے وہاں وہی چیز پیدا ہوتی ہے۔

اور اگر موزون کو کُلّ کی صفت بنایا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام نباتات کو صانع حکیم نے ایک خاص تناسب سے پیدا کیا ہے، ہر چیز اپنی نوعیت، کمیت اور کیفیت میں جچی تلی ہے، جس سے کبھی باہر نہیں جاسکتی، گیہوں کا ایک دانہ لے لو، پھول کی کوئی پنکھڑی توڑ لو، گھاس کی کوئی پتی سامنے رکھ لو اور خدا کی دقیقہ سنجی دیکھو، ہر چیز کی ضخامت کا ایک اندازہ ہے، شکل وصورت، رنگت، خوشبو اور مزے کا ایک معیار ہے اور وہ قطعی ہے، دائمی اور اٹل ہے، گویا مٹی کے ایک ایک ذرے میں ترازو رکھ دیا گیا ہے کہ جو پتی اور جو پھول اگتا ہے، نہایت موزوں اور جچا تلا ہوتا ہے۔

اوراس میں تمہارے لئے اوراُن (جانداروں) کے لئے جن کو تم روزی پہنچانے والے نہیں: ہم نے سامانِ معیشت بنایا —— زمین پر پھیلے ہوئے دوارب سے زیادہ انسانوں کا تناسب، دوسرے جانداروں سے، جو اسی زمین پر بودوباش رکھتے ہیں، آٹے میں نمک کے تناسب سے بھی کم ہے، اللہ کی اس مخلوق کا شمار و حساب بس وہی جانتے ہیں، کوئی نہیں ہے جو ان کو حد شمار میں لا سکے، ان سب کی روزی کی ذمہ داری ان کے خالق و مالک پر ہے، انھوں نے سب کی معیشت کا سامان اسی زمین میں رکھ دیا ہے اور کوئی نہیں جسے ایک وقت کا بھی فاقہ کرنا پڑتا ہو، پرندے صبح جب اپنے گھونسلوں سے روزی کی تلاش میں اڑتے ہیں تو کبھی انہیں ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا، وہ ہمیشہ شام کے وقت اپنے گھونسلوں کی طرف شاد کام لوٹتے ہیں، فاقہ مستی سے صرف انسانوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے یا ان جانداروں کو اس کا مزہ چکھنا پڑتا ہے جن کی رزق رسانی میں انسان کا اختیار اور عمل دخل ہے، اور اس میں اللہ پاک کی حکمتیں ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ پاک کے خزانوں میں کچھ کمی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہر چیز کے ہمارے پاس بے شمار خزانے ہیں، مگر ہم ان کو مقررہ اندازے ہی سے اُتارتے ہیں —— سبحان اللہ! خدا کے یہاں کمی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟ مگر یاد رکھنا چاہئے، وہ حکیم بھی ہیں، ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین مقدار سے عطا فرماتے ہیں، وہ پروردگار اور پالنہار بھی ہیں، اور جس طرح بچے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو پیسے ہوتے ہوئے بھی اس کو نہیں دیتے، اسی طرح اللہ پاک کچھ بندوں کی روزی تنگ فرمادیتے ہیں جو بندوں کے حق میں سراسر خیر ہوتی ہے، اسی طرح وہ بندوں کی نامناسب حرکتوں پر تنبیہ کرنے کے لئے بھی ان کی روزی تنگ کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں ہیں جن کا انسان احاطہ نہیں کر سکتا۔

تیسری نشانی: قدرت کا نظام آب رسانی ہے، جس کے ذریعے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں جانوروں، چرندوں، پرندوں اور درندوں کو ہر جگہ اور ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے، دھونے اور کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے کے لئے بلا کسی قیمت کے پانی مل جاتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— ہم نے باردار کرنے والی ہوائیں چلائیں، پھر آسمانوں سے ہم نے پانی برسایا، پھر وہ تمہیں پلایا، اور تم اُسے اسٹاک کر کے رکھنے والے نہیں ہو —— اللہ تعالیٰ کا نظام آبِ رسانی دیکھئے، پہلے سمندر سے بھاپ اُٹھتی ہے، وہ پانی کے ذروں سے باردار ہو کر یعنی اپنے اندر پانی کے ذرے لے کر بلندی کی طرف چڑھتی ہے، وہاں بلندی پر ابر کی چادریں بنتی ہیں اور فضا میں پھیلتی رہتی ہیں، پھر ہوائیں انہیں ہانک کر حکم خداوندی کے مطابق لے چلتی ہیں، پھر وہ وہ چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرے کو، زمین پر بسنے والے ہر متنفس کو شاداب و سیراب کر دیتی ہے، اس طرح ہر کسی کو پانی گھر بیٹھے مل جاتا ہے۔

پھر جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر انسانوں، جانوروں، درختوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے میں

کام آجاتا ہے، باقی پانی کا کچھ حصہ کھلے تالابوں اور جھیلوں میں محفوظ ہوجاتا ہے، جس سے چرند وپرند اور انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور زیادہ حصہ بچے ہوئے پانی کا زمین کے مسامات میں اتر جاتا ہے اور زیر زمین پائپ لائنوں کے ذریعے ہر طرف رواں دواں رہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے —— اس کے علاوہ رحمت خداوندی کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ بارش صرف ہموار زمین اور آبادعلاقوں ہی میں نہیں ہوتی، بلکہ وہ بڑی مقدار میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی برستی ہے، جہاں سے ندی نالے اور بڑی بڑی آبشاریں اور دریا پھوٹ نکلتے ہیں، جن سے تمام زمینی مخلوقات فیض یاب ہوتی ہے —— اس کے علاوہ اللہ پاک ارحم الراحمین پانی کا بہت بڑا حصہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں لاد دیتے ہیں، جہاں نہ گردوغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی، پھر وہ برف تھوڑا تھوڑا رِس کر پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہوجاتا ہے اور کہیں چشموں کی صورت میں، کہیں آبشاروں کے روپ میں اور کہیں دریاؤں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور زیادہ حصہ زمین کی تہہ میں انسانی رگوں کی طرح بہتا رہتا ہے، جسے لوگ حسب ضرورت کنویں کھود کر کام میں لاتے ہیں۔

پروردگار عالم کے نظام آب رسانی میں ایک عجیب وغریب بات یہ بھی ہے کہ وہ سمندری پانی کے ذائقے میں تبدیلی کردیتے ہیں، سمندر کا پانی حکمت خداوندی نے انتہائی کھارا اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ اربوں کھربوں ٹن نمک اس سے نکالا جاتا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ سمندری جانور جو اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں، اور زمین کی گندگی جو بارش کے پانی سے ڈھل کر اسی میں پہنچتی ہے وہ سمندر کی تیزابی شوریت میں بھسم ہوجاتی ہے، اگر سمندر کا پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا اور اس کی بدبو اتنی تیز ہوتی کہ خشکی میں رہنے والے جانداروں کی زندگی دوبھر ہوجاتی، اس حکمت کی بناء پر پروردگار عالم نے سمندر کا پانی کھارا بلکہ تلخ بنایا ہے، جو نہ پیا جاسکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، مگر نظام قدرت نے بارش کے پانی میں ایسا انقلاب رونما کردیا کہ اس سے نمک علاحدہ ہوکر وہ نہایت شریں پانی ہوگیا، قربان جائیے خدا کی رحمتوں کے، ان کی حکمتوں کے، ان کی کرشمہ سازیوں کے اور ان کی مخلوق پروری کے، سچ ہے اگر وہ آب رسانی کا یہ نظام نہ بناتے تو انسان اپنی ضرورت کا پانی ذخیرہ کرکے نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ کہاں سے اتنی ٹنکیاں لاتا، اور کہاں اتنے برتن رکھتا اور کس طرح وہ اتنا پانی اسٹاک کرتا کہ اس کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہوجائے، اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو چند روز کے بعد وہ پانی سڑ جاتا اور پینے کے قابل نہ رہتا۔

خلاصۂ گفتگو:

حاصل بحث ارشاد فرماتے ہیں: —— اور یقیناً ہم ہی پیدا کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ ہم تم میں سے آگے ہونے والوں کو جانتے ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم پیچھے رہنے والوں کو

بھی جانتے ہیں، اور آپ کے پروردگار سبھی کو یقیناً اکٹھا کریں گے وہ بالیقین بڑی حکمت والے، خوب علم رکھنے والے ہیں۔

یعنی جس طرح ہم نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا ہے اسی طرح لوگوں کی زندگی اور موت کے لئے اور قوموں کے تقدم وتاخر کے لئے بھی اندازہ مقرر کیا ہے، ہر وہ انسان جو پیدا ہوتا ہے اپنے مقررہ اندازے کے مطابق پیدا ہوتا ہے اور ہر وہ انسان جو مرتا ہے وہ مقررہ اندازے کے مطابق مرتا ہے، سب کو اللہ پاک ہی جلاتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں، اور بالآخر سب کو ختم ہوجانا ہے اور باقی رہنے والی ذات صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی ذات ہے۔ اور وہ اس کا پورا علم رکھتے ہیں کہ کون پہلے ہونے والوں میں سے ہے اور کون پیچھے آنے والوں میں سے ہے، اور ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ پروردگار عالم اگلے پچھلے تمام انسانوں کو جزائے عمل کے لئے اپنے حضور جمع فرمائیں گے، کوئی متنفس ان سے چھوٹ نہیں سکتا، اور اگلے پچھلے انسانوں کی خاک کا کوئی ذرہ ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، وہ حکیم وعلیم ہیں، ممکن نہیں کہ انھوں نے انسان کے اعمال کے لئے کوئی بدلہ نہ ٹھہرایا ہو، یا انسان کا کوئی عمل ان سے پوشیدہ رہ جائے۔

جو شخص حیاتِ اخروی کو مستبعد سمجھتا ہے وہ اللہ پاک کی صفتِ حکمت سے بے خبر ہے، اور جو شخص حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ: ''جب ہماری خاک کا ذرّہ ذرّہ منتشر ہوجائے گا تو ہم کیسے دوبارہ پیدا کئے جائیں گے؟'' وہ اللہ کی صفتِ علم سے ناواقف ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ

اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ ع

وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق	رَبُّكَ	تیرے پروردگار نے	مِنۡ رُّوۡحِىۡ	میری روح میں سے
خَلَقۡنَا	پیدا کیا ہم نے	لِلۡمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	فَقَعُوۡا (۶)	تو گر پڑو تم
الۡاِنۡسَانَ	انسان (آدم) کو	اِنِّىۡ	بے شک میں	لَهٗ	اس کے سامنے
مِنۡ صَلۡصَالٍ (۱)	کھنکھناتی مٹی سے	خَالِقٌ	پیدا کرنے والا ہوں	سٰجِدِيۡنَ	سجدہ کرتے ہوئے
مِّنۡ حَمَاٍ (۲)	سیاہ کیچڑ (گارے) کے	بَشَرًا	آدمی کو	فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ	سو سجدہ کیا فرشتوں نے
مَّسۡنُوۡنٍ (۳)	سنے ہوئے (بدبودار) سے	مِنۡ صَلۡصَالٍ	کھنکھناتی مٹی سے	كُلُّهُمۡ	سب نے
وَالۡجَآنَّ (۴)	اور جنوں کو	مِّنۡ حَمَاٍ	سنے ہوئے	اَجۡمَعُوۡنَ	ایک ساتھ
خَلَقۡنٰهُ	پیدا کیا ہم نے ان کو	مَّسۡنُوۡنٍ	گارے سے	اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ	سوائے ابلیس کے
مِنۡ قَبۡلُ	پہلے (انسان) سے	فَاِذَا	تو جب	اَبٰىٓ	انکار کیا اس نے
مِنۡ نَّارِ	آگ سے	سَوَّيۡتُهٗ	اچھی طرح بنالوں میں	اَنۡ يَّكُوۡنَ	کہ ہو وہ
السَّمُوۡمِ (۵)	لو (کی)		اسے	مَعَ السّٰجِدِيۡنَ	سجدہ کرنے والوں کے
وَاِذۡ	اور (وہ وقت یاد کرو) جب	وَنَفَخۡتُ	اور پھونک دوں میں		ساتھ
قَالَ	فرمایا	فِيۡهِ	اس میں	قَالَ	فرمایا

(۱) الصَلۡصَال: کھنکھانے والی خشک مٹی صَلۡصَلَ الۡحُلِيُّ: زیور سے آواز نکلنا (۲) الحَمَأ و الحَمأةُ: کیچڑ، حَمَأَ (ف) البئر: کنویں سے کیچڑ نکالنا (۳) مَسۡنُوۡنٌ: اسم مفعول ہے سَنَّ (ن) السُّنَّةَ: طریقہ مقرر کرنا، حَمَأٌ مَسۡنُوۡنٌ: راستے کا کیچڑ، وہ گارا جس پر لوگ عرصہ تک چلتے رہے ہوں، ایسا گارا بدبودار ہوجاتا ہے اور سڑ جاتا ہے (۴) اَلۡجَانَّ: اسم جمع ہے جن کی (۵) السَّمُوۡم: گرم ہوا، لو (۶) قعُوا: امر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر، وقوع سے جس کے معنی ہیں گر پڑنا، قَعُوۡا کی اصل اِوۡقَعُوۡا ہے۔

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
يٰٓاِبْلِيْسُ	اے ابلیس	قَالَ رَبِّ	بولا پروردگار!	مِنْهُمُ	ان میں سے
مَا لَكَ	کیا سبب بنا تیرے لئے	فَاَنْظِرْنِيْٓ	آپ مہلت دیں مجھے	الْمُخْلَصِيْنَ	چنے ہوئے
اَلَّا[1]	کہ نہ	اِلٰى يَوْمِ	اس دن تک (کہ)	قَالَ	فرمایا
تَكُوْنَ	ہوا تو	يُبْعَثُوْنَ	زندہ کئے جائیں گے وہ	هٰذَا	یہ
مَعَ السّٰجِدِيْنَ	سجدہ کرنے والوں کے	قَالَ	فرمایا	صِرَاطٌ	راستہ (ہے)
	ساتھ	فَاِنَّكَ	پس بے شک تو	عَلَيَّ	میرا
قَالَ	بولا	مِنَ	مہلت دیئے ہوؤں	مُسْتَقِيْمٌ	سیدھا
لَمْ اَكُنْ	نہیں تھا میں	الْمُنْظَرِيْنَ	میں سے (ہے)	اِنَّ عِبَادِيْ	بیشک میرے بندے
لِّاَسْجُدَ[2]	کہ سجدہ کرتا	اِلٰى يَوْمِ	اس دن تک	لَيْسَ لَكَ	نہیں ہے تیرے لئے
لِبَشَرٍ	کسی آدمی کو	الْوَقْتِ	(جس کا) وقت	عَلَيْهِمْ	اُن پر
خَلَقْتَهٗ	جسے آپ نے پیدا کیا ہے	الْمَعْلُوْمِ	معلوم ہے	سُلْطٰنٌ	کچھ زور
مِنْ صَلْصَالٍ	کھنکھناتی مٹی سے	قَالَ رَبِّ	بولا پروردگار	اِلَّا	مگر
مِّنْ حَمَاٍ	سنے ہوئے	بِمَآ[3]	آپ کے بدراہ کرنے	مَنِ	جو
مَّسْنُوْنٍ	گارے سے	اَغْوَيْتَنِيْ	کی وجہ سے مجھ کو	اتَّبَعَكَ	پیروی کرے تیری
قَالَ	فرمایا	لَاُزَيِّنَنَّ	ضرور مزین کرونگا میں	مِنَ الْغٰوِيْنَ	گمراہ ہونے والوں میں سے
فَاخْرُجْ	پس نکل تو	لَهُمْ	ان کے لئے	وَاِنَّ	اور یقیناً
مِنْهَا	اس سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	جَهَنَّمَ	جہنم
فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ	یقیناً تو مردود ہے	وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ	اور ضرور بہکاؤں گا	لَمَوْعِدُهُمْ[4]	ان کی وعدہ کی (مقررہ
وَّاِنَّ عَلَيْكَ	اور بے شک تجھ پر		میں ان کو		جگہ) ہے
اللَّعْنَةَ	لعنت (ہے)	اَجْمَعِيْنَ	سب کو	اَجْمَعِيْنَ	سب کی
اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ	جزاء کے دن تک	اِلَّا عِبَادَكَ	مگر آپ کے بندے	لَهَا	اس کے لئے

(۱) اصل میں دو لفظ ہیں: أَنْ اور لا باہم ادغام ہوا ہے (۲) لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ (۳) با سببیہ ہے اور مَا مصدریہ ہے
(۴) مَوْعِدٌ: ظرف مکان ہے وعدے کی جگہ، ٹھکانہ۔

سَبۡعَةُ	سات	لِكُلِّ بَابٍ	ہر دروازے کے لئے	جُزۡءٌ	حصہ (ہے)
اَبۡوَابٍ	دروازے (ہیں)	مِّنۡهُمۡ	ان میں سے	مَّقۡسُوۡمٌ	تقسیم کیا ہوا

آفاقی نشانیوں کے بعد انفسی نشانیوں کا تذکرہ

پچھلے رکوع میں آفاقی دلائل یعنی انسان کی باہر کی دنیا میں پائے جانے والے دلائل اور نشانیوں کا تفصیلی بیان تھا، اب اس رکوع میں انفسی دلائل ہیں، یعنی اپنے اندر کی دنیا میں غور کرو، خود اپنی پیدائش، اپنی اصل، اپنا مقام ومرتبہ، اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچانو۔ موجودہ آیات میں انسانی زندگی کی بالکل ابتدائی حالت کی طرف کچھ اس انداز سے اشارہ فرمایا ہے، جسے سن لینے کے بعد یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتی ہے کہ حیات اُخروی ذرا بھی مستبعد نہیں، ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ تمہارے پیچھے ایک ایسا دشمن لگا ہوا ہے جو کبھی تم سے غافل نہیں ہوتا، لہٰذا تم بھی اس سے غافل نہ رہو، ارشاد ہوتا ہے:

—— اور یہ یقیناً ایک حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا —— یہ انسانی زندگی کے آغاز کی طرف ہلکا سا اشارہ ہے۔ قرآنِ کریم میں دو اور جگہ بھی ایسے اشارے کئے گئے ہیں، سورۃ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہے: ﴿ اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ ﴾ (ہم نے انسانوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا) اور سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے: ﴿ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ﴾ (اللہ نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی مٹی سے پیدا کیا) ان اشاروں سے انسانی زندگی کے آغاز کا کوئی تفصیلی حال معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح احادیث میں بھی اس کی تفصیل نہیں آئی، مفسرین کرام بھی مختلف باتیں کہتے ہیں، درحقیقت عام لوگوں کے لئے اس کی تفصیلات نہ ضروری ہیں، نہ قابل فہم، دور کیوں جایئے موجودہ انسانوں کے متعلق قرآنِ پاک صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے، بتلایئے عام لوگوں میں سے کتنے مٹی سے پیدا ہونے کی حقیقت بوجھ سکتے ہیں؟

البتہ کام کی بات جو اس مختصر اشارے سے سمجھانی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ دوسری زندگی کو نہیں مانتے، وہ انسانی زندگی کے آغاز میں غور کریں، وہ پہلی بار اسی مٹی سے بنے ہیں، جو دن رات ان کے پیروں تلے روندی جاتی ہے، جب اس پائمال مٹی سے پہلی زندگی ابھر سکتی ہے تو دوسری زندگی وجود میں کیوں نہیں آسکتی؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ دوسری زندگی کا انکار کرتے ہیں یا اُسے مستبعد سمجھتے ہیں، انھوں نے اللہ پاک کا مرتبہ ہی نہیں پہچانا، اللہ پاک کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں کیا، ان کی حکمت وقدرت، حلم وعدل اور رحمت ورافت کا اگر وہ صحیح ادراک کرتے تو وہ کبھی اس حماقت میں مبتلا نہ ہوتے۔ اللہ پاک کی ذات ہر چیز پر قادر ہے، وہ جس طرح اور جس چیز سے زندگی کو وجود میں لانا چاہے ان کے لئے وہ نہایت آسان ہے، انھوں نے انسان کو مٹی سے بنایا، مٹی پھر بھی ایک ٹھوس مادہ ہے، جس سے سینکڑوں بے جان چیزیں انسان بھی

بناتا ہے، اللہ پاک تو وہ ہستی ہیں جنھوں نے لُو کی گرمی سے ایک بہت بڑی مخلوق پیدا فرمائی ہے، ارشاد ہے: —— اور اس سے پہلے جنّوں کو ہم نے لُو کی گرمی سے پیدا کیا —— انسانوں سے پہلے بہت پہلے اللہ پاک نے ایک بہت بڑی مخلوق کو جسے جنّ کہا جاتا ہے، نہایت درجہ گرم ہوا یعنی لُو کی حرارت سے پیدا فرمایا ہے، یہی لُو جو جون، جولائی کے مہینوں میں چلتی ہے، جس کے گرم گرم تھپیڑوں سے ہمارا جسم جھلس جاتا ہے، اس کی گرمی اور حرارت سے اللہ پاک نے جنوں کی زندگی پیدا فرمائی ہے، ایسی قادر ذات کے لئے نہ پہلی زندگی کو وجود میں لانا مشکل ہے نہ دوسری زندگی کو۔

انسانی زندگی کے ابتدائی حالات:

ان دو آیتوں میں وہ استدلال مکمل ہو گیا جس کا تعلق گذشتہ آیات سے تھا، لیکن چونکہ انسانی زندگی کے آغاز کا تذکرہ آ گیا اس لئے آئندہ آیات میں اس وقت کے دوسرے احوال ذکر فرمائے جاتے ہیں، اس طرح مضمون میں سے مضمون نکل آیا، جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا، ارشاد ہے: —— اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: ''میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک آدمی پیدا کر رہا ہوں، سو جب میں اُسے اچھی طرح بنالوں اور اس میں اپنی کچھ روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا'' —— آدم علیہ السلام انسانی برادری کے جدامجد ہیں، اس لئے ان کی فضیلت وعزت سب کی فضیلت وعزت ہے، کیا ہم نے کبھی سوچا کہ آدم کون تھے، ان سے ہمارا کیا رشتہ ہے، قدرت کی جانب سے ان کی کس قدر تکریم ہوئی اور ہم اس تکریم کا جواب کیا دے رہے ہیں؟ —— حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے تمام سمجھ دار مخلوقات سے کہہ دیا تھا کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب پیدا کر رہا ہوں، جس کی تخلیق نہایت معمولی اور بے قدر مادے سے ہوگی یعنی سڑے ہوئے لسدار گارے سے اس کا پتلا بنے گا، پھر وہ خشک ہو کر اور گرمی میں پک کر ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگے گا، پھر اس میں نہایت معظم ومحترم روح پھونکی جائے گی، جس سے وہ کالبد خاکی قابل تعظیم ہو جائے گا، تم سب کو یہ حکم دیتا ہوں کہ جب مختلف مراحل سے گذر کر وہ آدمی تیار ہو جائے اور اچھی طرح بن جائے تو تم سب اس کے سامنے منقاد ہو جانا اور اس کے سامنے سجدہ کر کے اس کی برتری کا اقرار کرنا —— چنانچہ سب فرشتوں نے ایک ساتھ سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا —— تمام فرشتوں نے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کی، سب نے ایک ساتھ مل کر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، البتہ ایک نانجار ایسا بھی نکل آیا جس نے محض تکبر کی وجہ سے حکم خداوندی کو نظر انداز کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پوچھا: ''اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟'' اس نے جواب دیا: ''میں

ایسے آدمی کو سجدہ کر ہی نہیں سکتا، جسے آپ نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا ہے'' —— یعنی کہاں میں اور کہاں آدم؟ میرا خمیر آگ سے بنا ہے اور آگ نہ صرف یہ کہ روشن ہے، بلکہ بلندی کی طرف بڑھتی ہے اور آدم کا خمیر مٹی سے بنا ہے اور مٹی نہ صرف یہ کہ تاریک ہے بلکہ وہ ہمیشہ پائمال رہتی ہے، اس لئے میری پیشانی آدم کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتی! میں اس سے بدر جہا بہتر ہوں، کوئی بلند ہستی، کبھی کسی پست ہستی کو سجدہ نہیں کر سکتی۔ غور کیجئے ابلیس کس ڈھٹائی سے حکم خداوندی پر اعتراض کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (جب تو بغاوت اور سرکشی پر اتر آیا اور اطاعت سے منہ موڑا) تو نکل جا اس (جنت) سے کیونکہ تو مردود ہے اور روز جزا تک تجھ پر پھٹکار ہے! —— یہ ہوا تکبر اور حکم نہ ماننے کا انجام! اور بغاوت اور سرکشی کا اس کے علاوہ انجام ہو بھی کیا جا سکتا ہے؟ اچھی طرح سمجھ لیجئے خود کو بڑا سمجھنا اور حکم خداوندی نہ ماننا خوش نصیب انسانوں کی صفت نہیں، جنہیں اہل جنت کہا جاتا ہے بڑائی اور کبریائی صرف خدائے پاک کو سزاوار ہے —— تکبر و حکم عدولی کا یہ انجام سامنے آنے پر بھی ابلیس نہ سنبھلا بلکہ مزید سرکشی پر اتر آیا۔

اس نے عرض کیا: ''پروردگار! پھر مجھے اُس دن تک کے لئے مہلت دیدیجئے جبکہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے'' —— تا کہ میں آپ کی اس نئی مخلوق کا دم خم دیکھوں جس کی آپ نے اس قدر تکریم فرمائی ہے اور جس کی وجہ سے مجھے مردود ہونا پڑا ہے —— وہ لعین کہہ یہ رہا ہے کہ معاذ اللہ! آپ نے اس نئی مخلوق سے جو توقعات وابستہ کی ہیں وہ کبھی پوری نہ ہوں گی، مجھے ذرا مہلت تو دیجئے پھر میں آپ کو دکھادوں گا کہ آدم اور اس کی ذریت کیا کرتی ہے، وہ آپ کا حکم مانتے ہیں یا میرا؟

اللہ نے فرمایا: ''تو تجھے اُس دن تک مہلت ہے، جس کا وقت معلوم ہے'' —— یعنی انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے تک تو مہلت نہیں، البتہ اس سے پہلے ایک وقت تک تجھے مہلت ہے، جس کا وقت معلوم ہے۔ مفسرین کرام نے بیان فرمایا ہے کہ اس کو مہلت پہلی بار صور پھونکے جانے تک دی گئی ہے یعنی جب تمام کائنات فنا ہوگی اس وقت یہ لعین بھی مرے گا۔

جب مہلت مل گئی تو —— وہ بولا: ''پروردگار! چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں ضرور ان کے لئے زمین میں دل فریبیاں پیدا کروں گا اور ضرور ہی اِن سب کو بہکا کر رہوں گا، سوائے آپ کے اُن بندوں کے جنھیں آپ نے اِن میں سے چُن لیا ہے'' —— کم بخت کی بے حیائی دیکھئے اللہ سے کہہ رہا ہے: ''چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے'' حالانکہ گمراہ تو وہ مردود خود ہوا ہے، سجدے کا حکم ملا تو سجدہ نہ کیا، وجہ پوچھی تو حکم ہی پر اعتراض کر دیا، خود کو آدم سے بہتر ٹھہرا کر تکبر کا اظہار کیا،

اب کہہ رہا ہے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا، سبحان اللہ! اسی کو کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری!

اس نے یہ بھی بتلایا کہ اب وہ یہ سارا وقت کس مشغلہ میں گزارے گا، وہ کہتا ہے کہ جس مخلوق کی وجہ سے مجھے یہ برے دن دیکھنے پڑے ہیں، اب میں ان انسانوں کے لئے دنیا کو ایسا دلفریب بناؤں گا کہ یہ سب اُس سے دھوکہ کھا کر تیرے نافرمان بندے بن جائیں گے، تیری خلافت اور اس کی ذمہ داریوں کو بھول جائیں گے، بلکہ تجھی کو بھول جائیں گے، بجز اُن چند نفوس کے، جو انسانی برادری کا خلاصہ ہوں گے وہ ضرور تجھے یاد رکھیں گے اور تیرے احکام کی بجا آوری میں لگے رہیں گے۔

اللہ نے فرمایا: (مجھ تک پہنچنے کا) یہ راستہ ہے (جس کا دکھلانا) میرا کام (ہے جو) سیدھا (مجھ تک پہنچتا ہے)[1] —— اللہ پاک نے اس لعین کو متنبہ کیا کہ مجھ تک پہنچنے کا راستہ بند نہیں، مسدود نہیں اور انسانوں کو اس راہ سے واقف کرنا میرا کام ہے، نیز وہ راستہ نہایت سیدھا ہے، لہٰذا جو مجھ تک پہنچنا چاہے گا اس کے لئے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

اور یہ بھی یاد رکھ: —— یقیناً میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں، ہاں جو بہکے ہوئے لوگوں میں سے تیری پیروی کریں (وہ تیرے جال میں آجائیں گے) اور جہنم اُن سب کا یقینی ٹھکانہ ہے، جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان کے الگ الگ حصے ہیں —— جس طرح جنت کے آٹھ دروازے ہیں اسی طرح جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ مخصوص اعمال والوں کے لئے ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ان مسلمانوں کے لئے ہے جو امت محمدیہ پر تلوار اٹھاتے ہیں —— اور جنت کا ایک دروازہ زائد اس لئے ہے کہ بعض بندے اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض فضل خداوندی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ کھلی ہے، انبیاء کرام کے ذریعے وہ راہ لوگوں کو سمجھا دی گئی ہے، جو نہایت سیدھی راہ ہے، خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اُس راہ پر چل رہے ہیں، ان کے لئے دونوں جہانوں کی کامرانی ہے!

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا

(۱) عن مجاهد في قوله: هذا صراط عليَّ مستقيم قال: الحق يرجع إلى الله، وعليه طريقه، لايعرج على شيئ (الدر المنثور ج:۲، ص:۹۹)

بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾

اِنَّ	یقیناً	مِّنْ غِلٍّ (۴)	(کچھ) کدورت	عِبَادِیْٓ	میرے بندوں کو
الْمُتَّقِیْنَ	پرہیزگار	اِخْوَانًا (۵)	بھائی بھائی بنے ہوئے	اَنِّیْٓ	کہ میں
فِیْ جَنّٰتٍ (۱)	باغوں میں	عَلٰی سُرُرٍ	تختوں پر (بیٹھے ہوئے)	اَنَا	ہی
وَّعُیُوْنٍ	اور چشموں (میں ہوں گے)	مُّتَقٰبِلِیْنَ	آمنے سامنے ہونگے	الْغَفُوْرُ	بہت درگذر کرنے والا
اُدْخُلُوْهَا (۲)	(ان سے کہا جائے گا)	لَا یَمَسُّهُمْ	نہ پہنچے گی ان کو	الرَّحِیْمُ	بے حد مہربانی کرنے
	جاؤ اُن میں	فِیْهَا	جنت میں		والا (ہوں)
بِسَلٰمٍ (۳)	سلامتی کے ساتھ	نَصَبٌ	کچھ مشقت	وَاَنَّ	اور (یہ) کہ
اٰمِنِیْنَ	مطمئن ہوکر	وَّمَا هُمْ	اور نہ وہ	عَذَابِیْ	میرا عذاب
وَنَزَعْنَا	اور نکال دی ہم نے	مِّنْهَا	وہاں سے	هُوَ	ہی
مَا	جو	بِمُخْرَجِیْنَ (۶)	نکالے جائیں گے	الْعَذَابُ	عذاب (ہے)
فِیْ صُدُوْرِهِمْ	ان کے سینوں میں (تھی)	نَبِّئْ	خبر دیجئے	الْاَلِیْمُ	نہایت دردناک

اللہ کے مخلص بندوں کا بہترین انجام

گذشتہ رکوع میں ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ پاک نے کس طرح ایک حقیر ترین چیز سے، جو ہمیشہ ہمارے قدموں میں پامال رہتی ہے، ہماری ہستی پیدا کی، اور اُسے اس درجہ تک بلند کیا کہ وہ مسجود ملائکہ بن گئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار وتصرف میں دے دی گئیں، البتہ ایک قوت ہمارے آگے نہیں جھکی وہ ابلیس کی قوت تھی، یہ ہمارے آگے نہیں جھکتی، بلکہ ہمیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے، پس جو انسان اس سے مغلوب ہوگیا، اس نے راہ راست گم کردی، اور جو مغلوب نہیں ہوا وہ اللہ کا سچا بندہ رہا۔ اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا جو حکمت خداوندی نے اسے عطا فرمایا ہے ——

(۱) فی جنّٰت محذوف سے متعلق ہے أی مستقرون أو خٰلدون (۲) جملہ ادخلوا بتقدیر قول ہے أی وقد قیل لھم (۳) بِسَلٰمٍ محذوف سے متعلق ہوکر حال ہے أی ملتبسین بہ أی سالمین (۴) مِنْ بیانیہ یا تبعیضیہ ہے (۵) اِخوانًا، جالسین علی سرر اور متقبلین احوال ہیں جنت کے (۶) مُخْرَج اسم مفعول ہے۔

پھر شیطان کے متبعین کا انجام بتلایا تھا کہ انہیں یقیناً دوزخ میں پہنچنا ہے، اب ان آیات میں مخلص بندوں کا انجام بیان فرمایا جاتا ہے۔

ارشاد ہے: —— پرہیزگار لوگ یقیناً باغوں اور چشموں میں ہوں گے —— یعنی وہ لوگ جو شیطان کی پیروی سے بچے رہے، جنھوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذاری، وہ بہشت کے باغوں میں رہیں گے، جہاں قرینے سے نہریں اور چشمے بہتے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا: —— ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ، بے خوف وخطر —— نہ داخل ہوتے وقت تمہیں کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑے گا نہ داخل ہونے کے بعد کسی فکر اور خوف وہراس سے پالا پڑے گا —— کتنی شاندار جزا ہے پرہیزگاروں کی! حقیقت یہ ہے کہ جسے جنت میں داخلہ مل گیا اس کے وارے نیارے! لیکن یہ صلہ مفت میں نہیں مل جائے گا، اس کے لئے کچھ کرنا پڑے گا، یاد رکھو یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بوؤ گے وہی وہاں کاٹو گے۔ حدیث شریف میں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونے کے لئے کچھ کاموں کی نشاندہی کی گئی ہے، مناسب ہے کہ ہم ان کو ذہن نشین کرلیں: مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے تو لوگ تیزی سے آپ کی طرف دوڑ پڑے، میں بھی حاضر خدمت ہوا (حضرت ابن اسلام ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) میں نے جب آپ کا چہرہ دیکھا تو بول اٹھا: یہ چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا، میں نے اس موقع پر، سب سے پہلا جو ارشاد سنا وہ یہ تھا: ''لوگو! حاجت مندوں کو کھانا کھلاؤ، آپس میں سلام کو رواج دو، اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور راتوں میں نمازیں پڑھو جب لوگ سوئے ہوں، جنت میں جاؤ گے سلامتی کے ساتھ!''[1]

یہ تو جنت میں داخلے کے وقت کے حالات تھے۔ اب داخلہ کے بعد کے احوال سنئے —— اور ان کے دلوں میں جو باہم کدورت ہوگی وہ ہم نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے —— یعنی دنیا میں ان پرہیزگاروں کے درمیان جو کچھ کینہ، خفگی، کدورت، کھوٹ، کپٹ، طبعی اسباب کی وجہ سے ہوگی، وہ جنت میں ایک قلم محو کردی جائے گی، سب جنتی ایک دوسرے کی طرف سے صاف دل ہوکر، بھائی بھائی بن کر انتہائی محبت والفت سے رہیں گے، اور ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور ہوں گے، عزت وکرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کریں گے، وہاں ایسی نشست گاہ نہ ہوگی جس میں کوئی آگے اور کوئی پیچھے ہو —— انھیں وہاں کسی طرف کی کلفت نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے —— حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جنتی جنت میں کھائیں گے پئیں گے مگر نہ تو انہیں تھوکنے

(۱) أخرج الترمذی وابن ماجه والحاكم وصححه عن عبد الله بن سلام رضی الله عنه.

کی ضرورت پیش آئے گی، نہ بول و براز کی اور نہ رینٹ صاف کرنے کی، لوگوں نے پوچھا: ''کھانا کیا ہوگا؟'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ڈکار سے ہضم ہوجائے گا اور مشک جیسے پسینے کے ذریعہ خارج ہوجائے گا''[۱]۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا وہ وہاں چین سے رہے گا محتاج نہ ہوگا، نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے، نہ اس کی جوانی ڈھلے گی[۲]۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت میں یہ منادی کردی جائے گی کہ اب تم ہمیشہ تندرست رہوگے، کبھی بیمار نہ پڑوگے اور اب تم ہمیشہ زندہ رہوگے کبھی موت نہ آئے گی اور اب تم ہمیشہ جوان رہوگے کبھی بڑھاپا تم پر نہ آئے گا، اور اب تم ہمیشہ نعمتوں میں رہوگے، کبھی تم محتاجگی سے دوچار نہ ہوؤگے۔[۳]

شیطان کے متبعین کا انجام بھی آپ دیکھ چکے اور پرہیزگاروں کی جزاء سے بھی آپ واقف ہو چکے، اب رب ذوالجلال کا اعلان سنئے: اے ہمارے حبیبؐ! —— میرے بندوں کو آگاہ کردیجئے کہ میں ہی بہت درگذر کرنے والا، بے حد مہربانی کرنے والا ہوں اور یہ (بھی) کہ میرا ہی عذاب نہایت دردناک عذاب ہے —— اے بیحد عظمتوں کے مالک پروردگار! سچ فرمایا آپ نے اور بالکل سچ فرمایا، بخشش اور مہربانی آپ ہی کی ہے، دنیا کی تمام مہربانیاں اور بخششیں آپ ہی کی مہربانی اور بخشش کا پَرتو ہیں۔ آپ کے حبیب ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے کہ: ''اللہ نے اپنی مہربانی کو سو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، پھر ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں اور صرف ایک حصہ زمین میں اُتارا ہے، اسی ایک حصے کی برکت سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی جانور اپنے بچے پر سے اپنا کُھر اٹھائے رکھتا ہے، تاکہ اُسے ضرر نہ پہنچ جائے، تو یہ بھی دراصل اُسی حصۂ رحمت کا اثر ہے'' (بخاری و مسلم)

اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ آپ ہی کا عذاب نہایت دردناک عذاب ہے، دنیا کی کوئی تکلیف، کوئی پریشانی آپ کے عذاب کے لاکھویں حصے کے برابر بھی نہیں، لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ عذابِ خداوندی سے بچنے کے لئے دنیا کی ہر تکلیف خوشی خوشی برداشت کریں۔

مؤمن کی شان احادیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا دل ہمیشہ بیم ورجا اور خوف وامید کے درمیان رہتا ہے، اس کی بنیاد خدا کی یہی صفات ہیں، بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمتِ بیکراں اور مغفرت بے پایاں پر نظر کرتا ہے تو اُسے ہر طرح امید ہی امید نظر آتی ہے، لیکن جب اس کی نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں اور خطاؤں کی طرف جاتی ہے تو وہ تھرا جاتا ہے۔

---

(۱) رواه مسلم عن جابر رضی الله عنه (۲) رواه مسلم عن أبی هريرة رضی الله عنه (۳) رواه مسلم عن أبی سعيد و أبی هريرة رضی الله عنهما، مشکوٰۃ ص: ۴۹۶۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

وَنَبِّئْهُمْ	اور آگاہ کر دیجیے انھیں	اِنَّا	بے شک ہم	بَشَّرْنٰكَ	ہم نے بشارت دی
عَنْ ضَيْفِ	ابراہیم کے مہمانوں	نُبَشِّرُكَ	بشارت دیتے ہیں		ہے آپ کو
اِبْرٰهِيْمَ	کے بارے میں		آپ کو	بِالْحَقِّ	برحق
اِذْ	جب	بِغُلٰمٍ	ایک لڑکے کی	فَلَا تَكُنْ	پس نہ ہوں آپ
دَخَلُوْا (۱)	ملاقات کی انھوں نے	عَلِيْمٍ	بڑا علم والا	مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (۴)	مایوس ہونے والوں
عَلَيْهِ	آپ سے	قَالَ	کہا آپ نے		میں سے
فَقَالُوْا	تو کہا انھوں نے	اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ	کیا خوشخبری دیتے ہو	قَالَ	کہا آپ نے
سَلٰمًا	سلام!		تم مجھے	وَمَنْ	اور کون
قَالَ	کہا آپ نے	عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ (۳)	پہنچنے کے باوجود مجھے	يَّقْنَطُ	ناامید ہوگا
اِنَّا مِنْكُمْ	واقعی ہم تم سے	الْكِبَرُ	بڑھاپا	مِنْ رَّحْمَةِ	مہربانی سے
وَجِلُوْنَ (۲)	ڈرنے والے ہیں	فَبِمَ	پس کس چیز کی	رَبِّهٖٓ	اپنے رب کی
قَالُوْا	کہا انھوں نے	تُبَشِّرُوْنَ	خوشخبری سناتے ہو تم؟	اِلَّا	بجز
لَا تَوْجَلْ	نہ ڈریے آپ	قَالُوْا	کہا انھوں نے	الضَّآلُّوْنَ	گمراہ لوگوں کے؟

اللہ کی مہربانی اور نوازش کی ایک مثال

گذشتہ آیات میں اللہ پاک نے آگاہ فرمایا تھا کہ وہی بے حد مہربان ہیں اور انہی کا عذاب دردناک ہے، اب چار

(۱) دَخَلَ کا صلہ علٰی ہو تو معنی ہوتے ہیں: ملاقات کرنا، زیارت کرنا (۲) وَجَلَ يَوْجَلُ وَجَلاً: ڈرنا، خوف محسوس کرنا الوَجِل: صفت مشبہ کا صیغہ ہے، خوف زدہ، ڈرنے والا (۳) علٰی بمعنی مع ہے اور أنْ مصدریہ ہے (۴) قَنِطَ (س) قنطًا: مایوس ہونا القَانِطُ (اسم فاعل) خیر سے ناامید ہونے والا۔

مثالیں پیش فرماتے ہیں: ایک مثال خدائے مہربان کی بے پایاں رحمت کی ہے، اور تین مثالیں رب ذوالجلال کے قہر وغضب اور عذاب ونَقْمَت کی ہیں۔

پہلی مہربانی کی مثال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے: —— اور آپ ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کا واقعہ بتلایئے —— تین آدمی مہمان بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دولت کدے پر پہنچے —— جب انھوں نے آپ سے ملاقات کی تو سلام کیا —— سلام ملاقات کے آداب میں سے ہے، اسلام میں اس کی بڑی تاکید ہے، ایک صاحب نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ کونسا مسلمان بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو محتاجوں کو کھانا کھلائے اور ہر مسلمان کو سلام کرے، خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو[۱]۔

سلام حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے مشروع ہوا ہے، حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انھیں چھینک آئی، آپؑ نے الحمد للہ کہا، اللہ تعالیٰ نے یَرْحَمُکَ اللہ کہہ کر جواب دیا اور فرمایا: ''اے آدم! ان فرشتوں کے پاس جاؤ جو بیٹھے ہیں اور ان سے السلام علیکم کہو'' چنانچہ آدم علیہ السلام گئے اور سلام کیا: فرشتوں نے جواب دیا: علیک السلام ورحمة اللہ آدم علیہ السلام جواب سن کر لوٹ آئے، اللہ پاک نے فرمایا کہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا باہم دُعا سلام کا یہی طریقہ رہے گا[۲]۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ گفتگو سے پہلے سلام ہونا چاہئے[۳] چنانچہ مہمانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے، آپ کا دسترخوان ہمیشہ مہمانوں کے لئے بچھا رہتا تھا، آپ مہمانوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، گھر میں گئے، بچھڑا ذبح کیا، اس کے تِکّے بنائے اور بھون کر مہمانوں کے سامنے لائے، مگر جب آپ نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے —— تو آپ نے کہا: ''ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے!'' —— کیونکہ عراق وشام کی قدیم تہذیب میں دستور یہ تھا کہ ڈاکو، چور اور غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تو پھر اُس کے بعد اُسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے، اس لئے جب ان نوواردوں نے مہمانی قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرتاً آپؑ کا ذہن اِس طرف منتقل ہوا، کہ یہ کہیں کوئی جرائم پیشہ لوگ تو نہیں ہیں؟ آپ نے بے تکلف اپنا یہ احساس اُن کے سامنے ظاہر کر دیا کہ ہمیں تم سے ڈر محسوس ہو رہا ہے —— انھوں نے کہا: ''آپ ڈریئے نہیں، ہم آپ کو ایک بڑے ذی علم لڑکے (اسحاق) کی بشارت دیتے ہیں۔

(۱) رواہ البخاری ومسلم بمعناہ (۲) رواہ الترمذی عن أبی هريرة رضی اللہ عنه (۳) رواہ الترمذی عن جابر رضی اللہ عنه وقال هذا حديث منكر۔

اب یہ بات کھلی کہ یہ انسان نہیں ہیں، بلکہ فرشتے ہیں، چنانچہ اب گفتگو کا ماحول بدل گیا —— آپ نے کہا: ''اِس بڑھاپے میں تم مجھے بشارت دے رہو؟ سوچو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو —— موجودہ بائبل میں ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی، اہلیہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نوے سال کی تھیں[1]۔ اِس عمر میں آدمی اولاد کا خیال ہی ذہن سے نکال دیتا ہے، اس وجہ سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر متوقع طور پر خوش خبری سنی تو انہیں یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، آپ نے تعجب کے لہجہ میں فرمایا: ''خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی! سبحان اللہ! کیسی بشارت ملی ہے!'' —— انھوں نے کہا: ''ہم آپ کو برحق بشارت دے رہے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں'' —— چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لب ولہجہ سے ناامیدی کا وہم ہوتا تھا اس لئے فرشتوں نے اپنی بشارت کو مؤکد کیا اور یہ بھی بتلایا کہ ناامیدی کی کوئی بات نہیں، اللہ پاک کی قدرت میں سب کچھ ہے —— آپ نے کہا: پروردگار کی مہربانی سے گمراہ لوگوں کے سوا، بھلا کون مایوس ہوسکتا ہے؟!'' —— حضرت ابراہیم نے بات صاف کردی کہ انھوں نے جو کچھ کہا تھا محض اپنی موجودہ حالت میں اولاد ہونے پر استعجاب کا اظہار تھا، معاذ اللہ! رحمتِ خداوندی سے ناامیدی کا اظہار نہیں تھا، اللہ کی مہربانی سے ناامید عام مسلمان بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر۔

قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے، سورۂ یوسف (آیت ۸۷) میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: ''فیضِ خداوندی سے صرف منکر مایوس ہوتے ہیں'' مؤمن بندہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا راز داں ابراہیم خلیل علیہ السلام سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے، چنانچہ آپ نے اُسی کا یہاں اظہار کیا ہے —— یہ واقعہ رحمت خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ ہے، وہ جب مہربان ہوجائیں تو بوڑھا صاحب اولاد ہوجاتا ہے، بانجھ عورت صاحب نصیب ہوجاتی ہے، سوکھے درخت لہلہانے لگتے ہیں، اور خشک زمین گل وگلزار بن جاتی ہے۔

وگر در دہد یک صلائے کرم ❁ عزازیل گوید نصیبے برم

اگر ارحم الراحمین ایک کرم کی صدا لگادیں ❁ تو ابلیس بھی حصہ ملنے کی امید باندھ لے

کافر، حق تعالیٰ کی مہربانی سے ناامید اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا اللہ پاک کی بے پایاں رحمتوں پر ایمان نہیں

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

(۱) پیدائش ۱۷:۱۷

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾

قَالَ	آپ نے پوچھا	اُرْسِلْنَآ	بھیجے گئے ہیں	اَجْمَعِيْنَ	سب کو
فَمَا	تو کیا	اِلٰى قَوْمٍ	ایک مجرم قوم	اِلَّا	مگر
خَطْبُكُمْ(۱)	مہم ہے تمہاری	مُّجْرِمِيْنَ	کی طرف	امْرَاَتَهٗ	ان کی بیوی
اَيُّهَا	اے	اِلَّآ	مگر	قَدَّرْنَآ	ہم نے تجویز کیا ہے
الْمُرْسَلُوْنَ	بھیجے ہوؤ؟	اٰلَ لُوْطٍ	خاندانِ لوط	اِنَّهَا	کہ وہ
قَالُوْٓا	انھوں نے جواب دیا	اِنَّا	یقیناً ہم	لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ(۲)	ضرور پیچھے رہ جانے
اِنَّآ	بے شک ہم	لَمُنَجُّوْهُمْ	انہیں ضرور بچالیں گے		والوں میں سے ہے

(۱) خطب کہتے ہیں: اہم مقصد اور مشن کو الخطب: الأمر العظیم الذی یکثر فیه التخاطب (راغب) (۲) الغابِر (اسم فاعل) اصل چیز کے گذر جانے کے بعد جو چیز باقی رہ جائے، غبار: وہ خاک جو قافلے کے چلنے سے اڑ کر پیچھے رہ جائے۔

فَلَمَّا جَآءَ	پھر جب آئے	بِقِطْعٍ مِّنَ	رات کی تاریکی کے	يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوشیاں مناتے ہوئے
اٰلَ لُوْطِ	خاندانِ لوط کے پاس	الَّيْلِ (۲)	آخری حصہ میں	قَالَ	کہا آپ نے
الْمُرْسَلُوْنَ	بھیجے ہوئے	وَاتَّبِعْ (۳)	اور چلیں آپ	اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ	بے شک یہ لوگ
قَالَ	کہا انھوں نے	اَدْبَارَهُمْ	ان کے پیچھے	ضَيْفِيْ	میرے مہمان (ہیں)
اِنَّكُمْ	یقیناً تم	وَلَا يَلْتَفِتْ	اور مڑ کر نہ دیکھے	فَلَا تَفْضَحُوْنِ (۶)	پس نہ رسوا کرو مجھے
قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (۱)	اجنبی لوگ ہو	مِنْكُمْ	تم میں سے	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے
قَالُوْا	انھوں نے جواب دیا	اَحَدٌ	کوئی	وَلَا تُخْزُوْنِ (۶)	اور مجھے شرمندہ مت کرو
بَلْ جِئْنٰكَ	بلکہ ہم لے کر آئے ہیں	وَّامْضُوْا	اور چلتے رہو تم	قَالُوْٓا	وہ کہنے لگے
	آپ کے پاس	حَيْثُ	جہاں	اَوَلَمْ	کیا اور نہیں
بِمَا	وہ چیز	تُؤْمَرُوْنَ	حکم دیئے گئے ہو تم	نَنْهَكَ	منع کر چکے ہم تجھے
كَانُوْا فِيْهِ	جس میں وہ لوگ	وَقَضَيْنَآ (۴)	اور پہنچادی ہم نے	عَنِ الْعٰلَمِيْنَ	دنیا بھر کے لوگوں سے
يَمْتَرُوْنَ	شک کرتے ہیں	اِلَيْهِ	ان تک	قَالَ	کہا آپ نے
وَاَتَيْنٰكَ	اور ہم لے کر آئے ہیں	ذٰلِكَ الْاَمْرَ	یہ بات	هٰٓؤُلَاۤءِ	یہ
	آپ کے پاس	اَنَّ دَابِرَ (۵)	کہ جڑ	بَنٰتِيْٓ	میری بیٹیاں (ہیں)
بِالْحَقِّ	قطعی فیصلہ	هٰٓؤُلَاۤءِ	ان لوگوں (کی)	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَاِنَّا	اور یقیناً ہم	مَقْطُوْعٌ	کٹی ہوئی ہوگی	فٰعِلِيْنَ	کرنے والے
لَصٰدِقُوْنَ	البتہ سچے ہیں	مُّصْبِحِيْنَ	صبح کے وقت	لَعَمْرُكَ (۷)	آپ کی زندگی کی قسم!
فَاَسْرِ	پس رات کو چلیں آپ	وَجَآءَ	اور آئے	اِنَّهُمْ	یقیناً وہ لوگ
بِاَهْلِكَ	اپنے گھر والوں کو لے کر	اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ	شہر والے	لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ (۸)	البتہ اپنی مستی میں

(۱) مُنْكَرٌ (اسم مفعول) نا آشنا، شناخت میں نہ آیا ہوا (۲) قِطْعٌ: مفرد ہے، جمع: اَقْطَعٌ، اَقْطَاعٌ اور قِطَاعٌ معنی: آخر رات کی تاریکی یا آخر رات کی تاریکی کا ایک حصہ (۳) تَبِعَهُ واتَّبَعَهُ: پیچھے چلنا۔ (۴) قَضَى الْأَمْرَ إليه: پہنچانا (۵) الدابر (اسم فاعل) ہر چیز کا آخر، جڑ (۶) فَضَحَهُ (ف) فَضْحًا: رسوا کرنا، برائیاں ظاہر کرنا۔ اَخْزَاهُ اخْزَاءً: شرمندگی میں ڈالنا، ذلیل کرنا، اہانت کرنا (۷) عَمْر اور عُمر ہم معنی ہیں، لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے العَمر والعُمر واحد لكن خُص القسم بالعَمر دون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء إلَّا أن الفتح غلب فی القسم ولایجوز ←

يَعْمَهُوْنَ[1]	بھٹک رہے ہیں	وَاَمْطَرْنَا	اور برسائے ہم نے	لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ[2]	فراست والوں کے لئے
فَاَخَذَتْهُمُ	چنانچہ آ پکڑا ان کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	وَاِنَّهَا	اور یقیناً وہ بستیاں
الصَّيْحَةُ	سخت آواز نے	حِجَارَةً	پتھر	لَبِسَبِيْلٍ	البتہ عام گزرگاہ پر
مُشْرِقِيْنَ	سورج نکلتے وقت	مِّنْ سِجِّيْلٍ	کھنکر (پکی ہوئی مٹی)	مُّقِيْمٍ[3]	(واقع) ہیں
فَجَعَلْنَا	پس کر دیا ہم نے		کے	اِنَّ	بے شک
عَالِيَهَا	اُن (بستیوں) کا	اِنَّ	یقیناً	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں
	اوپر کا حصہ	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں	لَاٰيَةً	البتہ نشانی (ہے)
سَافِلَهَا	ان کے نیچے کا حصہ	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے

اللہ کی سخت گرفت کی پہلی مثال

رب رحیم کی مہربانی کا نمونہ دیکھ لیا۔ اب ان کی سخت گرفت اور دردناک عذاب کا نمونہ بھی دیکھئے، اور عبرت پکڑیے۔

پہلا نمونہ: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا دردناک انجام ہے۔ فرشتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت سنا کر چلنے لگے تو؟ —— آپ نے پوچھا: ”اے بھیجے ہوئے فرشتو! اب آپ حضرات کو کیا مہم درپیش ہے؟“ —— حضرت ابراہیم علیہ السلام قرائن سے سمجھ رہے تھے کہ اصل مقصد اِن حضرات کی تشریف آوری کا کچھ اور ہے اس لئے آپ نے دریافت فرمایا کہ اب آپ حضرات کس مشن پر تشریف لے جا رہے ہیں؟ —— انھوں نے جواب دیا: ”ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، جس سے خاندانِ لوط مستثنیٰ ہیں، ہم ضرور ان سب کو بچا لیں گے، سوائے ان کی بیوی کے، ہم نے تجویز کیا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی“ —— فرشتوں نے اپنی مہم بتائی کہ ہم ایک مجرم قوم کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طبعی بردباری اور نرم دلی کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ تکرار شروع کی کہ تم اس

← فیه الضم (ابو البقاء) (۸) سَكِرَ من الشراب: مست ہونا، مدہوش ہونا، سَكْرَةٌ: مستی، مدہوشی، نشہ اس کا استعمال اکثر شراب کے لئے ہوتا ہے، اور کبھی غضب و عشق کی بناء پر بھی یہ حالت طاری ہو جاتی ہے (راغب) نزع کی سختی کے باعث عقل کے گڑبڑ ہو جانے کا نام سَكَرات الموت ہے (تاج العروس)

(۱) عَمِهَ (س) الرجل: سرگردان پھرنا، گمراہی میں بھٹکنا۔ (۲) اَلْمُتَوَسِّم (اسم فاعل) مصدر تَوَسُّمٌ (باب تفعل) فراست والا، بصیرت رکھنے والا، علامات دیکھ کر شناخت کرنے والا (۳) مُقِيْم (اسم فاعل) مصدر اِقَامَةٌ: دائمی، لازوال، ہمیشہ سے جس پر چلتے آئے ہوں لبسبیل میں لام تاکید، باحرف جار ظرفیہ مکانیہ ہے سبیل: راستہ یا واضح راستہ۔

قوم کو کیسے برباد کرنے جارہے ہو، جس میں لوط علیہ السلام جیسے برگزیدہ نبی موجود ہیں، فرشتوں نے کہا: ہم لوگ لوط علیہ السلام کو اوران کے پورے خاندان کو عذابِ الٰہی سے بچالیں گے، البتہ ان کی بیوی کے بارے میں تجویز خداوندی یہ ہے کہ وہ مجرموں کے ساتھ رہے گی، لوط علیہ السلام کے ساتھ نہ جائے گی، تاکہ بستی والوں کے ساتھ عذابِ الٰہی سے تباہ ہو۔

پھر جب بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو لوط علیہ السلام نے کہا: ''آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں!'' —— اور ہمارے شہر کے لوگ پردیسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، معلوم نہیں آپ حضرات کے ساتھ کیا معاملہ کریں —— انھوں نے جواب دیا: ''نہیں بلکہ ہم آپ کی خدمت میں وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے'' —— یعنی ہم پردیسی نہیں ہیں، ہم خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، آپ کی قوم کے لئے عذاب وہلاکت لے کر آئے ہیں —— اور ہم آپ کی خدمت میں اٹل فیصلہ لے کر حاضر ہوئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں، لہٰذا آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں، اور آپ ان کے پیچھے رہیں، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اسی طرف چلتے رہیں —— چنانچہ رات کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو لے کر چپکے سے سدُوم سے رخصت ہوگئے، ان کی بیوی نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کردیا، جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کردیا تھا۔

اور ہم نے لوط کو یہ فیصلہ پہنچادیا کہ اِن لوگوں کی جڑ پو پھٹتے ہی کٹ جائے گی —— یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے لئے معاملہ کو مبہم نہیں رکھا گیا، انھیں صاف بتادیا کہ قوم کی تباہی کے لئے صبح کا وقت معین ہے، پس پو پھٹتے ہی ان کا صفایا ہوجائے گا۔

اب قوم کا حال سنئے: جب وہ فرشتے حسین وجمیل لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر جارہے تھے تو شہر والے ان کو دیکھ رہے تھے، ابھی مہمان حضرت کے گھر پہنچے ہی تھے کہ شہر والے آپ کے مکان پر چڑھ آئے —— اور شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آپہنچے —— اور حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ مہمان ہمارے حوالے کرو —— آپؑ نے کہا: ''یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا مجھے رسوانہ کرو، اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمندہ نہ کرو!'' —— یہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے، ابھی حضرت لوط علیہ السلام کو آنے والے مہمانوں کے فرشتہ ہونے کا علم نہیں، آپ انھیں مہمان سمجھ رہے ہیں اور قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ خدا کے بندو کم ازکم میری ہی رعایت کرو، مجھے ان مہمانوں کے سامنے رسوانہ کرو، اگر تم نے میرے مہمانوں کی بے عزتی کی تو پہلے میری عزت اتارلی، اپنے دل میں خدا کا خوف لاؤ، اور اپنی ناشائستہ حرکتوں پر شرماؤ —— وہ بولے!''کیا ہم تمہیں منع نہیں کرچکے کہ تم ساری دنیا کے ٹھیکیدار مت بنو؟'' —— یعنی ہم تمہیں آگاہ کرچکے ہیں

کہ ہم پردیسیوں کے ٹھہرانے کے روادار نہیں، پھر تم کیوں ان کو اپنے یہاں ٹھہراتے ہو؟ ہماری بات کی پروانہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کی ہے! —— آپؑ نے کہا: "یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہے" —— یعنی اپنی شہوتِ نفس اُس فطری اور جائز طریقے سے پورا کرو جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں، تمہارے گھروں میں یہ سب میری بیٹیاں ہیں، جو تمہارے لئے حلال و پاکیزہ ہیں —— مگر ان کم بدبختوں نے یہ جواب دیا کہ ہمیں اپنی بیویوں سے کوئی سروکار نہیں، ہمارا مقصد تمہیں معلوم ہے —— یعنی بات صرف اس حد تک نہیں رہی کہ وہ لوگ فطرت اور پاکیزگی کی راہ سے ہٹ کر ایک گندی اور خلاف فطرت راہ پر چل پڑے تھے، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اب ان کی ساری رغبت اور عام دلچسپی اسی گندے عمل میں تھی، اور اب اس کی بالکل امید نہیں رہی تھی کہ وہ کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آجائیں گے۔

آپؐ کی زندگی کی قسم! وہ لوگ اپنی مدہوشی میں بالکل بہکے ہوئے ہیں —— یہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھائی ہے، قرآنی قسمیں شواہد و دلائل ہوتے ہیں گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ کی طویل زندگی کے تمام تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ جس طرح آپ کی حکمت ریز نصیحتوں کو مشرکین مکہ گوش ہوش سے نہیں سنتے، اپنی قوت کے نشے میں برابر آپ کی تکذیب کئے جا رہے ہیں، اور اپنے غرور و گمراہی کے نشے میں بہکے ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی اپنی مدہوشی میں بہک رہی تھی، غفلت اور مستی کے نشے میں اندھی ہو رہی تھی، وہ بڑی لاپرواہی سے حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہی تھی، اُن کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے اُن کے دماغ مسخ کر دیئے تھے، وہ بڑے اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ صبح ان کا کیا حشر ہونے والا ہے، تباہی اور ہلاکت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے، موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی ہے اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی باتوں کی ہنسی اڑا رہے تھے۔

چنانچہ سورج کے چمکتے ہی ان کو ایک سخت آواز نے آ پکڑا —— ان بدبختوں پر جو عذاب صبح تڑکے شروع ہوا تھا وہ سورج چمکنے تک پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، سورج طلوع ہو ہی رہا تھا کہ انہیں ایک سخت چنگھاڑ سے سابقہ پڑا، جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب لقمۂ اجل بن گئے —— اور ہم نے اُن بستیوں کو تل پٹ کر دیا اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش کر دی —— تاریخ آج تک اُن کی ہلاکت و بربادی پر گواہ ہے، آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے چار سو میٹر گہرائی میں ایک صحراء کی صورت میں موجود ہے، اس کے ایک بہت بڑے رقبے پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے، اس پانی میں مچھلی مینڈک کوئی بھی سمندری جانور زندہ نہیں رہ سکتا، اس لئے اس دریا کو بحر میت کے

نام سے موسوم کیا جاتا ہے —— اس واقعے میں یقیناً کئی ایک نشانیاں ہیں بصیرت والوں کے لئے —— متوسم وہ شخص ہے جو علامات وقرائن دیکھ کر اپنی فراست وذکاوت سے پوشیدہ بات کا پتہ لگالے، ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ دھیان کرنے والوں کے لئے اور پتہ لگانے والوں کے لئے قوم لوط علیہ السلام کی ہلاکت کے اس واقعے میں عبرت کی بہت سی نشانیاں ہیں، انسان سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر کچھ دن ڈھیل مل جائے تو اس سے دھوکہ نہ کھائے، پیغمبروں کے ساتھ عداوت کا حشر ہمیشہ یہی ہوتا ہے، کوئی قوم کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، مگر خدا کی قدرت کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں —— وہ بستیاں ٹھیک عام گذرگاہ پر واقع ہیں —— حجاز سے شام جاتے ہوئے، سدوم اور عمورہ کے برباد شدہ شہر راستہ میں پڑتے تھے، اور مکہ والے تباہی کے اُن آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے —— اُن (آثار) میں یقیناً مؤمنین کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں —— یعنی مؤمنین ان بستیوں کو سیرگاہ یا تماشا نہیں بناتے، بلکہ اس سے سبق لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان علاقوں سے گذرے تو آپؐ نے سر مبارک جھکالیا اور سواری کو تیز کر دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ ان علاقوں سے روتے ہوئے گزرو یا کم از کم رونے کی صورت بنالو، کہیں ایسا نہ ہو تم پر بھی وہی عذاب آپڑے جو اُن ہلاک شدہ قوموں پر آیا تھا۔

جو علاقے عذابِ الٰہی سے ویران ہوتے ہیں وہ عام طور پر دوبارہ آباد نہیں ہوتے، تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے سامانِ عبرت بنے رہیں

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

وَاِنْ كَانَ	اور یقیناً تھے	فَانْتَقَمْنَا	سو بدلہ لیا ہم نے	لَبِاِمَامٍ (۲) مُّبِيْنٍ	البتہ کھلے راستے پر ہیں
اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ (۱)	بَن (جنگل) والے	مِنْهُمْ	اُن سے		
لَظٰلِمِيْنَ	البتہ ناانصاف	وَاِنَّهُمَا	اور یقیناً دونوں (قومیں)	❁	❁

اللہ کی سخت گرفت کی دوسری مثال

یہ دوسری سرگذشت ہے جو بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے، ارشاد ہے: —— اور ایکہ والے یقیناً ظالم تھے —— اَیْکَہ

(۱) اَیْکَۃ: بن، گھنا جنگل، درختوں کا جھنڈ (۲) امام: وہ چیز جس کا قصد کیا جائے، مبین کے معنی واضح اور کھلے کے ہیں، چونکہ راستہ کا قصد کیا جاتا ہے اس لئے اس کو امام کہا جاتا ہے۔

والے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، جو مدین سے متصل رہتی تھی، شرک وبت پرستی میں مبتلا تھی، اُن میں ڈنڈی مارنے، کم تولنے کا بھی رواج تھا، ان کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور بالآخر عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے، ارشاد ہے: —— پس ہم نے اُن سے انتقام لیا —— اُن کے دماغ درست کردیئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی مسلط کردی اور عذاب بادل کی شکل میں آیا، بدلی جونہی ان کے قریب آئی وہ لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے کہ شاید کچھ ٹھنڈک ملے، جب اس کے نیچے پہنچے تو اس میں سے آگ برسنے لگی اور سب کے سب لقمۂ اجل بن گئے۔

اور یہ دونوں قومیں شاہراہ پر بسی ہوئی تھیں —— یعنی قوم لوط اور ایکہ والوں کی بستیاں اس قدیم شاہراہ پر واقع تھیں جو عرب کے جغرافیہ میں یمن سے بحراحمر کے کنارے کنارے حجاز ومدین سے گذرتی ہوئی، خلیج عقبہ کے کنارے سے نکل کر، تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی شام کو چلی گئی ہے، تمام قدیم جغرافیوں میں اس شاہراہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ قوم لوط اور ایکہ والوں کی بستیاں اسی شاہراہ پر حجاز وشام کے درمیان واقع تھیں، یہی وہ شاہراہ ہے جو اگلے زمانے میں ہندوستان، یمن ومصر اور شام کے سفر کا تنہا راستہ تھا، قریش کے تجارتی قافلے گرما اور سرما دونوں زمانوں میں اسی شاہراہ سے گذرتے تھے اور یہ تمام علاقے قریش نے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھے تھے۔ اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ صرف اشارہ کیا ہے کہ دیکھ لو ایکہ والوں کا انجام! ظلم وسرکشی، شرک وبت پرستی کا انجام ہمیشہ یہی ہوتا ہے، وہ ایکہ والے جن کی قوتوں اور شوکتوں کے ڈنکے بجتے تھے، آج بس ایک داستان عبرت بنے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	وَاٰتَيْنٰهُمْ	اور دی ہم نے انھیں	مُعْرِضِيْنَ	روگردانی کرنے والے
كَذَّبَ	جھٹلایا	اٰيٰتِنَا	اپنی نشانیاں	وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ	اور تراش کر بناتے تھے وہ
اَصْحٰبُ الْحِجْرِ	حجر والوں نے	فَكَانُوْا	پس تھے وہ		
الْمُرْسَلِيْنَ	پیغامبروں کو	عَنْهَا	اُن سے	مِنَ الْجِبَالِ	پہاڑوں میں

بُيُوْتًا	گھر	الصَّيْحَةُ	سخت آواز نے	عَنْهُمْ	اُن کے
اٰمِنِيْنَ	بے خوف	مُصْبِحِيْنَ	پو پھٹتے ہی	مَّا كَانُوْا	(وہ) جو
فَاَخَذَتْهُمُ	پس آ پکڑا ان کو	فَمَآ اَغْنٰى	پس نہ کام آیا	يَكْسِبُوْنَ	کمایا کرتے تھے وہ

اللہ کی سخت گرفت کی تیسری مثال

عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونے والی قوموں کی یہ تیسری اور آخری سرگذشت ہے، یہ حجر والوں کی داستان ہے اور قرآن کے اولین مخاطب اہل مکہ کے احوال سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ ذہنوں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس سورت کا نام ہی سورۃ الحجر رکھا گیا ہے ـــــ حِجْر، قوم ثمود کے مرکزی شہر کا نام ہے۔ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہراہِ عام پر ملتا ہے اور قافلے اس وادی میں سے ہو کر گذرتے ہیں، اگر کوئی شام سے مدینہ شریف آئے تو سب سے پہلے قوم لوط کا علاقہ پڑے گا، پھر سرزمین شعیبؑ (مدین وایکہ) ملے گی اور سب سے آخر میں حجر کا علاقہ (قوم ثمود کا مسکن) پڑے گا۔ تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں اور اسی مناسبت سے یہاں تینوں کا انجام بطور مثال پیش کیا گیا ہے، ارشاد ہے: ـــــ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حجر والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ـــــ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے، مگر مغرور اور سرکش قوم نے آپ کی پیغمبرانہ دعوت ونصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور معجزہ کا مطالبہ کیا، حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کا مطلوبہ معجزہ (اونٹنی) بھی دکھایا، مگر انہیں ماننا تھوڑے تھا، ارشاد ہے ـــــ اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں مگر وہ ان سے گریز کرتے رہے ـــــ ایک اونٹنی ہی نہیں اور بھی متعدد نشانیاں ان کو دکھائی گئیں اور سب سے بڑی نشانی حضرت صالح علیہ السلام کی پرعظمت شخصیت تھی، ان کی دل نشیں موعظتیں، ان کی پیار بھری بشارتیں ان کی حکمت ریز باتیں یقین کرنے والوں کے لئے سب سے بڑی نشانی تھی، مگر وہ سب کو نظر انداز کرتے رہے وہ اپنی دنیوی زندگی پر مگن تھے، انھیں اپنے تمدن ومعیشت پر، اپنی صناعی اور فنی مہارت پر، اپنی سنگ تراشی اور ہندسہ دانی پر ناز تھا ـــــ اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے تھے، تاکہ امن سے رہیں ـــــ اُن کے خیال میں ایسی مضبوط اور مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت نہیں آسکتی تھی ـــــ پس ان کو پو پھٹتے ہی ایک سخت آواز نے پکڑ لیا اور جو کچھ انھوں نے حاصل کر رکھا تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا ـــــ یعنی ان کے دنیوی علوم وفنون ان کی ہنرمندی اور صناعیاں، ان کی ہندسہ دانی اور انجینئری، اُن کے سنگین مکانات جو انھوں نے پہاڑوں کو تراش کر بنائے تھے، ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں خدائی گرفت سے بچا نہ سکی، انھیں ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔

مؤمن معذب قوموں کی بستیوں میں سے گزرے تو عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں ترساں رونے والوں کی صورت بنا کر گزرے

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

وَمَا	اور نہیں	بِالْحَقِّ (۱)	با مقصد	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار
خَلَقْنَا	پیدا کئے ہم نے	وَاِنَّ	اور یقیناً	هُوَ	وہ
السَّمٰوٰتِ	آسمان	السَّاعَةَ	قیامت	الْخَلّٰقُ (۳)	بار بار بکثرت پیدا
وَالْاَرْضَ	اور زمین	لَاٰتِيَةٌ	البتہ آنے والی ہے		کرنے والے
وَمَا	اور جو	فَاصْفَحِ (۲)	پس درگذر کیجئے	الْعَلِيْمُ	ہر چیز کے جاننے والے
بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہے	الصَّفْحَ	درگذر کرنا		ہیں
اِلَّا	مگر	الْجَمِيْلَ	خوبصورت	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق

(۱) إلا خلقا متلبساً بالحق والحكمة (روح) (۲) صَفَحَ عنه (ف) صَفْحًا: روگردانی کرنا، اعراض کرنا (۳) خَلَّاق: مبالغہ کا صیغہ ہے خَلْق سے، اس کے معنی میں تکرار کا مفہوم ہے۔

اٰتَيْنٰكَ	عطا فرمائی ہم نے آپ کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	جَعَلُوا	کیا
سَبْعًا (۱)	سات (آیتیں)	وَاخْفِضْ	اور جھکائیے	الْقُرْاٰنَ	قرآن کو
مِّنَ الْمَثَانِيْ (۲)	بار بار دہرائی جانے	جَنَاحَكَ	اپنا بازو	عِضِيْنَ (۸)	ٹکڑے
	والی کتاب کی	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	فَوَرَبِّكَ	تیرے رب کی قسم!
وَالْقُرْاٰنَ (۳)	اور قرآن (پڑھنے کی	وَقُلْ	اور کہہ دیجئے	لَنَسْئَلَنَّهُمْ	البتہ ضرور باز پرس کریں
	کتاب)	اِنِّيْٓ	بے شک میں		گے ہم ان سے
الْعَظِيْمَ	عظیم (بڑے رتبے کی)	اَنَا	میں	اَجْمَعِيْنَ	سب سے
لَا تَمُدَّنَّ	نہ پسارئیے آپ	النَّذِيْرُ	ڈرانے والا (ہوں)	عَمَّا	ان حرکتوں کے متعلق جو
عَيْنَيْكَ	اپنی آنکھیں	الْمُبِيْنُ	صاف صاف	كَانُوْا	وہ
اِلٰى مَا	ان چیزوں کی طرف جو	كَمَآ (۵)	(ایسے عذاب سے) جیسا	يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے
مَتَّعْنَا بِهٖٓ (۴)	برتنے کو دی ہیں ہم نے	اَنْزَلْنَا	اتارا ہم نے	فَاصْدَعْ (۹)	لہٰذا صاف صاف سنا
اَزْوَاجًا	کئی قسم کے لوگوں کو	عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ (۶)	باہم قسمیں کھانے		دیجئے
مِّنْهُمْ	ان میں سے		والوں پر	بِمَا	وہ بات جس کا
وَلَا تَحْزَنْ	اور نہ غمگین ہوں	الَّذِيْنَ (۷)	جن لوگوں نے	تُؤْمَرُ	حکم دیئے گئے ہیں آپ

(۱) أى سبع آيات وهى الفاتحة (روح) (۲) المثانى: الآيات تُتْلٰى وتُكَرَّرُ (المعجم الوسيط) جمع ہے مَثْنٰى کی، مصدر ثِنْىٌ جس کے معنی ہیں دوہرا کرنا، تکرار کرنا، اعادہ کرنا۔ (۳) سَبْعًا پر عطف ہے (۴) مَتَّعَهُ اللّٰهُ بكذا مدت تک نفع اٹھانے دینا (۵) فى الكلام حذف أى هو نذير من العذاب كما أنزلنا الآية يدل عليه قوله تعالىٰ أنذرتكم صاعقة مثل صاعقةِ عاد وثمود (فصلت ۱۳) (۶) اَلْمُقْتَسِمُ (اسم فاعل) اِقْتَسَمَ الْقَوْمُ: تَحَالَفُوْا (المعجم الوسيط) والمراد قوم صالح، تقاسموا على قتله فَسُمُّوْا مقتسمين كما قال تعالىٰ: تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ (النمل ۴۹) (قرطبی) (۷) الذين: اسم موصول مبتدا ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اور فوربک خبر ہے (۸) عِضِيْن جمع ہے اَلْعِضَةُ کی جس کے معنی ہیں جھوٹ اور جادو، مادہ ہے عَضه (باب فتح، سمع) جس کے معنی ہیں: جھوٹ بولنا، جادو کرنا، یاد رکھنا چاہئے عَضَا يَعْضُوْ عَضْوًا الشيئ: متفرق کرنا، جدا جدا کرنا، اس مادے سے بھی اَلْعِضَةُ آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: فرقہ، ٹکڑا، جھوٹ اس کی جمع بھی عِضُوْن ہے، اگر اس مادے سے لیا جائے تو جھوٹ کے علاوہ فرقہ اور ٹکڑے کے معنی بھی ہوں گے۔ (۹) صَدَعَ (ف) صَدْعًا بالحق: حق بات کو کھلم کھلا بیان کرنا۔

وَاَعۡرِضۡ	اور منہ پھیر لیجئے	فَسَوۡفَ	سوعنقریب	بِحَمۡدِ	تعریف کے ساتھ
عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ	مشرکوں سے	يَعۡلَمُوۡنَ	جان لیں گے وہ	رَبِّكَ	اپنے پروردگار کی
اِنَّا	یقیناً ہم	وَلَقَدۡ	اور البتہ تحقیق	وَكُنۡ	اور ہو جائیے
كَفَيۡنٰكَ (۱)	بچادیں گے آپ کو	نَعۡلَمُ	جانتے ہیں ہم	مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ	سجدہ کرنے والوں
الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ	ٹھٹھا کرنے والوں سے	اَنَّكَ	کہ آپ		میں سے
الَّذِيۡنَ (۲)	جو لوگ	يَضِيۡقُ	تنگ ہوتا ہے	وَاعۡبُدۡ	اور عبادت کیجئے
يَجۡعَلُوۡنَ	ٹھیراتے ہیں	صَدۡرُكَ	آپ کا سینہ	رَبَّكَ	اپنے رب کی
مَعَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے ساتھ	بِمَا	ان باتوں سے جو	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اِلٰهًا	معبود	يَقُوۡلُوۡنَ	وہ کہتے ہیں	يَاۡتِيَكَ	آجائے آپ کو
اٰخَرَ	دوسرے	فَسَبِّحۡ	سو پاکی بیان کیجئے	الۡيَقِيۡنُ (۳)	یقینی بات (موت)

رحمت خداوندی کی مثال اور عذابِ الٰہی کے نمونے پیش کرنے کے بعد اب کلام کا رخ اصل موضوع کی طرف پھر گیا ہے، اور اس کے معاً بعد سورت کی آخری موعظتیں شروع ہوگئی ہیں۔

ربط: آیت ۲۵ میں فرمایا تھا کہ آپ کے پروردگار سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کریں گے، پھر اس کے بعد کی دو آیتوں میں اس پر استدلال قائم کیا تھا، پھر انسانی زندگی کے ابتدائی احوال، شیطان کی دشمنی، شیطان کے متبعین کا انجام اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچے رہنے والوں کی جزا بیان فرمائی تھی، پھر آیت ۴۹ و ۵۰ میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں کا تذکرہ تھا کہ وہ بہت زیادہ درگذر کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔ نیز ان کی سزا دردناک سزا ہے، پھر اس کی مثالیں پیش کی تھیں، اب وہی مضمون جو آیت ۲۵ میں گذرا ہے بطور خلاصۂ بحث پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ جہاں بامقصد پیدا کیا ہے

ارشاد ہے: —— اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا —— یعنی عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں ڈال دینے والا یہ عظیم الشان نظام کائنات، آسمان، زمین، سورج اور چاند بس

(۱) كَفٰى فُلَانًا مؤونته کارگذاری کر دینا، کارگذاری سے مستغنی کر دینا كَفَيۡتُهٗ شَرَّ عَدُوِّهٖ اس کو دشمن کے شر سے بچا دینا (۲) الذین: اسم موصول مبتداء ہے اور شرط کے معنی کو متضمن ہے اور فسوف یعلمون خبر ہے (۳) موت یقینی امر ہے، اس وجہ سے اس کو ''یقین'' کہا جاتا ہے، ارشاد ہے: ﴿ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الۡيَقِيۡنُ ۝ فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ ﴾ (المدثر)

یونہی بے مقصد پیدا نہیں کئے گئے، بلکہ ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ برے کام کرنے والوں کو ان کے برے کاموں کی سزا ملے اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کی جزا ملے[۱]۔ یہ تمام کائنات اور اس کا یہ حکیمانہ نظام اسی مقصد کے لئے ہے اور وہ آخرت کی منزل ہے، ارشاد ہے: ـــــ اور قیامت یقیناً آنے والی ہے، لہٰذا آپ خوبی کے ساتھ درگذر کریں، آپ کے پروردگار ہی یقیناً بار بار کثرت سے پیدا کرنے والے ہیں، ہر چیز کے جاننے والے ہیں ـــــ یعنی جو لوگ اب بھی قیامت کا آنا تسلیم نہیں کرتے اُن کے پیچھے کب تک دماغ کھپایا جائے گا؟ اور ان سے کیا امید رکھی جائے گی؟ بہتر یہ ہے کہ اب ان کا نام چھوڑئے، غور کرنے والے کے لئے تو اتنی بات کافی ہے کہ جو ذات بار بار کثرت سے پیدا کرنے والی ہے اور ہر چیز کو جاننے والی ہے، جس کو مُردوں کے ہر ہر جزء کی خبر ہے اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟[۲]

کسی سے درگذر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہو جائے اس لئے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا، درگذر کر دیتا ہے، لیکن دل نفرت وانتقام سے لبریز رہتا ہے، یہ بھی ''درگذر کرنا'' ہے، مگر ''خوبی کے ساتھ درگذر کرنا'' نہیں، صَفْحٌ جَمِیلٌ یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ انتقام کی قدرت کے باوجود اپنی مرضی اور خواہش سے درگذر کیا جائے اور نفرت وانتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ رکھا جائے اور اگر کوئی وسوسہ آجائے تو اُسے جھٹک دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سورۂ فاتحہ عطا فرمایا ہے جو تمام بیماریوں کا علاج ہے اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے

اب سورت کی آخری نصیحتیں شروع ہوتی ہیں، یہاں ضروری ہے کہ نزول سورت کے وقت مسلمانوں کے جو حالات تھے وہ پڑھ لئے جائیں، وقت وہ تھا جب رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی خستہ حالی میں تھے، نبوت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضور اقدس ﷺ کی تجارت ختم ہو گئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سرمایہ بھی خرچ ہو چکا تھا، بہت سے مسلمان گھروں سے نکال دیئے گئے تھے، کئی ایک غلام یا موالی تھے جن کی کوئی معاشی حیثیت نہیں تھی، غرض حضور اقدس ﷺ سمیت تمام مسلمان انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل وتحقیر اور تضحیک کا نشانہ بنے ہوئے تھے، دوسری طرف سردارانِ قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال تھے اور خوشحالیوں میں مگن تھے، ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے ـــــ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی آیتوں میں سے سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے ـــــ یعنی تم کو ہم نے وہ دولت عطا فرمائی ہے جس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں، لہٰذا ـــــ آپ اپنی نگاہیں ان چیزوں کی طرف نہ پساریں، جو ہم نے اُن میں سے کئی قسم کے

(۱) دیکھئے سورۃ النجم آیت ۳۱ (۲) یہ بات تفصیل سے یٰسٓ شریف آیت ۸۱ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

لوگوں کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں، اور نہ اُن کے حال پر کُڑھیں اور اپنا بازو مؤمنین کے لئے پھیلا دیں —— یعنی کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوشحالیوں پر رشک کی نگاہ ڈالو، تمہیں جو ایک نعمت ہم نے دی ہے وہی تم کو دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے۔

یہ عظیم نعمت قرآنِ کریم ہے، اور خاص طور پر اس کی سات آیتیں جو سورۃ الفاتحہ کی شکل میں دی گئی ہیں

قرآن عظیم وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے استعمال سے قزاق و رہزن اسرارِ دین کے امین اور راز داں بن جاتے ہیں، یہی وہ گنج گرانمایہ ہے جس کو پا کر بادیہ نشینوں کی نگاہوں میں لعل و گوہر خزف ریزوں سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے، علم و حکمت کا یہ وہ بیش بہا خزانہ ہے کہ بڑے بڑے عقلاء اسی کی رہنمائی میں اپنی زندگی کی منزلوں کو طے کرتے ہیں۔ حارث اعور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سے ہو کر گذرا، میں نے دیکھا کہ وہاں لوگ اِدھر اُدھر کی باتوں میں منہمک ہیں، میں نے جا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتایا، آپ نے پوچھا کیا واقعی وہ لوگ باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا سن: میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ: ”لوگو! آگاہ ہو جاؤ، عنقریب خرابی اور بگاڑ رونما ہوگا“ حضرت علیؓ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بگاڑ سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے، جس میں گذشتہ قوموں کے حالات، مستقبل کی اطلاعات اور حال کے احکامات ہیں، جو حق و باطل میں امتیاز کرتی ہے۔ اس میں کوئی غیر حقیقی بات نہیں، جو سرکش اُسے چھوڑے گا، چور چور کر دیا جائے گا، اور جو اس کے علاوہ کسی اور کتاب سے راہ نمائی کا طالب ہوگا، اس کو اللہ پاک گمراہ کر دیں گے، قرآن اللہ پاک کی مضبوط رسّی ہے، وہ پُر حکمت نصیحت ہے، وہ سیدھا راستہ بتاتی ہے، علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی، وہ بہت زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا، اس کی حیرت انگیز باتیں تمام نہیں ہوتیں، جنات جسے سن کر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ: ہم نے ایک عجیب کتاب سنی جو بھلائی کی طرف رہ نمائی کرتی ہے، چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے“ (ترمذی و دارمی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ ہم اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”کون یہ پسند کرتا ہے کہ ہر روز بُطحان یا عقیق جائے اور بڑی کوہانوں والی دو اونٹنیاں چوری اور غصب کئے بغیر اور کسی کا حق مارے بغیر لے آئے؟“ مسجدِ نبوی کے چبوترے پر بسیرا کرنے والے طلباء نے جواب دیا: یارسول اللہ! ہم سب کو یہ بات پسند ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ”پھر ہر صبح تم مسجد میں کیوں نہیں جاتے، وہاں جا کر جو قرآن کی دو آیتیں سیکھے گا یا پڑھے گا وہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی، تین آیتیں تین اونٹنیوں سے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی، اور چار سے اوپر بھی اسی طرح بہتری ہے“ (مسلم شریف)

غرض: قرآنِ کریم بڑی دولت ہے، رشک کے لائق وہی ہے، نہ ان لوگوں کی دولت جو حرام طریقوں سے کمار ہے ہیں اور حرام راستوں میں اڑا رہے ہیں، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: ''رشک وحسد بس دو آدمیوں پر جائز ہے: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی دولت عطا فرمائی، اور وہ اسے رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اوقات میں نمازوں میں پڑھتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور وہ اُسے راہِ خدا میں رات دن لٹاتا ہو''(۱)

مگر اس عظیم دولت قرآن کریم سے بعض حضرات کے لئے استفادہ مشکل ہوتا ہے، وہ بڑی عمر میں مسلمان ہوتے ہیں، یا عمر ڈھلنے کے بعد انہیں ہوش آتا ہے، اور اب حافظہ ایسا نہیں رہتا کہ وہ پورا قرآن کریم یاد کر سکیں، ایسے حضرات کو بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، ان کے لئے اللہ پاک نے کچھ جامع سورتیں، مقدار میں بہت چھوٹی، نازل فرمائی ہیں، تاکہ وہ انہیں یاد کر کے ان کا ورد کر سکیں۔ ایسے ہی ایک صحابی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور انھوں نے درخواست کی یارسول اللہ! مجھے قرآنِ کریم یاد کرائیے، آپ نے انہیں راء والی تین سورتیں یاد کرنے کا حکم دیا (یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں حروف مقطعات میں راء ہے، سورۂ یونس سے سورۃ الحجر تک تمام سورتیں راء والی ہیں) ان صحابی نے عرض کیا: میں بوڑھا ہو چکا ہوں، دل ودماغ سخت ہو گئے ہیں، اور زبان موٹی ہو گئی ہے (یعنی اتنی بڑی سورتیں یاد کرنا میرے بس میں نہیں) آپ نے فرمایا: جن سورتوں کے شروع میں حٰمٓ ہے، ان میں سے تین سورتیں یاد کر لو، انھوں نے پھر وہی بات دہرائی کہ ان کو یاد کرنا بھی میرے بس میں نہیں، مجھے تو یارسول اللہ! کوئی جامع سورت یاد کرا دیجئے، حضور اقدس ﷺ نے انہیں سورہ ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ ﴾ یاد کرائی، جب وہ صاحب اسے یاد کر چکے تو کہنے لگے: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس سورت میں ایک لفظ بھی بڑھنے نہیں دوں گا یعنی بالکل ٹھیک ٹھیک پڑھتا رہوں گا، یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا: ''یہ معمولی آدمی کامیاب ہو گیا''(۲)

ایسی ہی ایک جامع، بلکہ بے حد جامع، پورے قرآن کریم کا خلاصہ اللہ پاک نے سورۃ الفاتحہ کی شکل میں عنایت فرمایا ہے، جس کی کل سات آیتیں ہیں، جس کا یاد کرنا ہر شخص کے لئے نہایت آسان ہے، اس کی عظمت حضور اقدس ﷺ نے ایک موقعہ پر یہ ارشاد فرما کر بیان فرمائی کہ: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تورات، انجیل، زبور اور قرآن کسی بھی آسمانی کتاب میں سورۃ الفاتحہ جیسی کوئی سورت نازل نہیں کی گئی، یہی بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی سات آیتیں ہیں اور قرآن عظیم وہ کتاب ہے جو مجھے دی گئی ہے''(۳) —— اس حدیث سے آیت پاک کے

(۱) رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ (۲) رواہ أحمد وأبو داؤد عن عبد اللہ بن عمر وابن العاص رضی اللہ عنہما (۳) رواہ الترمذی عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں: وإنہا سبع من المثانی والقرآن العظیمُ الذی أوتیتہٗ۔

دونوں ٹکڑوں کی نہایت واضح تفسیر سامنے آجاتی ہے۔

سورۃ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے:

غرض سورۃ الفاتحہ وہ بیش بہا دولت ہے جو اس امت کے علاوہ کسی امت کو نہیں ملی، مسلمان اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے، اس میں صرف دینی فائدے ہی نہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور بلاؤں کا علاج بھی ہے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''سورۃ الفاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے''[1] اس مبارک سورت کا جس قدر وردر کھا جائے باعث خیر و برکت ہے اور اسی مقصد سے عطا فرمائی گئی ہے، چنانچہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہاں اس حقیقت کی طرف یہ فرما کر اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ سات آیتیں اس کتاب کی چیدہ آیتیں ہیں جو بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے۔ جب قرآن کریم بار بار دہرانے اور پڑھنے کی کتاب ہے تو اس کے اس خلاصے اور نچوڑ کو تو اور بھی زیادہ پڑھنا چاہیے اور دہراتے رہنا چاہیے، چلتے پھرتے، دعاؤں اور مناجاتوں میں، اوراد و اذکار میں بار بار اس مبارک سورت کا ورد رہنا چاہیے۔

قرآن کریم بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے:

اس آیت میں ضمناً اور سورۃ الزمر کی تیسویں آیت میں صراحۃً یہ بات آئی ہے کہ قرآنِ کریم بار بار دہرائی جانے والی کتاب ہے، ابھی حدیث گزری ہے کہ علماء کو قرآنِ کریم سے سیری نہیں ہوتی، یعنی وہ ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور پھر بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی، بلکہ ایک حدیث قدسی میں خود اللہ پاک جل شانہ کا یہ ارشاد آیا ہے کہ: ''جو شخص قرآن کے شغل کی وجہ سے دوسرے اذکار نہ کر سکے، دعائیں نہ مانگ سکے تو میں اس کو تمام دعائیں کرنے والوں سے بہتر صلہ عطا کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسروں کے کلام پر ایسی ہے جیسی اللہ پاک کی فضیلت مخلوقات پر''[2]

قرآنِ کریم سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے:

الحمدللہ! آج بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس قدر قرآن کریم پڑھا گیا ہے دنیا کی تمام کتابیں مجموعی طور پر بھی اتنی نہیں پڑھی گئیں، امت میں ہمیشہ قرآن پاک زیادہ سے زیادہ پڑھنے کا جذبہ رہا ہے، لاکھوں کی تعداد میں ایسے باہمت لوگ ہوئے ہیں جو روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے اور ایک دو دن نہیں بلکہ پوری زندگی ان کا یہ معمول رہا ہے اور ایسے لوگ بھی کچھ کم نہیں ہوئے جو منزل ''فیل'' کا ورد رکھتے تھے یعنی تین دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے دوسری سورۂ یونس سے اور تیسری سورۂ لقمان سے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو

(۱) رواه الدارمي والبيهقي مُرسلا (۲) رواه الترمذي والدارمي والبيهقي عن أبي سعيد رضي الله عنه۔

سات دن میں قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، یہ حضرات فَمِیْ بِشَوْقٍ کاورد رکھتے تھے، یعنی پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے دوسری سورۃ المائدۃ ہے، تیسری سورۂ یونس سے، چوتھی سورۂ بنی اسرائیل سے، پانچویں سورۃ الشعراء سے، چھٹی والصفت سے اور آخری منزل سورۂ ق سے آخر قرآن تک اور قرآن پاک کا کچھ نہ کچھ حصہ تو روزانہ ہر مسلمان تلاوت کرتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ''جس پیٹ میں کچھ بھی قرآن نہیں اس کی مثال اجاڑ گھر کی ہے'' حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ''جو شخص ہر رات میں دس آیتیں پڑھتا ہے وہ ''غافل'' نہیں لکھا جاتا'' ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے مثالیں دیکر بات ذہن نشین کرائی ہے کہ وہ مؤمن جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال لیموں کی سی ہے، جس کی بو بھی شاندار اور مزہ بھی عمدہ اور وہ مؤمن جو قرآن پاک نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں بو کچھ نہیں، البتہ مزہ عمدہ ہے اور وہ بدکار جو قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی مثال پھول کی سی ہے کہ اس کی بو تو شاندار ہے مگر مزہ کڑوا ہے اور وہ بدکار جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کی ہے، جس کا مزہ نہایت کڑوا اور بو ندارد!

حدیث الحَالُّ الْمُرْتَحِل کا مطلب:

ایک اور حدیث میں ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا: ''اللہ کو سب سے زیادہ پسند کونسا عمل ہے؟'' آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْحَالُ الْمُرْتَحِلُ (وہ مسافر جو منزل پر اترتے ہی سفر شروع کردے) علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن ختم کرتے ہی فوراً دوسرا قرآن شروع کردے ایک دن کا بھی وقفہ نہ کرے[1]

---

(۱) حدیث شریف کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ مجاہد ہے جو ایک جہاد سے گھر لوٹتے ہی دوسرے جہاد کے لئے سفر شروع کردے۔ تیسرا مطلب حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حدیث شریف میں ضابطہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کام کرنے والا سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو ایک کام ختم کرتے ہی پھر دوسرا کام شروع کردے — اس دوسرے اور تیسرے مطلب کی صورت میں اَلْحَال سے مراد منزل مقصود پر فروکش ہونے والا ہے — احقر کے ناقص خیال میں بھی یہ ضابطہ کلیہ ہے، مگر الحال سے مراد منزل مقصود پر اترنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ مسافر ہے جو دورانِ سفر کسی منزل پر آرام کے لئے اترتا ہے، اب حدیث شریف کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کام کرنے والا سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جو اپنے کام کو کسی مرحلہ پر پہنچا کر موقوف نہ کردے، بلکہ اُسے آگے بڑھائے — اس مطلب کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خَيْرُ الْعَمَلِ مادِيْمَ عَلَيْهِ (بہترین کام وہ ہے جس پر مداومت کی جائے) تلاوت ایک مسلسل عمل ہے اس کی کوئی آخری منزل نہیں، لہٰذا ایک قرآن ختم کرکے دوسرا شروع کرنا بھی کام کو آگے بڑھانا ہے

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سوال عمل کے بارے میں تھا، مگر آنحضور ﷺ نے جواب عامل (کام کرنے والے) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ یہ اسلوب حکیم ہے کہ قابل دریافت عمل کا حال نہیں، بلکہ عامل کے بارے میں پوچھنا چاہئے۔

رمضان میں تراویح کی آخری رکعت میں جو دوسرا قرآن شروع کر کے **المُفلحون** تک پڑھنے کا رواج ہے وہ درحقیقت اسی حدیث کی وجہ سے ہے، مگر وہ حافظ بڑا ہی کم نصیب ہے جو **المفلحون** پر پہنچ کر گیارہ مہینوں کے لئے قرآن چھوڑ دیتا ہے، اور وہاں سے آگے دوسرے رمضان ہی میں پڑھتا ہے، یہ بڑی حرماں نصیبی ہے۔

قرآن کا پڑھنا اور سننا برابر نہیں:

اسی طرح ناس ہو ریڈیو کا کہ جب سے اس کا رواج ہوا ہے دیندار لوگ بھی صبح ریڈیو کھول کر قراءت سن لیتے ہیں اور خود تلاوت سے محروم رہتے ہیں، بلاشبہ قرآن پاک کا سننا بھی کارِثواب ہے، لیکن اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ تلاوت کا بدل ہرگز نہیں، جو لوگ خود تلاوت کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں یہ سعادت رکھی ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں، انھیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے، اور خود تلاوت کرنی چاہئے، اپنے پڑھنے میں جو انوار و برکات اور فوائد ہیں وہ سننے سے بہت زیادہ ہیں، البتہ خود تلاوت کر کے ریڈیو کی قراءت بھی سنے تو یہ بات باعث اجر و ثواب ہے۔

سورۃ الفاتحہ کو 'سات آیتیں' کیوں کہا؟

اور یہ جو فرمایا کہ: ''ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی سات آیتیں عطا فرمائی ہیں'' اور صاف یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کو سورۃ الفاتحہ عطا فرمائی ہے، اس میں دو حکمتیں ہیں: ایک وہ جو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ سات آیتیں کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا یاد کرنا کچھ مشکل نہیں، سات ہی تو آیتیں ہیں، جن کا حافظہ کام نہ کرتا ہو وہ بھی ہمت نہ ہاریں مایوس نہ ہوں۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ نماز میں اس سورت کو سات وقفوں میں پڑھنا چاہئے، حضور اقدس ﷺ بھی سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں میں پڑھا کرتے تھے، ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف دو وقفوں میں یا تین وقفوں میں پوری سورت ختم کر دی یعنی **الحمد** سے لے کر **نستعین** تک ایک سانس میں اور **اھدنا** سے آخر تک دوسرے سانس میں، یا **الحمد** سے لے کر **یوم الدین** تک ایک سانس میں اور **ایاک نعبد وایاک نستعین** دوسرے سانس میں اور **اھدنا** سے لے کر **والضالین** تک، تیسرے سانس میں جیسا کہ آج کل قراء کا عام طریقہ چل پڑا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آیتیں الگ الگ پڑھ کر لوگوں کو بتلایا کہ اس طرح حضور ہر آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے[1]۔

سورۃ الفاتحہ کو پڑھنے کا قدرتی طریقہ:

غور کیا جائے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی طریقہ یہی ہے، سورۃ فاتحہ ایک دُعا ہے اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان

(۱) ترمذی شریف باب **کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟** ص:۱۱۶، ج:۲

سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے، جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے مطلب عرض کرتا ہے تو وہ ایسا بالکل نہیں کرتا کہ ایک مقرر کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کر دے اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے، بلکہ طلب ونیاز کے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہتا ہے، مثلاً کہے گا: ’’آپ فیاض ہیں! آپ کریم ہیں! آپ کی سخاوت کی دھوم ہے! اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ سائل ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے الگ الگ کر کے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا، بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ بہ اعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے اور بات ایک ہی جملے میں پوری نہیں ہو جاتی، لیکن وقف واتصال کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے، طرز خطاب کا اداشناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن تخاطب کے لئے کہاں وقفہ کرنا چاہئے کہاں نہیں کرنا چاہئے۔

آیت کا ماسبق سے ربط:

الغرض مسلمانوں کو اُن سنگین حالات میں بتایا ہے کہ ہم نے تمہیں ایک ایسی نعمت دے رکھی ہے جس کے سامنے دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں، لہٰذا تم دنیاداروں کے ٹھاٹھ اور ان کی شان وشوکت کی طرف رشک بھری نگاہیں مت ڈالو —— دراصل یہ بات کہنی ہے مسلمانوں سے، لیکن اللہ پاک نے اپنے پیارے رسول کو مخاطب بنا کر کہی ہے، اگر مسلمانوں کو مخاطب بنا کر کہی جاتی تو ممکن تھا کہ اُن کے دلوں کو دھکا لگتا، قربان جایئے پروردگار عالم کی مہربانوں کے، اپنے پیارے بندوں کی کس طرح دل داری فرماتے ہیں، اپنے رسول کو مخاطب بناتے ہیں، جن کے بارے میں اس بات کا شبہ تک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رشک بھری نگال ڈال سکتے ہیں، اور اس طرح بالواسطہ اللہ پاک اپنے محبوب بندوں کو یہ ہدایت دیتے ہیں۔

دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ آپ ان تکذیب کرنے والوں کے حال پر نہ کڑھیں کہ یہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے، اپنے خیر خواہ کو اپنا دشمن کیوں سمجھ رہے ہیں، اپنی گمراہیوں کو اپنی خوبیاں کیوں سمجھ رہے ہیں، وہ جس راستے پر جارہے ہیں اور اپنی ساری قوم کو ساتھ لئے جارہے ہیں اس کا یقینی انجام ہلاکت ہے، پھر جو شخص انہیں سلامتی کی راہ دکھار ہا ہے ان کی اصلاح پر محنت کر رہا ہے اس کی مخالفت میں وہ ایڑی چوٹی کا زور کیوں لگا رہے ہیں؟ آپ ان تمام فکروں میں نہ پڑیں، تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں، معاندین کے غم میں اپنے آپ کو نہ گھلائیں، آپ کی شفقت وہمدردی کے مستحق مؤمنین ہیں، آپ اپنا بازو ان کے لئے پھیلا دیں، ان کے ساتھ ملاطفت، محبت اور شفقت کا برتاؤ کریں، پرندہ جس طرح اپنے بچوں کو اپنے پروں میں چھپا لیتا ہے آپ مؤمنین کو اپنی شفقتوں اور رحمتوں میں ڈھانک لیں، آپ کی توجہات کے واقعی حقدار یہی نیک مسلمان ہیں، رہے وہ جو دین سے بے پرواہی برتتے ہیں آپ ان کی فکر میں نہ پڑیں —— اور آپ اعلان کر دیں: ’’میں تو

بس صاف خبردار کرنے والا ہوں" ـــــ یعنی میں تبلیغ کا فریضہ ادا کر چکا اور پوری دلسوزی کے ساتھ ادا کر چکا، اور اب تمہیں صاف آگاہی دے رہا ہوں، کان کھول کر سن لو، اگر تمہاری یہی روش رہی تو وہ دن دور نہیں جب تمہیں اپنی تکذیب وشرارت کے عواقب سے دوچار ہونا پڑے۔

ثمود اور قریش ایک تھیلے کے چٹّے بٹّے!

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے حبیبؐ نے مخالفین کو جو آگاہی دی ہے وہ ویسے عذاب کی ہے ـــــ جیسا ہم نے باہم قسمیں کھانے والوں پر نازل کیا تھا ـــــ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود پر ـــــ اس قوم کے مرکزی شہر حجر میں نو لیڈر رہتے تھے، جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا، جس طرح مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر دشمنی میں منہمک رہتے تھے، قوم ثمود کے اُن نو لیڈروں نے آپس میں قسمیں کھائی تھیں کہ ہم سب مل کر رات کو صالح علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑیں اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے، پھر جب کوئی اُن کے خون کا دعوی کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دیں کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، ہم سچ کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی، اس طرح پلان بنا کر وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ختم کر دیں گے، مگر ان کو خبر نہیں تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے، اور ان کا قصہ ختم ہوا جا رہا ہے[۱] ـــــ مکہ کے لیڈروں کو بھی اسی انجام کی آگاہی دی گئی ہے، جو حجر کے باشندوں کا ہوا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ مکہ والوں نے بھی اپنے اس شفیق ومہربان رسول کے ساتھ دار الندوہ میں مشورہ کر کے وہی پلان بنایا تھا جو حجر والوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے لئے بنایا تھا اور ان کا پلان بھی اسی طرح گاؤ خرد ہو گیا تھا جس طرح حجر والوں کا ہو گیا تھا[۲]

سارے قرآن کو یا اس کے بعض حصہ کو جھٹلانے والوں کا انجام:

اور یہ تو دنیا کا انجام تھا، اب آخرت کا حال سنئے۔ ارشاد ہے: ـــــ جن لوگوں نے قرآن کو جھوٹا ٹھہرایا ہے (ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے) تیرے رب کی قسم! ہم اُن سے ضرور باز پرس کریں گے، اُن کے اُن اعمال کی جو وہ کرتے رہے ہیں ـــــ یعنی قرآن کو جھوٹا ٹھیرایا ہے یا اس کے بعض حصہ کو مانا اور بعض کا انکار کیا ہے، وہ جو بھی حرکتیں کرتے رہے ہیں، مثلاً حضور پاک ﷺ کو ستانا، مؤمنوں کو آزار پہنچانا اور عقائد کفریہ اور اعمالِ فسقیہ میں مبتلا رہنا، ان سب ہی اعمال کی باز پرس ہوگی ـــــ جن لوگوں نے سارے ہی قرآن کو جھوٹ کا پلندا قرار دے رکھا ہے یا اس کے جن حصوں کو اپنے لئے

(۱) دیکھئے سورۃ النمل آیات ۴۸-۵۲ (۲) تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایت القرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال کی آیت ۳۰ کی تفسیر۔

ناخوشگوار پاتے ہیں ان کو جھوٹا ٹھہرایا ہے، بخدا! آخرت میں اُن سے ضرور باز پرس ہوگی۔ اس جواب طلبی کی تفصیل سورۃ النمل کی آیات ۸۳ تا ۸۵ میں ہے، ارشاد ہے: "اور جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، سو وہ صف بستہ کھڑے کر دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ پاک جل جلالہ اُن سے پوچھیں گے کہ تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا، جب کہ تم ان کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے تھے یا کیا کرتے رہے تھے؟ اور ان کی زیادتیوں کے باعث ان پر وعدہ پورا ہو جائے گا سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے، یعنی ثبوت جرم اتنا قطعی ہوگا کہ وہ جواب دہی کرنا بھی چاہیں تو بن نہ پڑے گی۔

مشرکین کو ان کے انجام سے باخبر کر دیں پھر ان سے رخ پھیر لیں:

پس آپ وہ باتیں کھلم کھلا بیان کر دیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور شرک کرنے والوں سے رُخ پھیر لیں، ہم آپ کی طرف سے اِن ہنسی اڑانے والوں کے لئے کافی ہیں —— یعنی آگاہی اور اعلان، یہی تنبیہات اور تہدیدات، یہی دھمکیاں اور جھڑکیاں جو اس سورت کے خاتمہ میں بیان ہو رہی ہیں، آپ مشرکوں کو کھلم کھلا سنا دیں اور سنا کر ان سے رخ پھیر لیں، آپ یہ اندیشہ بالکل دل میں نہ لائیں کہ ایسی ایسی دھمکیاں سن کر کہیں وہ لوگ بپھر نہ جائیں، جھلا نہ اٹھیں اور معاملہ قابو سے باہر نہ ہو جائے، ہم آپ کی طرف سے سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے، آپ بے وف و خطر ہماری بات انہیں سنا دیں آپ کا کوئی بال بیکا نہ کر سکے گا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود ٹھہراتے ہیں، انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا —— کہ شرک کا انجام کیسا ہوتا ہے؟

داعی کی دل تنگی کا علاج ذکر اور عبادت ہے:

اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ آپ کو سخت کوفت ہوتی ہے اُن باتوں سے جو وہ کہتے ہیں، سو —— اس کا علاج یہ ہے کہ —— آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جایئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات (موت) آ پہنچے —— یعنی داعی کی دل تنگی، کوفت اور تکان کا علاج تسبیح و تحمید، ذکر، نماز، سجدہ اور عبادتِ الٰہی ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے دل مطمئن اور قلب منشرح ہوتا ہے اور فکر و غم دور ہوتا ہے، ان چیزوں سے داعی کا حوصلہ بڑھتا ہے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ مزاحمتوں کی پروا کئے بغیر اُس خدمت میں ڈٹا رہے، جس میں رب العالمین کی رضا ہے۔

یہ اعتقاد الحاد محض ہے کہ سلوک میں ایک مرتبہ ایسا آتا ہے کہ جس میں تکلیفاتِ شرعیہ ساقط ہوجاتی ہیں:

یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب یہ تدبیریں بطور علاج ہیں تو جس طرح مرض دور ہوجانے کے بعد علاج موقوف کردیا جاتا ہے، داعی بھی سو فیصد کامیابی کے بعد یہ عبادتیں موقوف کردے، چنانچہ بعض متصوفین کو یہ وسوسہ لاحق ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ سلوک میں ایک منزل ایسی آتی ہے کہ اُس کے بعد تکلیفات شرعیہ ساقط ہوجاتی ہیں۔ آیت پاک کے آخری حصے نے ان خیالات کا قلع قمع کردیا، ارشاد ہے کہ یہ عبادتیں اس وقت تک کرتے رہیے کہ آپ کو یقینی بات یعنی موت آپہنچے، معلوم ہوا کہ موت سے پہلے قطعاً ایسی کوئی حالت پیش نہیں آتی جس میں تکلیفاتِ شرعیہ ساقط ہوجائیں، تکلیفاتِ شرعیہ موت ہی پر ساقط ہوتی ہیں —— یقین کے معنی یہاں موت کے ہے۔ قرآنِ کریم میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنی میں آیا ہے، سورۃ المدثر کے دوسرے رکوع میں یہ آیت آئی ہے: ﴿ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴾ اس آیت میں تصوف کا وہ حال جسے ''یقین'' کہا جاتا ہے ہرگز مراد نہیں لیا جاسکتا۔
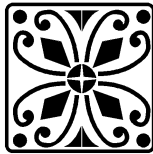
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النحل

نمبر شمار ۱۶ نزول کا نمبر ۷۰ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۶ آیات ۱۲۸

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ستّر ہے، یعنی یہ سورت مکی دور کے بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے، مکی سورتیں کل چھیاسی ہیں اور سورۃ النحل کا نمبر ستّر ہے، اس اعتبار سے اس سورت کے بعد مکہ شریف میں سولہ سورتیں اور نازل ہوئی ہیں، اس سے ایک تقریبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورت ہجرت سے سال ڈیڑھ سال پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سورت کی تمام آیتیں اسی زمانے میں نازل ہوئی ہیں، کیونکہ آیت نوے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، روایات میں اس کی صراحت ہے، نزول کے اعتبار سے سورتوں کے جو نمبر مقرر کئے گئے ہیں وہ اکثر آیتوں کے نزول کے اعتبار سے ہیں۔

یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی ہے، وہ مسلمانوں کے لئے سخت پریشانی کا زمانہ تھا، مشرکین مکہ کے ظلم وستم کی انتہا نہ رہی تھی، بہت سے مسلمان تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ بری طرح پس رہے تھے، غرض حق و باطل کی آویزش اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی اور اہل مکہ کی شرارتیں اپنی حدود سے تجاوز کر چکی تھیں۔ انھیں اپنی طاقت کا نشہ تھا، اپنے اقتدار پر غرہ تھا، اور اُن کے غرور کا پارہ حد سے بڑھا ہوا تھا، اس وجہ سے اس سورت میں نہایت حکیمانہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور ان سے جو کچھ کہنا تھا، نہایت خوش اسلوبی سے کہا گیا ہے، اس طرح یہ سورت حکمت وموعظت حسنہ کا اعلیٰ نمونہ بن گئی ہے، چنانچہ سورت کی اختتامی نصیحتوں میں دعوت الی اللہ کے لئے حکمت وموعظت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نام: اس سورت کے دو نام ہیں: مشہور نام النحل (شہد کی مکھی) ہے۔ اور دوسرا نام: النِّعَمُ (نعمتیں) ہے، پہلا نام (آیت ۶۸) ﴿ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ سے ماخوذ ہے، اور دوسرا نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ آیت ۴ تا ۱۹ میں پھر آیت ۷۷ تا ۸۲ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بخششوں کا ذکر ہے —— پہلے نام کو زیادہ اہمیت اس لئے دی گئی ہے کہ

آیت ۶۸ میں شہد کی مکھیوں کا تذکرہ ایک خاص مقصد سے کیا گیا ہے، اُس مضمون کے ذریعے بے سہارا مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ جانی دشمنوں میں سے، ازلی نیش زنوں میں سے رسولِ اکرم ﷺ کے جاں نثار، اسلام کے فداکار اور مسلمانوں کے غمگسار دوست پیدا فرمادیں، شہد کی مکھی کی نیش زنی اور ضرر رسانی سے کون ناواقف ہے، اللہ تعالیٰ اسی سے نہایت لذیذ اور مفید شہد تیار فرماتے ہیں۔

مرکزی مضامین: اس سورت میں اس قدر ہمہ جہتی مضامین ہیں کہ ان کا سمیٹنا مشکل ہے، تاہم اس سورت کے بنیادی مضامین یہ ہیں: توحید کا اثبات اور شرک کی تردید، نبوت و رسالت کی اہمیت، ضرورت اور فوائد، معاندین کو انذار وتنبیہ، عام لوگوں کو مؤثر فہمائشیں اور عمدہ نصیحتیں، اہل حق اور اہل باطل کی زندگیوں کا تفاوت اور ان کا دنیوی اور اخروی انجام، قیامت کے دن پیغمبر کا اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دینا وغیرہ وغیرہ۔

عام مضامین: سورت کا آغاز بغیر کسی خاص تمہید کے ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے ہوا ہے کہ تم جس عذاب کے لئے جلدی مچارہے ہو وہ بس آیا ہی چاہتا ہے۔ اس کے آنے سے پہلے تمہارے لئے جو سنبھلنے کا موقع ہے اس سے فائدہ اٹھالو، پھر شرک کی تردید فرمائی ہے اور اس کی جو دو بنیادیں ہوسکتی ہیں ان کو باطل کیا ہے، پھر نبوت کی ضرورت اور اس پر اعتراض کا جواب دیا ہے، ساتھ ہی توحید کا روایتی ثبوت بھی پیش کیا ہے، اس کے بعد توحید کی عقلی دلیل پیش کی ہے، یہ سب مضامین تین آیتوں میں آگئے ہیں —— پھر آیت چار سے آیت انیس تک برہان ربوبیت ہے، اور اس سے توحید الوہیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ درمیان میں آیت نو میں نبوت کی ضرورت بیان کی گئی ہے، آیت بیس اور اکیس میں برہانِ تخلیق کا ذکر ہے، پھر آیت بائیس تا انتیس میں منکرین توحید کی نفسیات ذکر کی گئی ہیں اور ان کا دنیوی اور اخروی انجام بیان کیا گیا ہے، آیت تیس تا بتیس میں مقابلۃً متقیوں کا شاندار انجام اور ان کے بہترین حالات ذکر کئے ہیں، پھر آیت تینتیس سے آیت چالیس تک معاندین کو انذار وتنبیہ ہے اور آیت اکتالیس میں ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر ملک حبشہ ہجرت کرگئے تھے، پھر آیت بیالیس سے چوالیس تک نبوت اور اس کے متعلقات کا تذکرہ ہے اور آیت پینتالیس تا سینتالیس میں منکرین کو عذابِ الٰہی کی دھمکی دی گئی ہے، پھر آیت اڑتالیس تا ترپن میں برہانِ اطاعت بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز حکم الٰہی کے سامنے منقاد ہے، پس تمہیں بھی لازماً اور دائماً اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرنی چاہئے، پھر آیت چون تا باسٹھ میں بتایا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت کسی انسان کو حاصل ہے وہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے اور اس کا تقاضا شکر گذاری ہے، مگر مشرکین کا جہل دیکھو کہ جو خالص اللہ پاک کا حق ہے اُسے تو غیر اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں اور جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں اُسے اللہ پاک کے سر لگاتے ہیں۔ پھر آیت

ترسٹھ سے یہ مضمون شروع ہوا ہے کہ شیطان انسان کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا، ساتھ ہی آنحضور ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی سے رنجیدہ نہ ہوں، نزول قرآن کا مقصد بس خدا کے بندوں پر حجت تمام کردینا ہے۔ پھر آیت ۶۵ میں اس خلجان کو دور کیا ہے کہ کفر کی تاریکی میں قرآن پاک کو ماننے والے کہاں سے آئیں گے؟ یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ بروں میں سے بھلے اور سنگ دلوں میں سے نرم دل کس طرح نکلیں گے۔ پھر آیت ۶۸ میں دشمنوں میں سے دوست پیدا ہونے کی مثال پیش کی ہے اور دوست بھی کیسے؟ آیت ستر میں بتایا ہے کہ نہایت مخلص اور سچے پکے! —— پھر آیت ۷۱ تا ۷۴ میں مشرکوں کے استدلال کی قلعی کھولی گئی ہے اور آیت ۷۵ میں مثال سے معبود حقیقی اور معبودانِ باطل کا تفاوت سمجھایا ہے، اس کے بعد کی مثال میں مؤمن اور کافر کا فرق واضح کیا ہے —— پھر آیت ۷۷ تا ۸۲ تک برہان ربوبیت کا ذکر ہے اور آیت ۸۳ میں انسان کی نانہجاری دکھائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھتا ہے، مگر شکر گزاری کا وقت آتا ہے تو کان بہرے کرلیتا ہے، بلکہ دھڑلے سے انکار کر بیٹھتا ہے —— پھر آیت ۹۸ میں یہ مضمون آیا ہے کہ قیامت کے روز انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے، اور آنحضور ﷺ کی امت دعوت کے خلاف خود رحمۃ للعالمین ﷺ کی گواہی گذرے گی، کیونکہ آپ اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم الشان کتاب پہنچا چکے ہیں جس میں ہدایت وضلالت کے سلسلہ کی ہر چیز کی پوری وضاحت موجود ہے —— پھر آیت ۹۰ میں قرآنِ کریم کے ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ہونے کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اور آیت ۹۱ تا ۹۷ میں عہد ومیثاق کا ذکر کرکے ان اصول کلیہ کی خوبی سمجھائی گئی ہے جن کا آیت ۹۰ میں ذکر آیا ہے۔ اور آیت ۹۸ تا ۱۰۰ میں قرآن پاک سے اخذ ہدایت کے سلسلہ میں جس احتیاط کی ضرورت ہے اس کو بیان کیا گیا ہے، پھر آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵ میں دو نمونے پیش کرکے سمجھایا ہے کہ شیطان کس طرح قرآن پاک سے ہدایت اخذ کرنے میں مانع بنتا ہے؟ پھر آیت ۱۰۶ میں ان کم نصیب انسانوں کی سزا بیان کی گئی ہے جو شیطانی رخنہ اندازیوں سے متاثر ہوکر ایمان لانے کے بعد منکر بن جاتے ہیں —— پھر آیت ۱۱۰ سے ۱۱۳ تک دونوں جماعتوں کا انجام دکھایا ہے، ان کا بھی جنھوں نے مخالفین کے زُہرہ گداز مصائب جھیلے اور ان کا بھی جنھوں نے بے بس مسلمانوں پر ظلم وستم توڑے، مگر ان کی تباہی کی بنیاد بجائے ظلم وستم کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کو قرار دیا ہے، پھر آیت ۱۱۴ سے ۱۱۹ تک ناشکری کا مطلب سمجھایا ہے، اور آیت ۱۲۰ تا ۱۲۴ میں سب سے بڑے شکر گزار بندے کی مثال دی ہے جو خود مخاطب قوم کے جد امجد تھے۔ اس مثال کے پردے میں اُن سے کہا گیا ہے کہ کہاں تو وہ اتنے شکر گزار بندے تھے اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے، آیت آیت ۱۲۵ سے سورت کی آخری نصیحتیں شروع ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کے اصول وآداب سمجھائے گئے ہیں۔

آیاتها ۱۲۸ (۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰) رکوعاتها ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③

بِسْمِ	نام سے	فَلَا	پس نہ	الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتوں کو
اللّٰهِ	اللہ (کے)	تَسْتَعْجِلُوْهُ (۲)	جلدی مچاؤ اس کے لئے	بِالرُّوْحِ (۳)	جان کے ساتھ
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے اس کی ذات	مِنْ اَمْرِهٖ	اپنے معاملات کی
الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	وَ تَعٰلٰى	اور برتر ہے	عَلٰى مَنْ	جس پر
اَتٰۤى	آپہنچا	عَمَّا	ان سے جن کو	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں وہ
اَمْرُ (۱)	حکم	يُشْرِكُوْنَ	شریک کرتے ہیں وہ	مِنْ عِبَادِهٖۤ	اپنے بندوں میں سے
اللّٰهِ	اللہ (کا)	يُنَزِّلُ	اتارتے ہیں وہ	اَنْ (۴)	کہ

(۱) لفظ امر حقیقت میں تمام اقوال وافعال کے لئے عام ہے (۲) اِسْتِعْجَالٌ سے فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، ہٗ ضمیر اَمر کی طرف راجع ہے، استعجال میں سین اور تا طلب کے لئے ہیں، یعنی جلدی مانگنا (۳) رُوح: کے معنی ہیں جان اور مِنْ اَمْرِهٖ میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی دین خداوندی کی جان اور مراد اس سے ہدایت اور وحی ہے، اس کو روح اس لئے کہا گیا ہے کہ جسم میں روح کا جو مقام ہے وہی مرتبہ تمام معاملات خداوندی میں ہدایت اور رہنمائی کا ہے، کیونکہ وہ ذریعہ ہے عبادت کا اور عبادت تخلیق عالم کا بنیادی مقصد ہے۔ قرآن پاک میں ایک دوجگہ اور بھی یہ مضمون آیا ہے، ارشاد ہے: ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ (المؤمن آیت ۱۵) ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (الشوری ۵۲) (۴) اَنْ مفسرہ ہے، ہمیشہ قول کے بعد آتا ہے۔ خواہ ''کہنے'' کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو یا معنوی، معنوی کی مثال ﴿ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا ﴾ (ص ۶) ہے (اور رئیس اُن میں سے چل پڑے کہ چلو!) یعنی اُن کے اٹھ کر چل دینے کا مطلب ہی یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو، اسی طرح یہاں انبیاء پر ہدایت نازل کرنے کا مطلب ہی یہ کہنا ہے کہ لوگوں کو خبردار کردو۔

اَنۡذِرُوۡۤا	آگاہ کردو (لوگوں کو)	فَاتَّقُوۡنِ[2]	سوچ سمجھ سے ڈرو!	بِالۡحَقِّ[3]	ٹھیک ٹھیک
اَنَّهٗ[1]	کہ	خَلَقَ	پیدا کئے	تَعٰلٰی	وہ برتر ہیں
لَاۤ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	السَّمٰوٰتِ	آسمان	عَمَّا	ان سے جن کو شریک
اِلَّاۤ اَنَا	مگر میں	وَالۡاَرۡضَ	اور زمین	يُشۡرِكُوۡنَ	کرتے ہیں وہ

اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے اور شرک کی تردید

اس سورت کو بغیر کسی خاص تمہید کے، ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ منکرین از راہ تکذیب وشرارت بار بار کہا کرتے تھے کہ اگر فی الواقع تمہارا دین سچا ہے تو جس عذاب کے آنے کی تم دھمکی دیتے ہو وہ آ کیوں نہیں جاتا؟ اس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ گذشتہ سورت کے آخر میں جب مکہ والوں کو، حجر والوں کے انجام سے آگاہ کیا گیا تو ان کی چھیڑ اور بھی بڑھ گئی، اس لئے ارشاد ہوتا ہے ـــــ آپہنچا اللہ تعالیٰ کا حکم، پس اس کے لئے جلدی مت مچاؤ! ـــــ یعنی وہ بس آیا ہی چاہتا ہے، جس چیز کا آنا یقینی ہو اُسے آیا ہی سمجھنا چاہئے، اور جو کچھ تھوڑی بہت مہلت دی جا رہی ہے وہ سنبھلنے کا نادر موقعہ ہے، ان قیمتی لمحات کو یونہی فضول چھیڑ خانی میں ضائع مت کرو، تم اپنی مشرکانہ روش پر غور کرو، تم جو اللہ پاک کے ساتھ دوسری چیزوں کو خدائی میں شریک کرتے ہو، وہ تمہاری کتنی بڑی غلطی ہے؟ ـــــ اُن کی ذات پاک ہے اور برتر ہے اُن سے جن کو وہ لوگ شریک کر رہے ہیں ـــــ ساجھے کی دو وجہیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ ایک شخص خود اپنے طور پر کام انجام نہیں دے سکتا، اس لئے اپنی مدد کے لئے شرکاء بناتا ہے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ مددگاروں کی تو ضرورت نہیں، مگر دوسرے زبردست ہیں، ان کا مطالبہ ہے کہ انھیں بھی کاروبار میں شریک کیا جائے، اس لئے مجبوراً ان کو پاٹنر بنانا پڑتا ہے، اب غور کرو، اللہ پاک جل شانہ کی شان عالی میں ان دونوں میں سے کسی کا بھی گذر نہیں، اُن کی ذات بے عیب ہے اور کسی کام کو خود نہ کر سکنا ایک بہت بڑا عیب ہے۔ کیا یہ عیب خدائے پاک میں ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر شرکت اور ساجھے کا کیا سوال؟

نیز مشرکین جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اللہ پاک ان سے بے حد وحساب برتر وبالا ہیں، پھر کیا اس بات کا بھی کوئی امکان ہے کہ ان شرکاء نے زور وجبر سے اللہ پاک کو شرکت پر مجبور کیا ہو؟ جب یہ دونوں وجہیں ممکن

(۱) أَنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہٗ ضمیر شان ہے أَنَّ اپنے مابعد کے ساتھ اَنۡذِرُوۡا کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول محذوف ہے (۲) فَاتَّقُوۡنِ کے آخر سے یائے متکلم محذوف ہے اور نون کا کسرہ اس کی علامت ہے (۳) أي: ملتبسًا بما يَحُقُّ لَهٗ بمقتضى الحكمة (روح)

نہیں تو پھر سوچو، شرک کے لئے کیا گنجائش رہتی ہے؟

نبوت ورسالت کی ضرورت

منکرین کے لئے نبوت ورسالت کا مسئلہ بھی ناقابل تسلیم تھا، اُن کا یہ اعتراض تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو نبی ہی بھیجنا تھا تو کیا بس محمد بن عبداللہ ہی اس کام کے لئے رہ گئے تھے، مکے اور طائف کے سارے بڑے بڑے سردار مر گئے تھے کہ ان میں سے کسی پر بھی نگاہ نہ پڑی؟ —— قرآنِ پاک یہاں توحید کے بیان کے ضمن میں نبوت ورسالت کی ضرورت کی طرف اشارہ کررہا ہے، تفصیل آگے نویں آیت میں آرہی ہے، ارشاد ہے: —— وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں، فرشتوں کے ذریعے، اپنے معاملات کی جان (ہدایت) بھیجتے ہیں (اس حکم کے ساتھ) کہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم مجھ سے ڈرو! —— اس آیت پاک میں نہایت جامعیت کے ساتھ چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی بات: حضور اقدس ﷺ کے نبی ہونے پر منکرین کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ پاک اپنے کام کو خوب جانتے ہیں، تم سے مشورہ لینے کی حاجت نہیں، وہ اپنے بندوں میں جس کو مناسب سمجھتے ہیں، اپنے کام کے لئے منتخب کرتے ہیں۔

دوسری بات: نبوت کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے —— منکرین نبوت کا استدلال یہ تھا کہ خدا نے ہمیں عقل دی ہے، جس سے ہم اپنی تمام ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری معاشی ضرورتوں کی تعلیم کے لئے نہ کسی فرشتے کو بھیجا نہ کسی انسان کو، کیونکہ ہم خود ہی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم ودانش سے اس کا انتظام کرسکتے ہیں، اسی طرح ہم اپنی دینی ضرورتوں کو بھی اپنی سمجھ بوجھ سے معلوم کرسکتے ہیں، ہمیں اس سلسلہ میں بھی کسی راہ نمائی کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنی دینی ضرورتوں کو دنیوی ضرورتوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں، تمہاری دینی ضرورت یعنی ہدایت تمام معاملات میں سب سے اہم معاملہ ہے، کیونکہ تمہاری تخلیق کا بنیادی مقصد ہماری عبادت ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) یعنی ہدایت مقصد ہے اور باقی تمام چیزیں وسائل ہیں، وسائل میں اگر کوئی خلل رہ جائے تو غیر مقصود چیزوں کا خلل ہے، لیکن اگر بنیادی مقصد میں خلل رہ جائے تو مقصد ہی فوت ہوجائے گا، اس لئے انسان کی دنیوی حاجتوں اور معاشی ضرورتوں کے بیان کے لئے اللہ پاک نے کوئی نبی نہیں بھیجا، بلکہ انسان کو بخشی ہوئی عقل وفہم پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن بنیادی مقصد یعنی ہدایت کے معاملہ میں اللہ پاک نے عقل کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ بندوں کی اس ضرورت کے

لئے نبوت ورسالت کا سلسلہ قائم فرمایا ہے تا کہ مقصد زندگی میں کوئی خلل نہ رہ جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ خدایا! میری عقل نے میری رہنمائی نہیں کی تھی۔

تیسری بات: توحید کا نقلی ثبوت پیش کیا ہے کہ توحید ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ نصب العین (مشن) رہا ہے، تمام پیغمبروں نے سب سے پہلی بات جو اپنی قوموں سے کہی ہے وہ یہی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک دنیا کے مختلف خطوں، مختلف زمانوں میں جو بھی رسول آئے انھوں نے توحید ہی کی دعوت دی ہے، حالانکہ ایک کو دوسرے کے حال اور تعلیم کی بظاہر کوئی اطلاع نہ تھی، غور کرو، کم از کم ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا مختلف اوقات میں مختلف ملکوں میں اور مختلف خطوں میں ایک ہی بات کی دعوت دینا انسان کو یہ سمجھنے پر مجبور نہیں کرتا کہ یہ بات غلط نہیں ہوسکتی؟ ایمان لانے کے لئے تنہا یہی دلیل کافی ہے!

چوتھی بات: اللہ تعالیٰ کو معبود برحق تسلیم کرنے کے بعد لازمی نتیجہ کے طور پر ''تقویٰ'' ضروری ہوجاتا ہے، تقویٰ کا مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا، اس لئے آخر میں ارشاد فرمایا کہ جب میں ہی معبود ہوں تو تم میرے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرو!

توحید کی عقلی دلیل:

توحید کی نقلی دلیل کے بعد اب عقلی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے: — انھوں نے آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک بنائے — یعنی زمین وآسمان کو پیدا کرنے میں اللہ پاک کے ساتھ کوئی شریک نہیں، پھر ان کا نظام ایسا درست بنایا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان کے انتظام میں بھی اللہ کا کوئی ساجھی نہیں[1]۔ وہ قادر مطلق ہیں، اپنا ہر کام خود ہی حکمت کے ساتھ انجام دیتے ہیں، پھر انھیں شرکاء اور مددگاروں کی کیا حاجت ہے؟

رہی شرک کی دوسری وجہ کہ اللہ تعالیٰ کو تو مددگاروں کی ضرورت نہیں، مگر مشرکین کے ٹھہرائے ہوئے شرکاء ایسے زبردست ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو ساجھا کرنے پر مجبور کرلیا ہے تو سن لو — وہ برتر ہیں، اُن (مخلوقات) سے جن کو یہ لوگ شریک کررہے ہیں — اور اللہ تعالیٰ کی برتری اتنی واضح ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ہر طرح کا نفع، نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، انسانوں کے گھڑے ہوئے خدا نہ کسی کا کچھ
بنا سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں!

(۱) یہ تمام باتیں مشرکین مکہ تسلیم کرتے تھے ۱۲

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ ع ۹

خَلَقَ	بنایا	وَ الْاَنْعَامَ(۲)	اور مویشی (کو)	تَاْكُلُوْنَ	کھاتے ہو تم
الْاِنْسَانَ	انسان کو	خَلَقَهَا	بنایا اُن کو	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
مِنْ نُّطْفَةٍ	نطفے سے	لَكُمْ	تمہارے لئے	فِيْهَا	ان میں (ہے)
فَاِذَا	پھر یکایک	فِيْهَا	اُن میں (ہے)	جَمَالٌ	رونق
هُوَ	وہ	دِفْءٌ(۳)	سرمائی پوشش	حِيْنَ	جب
خَصِيْمٌ(۱)	مباحثہ کرنے والا	وَّمَنَافِعُ	اور فوائد	تُرِيْحُوْنَ(۴)	شام کو لاتے ہو
مُّبِيْنٌ	زور بیان دکھانے والا ہے	وَمِنْهَا	اور ان کو	وَحِيْنَ	اور جب

(۱) مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مُخَاصِمٌ کے معنی میں ہے، خُصْم کے معنی ہیں: جانب، کنارہ اور مخاصمہ نام ہے جو شخصوں کا کسی مسئلہ کی دو مخالف جانبوں کو پکڑ لینا أصل المخاصمة: أن يتعلق كل واحد بُخصم الآخر أى جانبه (راغب) پھر کسی مسئلہ پر دلائل وبراہین کے ساتھ گفتگو کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا، حدیث میں ہے: ''بِکَ خَاصَمْتُ'' أى بما آتيتَ من البراهين والحجج (مجمع بحار الانوار) مُبین اسم فاعل ہے، کھول کر بیان کرنے والا۔ ابان إبانةً (افعال) (۲) منصوب بفعل مضمر، يفسره ما بعده — انعام (مویشی) بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ — مویشی کو اَنْعَامُ اس وقت کہا جاتا ہے جب ان میں اونٹ شامل ہوں (راغب) انعام جمع ہے نَعَمٌ کی، جس کے اصلی معنی صرف اونٹ کے ہیں، کیونکہ اونٹ عرب کے نزدیک بہت بڑی نعمت تھی، پھر بھیڑ، بکری اور گائے بھینس پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ (۳) مبتداء مؤخر ہے دَفِئَ (س) من البرد: گرم ہونا، اَدْفَاهُ: گرم کپڑا پہنانا، گرم کرنا، تَدَفَّأَ، اِسْتَدْفَأَ گرم کپڑا پہننا، الدِفْءُ: سخت گرمی، گرم کپڑے، گرمی حاصل کرنے کا سامان، سرمائی پوشش، الدفء: غلاف البرد (راغب) (۴) اَرَاحَ الماشية: إذا ردها الى المُراح وقتئذٍ (روح)

تَسۡرَحُوۡنَ	صبح چرنے کے لئے	اِنَّ رَبَّكُمۡ	یقیناً تمہارے رب	لَا تَعۡلَمُوۡنَ	نہیں جانتے تم
	چھوڑتے ہو	لَرَءُوۡفٌ	البتہ بڑی شفقت والے	وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ہی کا کام ہے
وَتَحۡمِلُ	اور ڈھوتے ہیں وہ	رَّحِيۡمٌ	بے حد رحم والے ہیں	قَصۡدُ (۳)	سیدھا راستہ (بتانا)
اَثۡقَالَكُمۡ	تمہارے بوجھ	وَّالۡخَيۡلَ	اور (بنایا) گھوڑوں	السَّبِيۡلِ	
اِلٰى بَلَدٍ	ایسے شہروں تک	وَالۡبِغَالَ	اور خچروں	وَمِنۡهَا	اور بعضے ان میں سے
لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا	کہ نہیں ہو تم	وَالۡحَمِيۡرَ	اور گدھوں (کو)	جَآئِرٌ	ٹیڑھے ہیں
بٰلِغِيۡهِ	پہنچنے والے اُن تک	لِتَرۡكَبُوۡهَا	تاکہ سواری کرو تم ان پر	وَلَوۡ شَآءَ	اور اگر چاہتے
اِلَّا	مگر	وَزِيۡنَةً (۲)	اور رونق (بنیں وہ)	لَهَدٰٮكُمۡ	تو منزل مقصود تک پہنچا
بِشِقِّ (۱)	مشقت میں ڈال کر	وَيَخۡلُقُ	اور پیدا کرتے ہیں		دیتے تم کو
الۡاَنۡفُسِ	جانوں (کو)	مَا	وہ (چیزیں) جو	اَجۡمَعِيۡنَ	سب کو

برہانِ ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال

ان آیتوں میں توحید کی دوسری دلیل ہے، اور یہ دلیل زیرِ نظر آیتوں میں مکمل نہیں ہوئی، بلکہ آئندہ رکوع میں جا کر مکمل ہوگی، اس دلیل کا نام برہانِ ربوبیت ہے، یعنی اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیتِ الٰہی کی بخششوں اور کرشمہ سازیوں پر نظر ڈالو، زندگی کی کوئی احتیاج ایسی نہیں جس کا انتظام نہ کر دیا ہو۔ کارخانۂ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو انسانوں کے لئے کوئی فیضان نہ رکھتا ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز صرف اس لئے بنی ہے کہ انسان کی ضرورت پوری کرے، لہٰذا انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس کی عبادتوں کا حقدار کون ہے؟ وہ رب رحیم جس نے انسانوں کی حاجتوں کا یہ سب انتظام کیا ہے یا وہ جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کے محتاج ہیں۔

اس وقت جو آیتیں ہم تلاوت کر رہے ہیں ان میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں: سب سے پہلے خود انسان کی ہستی کو، اس کی تخلیق کو اور اس کی محیر العقول صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے، پھر انسانوں کی گوناگوں ضرورتوں کے لئے جانوروں کی نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے؟

---

(۱) شِق کو بعض نے شَقَّ يَشُقُّ کا مصدر کہا ہے اور بعض نے اسم قرار دیا ہے، اس وقت ترجمہ مشقت اور جانکاہی ہوگا (۲) زینةً کا عطف لِتَرۡكَبُوۡهَا کے محل پر ہے، پس یہ بھی لتر کبوھا کی طرف مفعول لہ ہے (۳) القصد: مصدر بمعنی الفاعل يقال: سبيل قصد وقاصد أی مستقيم (روح)

خود انسان کی ہستی بڑی نعمت ہے:

ارشاد ہے: ــــ اللہ نے انسان کو نطفے سے بنایا ــــ وہی ایک قطرۂ بے جان جس میں نہ حس وحرکت تھی، نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا نہ اس لائق تھا کہ کسی معاملہ میں بحث ومباحثہ کرے ــــ پھر دیکھتے دیکھتے وہ زور بیان رکھنے والا، تکراری بن گیا ــــ یعنی دیکھو: اللہ تعالیٰ نے اُس قطرۂ ناچیز کیا سے کیا بنادیا، کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائض کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا، وہ کیسے لکچر دینے لگا، جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی اب کس طرح بال کی کھال نکالنے لگا[1] ــــ آدمی کو اللہ نے بہترین صورت دی، گویائی دی، تدبیر وعقل دی اور حواس دئے تا کہ وہ دینی اور دنیوی فوائد اور نقصانات سمجھ سکے اور اچھے برے میں تفریق کر سکے، مگر کتنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اِن نعمتوں کی قدر کرتے ہیں؟ حق وباطل میں امتیاز کرتے ہیں اور اپنے خالق ومالک کو پہچانتے ہیں؟

جانور بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں:

یہ تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا بیان تھا جو انسانی وجود کی شکل میں انسان کو حاصل ہے، اب جانوروں کی نعمت کا بیان سنئے، ارشاد ہے: ــــ اور اللہ نے مویشی بنائے جن میں تمہارے لئے سرمائی پوشش اور دیگر فوائد ہیں اور ان کو تم کھاتے بھی ہو، اور ان میں تمہارے لئے رونق ہے جب شام کو واپس لاتے ہو اور جب صبح چرنے کے لئے چھوڑتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ ڈھو کر ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانکاہی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب بڑے ہی شفیق، بے حد مہربان ہیں، اور گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے، تا کہ تم ان پر سواری کرو! اور وہ رونق بنیں اور اللہ وہ چیزیں پیدا کریں گے جن کا تمہیں علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جو جانور پیدا کئے ہیں اور جن کو عام طور پر انسان استعمال کرتے ہیں، قرآن پاک یہاں ان کو دو قسموں میں تقسیم کر کے بیان کرتا ہے:

پہلی قسم: مویشی، ڈھور، ڈنگر یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ اور بکری۔

دوسری قسم: گھوڑے، خچر اور گدھے ــــ پہلی قسم کے پانچ فائدے بیان فرمائے ہیں:

پہلا فائدہ: ان مویشی سے انسان کو گرمی حاصل کرنے کا سامان حاصل ہوتا ہے، دوشالے، شال، پوستین، کمل، دھسّے

---

(۱) اس تفسیر کے متعلق صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ: **أنسب بمقام الامتنان بإعطاء القدرة على الاستدلال بذلک علی قدرته جل جلاله ووحدته۔**

خیمے، ڈیرے اور سردی سے بچنے کے مختلف قسم کے لباس اور سامان بنائے جاتے ہیں۔

دوسرے فوائد: کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی بار برداری کے، کسی کی کھال سے جوتے، بکس اور دوسری قسم کے چرمی سامان بنتے ہیں، نیز گھی مکھن، دودھ، دہی وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے، غرض انسان کے لئے بے شمار منافع اور فوائد اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں میں رکھ دئے ہیں اور ان سب کی طرف ﴿وَّ مَنَافِعُ﴾ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔

تیسرا فائدہ: یہ مویشی انسان کی خوراک بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات انسان کو اجازت دی ہے کہ وہ ان جانوروں کو ذبح کر کے استعمال میں لائے اور ان کو اپنا معبود نہ بنائے، یہ تو ان کے خادم اور ان کی خوراک ہیں۔ ﴿وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ﴾ میں مِنْ ابتدائیہ ہو تو ترجمہ وہ ہوگا جو ہم نے اوپر کیا ہے، اور اگر تبعیضیہ ہو تو ترجمہ یہ ہوگا: ''اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو'' یعنی ان جانوروں کے اکثر حصے کھاتے ہو، کیونکہ حلال جانور کے بھی سات اعضاء ممنوع ہیں۔ حدیث شریف میں ان کے کھانے کی ممانعت آئی ہے، وہ سات اعضاء یہ ہیں:

(۱) پتّہ (۲) مثانہ (۳) ذکر (نر جانور کے پیشاب کا عضو) (۴) خصیتین (۵) فَرج (مادہ کے پیشاب کا عضو جو کھال میں ہوتا ہے۔ کھال اترنے کے بعد باقی نہیں رہتا) (۶) غدود (گلٹی) (۷) بہنے والا خون (کنز العمال ص:۶۱ ج:۴)

ضمنی بات: جانوروں کے کھانے پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے، اپنا دل خوش کرنے کے لئے اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہزاروں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر دینا بہت بڑا پاپ ہے، لیکن کوئی ان اعتراض کرنے والوں سے پوچھے کہ ان کو ذبح کر کے کھانا تو ظلم ہے مگر یہ بتاؤ ان پر سواری کرنا، بوجھ لادنا اور اپنے گھر باندھ رکھنا کونسا حسنِ سلوک ہے؟ ان کی کھالوں کی جوتیاں پہننا کونسا اعزاز ہے؟ اپنے معبودوں کے لئے بکروں کا جھٹکا کر کے نذر گزارنا کیوں عبادت ہے؟ برہمن زادہ علم حاصل کر کے گھر لوٹے تو گئو کی قربانی کرنا شکر کیوں ہے؟[1]

اصل بات یہ ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے ظلم کی حقیقت نہیں سمجھتے، ان کے ذہن میں ظلم کے معنی ایذاء رسانی کے ہیں، حالانکہ اگر ظلم کی حقیقت اتنی ہی ہے تو پھر سانپ، بچھو، موذی جانوروں، کیڑوں اور جراثیم کو مارنا بھی ظلم ہے، حالانکہ بالاتفاق یہ جائز ہے، سب ہی موذی جانوروں کو مارتے ہیں، بلکہ ظلم کے معنی ہیں: ''غیر کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں لانا'' اور جب اللہ تعالیٰ نے جو ہر چیز کے مالک اور مختار ہیں، اپنے بندوں کو اجازت دی کہ ان جانوروں کو ذبح کر کے کھا سکتے ہو تو اب خود ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کو استعمال کرنا ظلم کیوں کر ہو سکتا ہے؟

(۱) بید اور پُران میں اس رسم کا ذکر ہے ۱۲

البتہ کوئی منہ پھٹ یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا کو تو اختیار ہے، مگر انسانوں کے واسطے ان کا حلال ہونا مناسب نہ تھا تو اس کا یہ اعتراض ہم پر نہیں خداوند حکیم وعلیم کی حکمت پر ہے، اور جو خدا کو نہ بخشے اُسے بات کون سمجھاوے؟ بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے گفتگو نہ کی جائے۔

لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ ''مناسب'' کے دو معنی ہیں: ایک اپنے استحقاق کے موافق کام کرنا، اب سوچئے! ایسی کونسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس پر استحقاق حاصل نہیں؟ اور ایسا کونسا استحقاق ہے جو خدا کو اپنی مخلوقات پر حاصل نہیں؟ پھر نامناسب کیوں ہوا؟

''مناسب'' کے دوسرے معنی ہیں: ''حسب قابلیت دینا'' جیسے آئینہ اور پتھر میں قابلیت کا فرق ہے، اس لئے آئینہ کو آفتاب زیادہ نور عطا کرتا ہے اور پتھر کو کم، غرض اگر ''مناسب'' کے یہ معنی ہیں تو انسان اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے یہ جانور حلال ہوں، کیونکہ فطری قاعدہ یہ ہے کہ افضل کے لئے ادنی کی توڑ پھوڑ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے، پرانے مکان کو نیا بنانے کے لئے توڑنا ہرگز نامناسب نہیں، چنائی کے لئے اینٹوں کی توڑ پھوڑ کوئی برا کام نہیں، ایسے ہی جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت سے بدن انسانی کا نشو ونما عین صواب اور نہایت مناسب ہے، انسانوں کے لئے تو اس لئے مناسب ہے کہ اور غذاؤں کی بہ نسبت گوشت بہتر غذا ہے، اور جانوروں کے حق میں یوں مناسب ہے کہ اب اُن کے گوشت سے انسانی جسم بنے گا اور جب تک انسان زندہ ہے ان کا گوشت روح حیوانی کے بجائے روح انسانی کا مرکب (سواری) بنا رہے گا، اور ہر کوئی جانتا ہے کہ ترقی مدارج ہرگز قابل گرفت نہیں (ضمنی بات پوری ہوئی)

چوتھا فائدہ: یہ مویشی زینت وجمال اور رونق وبہجت کا ذریعہ ہیں، جب شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اور جب صبح چرنے کے لئے گھر سے نکلتے ہیں تو کیسی رونق اور چہل پہل ہوتی ہے، مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسروں کی نگاہوں میں بھی اس کی شان وشوکت کا سکہ جمتا ہے۔

اس آیت سے جمال وزینت کا جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فخر وتکبر حرام ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ جمال وزینت کا حاصل اپنے دل کی خوشی یا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہوتا ہے، نہ دل میں اپنے کو اس نعمت کا مستحق سمجھتا ہے اور نہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے، بلکہ حق تعالیٰ کے عطیہ اور انعام ہونے کا تصور رہتا ہے اور تکبر وتفاخر میں اپنے آپ کو اس نعمت کا مستحق جانتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھنا پایا جاتا ہے جو حرام ہے (بیان القرآن)

پانچواں فائدہ: یہ جانور سواری اور بار برداری کے کام آتے ہیں، خود انسانوں کا بوجھ اور اُن کا بوجھل سامان ڈھو کر دور دراز شہروں تک پہنچاتے ہیں، جہاں تک رسائی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہیں، اونٹ اور بیل خاص طور سے انسان

کی یہ خدمت بڑے پیمانے پر انجام دیتے ہیں۔ آج ریل گاڑیوں، ٹرکوں اور ہوائی جہازوں کے زمانے میں بھی انسان ان جانوروں سے مستغنی نہیں، کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں یہ نو ایجاد سواریاں بار برداری اور سواری کا کام انجام نہیں دے سکتیں، وہاں ان جانوروں کی خدمات حاصل کرنے پر انسان مجبور ہے۔

دوسری قسم: یعنی گھوڑے، خچر اور گدھوں کے دو فائدے بیان فرمائے ہیں:

پہلی فائدہ: سواری کرنا —— گھوڑے کی سواری تو ہر کسی کے نزدیک قابل فخر ہے، خچر کی سواری بھی سنت ہے، آنحضور ﷺ نے اس پر سواری فرمائی ہے اور جب آپ کی خدمت مبارکہ میں خچر کا ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے قبول فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں آپ نے خچر پیدا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس کی وجہ خود آپؐ نے یہ بیان فرمائی ہے: اِنَّمَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ الَّذِیْنَ لاَ یَعْلَمُوْنَ (یہ عمل وہی لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہیں) اس ارشاد میں ایک عظیم صنعتی ضابطہ ہے کہ بہتر اسباب کو بہتر سامان پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ بہتر آلات سے معمولی سامان وہی لوگ بناتے ہیں جو نفع نقصان نہیں سمجھتے، خچر ہی کی مثال لیجئے، خچر پیدا ہوتا ہے گھوڑی اور گدھے سے، گھوڑی بہتر ذریعہ ہے، اس سے لوگ چاہیں تو گھوڑا حاصل کر سکتے ہیں، خچر پر قناعت کر لینا بہتر ذریعہ سے کمتر درجہ کا سامان پیدا کرنا ہے۔

اسی طرح گدھے کی سواری بھی سنت ہے، سید الکونین ﷺ نے گدھے پر بھی سواری فرمائی ہے، ہندوستانیوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بھلا گدھے کی سواری کیا اور اس میں زینت وخوشنمائی کیا، وہ تو گدھا ہے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے یہاں گدھا واقعی گدھا ہے، اس وجہ سے اس کی سواری پسند نہیں کی جاتی۔ مگر عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں، وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں، بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ حقیقت نہیں، ایک زندہ دل ہندی نے عرب کے گدھے دیکھ کر کہا تھا کہ: حجاز میں ''گدھا'' نہیں ''حمار'' ہوتا ہے!

دوسرا فائدہ: زینت وخوشنمائی —— جمال وزینت میں باریک فرق ہے، جمال کہتے ہیں: خوبصورتی کو، یعنی کسی چیز کا عمدہ ہونا۔ ارشاد ہے: ﴿ وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ ﴾ (مویشی میں تمہارے لئے خوبصورتی ہے) یعنی تم مویشی کے ذریعے کتنے خوبصورت اور بارونق نظر آتے ہو اور زینت کے معنی ہیں: آرائش وخوشنمائی، عورت موزوں زیورات کے ذریعے اپنی جو آرائش کرتی ہے وہ زینت کہلاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ گھوڑے وغیرہ تمہارے لئے آرائش وزینت بھی ہیں، کیونکہ عرب یہ جانور فخریہ اور شوقیہ پالتے تھے اور اپنے لئے ان کو زینت سمجھتے تھے، جس طرح اب لوگ اسکوٹر اور کاریں اسی مقصد کے

لئے رکھتے ہیں۔

ضمنی بات: اس دوسری قسم کے جانوروں کے فوائد میں گوشت کھانے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ اللہ پاک اپنے احسانات بیان فرمارہے ہیں اور ایسے موقع پر اہم فائدہ کو نہیں چھوڑا جاتا، معلوم ہوا کہ گھوڑے خچر اور گدھے کے اہم فوائد وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے، ان کا کھانا —— اگرچہ نزولِ آیات کے وقت ان کو کھایا جاتا تھا —— ان کا کوئی اہم مقصد اور دائمی فائدہ نہیں، اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ خچر اور گدھے کے کھانے کی تو بعد میں حرمت آگئی۔ احادیث میں ان کی حرمت کی صراحت ہے اور جمہور فقہاء بھی ان کی حرمت پر متفق ہیں، البتہ گھوڑے کے معاملے میں روایات متعارض آئی ہیں، کسی سے حلال ہونا معلوم ہوتا ہے، اور کسی سے حرام ہونا، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف رہا، اور مجتہدین میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بلا کراہت گھوڑے کا گوشت حلال ہے، اور امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ ہے، بلکہ مالکی امام فاکہی تو فرماتے ہیں کہ اگرچہ مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہت ہے مگر محققین کے نزدیک صحیح حرام ہونا ہے —— امام اعظم کے نزدیک جو کراہت ہے اس کو بعض فقہاء تحریمی اور بعض تنزیہی کہتے ہیں۔ محققین کا مختار قول کراہت تنزیہی کا ہے[1]

آخر میں فرمایا کہ: ”ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا کریں گے جن کا تمہیں علم نہیں“ یعنی تمہاری بھلائی کے لئے اور تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ بکثرت ایسی چیزیں پیدا کرتے رہیں گے جن کی تم کو ابھی خبر نہیں، سچ ہے! پروردگار عالم بڑے ہی شفیق اور بے حد مہربان ہیں، وہ انسان کی پرورش کرنا چاہتے ہیں، فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، اس کی تمام احتیاجوں اور ضرورتوں کا سامان کرنا چاہتے ہیں، وہ نت نئی چیزیں پیدا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح انسانوں کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام فرماتے ہیں، اسی طرح ان کی روحانی سعادتوں کا بھی سامان کرتے ہیں۔

نبوت کی ضرورت کا بیان:

ارشاد ہے: —— اور اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے سیدھا راستہ دکھانا، جبکہ بعضے راستے ٹیڑھے بھی ہیں —— یہ نبوت کی ضرورت کا بیان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے فکر و عمل کے بہت سے مختلف راستے ممکن ہیں، بلکہ عملاً موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے راستے بیک وقت حق نہیں ہو سکتے، سیدھا راستہ تو ایک ہی ہے اور اس سے واقف ہونا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اب غور کرو! جس خدا نے انسان کی حیوانی اور دنیوی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے

(۱) صاحب درمختار نے امام اعظم رحمہ اللہ کا وفات سے تین روز پہلے کراہت کے قول سے رجوع نقل کیا ہے، مگر متون میں اس کا تذکرہ نہیں، اس وجہ سے اصحاب فتویٰ نے درمختار کی اس بات کو اہمیت نہیں دی۔

اتنے بڑے پیمانے پر انتظام کیا ہو، جس کی کچھ تفصیل ہم نے بیان کی، اس نے انسان کی دینی زندگی کے لئے جو اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، کوئی انتظام نہ کیا ہو یہ کیسے ممکن ہے؟

اور اسی بندوبست کا نام نبوت ہے، اگر تم اس کو نہیں مانتے تو بتاؤ، تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے اور کونسا انتظام کیا ہے؟ اگر کوئی کہے کہ راہِ راست تلاش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دے رکھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی عقل پہلے ہی بے شمار مختلف راستے ایجاد کر چکی ہے جو راہ راست کی دریافت میں اس کی ناکامی کا کھلا ثبوت ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ نمائی کا کوئی انتظام نہیں فرمایا تو خدا کے ساتھ اس سے بڑھ کر بدگمانی کیا ہوسکتی ہے؟ وہ جاندار ہونے کی حیثیت سے ہماری پرورش کا مکمل انتظام کریں، مگر انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری دینی زندگیوں کا انتظام نہ کریں اور ہمیں یونہی تاریکیوں میں بھٹکتا اور ٹھوکریں کھاتا چھوڑ دیں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا!

البتہ اس مرحلے میں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ انسانوں کو بھی پیدائشی طور پر دوسری تمام بے اختیار مخلوقات کی طرح برسرِ ہدایت بنادیا جاتا تو راہنمائی کی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل ہو جاتی اور نبوت کے سلسلہ کو قائم کرنے کی ضرورت واقع نہ ہوتی، اس لئے ارشاد ہے: ـــــ اور اگر وہ چاہتے تو تم سبھی کو ہدایت دے دیتے ـــــ یعنی یہ ممکن تھا، اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، مگر ان کی مشیت یہ ہوئی کہ انسان کو ایک ایسی ذی اختیار مخلوق بنایا جائے جو اپنی پسند سے صحیح یا غلط راستے کا انتخاب کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جبری ہدایت کا طریقہ چھوڑ کر نبوت و رسالت کا طریقہ اختیار فرمایا ہے، تاکہ انسان کی آزادی بھی برقرار رہے اور اس کا امتحان بھی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ تک رسائی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں، اور جو لوگ توحید کے تو قائل ہیں مگر نبوت کے منکر ہیں وہ منزل کو تو تسلیم کرتے ہیں، مگر منزل تک پہنچنے کے خواہش مند نہیں

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ۙ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

هُوَ الَّذِيٓ	وہ جنھوں نے	يُنْۢبِتُ	اُگاتے ہیں وہ	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
اَنْزَلَ	اتارا	لَكُمْ	تمہارے لئے	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) غور کرتے ہیں
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	بِهِ	اس سے	وَسَخَّرَ	اور کام میں لگا دیا
مَآءً	پانی	الزَّرْعَ	کھیتی	لَكُمُ	تمہارے لئے
لَّكُمْ (۱)	تمہارے (فائدے کیلئے)	وَالزَّيْتُوْنَ	اور زیتون	الَّيْلَ	رات
مِّنْهُ	اس میں سے (ہے)	وَالنَّخِيْلَ	اور کھجور	وَالنَّهَارَ	اور دن (کو)
شَرَابٌ	پینے کی چیز	وَالْاَعْنَابَ	اور انگور	وَالشَّمْسَ	اور سورج
وَّمِنْهُ	اور اس میں سے ہے	وَمِنْ كُلِّ (۳)	اور ہر قسم کے	وَالْقَمَرَ	اور چاند (کو)
شَجَرٌ	درخت	الثَّمَرٰتِ	پھلوں میں سے	وَالنُّجُوْمُ	اور ستارے
فِيْهِ	اس میں	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں	مُسَخَّرٰتٌۢ	کام میں لگے ہوئے ہیں
تُسِيْمُوْنَ (۲)	چراتے ہو تم	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی ہے	بِاَمْرِهٖ	ان کے حکم سے

(۱) لَكُمْ أَنْزَلَ سے متعلق ہے، مِنْهُ خبر مقدم ہے اور شَرَابٌ مبتداء مؤخر ہے، الشَّرَاب: مَا يُشْرَبُ (۲) أَسَامَ إِسَامَةً الماشيةَ چرانا، جانور کا چراگاہ کی طرف روانہ کرنا۔ (۳) من كُلِّ إلخ يُنْبِت سے متعلق ہے۔

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں	وَهُوَ	اور وہ	فِيْهِ	اس میں
لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)	الَّذِيْ	جنھوں نے	وَلِتَبْتَغُوْا	اور تاکہ تلاش کرو تم
لِّقَوْمٍ	(اُن) لوگوں کے لئے	سَخَّرَ	کام میں لگایا	مِنْ فَضْلِهٖ	اُس کے فضل سے
يَّعْقِلُوْنَ	جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں	الْبَحْرَ	دریا (کو)	وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ تم
وَمَا	اور جو کچھ	لِتَاْكُلُوْا(۳)	تاکہ کھاؤ تم	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ
ذَرَاَ(۱)	پھیلایا	مِنْهُ	اس میں سے	وَاَلْقٰى	اور ڈالے
لَكُمْ	تمہارے لئے	لَحْمًا	گوشت	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	طَرِيًّا(۴)	تازہ	رَوَاسِيَ	بوجھل پہاڑ
مُخْتَلِفًا(۲)	(درانحالیکہ) مختلف ہیں	وَّتَسْتَخْرِجُوْا	اور نکالتے ہو تم	اَنْ(۶)	نہ
اَلْوَانُهٗ	ان کے رنگ (اقسام)	مِنْهُ	اس میں سے	تَمِيْدَ	ڈگمگائے (زمین)
إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں	حِلْيَةً	(وہ) زیور	بِكُمْ	تم کو لے کر
لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی (ہے)	تَلْبَسُوْنَهَا	جسے پہنتے ہو تم	وَاَنْهٰرًا	اور نہریں (ندیاں)
لِّقَوْمٍ	(اُن) لوگوں کے لئے	وَتَرَى	اور دیکھتا ہے تو	وَّسُبُلًا	اور راہیں
يَّذَّكَّرُوْنَ	(جو) نصیحت قبول	الْفُلْكَ	کشتیوں کو	لَّعَلَّكُمْ	شاید تم
	کرتے ہیں	مَوَاخِرَ(۵)	چیرنے والی	تَهْتَدُوْنَ	راہ پاؤ

(۱) ذرأ الله الْخلق: پیدا کرنا، ذَرأَ فی الأرض: پیدا کرکے پھیلا دینا، وَمَا ذَرَأَ فعل محذوف کا مفعول ہے أی سَخَّرَ ما الخ (۲) مختلفًا حال ہے (۳) تاکلوا اور تستخرجوا مضارع، جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں، نون اعرابی لام جازم کی وجہ سے حذف ہوگیا ہے (لام جازم امر حاضر پر نہیں آتا، اس لئے اس کو مضارع حاضر پر لاکر امر حاضر کا مفہوم پیدا کرلیا جاتا ہے) —— نون اعرابی کے حذف ہونے کے بعد چونکہ واو آخر کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے واو جمع کے مشابہ ہوگیا، اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے، استخراج: نکالنا۔ (۴) طَرِيٌّ صفت کا صیغہ ہے، مصدر طَرُوَ يَطْرُوُ (ک) طَرَاوَةً ہے جس کے معنی ہیں تروتازہ ہونا (۵) مَوَاخِرَ جمع ہے مَاخِرٌ کی صفت کا صیغہ ہے باب فتح، مصدر مَخْرٌ وَمَخُوْرٌ معنی ہیں: چیرنا، مَوَاخِرَ پانی کو پھاڑنے والی کشتی، ایک جھونکے میں آگے بڑھنے والی کشتی (۶) کوفیوں کے نزدیک تقدیر عبارت لئلا تمید ہے اور بصریوں کے نزدیک کراهية أن تميد —— مَادَ يَمِيْدُ مَيْدًا وَمَيَدَانًا، ہلنا، جھکنا، ڈگمگانا، لرزنا، المَيْد: الاضطراب يميناً وشمالاً مادَ الشيئُ يميد ميدًا: إذا تحرک، ومادت الأغصان: تمايلت، وماد الرجل: تبختر (قرطبی)

وَعَلٰمٰتٍ	اور نشانات	لَا	(تو) نہ	وَالَّذِيْنَ	اور جن کو
وَبِالنَّجْمِ	اور ستاروں سے	تُحْصُوْهَا	شمار کر سکو ان کو	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں وہ
هُمْ	وہ	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے نیچے
يَهْتَدُوْنَ	راہ پاتے ہیں	لَغَفُوْرٌ	البتہ بہت درگذر	لَا يَخْلُقُوْنَ	نہیں پیدا کرتے وہ
اَفَمَنْ	تو کیا جو		کرنے والے	شَيْئًا	کچھ بھی
يَّخْلُقُ	پیدا کرتا ہے	رَّحِيْمٌ	نہایت رحم فرمانے	وَّهُمْ	اور وہ
كَمَنْ	مانند اس کے (ہے) جو		والے (ہیں)	يُخْلَقُوْنَ	پیدا کئے جاتے ہیں
لَّا يَخْلُقُ	نہیں پیدا کرتا؟	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَمْوَاتٌ[1]	مردے (ہیں)
اَفَلَا	پس کیا نہیں	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	غَيْرُ اَحْيَآءٍ	نہیں زندہ
تَذَكَّرُوْنَ	غور وفکر کرتے تم؟	مَا	جو	وَمَا	اور نہیں
وَاِنْ	اور اگر	تُسِرُّوْنَ	چھپاتے ہو تم	يَشْعُرُوْنَ	جانتے وہ
تَعُدُّوْا	شمار کرو تم	وَمَا	اور جو	اَيَّانَ	(کہ) کب
نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتیں	تُعْلِنُوْنَ	ظاہر کرتے ہو تم	يُبْعَثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جائیں گے

ربط: اِن آیتوں میں توحید کی وہی دلیل ہے جس کا سلسلہ گذشتہ آیات سے شروع ہوا ہے، ان آیات میں انسانوں کو بتایا ہے کہ اللہ کون ہستی ہیں؟ اُن کے کیا کیا کارنامے ہیں؟ اور انسان کی ضرورتوں سے اُن کا کتنا گہرا تعلق ہے؟ ان آیتوں میں اللہ پاک کی چھ نہایت اہم نعمتوں کا تذکرہ ہے: (۱) پانی (۲) چاند، سورج اور ستارے (آسمانی چیزیں) (۳) زمین (خشکی) میں پھیلی ہوئی تمام چیزیں (۴) سمندر اور اس سے حاصل ہونے والی منفعتیں (۵) بھاری پہاڑ (سامان حفاظت) (۶) منزل مقصود کی رہنمائی کرنے والی چیزیں۔

۱- پانی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے

پہلی نعمت: انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت پانی ہے، ارشاد ہے: —— اللہ وہی ہیں جنھوں نے تمھارے لئے آسمان سے پانی برسایا، جس سے تمھاری پینے کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور اسی سے درخت پیدا ہوتے

(۱) خبر ثانی ہے الذین کی۔

ہیں، جن میں تم جانور چراتے ہو، وہ اُسی پانی کے ذریعے تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجوریں، انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل اُگاتے ہیں، اس میں یقیناً بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں —— یعنی غور کرو: یہ کتنا بڑا انعام ہے، اگر اللہ تعالیٰ بارش نہ برسائیں تو انسان کیا پیئے؟ وہ سمندروں سے اتنا پانی کیسے لائے جس سے جنگل کے بے شمار درختوں، کھیتوں، باغوں اور چمن زاروں کی آبیاری ہو سکے، حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان غور کرے تو یہ ربوبیت و پروردگاری کی بہت بڑی نعمت ہے۔

۲- آسمانی نعمتیں:

دوسری نعمت: اور اللہ نے رات، دن، سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور دوسرے ستارے بھی ان کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس میں یقیناً بڑی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں —— یہ رات اور دن جو برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہیں! لوگ رات کی تاریکی اور خنکی سے راحت وسکون حاصل کرتے ہیں، اور دن کے اجالے میں کاروبار کرتے ہیں۔ اگر یہ شب وروز کا الٹ پھیر نہ ہوتو ہر چیز فنا کی گھاٹ اتر جائے۔ یہاں اگر رات ہی رات رہے تو ہر چیز برف بن جائے اور دن ہی دن رہے تو گرمی سے ہر چیز جھلس جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ رات اور دن سورج کے طلوع وغروب سے بنتے ہیں، مگر اس کا صرف اتنا ہی فائدہ نہیں، سورج اور چاند اور ان کے طلوع وغروب سے بے شمار فوائد وابستہ ہیں، بلکہ اُن کے علاوہ دوسرے اَن گنت تارے بھی کسی نہ کسی طرح انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لئے اس میں یقیناً رحمت وربوبیت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔

۳- زمینی مختلف مخلوقات بھی نعمت ہیں:

تیسری نعمت: اور جو رنگ برنگ کی چیزیں تمہارے لئے زمین میں پھیلا دیں، اِن میں یقیناً بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں —— یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، اسی طرح انھوں نے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات تمہارے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں، رنگ برنگ کی، طرح طرح کی، مختلف شکل وصورت کی بالکل ایک دوسرے سے ممتاز، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ، ان گنت چیزیں ہیں جو زمین کے اوپر اور زمین کے اندر معدنیات کی شکل میں بکھری پڑی ہیں، یہ سب اشرف المخلوقات انسان کے فائدے کے

لئے ہیں، اللہ اکبر! یہ اعزاز انسان کا! قربان جایئے ان کی رحمت و ربوبیت کی کرشمہ سازیوں کے کہ نوع بشری کی پرورش کے لئے انھوں نے کیا کیا انتظامات فرما رکھے ہیں۔

۴-سمندر کی نعمت میں پانچ فائدے:

چوتھی نعمت: اور اللہ وہی ہیں جنھوں نے دریا کو کام میں لگا دیا، تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت نکال کر کھاؤ، اور اس میں سے وہ زیور نکالو جو تم پہنتے ہو، اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں، نیز اس لئے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور اس کے لئے تم شکر گزار بنو —— یعنی دیکھو اس ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو جس کے سامنے انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط نہیں، کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے! تمہارے لئے اس میں پانچ فائدے ہیں:

(۱) تم اس میں سے مچھلی کا شکار کر کے نہایت لذیذ اور تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو، غور کرو، اللہ تعالیٰ نے دریا میں تمہاری خوراک کا کیسا اچھا انتظام کیا ہے —— مچھلی کو گوشت کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اس میں ذبح کرنے کی شرط نہیں، وہ گویا بنا بنایا گوشت ہے، مچھلی زندہ پکڑی جائے اور پھر مر جائے یا مری ہوئی ہاتھ میں آئے دونوں صورتوں میں حلال ہے —— اور تروتازہ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر مچھلی پانی میں خود بخود مر جائے اور پھول کر الٹی ہو کر پانی کی سطح پر تیرنے لگے تو اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ اب وہ تروتازہ نہیں رہی، ایسی مچھلی سمک طافی کہلاتی ہے (درمختار کتاب الذبائح)

(۲) دریا میں غوطہ لگا کر تم اپنے لئے زینت کا سامان نکالتے ہو، موتی، مونگے اور جواہرات نکال کر ان سے زیور بناتے ہو، جن کو عورتیں ہار کی شکل میں اور مرد انگوٹھیوں کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔

(۳) دریا میں تم قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ بھی کرتے ہو، سمندر کی موجوں کو دیکھو، ان کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکہ کے برابر بھی نہیں، مگر ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے، غور کرو، اللہ تعالیٰ کیسی قدرت رکھنے والے ہیں، جنھوں نے انسان کو اتنی عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سمجھائی، جن کے ذریعہ گویا سمندر پایاب ہو گیا۔

(۴) دریا کو اللہ تعالیٰ نے دور دراز شہروں کے سفر کا راستہ بنایا ہے، جہازوں اور کشتیوں پر مال لاد کر انسان ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچتا ہے، اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرتا ہے۔

(۵) دریا تمہیں شکر خداوندی بجالانے کی دعوت دیتا ہے، بحری سفر تمہارے لئے شکر کے مواقع فراہم کرتا ہے،

جب طوفان اٹھ رہے ہوں، جہاز موجوں میں گھرا ہوا ہو، اور موت وحیات کی کشمکش ہو تو کٹر سے کٹر منکر خدا کو بھی خدا یاد آجاتا ہے۔

۵-پہاڑ زمین کی میخیں ہیں:

پانچویں نعمت: —— اور انھوں نے زمین میں بھاری پہاڑ رکھ دیئے، تاکہ زمین تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے —— یعنی تمہاری زندگی اور بقاء کے لئے دیکھو یہ کتنا بڑا انتظام کیا ہے، پروردگار عالم کس طرح تمہاری حفاظت کا سامان کئے ہوئے ہیں، یہ اونچے اونچے پہاڑ جو زمین کی چھاتی پر کھڑے ہیں، جن کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، یہ اس لئے بنائے گئے ہیں کہ زمین کا توازن برقرار رہے، وہ اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔

۶-منزل مقصود پانے کی راہیں:

چھٹی نعمت: اور ندیاں اور راہیں (بنائیں) تاکہ تم منزل مقصود تک راہ پاؤ، اور نشانیاں (رکھیں) اور ستاروں سے بھی لوگ راہ پاتے ہیں —— یعنی غور کرو، اگر زمین سپاٹ ہوتی، اس میں نشانات نہ ہوتے، جیسا کہ ریگستانی علاقوں میں ہوتا ہے، تو ہر وقت بھٹک جانے کا خطرہ رہتا، اسی طرح اگر پہاڑی علاقوں میں راہیں نہ بنائی جاتیں تو یہ پہاڑ سد سکندری بن جاتے، ان کو عبور کرنا محال ہو جاتا۔ اور ایک جگہ کے لوگوں کا دوسری جگہ کے لوگوں سے رابطہ کٹ جاتا، اسی طرح بحری سفر میں، جہاں نشانات راہ بالکل ہی مفقود ہوتے ہیں یا رات کی تاریکیوں میں جبکہ نشانات راہ بےکار ہوتے ہیں، اگر پروردگار عالم رہنمائی کا انتظام نہ فرماتے تو کیا یہ سفر ممکن رہتے؟ مگر رب کریم کی پروردگاری ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے پہاڑوں میں سے ندیاں نکالیں جن کے ساتھ ساتھ راہیں بنتی چلی گئیں، اور پانی کے رک جانے کے بعد یہی ندی نالے، راستے بن گئے، جن کے ذریعہ پہاڑوں کو عبور کرنا آسان ہو گیا اور ہموار علاقوں میں امتیازی علامات رکھ دیں، پہاڑ، چشمے، درخت، ٹیلے وغیرہ مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دیں، جن سے آدمی اپنی منزل مقصود کی آسانی کے ساتھ تعیین کرنے لگا اور صحراؤں، سمندروں اور تاریکیوں میں راہ نمائی کے لئے ستارے بنائے، جنہیں دیکھ کر انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک اپنا راستہ معلوم کر رہا ہے، اب تو اس دور ترقی میں ستاروں کے ذریعے سے راہ پانے کے لئے قطب نما ایجاد کر لیا گیا ہے، قطب نما وہ آلہ ہے جو قطب ستارے کی سمت متعین کرتا ہے۔

توحید پر استدلال:

متعدد نشانیاں اور نعمتیں بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے: —— تو کیا وہ ہستی جو پیدا کرتی ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتی

دونوں یکساں ہیں؟ —— یعنی پروردگار وہ ہیں جنھوں نے تمہاری پرورش کے لئے یہ تمام کارخانہ پیدا کیا، پھر کیا کوئی دوسری ہستی ہے جو اُن کا مقابلہ کر سکے؟ کیا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کر رہی ہے اور مشرکوں کے ٹھہرائے ہوئے وہ شرکاء جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، مکھی کا ایک پَر، مچھر کی ایک ٹانگ، بلکہ جَو کا ایک دانہ یا ریت کا ایک ذرہ بھی نہیں بنا سکتے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے اور ہر گز نہیں ہو سکتے تو —— پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟ —— اس سے بڑھ کر سمجھ بوجھ کی حرماں نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ تم دوسری ہستیوں کو، جو کسی چیز کی خالق نہیں، پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک کر رہے ہو؟

اللہ کی بے شمار نعمتیں:

اور ان چند چیزوں ہی پر موقوف نہیں، اُن کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ ارشاد ہے: —— اور اگر تم اللہ پاک کی نعمتیں شمار کرو تو ان کو شمار میں نہیں لا سکتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی درگذر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو —— ہماری زندگی کا ہر سانس اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا رہین منت ہے، کارخانۂ ہستی کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی پروردگاری کی نشانی ہے، درختوں کے پھول، دھوپ کی کرنیں، ہوا کے جھونکے، بارش کے قطرے، چاند کی چاندنی، ستاروں کی جگمگاہٹ اور پرندوں کی چہچہاہٹ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چارہ سازی اور ان کی پروردگاری کی کرشمہ سازی ہے، اگر کوئی درختوں کے سبز پتے، پھولوں کی پنکھڑیاں اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گن سکتا ہے، جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے، وہ برابر لوگوں کی نمک حرامیوں اور سرکشیوں کو دیکھ رہا ہے، جس طرح وہ مجرموں کے ظاہری احوال سے واقف ہے اسی طرح وہ ان کے پوشیدہ اسرار بلکہ دل کی چھپی ہوئی نیتوں سے واقف ہے، اس پر سب کچھ عیاں ہے، مگر وہ غفور و رحیم ہے۔ ان ساری حرکتوں کے باوجود نعمتوں سے نوازتا چلا جا رہا ہے، جو علانیہ خالق کی ہستی ہی کے منکر ہیں وہ بھی نعمتوں سے مالا مال ہوئے جا رہے ہیں جو خالق کی ذات وصفات اور اختیارات وحقوق میں دوسری ہستیوں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اور منعم کی نعمتوں کا شکریہ غیر منعم کو ادا کر رہے ہیں، نعمت دینے والا ان کو بھی نعمتیں دینے سے اپنا ہاتھ نہیں روکتا، اور جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود سرکشی اور نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں، مدت العمر بے حساب احسانات کا سلسلہ اُن پر بھی جاری ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور مہربانی ہے اور اتنی بڑی ہے جس کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا۔

ردِّ اشراک:

اور اللہ تعالیٰ سے ادنی درجے کی جن دوسری ہستیوں کو لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں، نہ کہ زندہ، اور انہیں کچھ معلوم نہیں کہ کب وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے —— یعنی لوگ جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں وہ گھاس کے تنکے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود کے لئے خالق کائنات کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ کے موجود کرنے ہی سے زندہ ہوئے ہیں اور اپنی مدت العمر پوری کر کے مر گئے ہیں، اب وہ مردہ ہیں، زندہ ہرگز نہیں (۱) اور ان کے علم کا حال یہ ہے کہ انھیں خود اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، سوچو! ایسی مجبور اور بے علم مخلوقات بھلا کبھی معبود ہو سکتی ہے؟ —— ہر ملک میں مشرکوں کے جو معبود ہیں، وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہیں، بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ: وَدّ، سُوَاع، یغوث، یَعُوق اور نَسر، یہ سب صالحین کے نام ہیں جنھیں بعد کے لوگ معبود بنا بیٹھے، اور نوح علیہ السلام کی قوم کے انہی دیوی دیوتاؤں کو عرب کے مختلف قبائل نے، کسی نے کسی کو اور کسی نے کسی کو معبود بنالیا (بخاری شریف ص:۷۳۲) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ اِساف اور نائلہ دونوں انسان تھے، لات، منات اور عزیٰ کا بھی یہی حال تھا، لات وعزیٰ کے متعلق تو مشرکین عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ دونوں اللہ کے ایسے پیارے بندے تھے کہ اللہ تعالیٰ جاڑا لات کے ہاں اور گرمی عزیٰ کے ہاں بسر کرتے تھے۔ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾

ہمارے ہندوستان کے معبود رام، لچھمن اور ہنومان بھی انسان ہی تھے۔ اسی طرح جتنے اَن داتا، مشکل کشا، غریب نواز، گنج بخش اور غوث ہیں وہ سب اپنے اپنے زمانے کے اولیاء تھے، مگر بعد میں ان کے غالی معتقدین نے ان کو نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر، اپنی حاجت روائی کے لئے ان کو پکارنا شروع کر دیا، ان میں سے کسی ہستی نے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں پیدا کیا بلکہ وہ خود اللہ کے وجود دینے سے موجود ہوئے تھے، اور اب وہ سب حضرات وفات پا چکے ہیں، ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں، نہ انہیں دنیا کے احوال کا علم ہے، ان کے مزاروں پر، استھانوں پر اور مندروں پر جو لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے جبہ سائی کرتے ہیں، اُن کو اِن کا کوئی علم نہیں، انہیں تو خود اپنے بارے میں خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔

(۱) ﴿غَيْرُ اَحْيَآءٍ﴾ میں ان جاہلوں کا رد ہے جو بزرگوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مر کر بھی زندہ ہیں، اور ان کی موت بس ظاہری اور مجازی ہے، ان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ خیال محض باطل ہے۔

جو لوگ اولیاء کرام کو اپنی حاجت روائی کے لئے پکارتے ہیں، وہ اچھی طرح جان لیں کہ وہ اولیاء وفات پا چکے ہیں، انھیں خود اپنے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، انھیں دوسروں کی حاجتوں کی کیا خبر ہو سکتی ہے؟

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اِلٰهُكُمْ	تمہارا معبود	لَا جَرَمَ (۲)	لامحالہ	وَاِذَا	اور جب
اِلٰهٌ	معبود (ہے)	اَنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	قِيْلَ	پوچھا گیا
وَّاحِدٌ	اکیلا	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	لَهُمْ	اُن سے
فَالَّذِيْنَ (۱)	اب بھی جو لوگ	مَا	جو کچھ	مَّاذَآ	کیا چیز
لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	يُسِرُّوْنَ	چھپاتے ہیں وہ	اَنْزَلَ	نازل کی ہے
بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو	وَمَا	اور جو کچھ	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے
قُلُوْبُهُمْ	اُن کے دل	يُعْلِنُوْنَ	ظاہر کرتے ہیں وہ	قَالُوْٓا	بولے وہ
مُّنْكِرَةٌ	انکار کرنے والے ہیں	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	اَسَاطِيْرُ (۳)	من گھڑت قصے
وَّهُمْ	اور وہ	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کے
مُّسْتَكْبِرُوْنَ	تکبر کرنے والے (ہیں)	الْمُسْتَكْبِرِيْنَ	تکبر کرنے والوں (کو)	لِيَحْمِلُوْٓا (۴)	نتیجۂ اٹھائیں گے وہ

(۱) الفاء للإيذان بأن إصرارهم على الإنكار، واستمرارهم على الاستكبار وقع موقع النتيجة للدلائل الظاهرة والبراهين القطعية (روح) (۲) لَا جَرَمَ: ہم معنی ہے حقًّا اور یقینًا کا (۳) اُسْطُوْرَةٌ: کی جمع ہے، کہانیاں، بے سند قصے اور من گھڑت باتیں (۴) لام، لام عاقبت ہے۔

اَوْزَارَهُمْ	اپنے بوجھ	اَوْزَارِ	بوجھ	اَلَا	سنو!
كَامِلَةً	پورے پورے	الَّذِيْنَ	اُن کے جن کو	سَآءَ	برا ہے جو
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	يُضِلُّوْنَهُمْ	بہکاتے ہیں وہ	مَا يَزِرُوْنَ (۲)	(اپنے اوپر) لاد
وَمِنْ (۱)	اور کچھ	بِغَيْرِ عِلْمٍ	بغیر جانے		رہے ہیں وہ

انکارِ توحید کی وجوہ

توحید باری تعالیٰ کے دلائل تفصیل سے بیان فرما کر، اب منکرین توحید کی نفسیات اور ان کا اخروی انجام ذکر فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے —— تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اب بھی اُن لوگوں کے دل، جو آخرت کو نہیں مانتے منکر ہیں، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں —— یعنی پیچھے جو دلائل بیان ہوئے ہیں وہ ایسے صاف اور واضح ہیں کہ معمولی غور کرنے سے آدمی توحید کا یقین کر سکتا ہے، مگر آخرت فراموش لوگوں کا اب بھی حال یہ ہے کہ وہ ماننے کے لئے تیار نہیں، آخرت کے انکار نے اُن کو دنیا کی زندگی میں مست بنا دیا ہے اور وہ غرور نفس میں مبتلا ہیں، بات اُن کی سمجھ میں آرہی ہے، اور خوب آرہی ہے، ادنیٰ درجہ کا شبہ باقی نہیں رہا، مگر اب بھی اُن کی زبانیں گنگ ہیں، قرآنِ کریم کی صداقت کا اعتراف کرنے کے لئے اُن کے منہ میں تھوک خشک ہو گیا ہے۔

آیت پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی دعوت لوگوں کی سمجھ میں اچھی طرح آ گئی ہے، مگر اس کی صداقت کا اعتراف کرنے سے اُن کو دو باتیں روک رہی ہیں: ایک آخرت کا انکار، اور دوسری: تکبر، آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انہیں عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر نہیں، انھیں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش نہیں، اور گھمنڈ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انہیں سبکی محسوس ہو رہی ہے، ناک کٹی جا رہی ہے اور ان کی ہیٹی ہوتی ہے، اگر وہ قرآن کریم کا یا حضور اقدس ﷺ کی یا مسلمانوں کی بات مان لیں۔

اُن کے انکار کا حقیقی سبب یہی ہے، جو ان کے دلوں کا ایک راز ہے، جسے وہ اپنے لوگوں کے سامنے بھی ظاہر نہیں کرتے، مگر بھلا اللہ تعالیٰ سے کونسی بات چھپی رہ سکتی ہے —— یقیناً اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اس کو بھی جو وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں —— یعنی اللہ تعالیٰ کو سب باتوں کی خبر ہے، انکار کی جو وجہ وہ منہ سے ظاہر کرتے ہیں اس کی بھی خبر ہے اور جو وجہ اُن کے دلوں میں چھپی ہوئی ہے اس کی بھی خبر ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے طشت از بام کر دیا کہ آخرت

(۱) وَمِنْ معطوف ہے اَوْزَارَهُمْ پر اور مِنْ تبعیضیہ ہے (۲) وَزَرَ يَزِرُ وَزْرًا وَوِزْرًا الشيئَ: اٹھانا، وَزَرَ الرجلُ: بوجھل چیز کو پیٹھ پر اٹھانا، اَلْوِزْرُ: گناہ، بھاری بوجھ، جمع: اَوْزَار۔

فراموشی اور غرور نفس نے اُن کو اس سعادت سے محروم رکھا ہے اور آخرت فراموشی کا سبب بھی یہی غرور نفس ہے، گھمنڈی شخص کو کسی حقیقت کا انکار کردینے میں باک نہیں ہوتا، کسی صداقت کی اس کے دل میں قدر باقی نہیں رہتی، کسی اخلاقی ضابطے کو برداشت کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتا اور اُسے اس کی بالکل پرواہ نہیں رہتی کہ اس کی حرکتوں کا دنیا میں یا آخرت میں انجام کیا ہوگا، وہ بالکل انجام فراموش بن جاتا ہے، اس لئے ارشاد ہے —— اللہ تعالیٰ غرور میں مبتلا لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے —— یعنی غرور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی پسندیدہ چیز نہیں، مغرور آدمی دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بری گت بنے گی، حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن متکبر کا حشر چیونٹیوں کی طرح ہوگا، انھیں لوگ اپنے پیروں میں روندیں گے اور یہ برا انجام ان کے تکبر کا نتیجہ ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میدانِ حشر میں متکبروں کے جسم اتنے چھوٹے کردئے جائیں گے کہ وہ پیروں میں پس جائیں گے، اور جہنم رسید ہونے کے بعد اُن کے جسم بڑے سے بڑے کردئے جائیں گے، تا کہ وہ عذاب کا مزہ زیادہ سے زیادہ چکھیں۔

منکرین انکار کی جو وجہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی، اب دیکھئے وہ لوگوں کے سامنے کیا وجہ بیان کرتے ہیں، ارشاد ہے: —— اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ: ''تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟'' تو وہ جواب دیتے ہیں کہ: ''اگلوں کے من گھڑت قصے!'' —— جب نبی کریم ﷺ کی دعوت کا چرچا اطراف واکناف میں پھیلا تو مکہ شریف کے لوگ جہاں جاتے، اُن سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ہاں جن صاحب نے نبوت کا دعوی کیا ہے، اُن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں، اُن پر جو قرآن نازل ہوا ہے وہ کس قسم کی کتاب ہے؟ —— اسی طرح مکہ شریف کے عام لوگ جب اپنے رؤسا سے پوچھتے کہ قرآنِ کریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور اس کے مضامین کیسے ہیں؟ تو وہ سردار جواب دیتے کہ قرآن میں رکھا ہی کیا ہے؟ اگلے لوگوں کے چند بے سند قصے ہیں! اور بھلا من گھڑت باتیں بھی کوئی ایسی چیز ہیں جن کا یقین کیا جائے!

منکرین توحید کا انجام:

کفار مکہ ہمیشہ اس طرح کی باتیں کرکے اپنے متبعین کے دلوں میں قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیا کرتے تھے اور انہیں حضور پاک ﷺ سے متنفر کیا کرتے تھے اور وہ اپنی اِن حرکتوں کے انجام سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ اب انہیں اُن کے کرتوتوں کا انجام سنایا جارہا ہے۔ ارشاد ہے: —— نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کا بھی (اٹھائیں گے) جن کو یہ نادانی سے گمراہ کررہے ہیں، سن لو! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں —— یعنی ان کو اپنے گناہوں کا بوجھ تو پورا پورا اٹھانا ہی ہوگا، جن کو وہ اپنی نادانی سے

گمراہ کررہے ہیں ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ ان کے حصے میں آئے گا۔

کسی کی ہدایت کا سبب بننا یا کسی کی گمراہی کا سبب بننا بھی ایک عمل ہے جس کی جزاوسزا ضرور ملے گی!

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

قَدْ	تحقیق	فَخَرَّ	پس گر پڑی	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے روز
مَكَرَ	چالیں چلے	عَلَيْهِمُ	اُن پر	يُخْزِيْهِمْ	رسوا کریں گے انھیں
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	السَّقْفُ	چھت	وَيَقُوْلُ	اور پوچھیں گے
مِنْ قَبْلِهِمْ	اِن (مکہ والوں) سے	مِنْ فَوْقِهِمْ	اُن کے اوپر سے	اَيْنَ	کہاں ہیں
	پہلے ہوئے	وَاَتٰىهُمُ	اور پہنچا انھیں	شُرَكَآءِيَ	میرے شرکاء
فَاَتَى	سو پہنچے	الْعَذَابُ	عذاب	الَّذِيْنَ	وہ جو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	كُنْتُمْ	تھے تم
بُنْيَانَهُمْ	ان کی عمارتوں کو	لَا يَشْعُرُوْنَ	گمان نہیں کرتے تھے وہ	تُشَآقُّوْنَ (۲)	جھگڑا کرتے تھے
مِنَ الْقَوَاعِدِ (۱)	بنیادوں سے	ثُمَّ	پھر	فِيْهِمْ	اُن کے بارے میں؟

(۱) مِنْ ابتدائیہ ہے، اَلْقَوَاعِد جمع ہے اَلْقَاعِدَةُ کی، جس کے معنی ہیں: بنیاد (۲) شَاقَّهُ شِقَاقًا وَمُشَاقَّةً: مخالفت کرنا، دشمنی کرنا، جھگڑا اور ضد کرنا شَقٌّ (پھٹنا) یا شِقٌّ (جانب، کنارہ) سے ماخوذ ہے۔

قَالَ	بولے	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتوں نے	عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں
الَّذِيْنَ	وہ جو	ظَالِمِيْٓ (۱)	درانحالیکہ وہ ظلم کر رہے تھے	بِمَا	وہ جو
اُوْتُوا	دیئے گئے			كُنْتُمْ	تھے تم
الْعِلْمَ	علم	اَنْفُسِهِمْ	اپنی جانوں پر	تَعْمَلُوْنَ	کرتے
اِنَّ	یقیناً	فَاَلْقَوُا	پس انھوں نے ڈالی	فَادْخُلُوْٓا	لہٰذا گھس جاؤ
الْخِزْيَ	رسوائی	السَّلَمَ (۲)	اطاعت	اَبْوَابَ جَهَنَّمَ	جہنم کے دروازوں میں
الْيَوْمَ	آج	مَا	نہیں	خٰلِدِيْنَ	سدا رہا کرو
وَالسُّوْٓءَ	اور برائی	كُنَّا نَعْمَلُ	کرتے تھے ہم	فِيْهَا	اُس میں
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	(ان) کافروں کیلئے ہے	مِنْ سُوْٓءٍ	کوئی برائی!	فَلَبِئْسَ	سو کیا ہی برا
الَّذِيْنَ	جن کی	بَلٰٓى	کیوں نہیں!	مَثْوَى	ٹھکانا (ہے)
تَتَوَفّٰىهُمُ	جان نکالی	اِنَّ اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ یقیناً	الْمُتَكَبِّرِيْنَ	متکبروں کا!

متکبروں کا دنیوی اور اخروی انجام

انہیں متکبروں کا، جن کا ذکر گذشتہ آیات میں آیا ہے، دنیوی اور اخروی انجام سنئے۔ارشاد ہے —— اِن سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، وہ بھی چالیں چلے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کی بنائی ہوئی عمارت کی بنیاد پر پہنچے، چنانچہ اُن پر چھت اُوپر سے آپڑی، اور عذاب اُن پر ایسے رُخ سے آیا جدھر سے آنے کا ان کو گمان بھی نہیں تھا —— یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغامِ حق کو دبانے کے لئے جو چالیں آج چلی جارہی ہیں، اِن سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے میں ایسی چالیں چلتی رہی ہیں، مگر ان کی چالیں خود ان پر الٹ دی گئیں، قرآنِ کریم اُن تمام تاریخی سرگذشتوں کو تمثیلی رنگ میں پیش کررہا ہے کہ انھوں نے مکر کے بڑے اونچے محل تعمیر کئے تھے، مگر دیکھ لو، انجام کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر کے محل جڑ سے اُکھاڑ پھینکے، جو منصوبے انھوں نے گانٹھے تھے تار تار کردیئے اور وہ اس طرح برباد ہوگئے جیسے چھت کے نیچے آدمی دب کر مرجاتا ہے، اُن کا جمع کردہ سامان اُن کی ہلاکت کا سبب بن گیا، اور عذاب اُن پر ایسے

(۱) اصل ظالمین ہے، اضافت کی وجہ سے نونِ جمع حذف ہوا ہے۔(۲) السَّلَمَ: صلح وانقیاد، فرمانبرداری، اطاعت وعاجزی، تَسْلِيْمٌ (سپرد کرنا) کا اسم ہے وأصله الإلقاء فی الأجسام فاستعمل فی إظهارهم الانقیاد، اشعارًا بغایة خضوعهم وانقیادهم، وجعل ذلک کالشیئ الملقیٰ بین یدی القاهر الغالب (روح)

راستوں سے آیا جدھر اُن کا خیال بھی نہیں جاتا تھا۔

یہ انجام تو ان کا دنیا ہی میں ہوا —— پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل وخوار کریں گے اور اُن سے پوچھیں گے: ''بتاؤ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟'' —— یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ، اپنے زعم وپندار کے مطابق میرے جن شرکاء کی حمایت میں تم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ انھیں ہمارے سامنے لاؤ! ذرا اُن کا دم خم دیکھیں! —— احکم الحاکمین غضبناک ہوکر جب یہ مطالبہ فرمائیں گے تو بڑا ہی خوفناک منظر ہوگا، مشرکوں پر سناٹا چھا جائے گا، پورا میدان محشر دم بخود ہوجائے گا، مشرکین کی زبانیں گنگ ہوجائیں گی، اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کے سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا، وہ وقت اُن کی بڑی رسوائی کا ہوگا۔ اُس وقت —— اہل علم کہیں گے: ''آج یقیناً رسوائی اور بدبختی کافروں کے لئے ہے!'' —— یعنی اہل علم آپس میں یہ باتیں کریں گے، وہ سوال کے تیور سمجھ لیں گے۔ انھیں یقین آجائے گا کہ اب مشرکوں کے لئے رسوائی اور بدبختی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ رسوائی اور بدبختی اُن کافروں کے لئے ہے —— جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے ظلم کر رہے تھے —— یعنی جن کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوا تھا، انہیں کا یہ انجام ہوگا، اور جو نصیحت پذیر ہوکر موت سے پہلے سنور گئے اور کفر وشرک سے توبہ کرلی، انھیں یہ برا دن ہرگز نہیں دیکھنا پڑے گا۔

جب مشرکین اپنے شرکاء کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں کرسکیں گے نہ وہ شرکاء کسی قسم کی مدد کرسکیں گے —— تب وہ اطاعت رکھ دیں گے (اور کہیں گے) ہم تو کوئی بھی برائی نہیں کرتے تھے! —— کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑتے تھے اور کہاں اب اطاعت ووفاداری کا اظہار شروع کردیں گے، وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ ہم شرک تو کیا کرتے، ہم نے تو کبھی کوئی بری حرکت بھی نہیں کی، ہمیشہ نیک چلن رہے، اس پر ارشاد ہوگا —— کیوں نہیں؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ تم کرتے رہے ہو —— یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ کیا خدا کے علم میں تمہاری ساری حرکتیں نہیں ہیں؟ آج تمہارا جھوٹ تمہیں خدائی سزا سے بچا نہیں سکتا، وقت آگیا ہے کہ تم اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو، لہٰذا —— اب جاؤ، جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ، تمہیں ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے، دیکھ لو! جہنم گھمنڈ کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا ہے! —— یعنی جاؤ اپنے اپنے اعمال کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اُس کے مختلف درجوں میں گھس جاؤ، اور یہ بھی سنتے جاؤ کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے، اب کبھی وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

وَقِيْلَ	اور پوچھا گیا	خَيْرٌ	بہت بہتر (ہے)	يَجْزِي اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ جزا دیتے ہیں
لِلَّذِيْنَ	اُن سے جو	وَلَنِعْمَ	اور واقعی اچھا ہے	الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو
اتَّقَوْا	شرک وگناہ سے بچے	دَارُ	گھر	الَّذِيْنَ	جن کی
مَاذَآ	کیا چیز	الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کا	تَتَوَفّٰىهُمُ	جانیں نکالتے ہیں
اَنْزَلَ	نازل کی (ہے)	جَنّٰتُ (۲)	یعنی باغات	الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے
رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے؟	عَدْنٍ	ہمیشہ رہنے کے	طَيِّبِيْنَ (۴)	پاکیزگی کی حالت میں
قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	يَّدْخُلُوْنَهَا	داخل ہوں گے وہ ان میں	يَقُوْلُوْنَ	کہیں گے وہ
خَيْرًا (۱)	بہترین چیز!	تَجْرِيْ	بہتی ہیں	سَلٰمٌ	سلامتی ہو
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے	عَلَيْكُمُ	تم پر
اَحْسَنُوْا	نیکوکار ہوئے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	ادْخُلُوا	جاؤ
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں	لَهُمْ (۳)	ان کے لئے (ہے)	الْجَنَّةَ	جنت میں
حَسَنَةٌ	بھلائی (ہے)	فِيْهَا	ان میں	بِمَا	اُن کاموں کے بدلے جو
وَلَدَارُ	اور یقیناً گھر	مَا يَشَآءُوْنَ	جو چاہیں گے وہ	كُنْتُمْ	تم تھے
الْاٰخِرَةِ	آخرت کا	كَذٰلِكَ	اسی طرح	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

برے لوگوں کے انجام کے بعد اچھے لوگوں کے انجام کے تین فائدے

متکبروں کے احوال اور اہل باطل کا انجام بیان فرما کر متقیوں کے حالات اور ان کا شاندار انجام بیان فرماتے ہیں،

(۱) خَيْرًا مفعول ہے فعل محذوف کا أی أَنْزَلَ خَيْرًا (۲) جَنّٰتُ بدل ہے دَارُ کا (۳) لَهُمْ خبر مقدم ہے، مَا يَشَاءُوْنَ مبتداء مؤخر کی، اور فِيْهَا حال ہے، تقدیر عبارت: حاصل فیها ہوگی (۴) طَيِّبِيْنَ حال ہے هُمْ سے۔

قرآنِ کریم ہمیشہ ہی برے لوگوں کے برے انجام کے بعد اچھے لوگوں کا اچھا انجام بیان کرتا ہے[1] جن کے کئی مقصد ہیں، مثلاً:

(۱) اہل باطل کے اعمال کی برائی واضح کرنا اوران کے انجام کی خرابی ذہن نشین کرنا —— برائیاں ہمیشہ اچھائیوں سے پہچانی جاتی ہیں، اگر کسی جگہ تمام لوگ برائیوں کے گرویدہ ہوجائیں تو برائی کا تصور ختم ہوجائے گا، بلکہ برائی کو فیشن کا رتبہ حاصل ہوجائے گا، اس لئے قرآنِ کریم اہل باطل کی برائیوں کے ساتھ پرہیزگاروں کے احوال ضرور بیان کرتا ہے تاکہ اگر برائی میں مبتلا لوگوں کو غور وفکر کرنے کی توفیق ہو تو وہ تقابلی مطالعہ کر کے اور باہم موازنہ کر کے برائیوں کی برائی سمجھ سکیں۔

اسی طرح کلفتیں اور اذیتیں، راحتوں اور نعمتوں کے مقابلے میں شدید معلوم ہوتی ہیں، وہی درد آشنا ہوتا ہے جو راحتوں کا لطف جانتا ہے اور وہی اذیتوں پر کڑھتا ہے جو نعمتوں سے لطف اندوز ہوچکا ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم اہل باطل کے انجام کو بھیانک بنانے کے لئے اور اس کی شدت کو دوآتشہ کرنے کے لئے، ساتھ ہی متقیوں کا انجام بھی بیان کرتا ہے۔ اب بات صرف اتنی نہیں رہتی کہ اہل باطل کا یہ اور یہ انجام ہوگا بلکہ پوری بات یہ بنتی ہے کہ اس شاندار انجام سے محروم ہوکر اُن کا یہ اور یہ انجام ہوگا۔

(۲) اہل باطل کو رحمت خداوندی کا امیدوار بنانا اور انھیں یاس وقنوطیت سے محفوظ رکھنا —— اس مقصد کی طرف قرآنِ کریم اس طرح اشارہ کرتا ہے کہ اہل باطل کا یہ انجام اُسی صورت میں ہے کہ موت سے پہلے انہیں ہوش نہ آئے، ظلم وسرکشی کی حالت میں ان کی روح قبض ہوجائے، لیکن اگر وہ موت سے پہلے اپنے آپ کو سنوار لیں، شرک وکفر سے توبہ کرلیں، معصیت ونافرمانی سے کنارہ کش ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو پھر اُن کا وہ انجام ہرگز نہ ہوگا، بلکہ اب اُن کا انجام دوسرا ہوگا اور نہایت شاندار ہوگا۔ اسی وجہ سے گذشتہ آیات میں جب اہل علم کا یہ مقولہ ذکر کیا کہ: ''آج رسوائی اور بدبختی کافروں کے لئے ہے!'' تو چونکہ اہل علم نے یہ بات مطلق کہی تھی، اس لئے اللہ پاک نے قید بڑھائی کہ: ''اُن کافروں کے لئے جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کررہے تھے'' یعنی جو لوگ فرشتوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ظلم وعناد سے باز آجائیں اُن کے لئے آخرت میں رسوائی اور بدبختی نہیں ہوگی، بلکہ اعزاز واکرام اور نیک بختیاں ہوں گی۔

---

(۱) اسی طرح اچھے لوگوں کے انجام کے بعد، قرآنِ کریم ہمیشہ برے لوگوں کا انجام بیان کرتا ہے، اس میں بعض مصلحتیں تو وہی ہیں جو یہاں بیان کی گئی ہیں اور بعض مصلحتیں اُن کے علاوہ ہیں جو اپنے موقع پر بیان کی جائیں گی۔

(۳) اہل باطل کو سنورنے کی ترغیب دینا —— گویا اُن سے کہا جا رہا ہے کہ خدا کے بندو! دونوں زندگیوں کا موازنہ کرو اور دونوں انجاموں کا فرق سمجھو! اپنے ہاتھوں اپنا نقصان نہ کرو، بہتر زندگی اختیار کرو اور اچھے انجام کے حقدار بنو۔

متقیوں کے حالات اور ان کا شاندار انجام

مذکورہ بالا مقاصد کے پیش نظر متکبروں کے احوال کے بعد اب متقیوں کے احوال پڑھئے۔ ارشاد ہوتا ہے: —— اور پرہیزگاروں سے پوچھا گیا: ''تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟'' تو انھوں نے جواب دیا: ''بہترین چیز!'' (نازل فرمائی ہے!) —— مکہ شریف سے باہر کے لوگ جب اسلام کا شہرہ سن کر، تحقیق حال کے لئے مکہ آتے اور مشرکین سے اُن کی ملاقات ہوتی تو وہ ان سے قرآنِ کریم کے بارے میں تحقیق کرتے، مشرکین قرآن کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بناتے کہ اُن آنے والوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے، وہ بد دیانتی سے غلط پروپیگنڈا کر کے ان کو بہکانے اور غلط فہمیوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ باہر سے آنے والے اکثر تو حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کئے بغیر ہی واپس لوٹ جاتے، لیکن اگر اتفاق سے کسی کی مسلمان سے ملاقات ہو جاتی اور ان پرہیزگاروں سے آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کے بارے میں اور قرآنِ کریم کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اُن کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرتے، وہ قرآنِ کریم کی تعریفیں کرتے، جس کی وہ حقدار تھی، وہ انھیں بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کلام اُتارا ہے جو سرتا سر خیر وبرکت ہے۔

پرہیزگار یعنی بچنے والے، شرک وکفر، فسق وفجور اور تمام معصیتوں سے بچنے والے، ارشاد یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ شرک وکفر سے کنارہ کش ہو گئے ہیں، اُن کا تأثر دیکھو، قرآن پاک کے بارے میں اُسی سوال کا، جس کا جواب تم نے ''اگلوں کے بے سند قصے'' کہہ کر دیا تھا، وہ کیا جواب دیتے ہیں، دیکھو ان کا جواب کس قدر عقیدت وادب میں ڈوبا ہوا ہے، انہی —— نیکوکاروں کے لئے اِس دنیا میں بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر تو یقیناً بہت بہتر ہے، اور واقعی (آخرت) بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا۔ دائمی قیام کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں اُن کا جس چیز کو جی چاہے گا مل جائے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اُن متقیوں کو جزا دیتے ہیں جن کی جانیں پاکیزگی کی حالت میں فرشتوں نے یہ کہتے ہوئے، قبض کی تھیں کہ: ''تم پر سلامتی ہو!'' —— اور قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا —— جاؤ جنت میں ان کاموں کے بدلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔

اب آیتوں کی تفصیل نمبروار پڑھئے:

(۱) آپ پڑھ چکے ہیں کہ مشرکوں کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد، لیکن نیکوکاروں کے لئے اِس دنیا میں بھی

بھلائی ہے اور آخرت میں بھی خوشحالی، جن لوگوں نے بھلائی کی ہے اس دنیا میں بھی انہیں بھلائی کا خوشگوار پھل ضرور مل کر رہے گا، خدا کے یہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی اور آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا وہ سب نیکو کاروں کے لئے مخصوص ہیں۔

(۲) پہلا انجام ان لوگوں کا تھا جو موت تک برائیوں میں سرگرم رہے ہیں اور یہ انجام ان لوگوں کا ہے جو کفر وشرک، فسق وفجور اور خدا کی نافرمانیوں سے پرہیز کرتے رہے ہیں، جب ان کی موت آتی ہے تو ان کی روح ایمان وعمل کی برکت سے نہایت پاکیزہ بن جاتی ہے۔

(۳) پہلے گروہ کے لئے ذلت وخواری اور عذاب تھا اور ان لوگوں کو موت کے ساتھ ہی سلامتی کا پیام مل جاتا ہے۔

(۴) پہلے گروہ سے کہا گیا تھا کہ جاؤ گھس جاؤ جہنم کے دروازوں میں اور نیکو کاروں سے کہا جائے گا کہ "جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے میں" اور یہ کہہ کر ان کے دلوں کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا یعنی جنت میں تمہاری یہ باریابی کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان میں نہیں، بلکہ تمہارے حسن عمل اور شیوۂ اطاعت کا ثمرہ ہے۔

(۵) پہلے گروہ کی سزا بھی دائمی ہے اور نیکو کاروں کی جزا بھی ابدی ہے، مگر انداز بیان کی خوبی دیکھئے کہ ان کے لئے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ فرمایا یعنی انھیں ہمیشہ کے لئے اس میں رہنا ہے، جس طرح مجرم قید خانہ میں رہتا ہے اور متقیوں کے لئے ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ فرمایا یعنی بہشت دائمی قیام کے باغات ہیں، جنتی تا ابد اس میں خوش وخرم رہیں گے، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

(۶) گھمنڈ کرنے والوں کے انجام کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے اور تقوی کی راہ چلنے والوں کے لئے ارشاد ہے کہ جنت ان کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہے۔

(۷) متقیوں کے انجام یعنی جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جنتی وہاں جو کچھ چاہیں گے وہ انھیں مل جائے گا، ان کی مرضی اور پسند کی ہر چیز انہیں میسر آئے گی، وہاں ان کا ہر ارمان نکلنے گا۔ ان کی ہر آرزو پوری ہوگی، اور ان کی ہر چاہت حاصل ہو کر رہے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی جنتی گھوڑے کی سواری کرنا چاہے گا تو اُسے اُڑن گھوڑا مہیا کر دیا جائے گا اور کھیتی کرنا چاہے گا تو پل بھر میں فصل تیار ہو جائے گی، مختصر یہ کہ جو کچھ بھی جس کسی کا جی چاہے گا، سب پورا ہو کر رہے گا۔

(۸) جنت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے باغات ہمیشہ سرسبز وشاداب اور ہرے بھرے رہیں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی[1] وہاں خزاں کا نام نہیں، وہاں سدا بہار ہے۔

(۱) نیچے نہریں بہنے کے لئے دیکھئے ہدایت القرآن پارہ ۱۳ سورالرعد آیت ۳۵ کی تفسیر۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالَ ع
الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ
اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

هَلْ	کیا	رَبِّكَ	تیرے پروردگار کا؟	وَ لٰكِنْ	بلکہ
يَنْظُرُوْنَ	انتظار کررہے ہیں وہ	كَذٰلِكَ	ایسا ہی	كَانُوْٓا	تھے وہ
اِلَّآ	سوائے	فَعَلَ	کیا	اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر
اَنْ	(اس کے) کہ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے
تَاْتِيَهُمُ	آ پہنچیں ان کے پاس	مِنْ قَبْلِهِمْ	اِن سے پہلے (گزرے)	فَاَصَابَهُمْ	چنانچہ پہنچیں انھیں
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	وَمَا	اور نہیں	سَيِّاٰتُ	برائیاں
اَوْ يَاْتِيَ	یا آجائے	ظَلَمَهُمُ	ظلم کیا اُن پر	مَا	ان کاموں کی جو
اَمْرُ	حکم	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	عَمِلُوْا	کئے انھوں نے

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
وَحَاقَ بِهِمْ	اور گھیر لیا ان کو	كَذٰلِكَ	ایسا ہی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
مَّا	اس عذاب نے	فَعَلَ	کیا	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے کچھ (ہیں)
كَانُوْا	(کہ) تھے وہ	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	مَّنْ	جو
بِهٖ	جس کا	مِنْ قَبْلِهِمْ	اِن سے پہلے (گزرے)	حَقَّتْ	ثابت ہوگئی
يَسْتَهْزِءُوْنَ	مزاق اڑاتے	فَهَلْ	تو نہیں ہے	عَلَيْهِ	اس پر
وَقَالَ	اور کہا	عَلَى الرُّسُلِ	رسولوں کے ذمے	الضَّلٰلَةُ	گمراہی
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اِلَّا	مگر	فَسِيْرُوْا	سو چلو پھرو
اَشْرَكُوْا	شریک کیا	الْبَلٰغُ	پہنچانا	فِى الْاَرْضِ	زمین میں
لَوْشَآءَ	اگر چاہتے	الْمُبِيْنُ	صاف صاف	فَانْظُرُوْا	پس دیکھو
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	كَيْفَ	کیسا
مَا	(تو) نہ	بَعَثْنَا	بھیجے ہم نے	كَانَ	ہوا
عَبَدْنَا	عبادت کرتے ہم	فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ	ہر امت میں	عَاقِبَةُ	انجام
مِنْ دُوْنِهٖ	اُن کے سوا	رَّسُوْلًا	رسول	الْمُكَذِّبِيْنَ	جھٹلانے والوں (کا)
مِنْ شَىْءٍ	کسی چیز کی	اَنِ اعْبُدُوا	کہ عبادت کرو تم	اِنْ	اگر
نَحْنُ[1]	ہم	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ (کی)	تَحْرِصْ	لالچ کریں آپ
وَلَآ	اور نہ	وَاجْتَنِبُوا	اور بچو تم	عَلٰى هُدٰىهُمْ	ان کی ہدایت کی
اٰبَآؤُنَا	ہمارے باپ دادا	الطَّاغُوْتَ[2]	سرغنوں (سے)	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ یقیناً
وَلَا	اور نہ	فَمِنْهُمْ	پھر ان میں سے کچھ	لَا يَهْدِىْ	نہیں ہدایت دیتے
حَرَّمْنَا	حرام ٹھیراتے ہم		(ہیں)	مَنْ	جسے
مِنْ دُوْنِهٖ	اُن کے بغیر	مَّنْ	جنھیں	يُّضِلُّ	گمراہ کردیتے ہیں
مِنْ شَىْءٍ	کسی چیز کو	هَدَى	ہدایت بخشی	وَمَا لَهُمْ	اور ان کے لئے نہیں

(۱) نَحْنُ تاکید ہے عَبَدْنَا کی ضمیر کی (۲) الطَّاغُوْت: بدی وشرارت کا سرغنہ، ہر حد سے تجاوز کرنے والا، طَغَا يَطْغُوْ (حد سے بڑھ جانا) سے ماخوذ ہے اور مفرد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	كوئى مددگار	حَقًّا	پكا	كَفَرُوْٓا	انكار كيا
وَ اَقْسَمُوْا	اور قسميں كھائى انھوں نے	وَّلٰكِنَّ	مگر	اَنَّهُمْ	كہ وہ
بِاللّٰهِ	اللہ تعالىٰ (كى)	اَكْثَرَ	اكثر	كَانُوْا كٰذِبِيْنَ	جھوٹے تھے
جَهْدَ[1]	كڑى (پختہ)	النَّاسِ	لوگ	اِنَّمَا	صرف
اَيْمَانِهِمْ	اپنى قسميں	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہيں	قَوْلُنَا	ہمارا كہنا
لَا يَبْعَثُ	دوبارہ زندہ نہيں كرے گے	لِيُبَيِّنَ	تاكہ كھول ديں	لِشَيْءٍ	كسى چيز سے
اللّٰهُ	اللہ تعالىٰ	لَهُمُ	ان كے لئے	اِذَآ	جب
مَنْ	(اُن كو) جو	الَّذِيْ	(اس كو) جو	اَرَدْنٰهُ	ارادہ كريں ہم اس كا
يَّمُوْتُ	مر گئے	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف كرتے تھے وہ	اَنْ نَّقُوْلَ	كہ كہيں ہم
بَلٰى	كيوں نہيں؟	فِيْهِ	اس ميں	لَهٗ	اس سے
وَعْدًا[2]	وعدہ ہے	وَلِيَعْلَمَ	اور تاكہ جان ليں	كُنْ	ہوجا
عَلَيْهِ	ان كے ذمے	الَّذِيْنَ	(وہ) جنھوں نے	فَيَكُوْنُ	پس ہوجاتى ہے وہ

ان معاندین کو تنبیہ جو حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں

گفتگو توحید کے سلسلہ میں چلی تھی، اور چلتی چلتی مشرکین کی تفہیم تک پہنچ گئی تھی، پھر مقابلۃً متقیوں کا ذکر کیا تھا۔ اب ان آیتوں میں اُن معاندین کو انذار و تنبیہ ہے جو حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم رہتے ہیں، ارشاد ہے:

—— کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آ پہنچیں، یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آ جائے؟! —— یعنی جہاں تک سمجھانے کا تعلق ہے ہم نے توحید کی بات پوری طرح کھول کر سمجھا دی، دلائل سے اس کا ثبوت دیدیا، کائنات کے پورے نظام سے اس کی شہادتیں فراہم کر دیں اور کسی بھی سمجھ دار آدمی کے لئے شرک پر جمے رہنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی، مگر اب بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنے کفر و عناد پر اصرار کر رہے ہیں تو کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کا فرشتہ سامنے آ کھڑا ہو تو زندگی کے آخری لحات میں صداقت کا اقرار کریں یا خدا کا عذاب سر پر آ جائے تو اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لائیں؟ —— ایسی ہی ڈھٹائی اُن لوگوں نے بھی کی تھی جو ان سے پہلے گذر چکے

(۱) جَهْد مصدر ہے، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے أی جاهدين في أيمانهم (۲) وَعْدًا مفعول مطلق ہے، فعل محذوف کا أی وعد البعث وعدًا حقًّا۔

—— یعنی اگلے معاندین بھی اس طرح غرور وغفلت میں پڑے رہے، حق واضح ہونے کے بعد بھی ضد سے باز نہ آئے باطل پرستی میں بڑھتے چلے گئے، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، آخری وقت تک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ومخالفت کرتے رہے، اوران کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے، آخر جو کیا تھا سامنے آیا اوران کے کرتوتوں کی اُن کو سزا مل کر رہی —— اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے —— یعنی خدا کو کسی سے کوئی بیر نہیں، نہ اُن کے یہاں ظلم وتعدی کا کوئی امکان ہے، اُن لوگوں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری، پھر دیکھو کسی کا کیا بگڑا، خود انہی کا نقصان ہوا —— چنانچہ انھیں ان کے اعمال کی سزائیں ملیں، اور ان پر وہی چیز مسلط ہوکر رہی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے —— یعنی جو بویا سو کاٹا، اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتا اور عذابِ الٰہی کی جن خبروں سے وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے، وہی عذاب اُن پر آکر رہا۔

اب حق واضح ہونے کے بعد منکرین کے عناد، ضد اور ہٹ کی مثال دیکھئے، ارشاد ہے: —— اور مشرکین کہتے ہیں: ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہم اور ہمارے باپ دادا اُن کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے، اور نہ اُن کے حکم کے بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھیراتے'' —— یعنی حق واضح ہونے کے بعد بھی انھیں ماننا نہیں، اور الزام بھی اپنے سر لینا نہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر شرک برائی ہے تو خدا کیوں ہمیں برائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ ہو تو کبھی ایسا نہ ہوتا، اگر اسے ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک کیوں نہیں دیتا، بَحِیرَۃ، سَائِبَہ وغیرہ جن جانوروں کو ہم حرام ٹھہراتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو وہ ہمیں زبردستی کیوں اس سے روک نہیں دیتا؟ —— اسی کو کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری! اپنے قصور پر نادم ہونے کے بجائے الٹا اللہ پاک کو قصوروار ٹھیرا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے بڑوں نے جو کچھ کیا اوران کی تقلید میں ہم جو کچھ کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے؟ —— ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کرتے رہے جو ان سے پہلے گذرے —— یعنی جس طرح یہ مشرکین اپنی گمراہی کو خدا کی مرضی بتلاتے ہیں، اسی طرح ان سے پہلے جو بدبخت گزرے ہیں انھوں نے بھی الزام اپنے سر نہیں رکھا، بلکہ اللہ کے سر ڈالا، مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ اگر وہ برحق تھے تو اللہ کے عذاب کا شکار کیوں بنے؟

دوسرا جواب: تحقیقی —— تو کیا رسولوں کے ذمے صاف صاف پیغام پہنچادینے کے علاوہ بھی کچھ ذمہ داری ہے؟ —— یعنی اللہ کے رسول اس لئے نہیں آتے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کرلیں اور انہیں ایسا بنادیں کہ برائی کرہی نہ سکیں، وہ تو پیامِ حق پہنچانے والے ہیں، اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف پیام پہنچادے، پھر اسے ماننا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے، پیام پہنچانے والا اس کے لئے ذمہ دار نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کا نظام اسی بنیاد پر قائم فرمایا ہے کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کیا جائے، بلکہ ایک گونہ اختیار دیا جائے، پھر اگر وہ اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال نہ کرے تو عذاب کا مزہ چکھایا جائے اور اسی کے لئے قیامت، حشر ونشر اور جنت ودوزخ کے سارے ہنگامے ہیں اور اسی کے لئے دنیا کے ہر خطے میں پیغمبروں کو بھیجا گیا ہے۔ ارشاد ہے: —— اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا ہے (اور اس کے ذریعے سب کو خبر دار کیا ہے) کہ: ''اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور بدی اور شرارت کے سرغنوں سے بچو!'' پھر اُن میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور کسی پر گمراہی ثابت ہوگئی، اب تم زمین میں چلو پھر و اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا —— یعنی دنیا کی کوئی امت نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا رسول نہ آیا ہو اور اس نے توحید وخدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو، پھر کسی نے مانا اور فلاح وسعادت پائی اور کسی نے نہ مانا اور گمراہی کی بات اس پر ثابت ہوگئی، اور گمراہی کا نتیجہ پیش آ گیا، یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنا دیا گیا ہو، لہٰذا —— اگر آپ کو اِن لوگوں کی ہدایت کی لالچ ہے تو (سمجھ لیجئے کہ) اللہ تعالیٰ جنھیں بھٹکا دیتے ہیں انھیں ہدایت نہیں دیا کرتے اور —— (جب عذاب آتا ہے تو) —— ایسے لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوتا —— آپ ﷺ کی شفقت امت پر مہربان باپ کی شفقت سے بھی بڑھی ہوئی تھی، اسی شفقت کی بناء پر آپ بے حد حریص تھے، امت کی بھلائی کے، اور ایمان وہدایت سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں ہوسکتی، اس لئے آپ بے حد خواہش مند تھے کہ کسی طرح لوگ آپ کی بات مان لیں، یہاں آپ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ اپنی ہدایت کی پرواہ نہیں کرتے، ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائے گا، جس کو سوءِ اختیار کی بنا پر اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیتے ہیں، اس کو پیغمبر کی خواہش کی بناء پر ہدایت نہیں دیا کرتے، نہ اُسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں گھلاتے ہیں!

ہندوستان میں کوئی نبی یا رسول آئے؟

آیات کی تفسیر پڑھنے کے بعد اب دو فائدے پڑھئے:

پہلا فائدہ: یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پیمبر آیا یا نہیں؟ اور آئے تو وہ کون ہیں؟ ہنود کے یہاں جو قابل احترام شخصیتیں ہیں، اُن میں سے کسی کے پیغمبر ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جان لینا چاہئے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہر حال ہے اس آیت سے اور ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھی اللہ کے پیغمبر ضرور آئے ہوں گے، خواہ وہ یہیں کے باشندے ہوں یا کسی دوسرے ملک میں رہتے ہوں ان کے نائب اور مبلغ جنہیں ''ہادی'' اور ''نذیر'' کہا جاتا ہے، یہاں پہنچے ہوں، لیکن جزم

ویقین کے ساتھ کسی کو پیغمبر قرار دینا جب تک اُن کی پیغمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ ہو، ہرگز جائز نہیں، کیونکہ جس طرح ہادیوں اور پیغمبروں سے کوئی خطہ خالی نہیں رہا، اسی طرح بدی اور شرارت کے سرغنوں سے بھی کوئی خطہ خالی نہیں رہا، پھر کس طرح کسی کے ہادی ہونے کا یقین کرلیا جائے؟

طاغوت کے معنی:

دوسرا فائدہ: طَاغُوت کے لفظی معنی ہیں: ''بدی اور شرارت کا سرغنہ'' اس کے مفہوم میں بت، شیطان، نفس سرکش، جن، جادوگر اور ہر وہ ہستی داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے نکل گئی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو چھوڑ کر اس کی بات مانی جاتی ہو، تمام انبیاء کرام کے ذریعے انسانیت کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ ایسے تمام لوگوں سے بچو، ان کی کوئی بات نہ سنو، وہ خود تو گمراہ ہیں، چاہتے ہیں کہ تمہیں بھی اپنا شریک بنالیں:

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ❁ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد (رومی)

(بدکار اپنے آپ ہی کو بدکار نہیں رکھتا ❁ بلکہ سارے جہاں میں بدی کی آگ لگا دیتا ہے!)

اور —— (جب یہ ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں کیا، بلکہ فی الجملہ اختیار دیا ہے، تاکہ جزاؤسزا کا استحقاق پیدا ہو اور اسی کے لئے قیامت، حشر ونشر اور جنت ودوزخ پیدا کئے ہیں تو) —— انھوں نے بہت زور لگا کر قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کرکے نہیں اٹھائیں گے —— یعنی یہ حشر ونشر اور جزاؤسزا سب ڈھکوسلے ہیں، موت کے بعد دوسری زندگی نہیں ہے، پھر کیسا حشر ونشر! یہ محض خوش اعتقادیاں ہیں —— یہ عقیدہ کہ انسان کی زندگی بس اتنی ہی نہیں جتنی دنیا میں بسر کرتا ہے، بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جزاء کا عمل پیش آنے والا ہے، یہ اعتقاد تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے۔ لیکن مشرکین عرب اُس سے بے خبر تھے، وہ کہتے تھے کہ جب آدمی مرگیا تو مرگیا، مرنے کے بعد پھر زندگی کیسی؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں —— کیوں نہیں؟ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا پکا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں —— یعنی کیوں نہیں ہوسکتی؟ ضرور ہوسکتی ہے اور ہوگی، یہ اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے یعنی ان کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے۔ اور ضروری ہے کہ وہ پوری ہوکر رہے۔

یہ اُن کا وعدہ کیوں ہے؟ —— تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے اُن چیزوں کی حقیقت کھول دیں جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں اور منکرین کو معلوم ہوجائے کہ وہ جھوٹے تھے —— یعنی دوسری زندگی کا وعدہ اس لئے ہے کہ ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہوجائے کہ اس دنیا میں جن مسائل کے باب میں وہ اہل حق سے لڑتے جھگڑتے رہے تھے، اُن میں وہ کس قدر ناحق پر تھے اور وہیں اُن پر عیاناً یہ روشن ہوکر رہے گا کہ وہ خود سرتاسر باطل پر اور انبیاء کرام علیہم

الصلوٰۃ والسلام اور مؤمنین حق پر تھے۔ نیز انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کڑی قسمیں کھا کر یہ دعویٰ کرنا کہ مرے ہوئے ہرگز دوبارہ زندہ نہ ہوں گے محض باطل تھا، اور وہ اس دعویٰ میں سراسر جھوٹے تھے۔

یہاں کے جھگڑوں کا علمی فیصلہ تو یہیں کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہر زمانہ میں فرقان (حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی) بن کر نازل ہوتی رہی ہیں، اور آج یہ قرآنِ کریم، فرقانِ حمید بنا ہوا پکار پکار کر فیصلے سنا رہا ہے، مگر کتنے ہیں جو علمی فیصلہ سننے یا سمجھنے کے لئے تیار ہیں؟ ناعاقبت اندیش لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے ہوئے ہیں! اس لئے ضروری ہے کہ دوسری زندگی ہو جہاں دوٹوک فیصلہ کر دیا جائے اور حقیقت حال سب کے سامنے آجائے اور گمراہ لوگ اپنی گمراہی اور بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

آگے ارشاد ہے کہ تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لئے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں، تم اسی ترازو سے اُن کاموں کو تول رہے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ظہور میں لانے کے لئے کسی سامان کے محتاج نہیں، ان کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے، ہر طرح کا سامان ہے۔ ہر طرح کا مواد ہے، وہ جب چاہتے ہیں کہ کوئی چیز وجود میں آئے تو بس اُن کا چاہنا ہی سب کچھ ہے، جونہی مشیت کا فیصلہ ہوا، ہر چیز ظہور میں آ گئی، ارشاد ہوتا ہے: —— جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمیں بس اتنا ہی کہنا پڑتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے —— یاد رکھنا چاہئے کہ آیت پاک کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عربی لفظ "کُنْ" یا اردو کا لفظ "ہو جا" کہنا پڑتا ہے یا کسی بھی کلمۂ خطاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز وجود میں آجاتی ہے، بلکہ آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ صرف اُن کا ارادہ تخلیق کے لئے کافی ہے، ان کی قدرت کا حال یہ ہے کہ جس بات کا ارادہ فرماتے ہیں وہ صرف ارادہ سے ظہور میں آجاتی ہے، اِدھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اُدھر فی الفور وہ چیز عدم سے وجود میں آ گئی۔ وہ اپنے ارادے کے نفاذ میں کسی بھی دوسری چیز کے محتاج نہیں —— ایسے قادر مطلق کو مردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟

اِس وقت جو دنیا موجود ہے یہ بھی محض ارادۂ خداوندی سے وجود میں آئی ہے اور جب چاہیں گے قیامت اور حشر و نشر کا ہنگامہ آناً فاناً ارادۂ الٰہی سے ظہور میں آجائے گا

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ۙ۴۱ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	الَّذِيْنَ (۴)	جو	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے
هَاجَرُوْا	وطن چھوڑا	صَبَرُوْا	ثابت قدم رہے	بِالْبَيِّنٰتِ (۵)	واضح دلائل (صدق
فِي اللّٰهِ	اللہ کے واسطے	وَعَلٰي رَبِّهِمْ	اور اپنے رب (ہی) پر		پیمبر کے)
مِنْۢ بَعْدِ (۱)	بعد	يَتَوَكَّلُوْنَ	اعتماد کرتے رہے	وَالزُّبُرِ	اور نوشتے
مَا ظُلِمُوْا	ظلم اٹھانے (کے)	وَمَآ	اور نہیں	وَاَنْزَلْنَآ	اور اتارا ہم نے
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ (۲)	البتہ ضرور انھیں ٹھکانا	اَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	اِلَيْكَ	آپ پر
	دیں گے ہم	مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	الذِّكْرَ	نصیحت نامہ
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	اِلَّا	مگر	لِتُبَيِّنَ	تا کہ کھول دیں آپ
حَسَنَةً (۳)	اچھا (ٹھکانا)	رِجَالًا	مردوں (کو)	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے
وَلَاَجْرُ	اور یقیناً ثواب (بدلہ)	نُّوْحِيْٓ	وحی بھیجتے ہیں ہم	مَا	جو
الْاٰخِرَةِ	آخرت (کا)	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	نُزِّلَ	اتارا گیا
اَكْبَرُ	بہت ہی بڑا (ہے)	فَسْـَٔلُوْٓا	سو پوچھو	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
لَوْ	کاش	اَهْلَ الذِّكْرِ	حاملین ذکر (سے)	وَلَعَلَّهُمْ	اور شاید وہ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ	جانتے وہ لوگ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم ہو	يَتَفَكَّرُوْنَ	غور وفکر کریں

(۱) مِنْ ابتدائیہ ہے یعنی ہجرت کی ابتداء ظلم سہنے کے بعد ہوئی اور مَا مصدریہ ہے (۲) لَنُبَوِّئَنَّهُمْ: فعل مضارع، صیغہ جمع متکلم ہے، اس میں لام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ ہیں۔ هُمْ مفعول ہے، مصدر تَبْوِئَةٌ (تفعیل) مادہ بَوْءٌ اور معنی: ہم ضرور اُن کو جگہ دیں گے، ہم یقیناً ان کو ٹھیرائیں گے، ہم ضرور ان کو اتاریں گے (۳) حَسَنَةً موصوف محذوف کی صفت ہے أی مَبَاءً حَسَنَةً (اچھی منزل) اور موصوف وصفت مل کر مفعول فیہ یا مفعول ثانی ہیں۔ (۴) اگر تقدیر عبارت أعني الذين ہے تو محل نصب میں ہے اور اگر هم الذين ہے تو محل رفع میں ہے (۵) لاتَعْلَمُوْن سے متعلق ہے اور اَرْسَلْنَا سے بھی متعلق ہوسکتا ہے

ربط: اِن آیتوں میں دو مضمون بیان ہوئے ہیں: مکہ شریف کے مشرکین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر، ستم رسیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنا اور اللہ پاک کا یہ دستور کہ ہمیشہ مرد ہی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، ملائکہ پیامبر بنا کر نازل نہیں کئے گئے۔

یہ مضمون یہاں تین مقاصد سے بیان کئے گئے ہیں:

پہلا مقصد: گذشتہ آیات میں آپ نے پڑھا کہ دوسری زندگی اس لئے ضروری ہے کہ منکرین کے لئے وہ حقائق کھول دیئے جائیں جن کے بارے میں وہ نبی کریم ﷺ اور مؤمنین سے اختلاف کرتے رہے ہیں اور انہیں عیاناً معلوم ہوجائے کہ وہ سچے نہیں تھے، بلکہ سچے وہ لوگ تھے جن کی وہ ہمیشہ مخالفت کرتے رہے، اب دو مثالوں کے ذریعہ اختلاف کی نوعیت اور اس کی شدت و سنگینی واضح کی جاتی ہے:

انسانوں میں اختلاف ہمیشہ رہتے ہیں، رائے کا اختلاف، خواہشات کا اختلاف، پسند کا اختلاف، اور کاموں کا اختلاف ایک فطری امر ہے، لیکن یہ اختلافات کبھی اس درجہ تک نہیں پہنچتے کہ لوگ آپس میں دست و گریبان ہونے لگیں یا ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگیں، مگر دین کا اختلاف دوسری نوعیت کا اختلاف ہے، دین کے معاملے میں لوگ وفور جذبات سے انتہا پسندی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ جب اہل باطل اہل حق سے اختلاف کرتے ہیں تو وہ زبانی اختلاف سے گذر کر سب و شتم، ظلم و ستم اور ایذا رسانیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

مکہ والوں کا جو اختلاف رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ تھا وہ اتنا بڑھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی تکذیب سے گزر کر سارے ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب تک پہنچ گئے، وہ یہ دعوی کرنے لگے کہ کوئی انسان رسول نہیں ہوسکتا، جو کھائے پیئے، چلے پھرے اور لوگوں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے! وہ رسول کیسا؟ پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں فرشتوں کی کمی کہاں جو انسان سے یہ خدمت لی جائے؟

دوسرا اختلاف ان کا مؤمنین کے ساتھ تھا، اس کی تفصیلات اتنی جگر خراش، شرمناک اور دلسوز ہیں کہ روح کانپ جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب وہ مصائب برداشت نہ ہوسکے اور ان کی ہمتیں جواب دے گئیں تو انھیں اجازت دی گئی کہ وہ ہجرت کر جائیں، چنانچہ وہ گھر بار، خویش و اقارب اور مال و سامان چھوڑ کر حبشہ کی طرف چل پڑے —— ان اختلافات کی حقیقت کھولنے کے لئے دوسری زندگی ضروری ہے۔

دوسرا مقصد: آخرت کا فائدہ منکرین کی بہ نسبت گذشتہ آیات میں بیان کیا جاچکا ہے، اب اس کی ضرورت مؤمنین کی بہ نسبت بیان کی جاتی ہے کہ جو لوگ ایک خدا کے پرستار رہے، ہمیشہ اس کے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہے، مخالفین کے

ہاتھوں ناقابل برداشت مظالم سہتے رہے، حتی کہ وطن، عزیز واقارب، دوست احباب اور مال ودولت چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، کیاوفادار بندوں کی قربانیاں ضائع ہونگی؟ ان کی محنت ووفاداری کا صلہ انہیں کچھ نہ ملے گا؟ انھوں نے جومصائب وشدائد جھیلے ہیں اس کا کچھ اجر نہ پائیں گے؟ اس دنیا میں تو وہ تاحیات مصائب سے دوچار رہے، مزاحمتوں کا شکار رہے اور بہت سے اسی حال میں دنیا سے چل بسے اور اپنی اطاعت شعاری کا کوئی پھل نہ چکھا، اگر دوسری زندگی اور اس کی ابدی نعمتیں نہ ہوں تو سوچو ان مقبولانِ بارگاہ خداوندی کا کتنا بڑا نقصان ہوگا اور کون ہمت کرے گا راہِ خدا کے مصائب جھیلنے کی؟

تیسرا مقصد: گذشتہ آیت میں خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا کہ وہ کسی چیز کو ظہور میں لانے کے لئے کسی سروسامان کے محتاج نہیں، وہ مخالف حالات کو بھی جب چاہتے ہیں موافق بنادیتے ہیں، جہاں ان کا ارادہ ہوا آناً فاناً احوال بدل جاتے ہیں، اللہ کی اس قدرت کاملہ کا مشاہدہ مہاجرین کو خوب ہوتا ہے، اس آیت میں اور سورۃ النساء کی آیت ننانوے میں ہجرت کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ زمین میں بہت جگہ اور آسانی پائیں گے۔ یہ وعدۂ خداوندی، قدرت کن فیکونی سے جس حیرت زا طریقے پر پورا ہوتا ہے اس کا مشاہدہ ہر مہاجر اپنی آنکھوں سے کرتا ہے۔

اِن تین مقاصد میں سے پہلا مقصد دونوں مضمونوں میں مشترک ہے اور دوسرا اور تیسرا صرف پہلے مضمون سے متعلق ہے، اس وجہ سے پہلا مضمون مقدم لایا گیا ہے۔

ستم رسیدہ مہاجرین کے لئے دارین کی بشارت:

پہلا مضمون: —— اور جن لوگوں نے مظالم سہنے کے بعد اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑا ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے، کاش وہ لوگ جان لیتے جو ثابت قدم رہے اور اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں —— جب مکہ والوں کا ظلم وتشدد اس درجہ تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں کے لئے زندہ رہنا دشوار ہوگیا تو حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ حبشہ (ابی سینا) کی طرف ہجرت کرجائیں، چنانچہ پہلی مرتبہ بارہ مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا، جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، اس کے بعد اور لوگ نکلے، جن کی تعداد تہتر مرد اور اٹھارہ عورتیں تھیں، یہ تاریخ اسلام کی سب سے پہلی ہجرت ہے۔

جب ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کیں تو ضروری تھا کہ اللہ پاک ان کے لئے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا فرماتے، چنانچہ حبشہ کا دار غربت ان کے لئے امن وعزت کا مہمان سرا بن گیا، حبشہ کے بادشاہ کا دل قبولیت اسلام کے لئے کھل گیا اور وہ ایمان لے آیا —— اور آخرت میں جو بلند مقامات، عظیم الشان مدارج، اور بے حساب اجر وثواب ملے گا اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

ہجرت جوراہِ خدامیں کی جائے اسلام میں بڑی طاعت وعبادت ہے۔حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ہجرت ان تمام گناہوں کوختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کئے ہیں۔اس آیت میں مہاجرین کے چار اوصاف ذکر فرمائے ہیں،اور دو عظیم الشان وعدے کئے ہیں،پس ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہوں گے جو ان اوصاف کے حامل ہوں گے۔

مہاجرین کے چار اوصاف:

۱-ہجرت کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دنیاوی مقاصد، تمدنی فوائد، تجارت، ملازمت وغیرہ پیش نظر نہ ہوں۔حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: ''تمام انسانی اعمال کا مدار نیت پر ہے، آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، مثلاً جس نے اللہ ورسول کے لئے ہجرت کی (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور رسول کی اطاعت کے سوا اس کی ہجرت کا کوئی مقصد نہ ہو) تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہے (یعنی اس کی ہجرت مقبول ہے) اور جس نے کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت بس اُسی غرض کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے (یعنی اس کی ہجرت کا ثواب کچھ نہیں ﴿ فِي اللهِ ﴾ میں اس مقصد کا بیان ہے۔

۲-مہاجر کا مظلوم ہونا اور اس کی مظلومیت کا دین کی وجہ سے ہونا یعنی اپنے وطن میں رہ کر دین کا تحفظ اور اس پر عمل دشوار ہو گیا ہو، دین پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے نا قابل برداشت مظالم کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو، اس وجہ سے تنگ آکر اس نے وطن چھوڑا ہو۔﴿ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ﴾

۳-ہجرت کرنے کے بعد پیش آنے والی تکالیف پر صبر وہمت سے کام لیا ہو اور ثابت قدم رہا ہو ﴿ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾

۴-دنیوی تدبیروں اور مادی وسائل کا اہتمام کرتے ہوئے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہو کہ کامیابی ان کے ہاتھ میں ہے ﴿ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾

مذکورہ بالا شرائط پوری ہو جائیں تو مہاجر کے لئے دو عظیم الشان وعدے ہیں:

پہلا وعدہ: دنیا میں اچھا ٹھکانا —— یہ ایک جامع وعدہ ہے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے اچھا مکان اور اچھے پڑوسی ملیں، اچھا رزق ملے، دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہو، لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف ہو اور ایسی عزت وشرف ملے جو اس کی نسل میں بھی چلے۔

دوسرا وعدہ: آخرت میں بے حساب اجر —— دنیا میں ملنے والا صلہ، آخرت میں ملنے والے اجر کے مقابلہ میں لاشیٔ ہے، آج اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ آخرت میں ملنے والا اجر کیسا ہوگا؟ بس اتنا ہی سمجھنا چاہئے کہ وہ بہت ہی بڑا ہوگا، انسان کے تصور سے بے حد وحساب بہتر!

فائدہ: اس آیت پاک میں ذکر اگرچہ پہلی ہجرتِ اسلام کا ہے، مگر اس کا حکم عام ہے، دنیا کے کسی بھی خطے کے اور کسی بھی زمانے کے مہاجر ہوں یہ وعدے سب کے لئے ہیں۔

ہمیشہ مرد ہی رسول/ نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں:

دوسرا مضمون: سنت الٰہی یہ ہے کہ ہمیشہ مرد رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ملائکہ کبھی بھی رسول بنا کر نازل نہیں کئے گئے۔ ارشاد ہے: —— اور آپ سے پہلے بھی ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، پس حاملین ذکر سے تحقیق کرلو اگر تم نہیں جانتے، روشن شواہد اور آسمانی کتابیں۔

مشرکین مکہ کی آنحضور ﷺ کے ساتھ مخالفت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ وہ صرف آپ کی نبوت کے منکر نہیں تھے، بلکہ پورے سلسلۂ نبوت کے منکر ہوگئے تھے۔ بشر کا پیمبر ہونا اُن کی سمجھ سے باہر تھا اس لئے اب وہ بار بار الجھتے تھے اور اپنے خیال میں بڑا اصولی اور گہرا اعتراض کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، بشر ہو کر پیمبر کیسے ہوگئے؟

انھیں جواب دیا جارہا ہے کہ سلسلۂ نبوت تو آدم علیہ السلام سے برابر بشر ہی کے ذریعے قائم ہے، ہمیشہ مردوں ہی پر اللہ تعالیٰ وحی بھیجتے رہے ہیں، اگر تمہیں آسمانی کتابوں کا اور شواہد صدقِ پیمبر کا علم نہیں تو اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے اس مسئلہ کی تحقیق کرلو، یہ ترجمہ اور مطلب اس صورت میں ہے جب ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ﴾ ﴿ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ سے متعلق ہوں، لیکن اگر ان کو أرسلنا سے متعلق کیا جائے تو ترجمہ ہوگا: "روشن شواہد اور آسمانی نوشتوں کے ساتھ" ہم نے ان پیغمبروں کو بھیجا ہے، اور اسی سنتِ الٰہی کے مطابق اب آنحضور ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: —— اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ کتاب واضح کر کے سمجھا دیں، جو ان کے پاس بھیجی گئی ہے۔ اور تاکہ وہ بھی غور وفکر کریں۔

اس آیت میں درج ذیل چار باتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلی بات: اس آیت میں اللہ پاک نے انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نصیحت نامۂ خداوندی (قرآنِ کریم) فرشتوں کے ذریعے بھی بھیجا جاسکتا تھا، چھپا چھپایا اور لکھا لکھایا ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا، مگر اس سے وہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا جو حکمت خداوندی کا تقاضا ہے، اللہ پاک کی حکمت اس کی مقتضی تھی کہ انسانوں ہی میں سے کسی قابل ترین انسان کے ذریعے کتاب الٰہی بھیجی جائے تاکہ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے وہ اسے سمجھا سکے، جنھیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کر سکے اور جنہیں کوئی اعتراض ہو ان کے اعتراض کا

جواب دے سکے۔

دوسری بات: بلاشبہ قرآن پاک دین وشریعت کی اصل واساس ہے اور ادلۂ شرع میں وہی سب سے مقدم اور سب سے اہم ہے، مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے، کیونکہ جزئیات کا دائرہ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے کسی ایک کتاب میں سمیٹ لینا تقریباً ناممکن ہے، جزئیات کو اگر سمیٹا جاسکتا ہے تو صرف اصول کے تحت سمیٹا جاسکتا ہے۔

جب قرآن پاک اصول پر مشتمل ہے تو ان کی تفریع وتفصیل اور توضیح وتشریح ضروری ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری سب سے پہلے اُس ذات اقدس پر ڈالی جس پر یہ عظیم المرتبت کتاب نازل ہوئی، اور ثانیاً یہ ذمہ داری مجتہدین امت کو تفویض ہوئی، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ''وہ خود بھی غور وفکر کریں''اسی حقیقت کا بیان ہے، کیونکہ علمائے کرام اور مجتہدین عظام کے غور وفکر کی راہ تشریح نبوی اور تبیینِ مصطفوی سے ہموار ہوتی ہے۔

تیسری بات: اِس آیت کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کو مامور فرمایا ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات کی وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں، زبان ہی سے نہیں اپنے عمل سے بھی، اپنی رہنمائی سے بھی۔ اس ذمہ داری کے سپرد کرنے میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآنِ کریم کے حقائق ومعارف اور احکام ومسائل کا صحیح صحیح سمجھنا رسولِ اکرم ﷺ کے بیان پر موقوف ہے، پس وہ منکرین حدیث جو تشریح وتوضیح نبوی کے بغیر قرآن پاک کو لینا چاہتے ہیں وہ درحقیقت قرآن پاک کے بھی منکر ہیں۔

حجیتِ حدیث:

چوتھی بات: حدیث شریف کا یہ عظیم الشان ذخیرہ جسے صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین نیک نام نے اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کرکے امت تک پہنچایا ہے، وہ دوطرح کے مضامین پر مشتمل ہے: ایک حصہ وہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے قرآنِ کریم کی قولی یا عملی تشریح وتوضیح فرمائی ہے، یعنی لسانِ نبوت نے آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھایا ہے اور جو حکم نازل ہوا ہے اس پر عمل کرکے لوگوں کو دکھایا ہے، مثلاً قرآن پاک میں اقامت صلوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور اس کے ارکان اور اجزائے ترکیبی: قیام، رکوع، سجود اور قراءت کا ذکر بھی قرآنِ پاک میں کیا گیا، مگر ان اجزاء کو کسی خاص ترکیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب قرآن میں کہیں مذکور نہیں، اُن اجزاء کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کرکے نماز کی شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی ہے اور آپ نے امت کو حکم دیا ہے کہ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ أُصَلِّىْ (جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے تم نے دیکھا اسی طرح نماز پڑھو) اور یہی حال حج کا، روزے کا اور زکوٰۃ وغیرہ اعمالِ اسلامی کا ہے۔

اور قولی تشریح کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ آنحضور ﷺ نے قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر کر کے یا اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی تفسیر یا اس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے اس کو بیان فرمایا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے وہبی علم اور مخصوص فہم سے جو استنباط و استفادہ قرآنِ کریم سے کیا ہے، آیت کا حوالہ دئے بغیر اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان فرمایا ہو۔

احادیث شریفہ کا دوسرا حصہ وہ ہے جو وحی غیر مَتْلُوّ کے ذریعہ قلب نبوت پر وارد ہوا ہے، یہ حصہ بھی احکام و مسائل، حِکَم و عِلَل، مواعظ و عبر، قصص و اخبار، اور وعدہ و وعید پر مشتمل ہے اور مقدار میں قرآن پاک کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سن لو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے بقدر اور بھی اس کے ساتھ دیا گیا ہے اور یہ بھی سن لو کہ وہ زمانہ قریب ہے جب ایک شکم سیر آدمی اپنے پلنگ پر پڑا کہے گا: تم اس قرآن کو لازم پکڑو، جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام جانو، حالانکہ اللہ کے رسول نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ بھی ویسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں'' —— اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے متعدد احکام ذکر فرمائے، جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں، مثلاً گدھا حرام ہے، تمام کُچلی دار درندے حرام ہیں۔

حضرت عِرْباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقریر فرمائی: اور ارشاد فرمایا کہ کیا کوئی شخص اپنے پلنگ پر پڑا ہوا یہ گمان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بس وہی چیزیں حرام کی ہیں جن کا تذکرہ قرآنِ کریم میں ہے؟ سنو! بخدا! میں نے بھی حکم دیئے ہیں، نصیحتیں کی ہیں اور بہت سے کاموں سے روکا ہے اور وہ قرآن کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں —— اس کے بعد حضور ﷺ نے چند احکام ذکر فرمائے، مثلاً اہل کتاب (ذمیوں) کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہو وغیرہ۔ اس آیت کریمہ سے احادیث شریف کے پہلے حصہ کا مستند ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسرے حصے کی حجیت ﴿ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر آیت ۷) سے ثابت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور تمہیں جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

تقلید اور تقلید شخصی کا وجوب:

فائدہ: ارشادِ خداوندی: ﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ یہاں اگرچہ ایک خاص سلسلہ بیان میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے لحاظ سے یہ ایک عام ضابطہ ہے، یعنی جو لوگ احکام کو نہیں

جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں، عرف میں اس کا نام تقلید ہے، عہد صحابہ سے آج تک بلا اختلاف اِس قرآنی ضابطہ پر عمل ہوتا آرہا ہے، منکرین تقلید بھی اس کا انکار نہیں کرتے، وہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتوی لے کر عمل کریں۔

پھر جب متعدد اجتہادات وجود میں آئے اور علماء نے دیکھا کہ اگر لوگوں کو آزادی دی جائے کہ وہ ایک مسئلہ میں ایک امام کا اور دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کا قول لے سکتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اتباعِ شریعت کا نام لے کر اتباعِ ہوی میں مبتلا ہو جائیں گے، جس امام کے قول میں اپنی نفسانی غرض پوری ہوتی ہوئی نظر آئے گی اس کو اختیار کریں گے، اس لئے متاخرین فقہاء نے ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام کی تقلید کا پابند کیا جائے، تاکہ دین کا انتظام قائم رہے اور لوگ دین کی آڑ میں اتباعِ ہوی کے شکار نہ ہوں۔ غرض اس مصلحت سے متأخرین فقہاء کا اجماع ہوگیا تقلید شخصی کے وجوب پر، جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ بیمار شخص، شہر کے حکیموں اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر اور کبھی کسی سے پوچھ کر دوا استعمال کرنا ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے، پھر جب وہ کسی ایک ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں، یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں۔

جس طرح جسمانی مضرتوں سے بچنے کے لئے ایک وقت میں ایک ہی ڈاکٹر کا علاج ضروری ہے

اسی طرح دینی مضرتوں سے بچنے کے لئے ایک ہی امام کی تقلید ضروری ہے

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

اَفَاَمِنَ	تو کیا نڈر ہو گئے	السَّيِّاٰتِ[1]	بُری	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اَنْ	(اس بات سے) کہ	بِهِمُ	ان کو
مَكَرُوا	تدبیریں کرتے ہیں	يَّخْسِفَ	دھنسا دیں	الْاَرْضَ	زمین میں

(۱) مفعول مطلق اور محذوف کی صفت ہے، أی مَكَرُوا الْمَكَرَاتِ السَّيِّئَاتِ اور اَنْ سے پہلے مِنْ محذوف ہے۔

اَوْ	یا	یَاۡخُذَهُمۡ	پکڑ لیں اُن کو	یَاۡخُذَهُمۡ	پکڑ لیں اُن کو
یَاۡتِیَهُمُ	آپہنچے ان کے پاس	فِیۡ تَقَلُّبِهِمۡ[1]	چلتے پھرتے	عَلٰی تَخَوُّفٍ[2]	دہشت زدگی میں
الۡعَذَابُ	عذاب	فَمَا	سو نہیں	فَاِنَّ[3]	سو یقیناً
مِنۡ حَیۡثُ	جہاں سے	هُمۡ	وہ	رَبَّكُمۡ	تمہارے پروردگار
لَا یَشۡعُرُوۡنَ	گمان نہ رکھتے ہوں وہ	بِمُعۡجِزِیۡنَ	عاجز کرنے والے	لَرَءُوۡفٌ	البتہ نہایت شفیق
اَوْ	یا	اَوْ	یا	رَّحِیۡمٌ	بے حد مہربان ہیں

مخالفین اسلام اللہ کی پکڑ سے مأمون نہیں

آیت ۳۸ سے ضمنی باتیں بیان ہورہی تھیں، اب پھر اصل مضمون شروع ہورہا ہے، گفتگو منکرینِ دعوت سے ہے، جو لوگ اسلام اور رسول اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، حق کے مقابلہ میں اپنی چالوں سے باز نہیں آتے، اُن کے بارے میں فرمایا جارہا ہے —— تو کیا وہ لوگ جو بری چالیں چل رہے ہیں، اس بات سے مطمئن ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو زمین میں دھنسادیں؟ —— کیا ان کے سامنے قارون کا انجام نہیں؟ قارون کی، اس کے ٹھاٹھ کی اور اس کے مال ودولت کی کیسی بری گت بنی؟ —— یا ایسی جگہوں سے اُن پر عذاب آپڑے جدھر سے آنے کا ان کو گمان بھی نہ ہو؟ —— خود ان کا سامان حفاظت ان کی ہلاکت کا سبب بن جائے، حجر والوں کا انجام بھول گئے، جن کے سنگین مکانات اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ان کو بچا نہ سکے؟ —— یا چلتے پھرتے ان کو پکڑ لیں —— وہ اپنے مشاغل میں تگ ودو کررہے ہوں کہ لقمۂ اجل بن جائیں —— بہر صورت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے! —— اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کرکے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے! —— یا دہشت زدگی کی حالت میں اُن کو پکڑ لیں؟ کیونکہ تمہارے پروردگار بے حد شفیق، نہایت مہربان ہیں —— یعنی وہ اپنی مہربانی سے ان کو فوراً عذاب کی گرفت میں لیں، بلکہ

(۱) تَقَلُّب مصدر ہے آلِ عمران آیت ۱۹۶ میں بھی یہ لفظ آیا ہے (۲) تَخَوُّف مصدر ہے اور قرآن پاک میں صرف اسی جگہ یہ لفظ آیا ہے، خَافَ وَتَخَوَّفَ کے معنی ہیں: گھبرانا، ڈرنا۔ امام راغب فرماتے ہیں: والتخوف: ظهور الخوف على الإنسان (ڈر اور گھبراہٹ کا انسان پر ظاہر ہونا) عَلٰی بمعنی مَعَ ہے کما فی قوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ﴾ (بقرہ) قال الآلوسي: لما كان التخوف نفسه نوعا من العذاب لما فيه من تألم القلب، ومشغولية الذهن، وكان الأخذ مشيرًا إلى نوع آخر من العذاب أيضًا جيئ بعلى التي بمعنى مع ليكون المعنى: يعذبهم مع عذابهم (روح) (۳) فَاِنَّ میں فاء تعلیلیہ ہے اور یہ صرف یأخذهم على تخوف کی تعلیل ہے (کیونکہ عذاب کی سابقہ تین صورتوں پر تبصرہ ﴿فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ﴾ میں آگیا ہے)

آگاہ کرنے کے لئے اور سنبھلنے کا موقع دینے کے لئے پہلے دہشت زدہ کریں اور پھر بھی نہ سنبھلیں تو عذاب میں پکڑ لیں۔

ان آیتوں میں چار قسم کے مؤاخذوں کا ذکر ہے، زمین میں دھنسا دیا جائے یا دن دہاڑے تگ ودو کرتے ہوئے ہلاک ہو جائیں، یا جدھر گمان بھی نہ جاتا ہو اُدھر سے عذاب آ پڑے یا دہشت زدگی کی حالت میں گرفتارِ بلا ہو جائیں، اللہ تعالیٰ بہرصورت ان پر قدرت رکھتے ہیں، پھر وہ بے خوف وخطر ہو کر اسلام کے خلاف بری بری چالیں کیوں چل رہے ہیں؟

ان آیتوں میں تین وعیدوں کے ساتھ اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ: ''بہرحال یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے'' اور آخری وعید کے ساتھ یہ ارشاد ہے: ''کیونکہ تمہارے پروردگار بے حد شفیق، نہایت مہربان ہیں'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ پاک اپنی شفقت ومہربانی سے مکہ والوں کو اس چوتھے طریقے سے سزا دیں گے، چنانچہ اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ نزول آیت کے سال دو سال بعد ہجرت مدینہ منورہ واقع ہوئی اور جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور دس سال میں مکہ والوں کا یہ حال ہو گیا کہ فتح مکہ کے دن پر ان میں سے کسی میں تاب سخن نہ تھی، ان دس سالوں کی جنگوں میں مشرکوں کے سات سو ساٹھ آدمی مارے گئے [1] اور باقی تمام جزیرۃ العرب کو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے مالا مال فرما دیا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کے تمام غزوات وسرایا میں مقتولین ہر دو جانب کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ ہے
اور ہدایت پانے والوں کی تعداد ریت کے ذروں اور آسمان کے تاروں کے بقدر ہے

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۚ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

(۱) مقتولوں کی یہ تعداد صرف مکہ والوں کی نہیں تھی، بلکہ حضور اقدس ﷺ کے تمام غزوات وسرایا میں مخالفین کے مقتولوں کی کل اتنی ہی تعداد تھی، تفصیل کے لئے دیکھئے رحمۃ للعالمین ج ۲، ص: ۲۲۷

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	دٰخِرُوْنَ (۵)	عاجز ہیں	وَیَفْعَلُوْنَ	اور کرتے ہیں وہ
یَرَوْا (۱)	دیکھا ان لوگوں نے	وَلِلّٰہِ	اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے	مَا یُؤْمَرُوْنَ	جو حکم دیئے جاتے ہیں وہ
اِلٰی	طرف	یَسْجُدُ	سجدہ کرتے ہیں	وَقَالَ	اور فرمایا
مَا (۲)	(اُس کے) جو	مَا	جو	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ (نے)
خَلَقَ	پیدا کیا	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	لَا تَتَّخِذُوْٓا	نہ بناؤ تم
اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ (نے)	وَمَا	اور جو	اِلٰـھَیْنِ اثْنَیْنِ	دو خدا
مِنْ شَیْءٍ	چیزوں میں سے	فِی الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	اِنَّمَا ھُوَ	بس وہ
یَّتَفَیَّؤُا	(کہ) ہٹ جاتے ہیں	مِنْ دَآبَّۃٍ (۶)	یعنی جاندار	اِلٰہٌ	معبود (ہیں)
ظِلٰلُہٗ	اُن کے سائے	وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ	اور فرشتے	وَّاحِدٌ	ایک
عَنِ الْیَمِیْنِ (۳)	دائیں سے	وَھُمْ	اور وہ	فَاِیَّایَ	سو مجھ سے
وَالشَّمَآئِلِ	اور بائیں (سے)	لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ	سرکشی نہیں کرتے	فَارْھَبُوْنِ	پس ڈرو تم
سُجَّدًا (۴)	سجدہ کرتے ہوئے	یَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں وہ	وَلَہٗ	اور انہی کے لئے (ہے)
لِّلّٰہِ	اللہ تعالیٰ کے لئے	رَبَّھُمْ	اپنے رب سے	مَا	جو کچھ
وَھُمْ	درانحالیکہ وہ	مِّنْ فَوْقِھِمْ	جو اُن کے اوپر ہیں	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے

(۱) الضمير للذين مكروا السيئات (۲) مَا موصولہ مبہمہ ہے اس کا بیان من شیئ ہے اور جملہ یَتَفَیَّؤُا صفت ہے شیئ کی یَتَفَیَّؤُ (باب تفعُّل) فعل مضارع، صیغہ واحد مذکر غائب ہے، واوآخر کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے واوجمع کے مشابہ ہوگیا ہے اس وجہ سے قرآنی رسم الخط میں آخر میں الف لکھا گیا ہے فَاءَ يَفِيْئُ فَيْئًا: لوٹنا ﴿حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ فَاءَ الظِّلُّ: سایہ کا ہٹ جانا، أى: ترجع شيئا فشيئا من جانب إلى جانب وتدور من موضع إلى موضع (روح البیان) (۳) المراد باليمين والشمائل على ما قيل: جانبا الشيئ، استعارة عن يمين الإنسان وشماله (روح) (۴) سُجَّدًا لِلّٰهِ اور وَهُمْ دَاخِرُوْنَ، ظِلاَل کے حال ہیں (۵) دَخَرَ (ف) وَدَخِرَ (س) دَخْرًا وَدُخُوْرًا: ذلیل ہونا، حقیر ہونا (۶) مِنْ دَآبَّةٍ: مَا کا بیان ہے الدابة: ہر زندہ، حساس اور متحرک چیز، دَبَّ (ض) دَبًّا وَدَبِيْبًا: رینگنا، ہاتھوں یا پیروں کے بل چلنا، کہا جاتا ہے: هُوَ اَكْذَبُ مِنْ دَبَّ وَدَرَجَ (وہ زندوں اور مردوں سے زیادہ جھوٹا ہے) والملائكة کا عطف دَآبَّةٍ کے محل پر ہے، من فوقهم محذوف سے متعلق ہوکر من ربهم کا حال ہے أى كائنا من فوقهم، ومعنى كونه سبحانه فوقهم: قهره وغلبته، لأن الفوقية المكانية مستحيلة بالنسبة إليه تعالیٰ۔

وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہے)	فَمِنَ اللّٰهِ	سو اللہ کی طرف سے ہے	اِذَا فَرِيْقٌ	(تو) یکایک ایک جماعت
وَلَهُ	اور انہی کے لئے (ہے)	ثُمَّ اِذَا	پھر جب	مِّنْكُمْ	تم میں سے
الدِّيْنُ(۱)	اطاعت	مَسَّكُمُ	پہنچتی ہے تم کو	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کے ساتھ
وَاصِبًا	دائمی	الضُّرُّ	تکلیف	يُشْرِكُوْنَ	شریک کرنے لگتی ہے
اَفَغَيْرَ	کیا پس سوائے	فَاِلَيْهِ	تو اُنہی سے	لِيَكْفُرُوْا	تا کہ ناشکری کریں وہ
اللّٰهِ	خدا کے	تَجْـَٔرُوْنَ(۲)	فریاد کرتے ہو تم	بِمَآ	اس نعمت کی جو
تَتَّقُوْنَ	ڈرتے ہو تم؟	ثُمَّ اِذَا	پھر جب	اٰتَيْنٰهُمْ	عطا فرمائی ہم نے ان کو
وَمَا	اور جو	كَشَفَ	ہٹا دیتے ہیں وہ	فَتَمَتَّعُوْا	سو مزے اڑا لو تم
بِكُمْ	تمہارے پاس ہے	الضُّرَّ	تکلیف	فَسَوْفَ	اب عنقریب
مِّنْ نِّعْمَةٍ	کوئی نعمت	عَنْكُمْ	تم سے	تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم

توحید کی دلیل: کائنات کی ایک ایک چیز منقاد و مطیع ہے

ربط: ان آیتوں میں توحید کی دلیل بیان ہوئی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تکوینی طور پر کائنات کی ایک ایک چیز حکم الٰہی کی مطیع و منقاد ہے، حتی کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی خدا کے حکم اور قانونِ قدرت کے سامنے عاجز و بے بس ہے، وہ ایک ہمہ گیر قانون کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے، وہ اِدھر اُدھر ڈھلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہ ایسا کرتا ہے، وہ ہر طرح مطیع و فرمانبردار ہے۔ سایے ہی کی طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سربسجود ہے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے لئے جو حکم نافذ کر دیا ہے، ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل سے بال برابر بھی انحراف ہو!

کائنات کی اس اطاعت شعاری، فرمانبرداری میں انسان کے لئے بہت بڑا اسبق ہے، کائنات کی پوری صورت حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہاں دوسرے معبود کی کوئی گنجائش نہیں، ایک ہی معبود کی عبادت و اطاعت لازماً اور دائماً ضروری ہے، ارشاد ہے: —— اور کیا اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی وہ چیزیں نہیں دیکھیں، جن کے سایے اللہ تعالیٰ کے

(۱) الدين يقال للطاعة والجزاء واستعير للشريعة والدين كالملة، لكنه يقال: اعتبارًا بالطاعة والانقياد للشريعة (راغب) ويكون الدين هٰهنا للطاعة ومعنى الواصب: الدائم أى: حقُّ الإنسان أن يُطيعه دائمًا فى جميع أحواله كما وصف به الملائكة (راغب) (۲) جَارَ (ف) جَارًا إلى الله: گڑگڑانا، دعا کرنے میں آواز بلند کرنا۔

حضور میں سجدہ کرتے ہوئے ایک جانب سے دوسری جانب ڈھل جاتے ہیں، اظہار عجز کرتے ہوئے؟ —— صبح جب سورج چمکتا ہے تو تمام اجسام کے لمبے لمبے سایے پڑتے ہیں، پھر جوں جوں خورشید ابھرتا ہے، سایے گھٹتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جڑ میں لگتے ہیں، پھر زوال کے بعد دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے، حتی کہ دن کے آخر میں اتنا ہی لمبا ہوجاتا ہے جتنا دن کے شروع میں تھا، سایہ کی ان حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی، اس درجہ یکساں، اس درجہ منظّم ہے کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، سایہ کی یہی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اس کا سجدہ اور اظہار عجز ہے۔

اور آسمانوں میں اور زمین میں جس قدر رینگنے والی مخلوقات ہیں، سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہیں —— یعنی ایک سایہ ہی کی خصوصیت نہیں، تمام زمینی اور سماوی مخلوقات، چھوٹی اور بڑی سب قانونِ خداوندی کے تابع اور حکم الٰہی کی منقاد ہیں اور فرشتے بھی، وہ سرکشی نہیں کرتے اپنے رب سے — جو اُن پر بالا دست ہیں — ڈرتے ہیں، اور انھیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں —— یعنی فرشتے جو پاک مخلوق ہیں اور جنھیں مشرکوں نے دیوی دیوتا بنا رکھا ہے اور خدا کا مدمقابل ٹھیرا رکھا ہے، وہ خاص طور پر مطیع ومنقاد ہیں۔ اُن کے دلوں میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں، عظمت الٰہی اور جلال خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں، وہ اپنے دل میں یقین رکھتے ہیں کہ اُن کے اوپر اللہ پاک ہیں، اس لئے وہ حق تعالیٰ کی ہیبت وجلال سے سہمے رہتے ہیں۔

بے مروت انسان کا حال:

یہ تو کائنات کی اطاعت وفرمانبرداری کا حال تھا، اب بے مروت انسان کا حال دیکھئے —— اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: ''دو معبود مت بناؤ، معبود ایک ہی ہے، لہٰذا مجھی سے ڈرو! —— یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیمبروں کے ذریعے یہ حکم دیا کہ جس طرح آسمانی اور زمینی مخلوق کے لئے ایک ہی معبود ہے، تمہارا بھی بس ایک ہی معبود ہے، لہٰذا تم دو معبود نہ بنالو اور جس طرح تمام کائنات سربسجود اور عاجز ہے، تم بھی ایک معبود سے ڈرو! —— اور یہ جو فرمایا کہ: ''دو معبود نہ بناؤ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ معبود میں دوئی نہیں، برحق معبود بس ایک ہی ہے، اگر معبود میں دوئی (کثرت) پیدا ہوگی تو وہ معبود ہی نہیں[1]

اور انہی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور اطاعت دائمی طور پر انہی کا حق ہے، پھر کیا تم اللہ پاک کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ —— یعنی وہی ہر چیز کے مالک ہیں، انہی کی اطاعت سب پر لازم ہے اور وہی اس

(۱) ولما كان الإله الحق لايتعدد وأن كل من يتعدد فليس بإله، اقتصر على ذكر الاثنين، لأنه قصد نفي التعديد (قرطبی)

بات کے مستحق ہیں کہ سب ان کی اطاعت بجالاویں، پھر تم اوروں سے کیوں ڈرتے ہو؟ اور ڈر کر ان کو کیوں پوجتے ہو؟

شرک کی ایک بنیاد غیر اللہ کا خوف ہے، مشرک انسان سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں، اس لئے ان کو راضی رکھنے کے لئے ان کی نذر مانتا ہے، بھینٹ چڑھاتا ہے اور ان کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرتا ہے۔ قرآن پاک یہاں کھول کر سمجھاتا ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ کی ملک ہیں، اور ان کا حکم مان رہی ہیں۔ سب لازماً اور دائماً انہی کی مطیع وفرمانبردار ہیں، ان کے اشارے کے بغیر کائنات کی کوئی طاقت نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، پھر کسی طاقت سے کیوں ڈرا جائے؟ اور ڈرا بھی جائے تو اس کا کیا حاصل ہوگا؟

اور تمہیں جو بھی نعمت حاصل ہے وہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی ضرر پہنچتا ہے —— تو انہی سے فریاد کرتے ہو، مگر جب اللہ تعالیٰ وہ ضرر ہٹا دیتے ہیں تو یکا یک ایک گروہ تم میں سے، اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتا ہے، تاکہ ہماری بخشی ہوئی نعمت کی ناشکری کرے —— اچھا چند روز مزے اڑالو، جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا —— یہاں انسان کو یہ حقیقت یاد دلائی گئی ہے کہ جو اور جس قسم کی نعمت کسی انسان کو حاصل ہے، وہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہے، اگر کوئی نفع کا مالک یا نقصان رساں نظر آتا ہے، کوئی عظمت وبڑائی کا حامل ہے، کوئی شرف وبزرگی رکھتا ہے، کوئی طاقت وقوت والا ہے تو ان تمام نعمتوں کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے، انہی کے قبضۂ قدرت میں نفع ونقصان ہے، اور اس کی شہادت تمہارے اپنے نفس میں موجود ہے، جب تم پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو تم بے ساختہ خدا ہی کو پکارنے لگتے ہو، ان کے سامنے گڑگڑانے لگتے ہو، آہ وزاری کرتے ہو اور دُہائی دیتے ہو، مصیبت کی اس گھڑی میں تمہارے من گھڑت تصورات تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوجاتے ہیں، گویا تمہاری فطرت شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی کا کام نہیں۔

مگر جب اللہ پاک تمہاری آہ وزاری سن کر مصیبت ٹال دیتے ہیں تو تم اپنے منعم حقیقی کو بھلا بیٹھتے ہو، اللہ تعالیٰ کے شکریہ کے بجائے دیوی دیوتاؤں اور بزرگوں کے شکریے کی نذریں اور نیازیں چڑھانی شروع کر دیتے ہو۔

مشرک کی یہ حرکت ظاہر کرتی ہے کہ گویا اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی میں اُن کی مہربانی کا بھی دخل ہے، بلکہ بعض نانہجار تو یہ تک سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہرگز مہربانی نہ کرتے اگر یہ حضرات مہربان ہو کر اللہ تعالیٰ کو مہربانی پر آمادہ نہ کرتے (العیاذ باللہ) —— اس طرح مشرک انسان خدائے وحدہ لاشریک لہ کے انعام واحسان کے انکار وناشکری پر تُل بیٹھتا ہے بہتر ہے، چند روز دنیا میں عیش کرلے جلد ہی اُسے معلوم ہوجائے گا اس کفرانِ نعمت کا انجام کیا ہوتا ہے؟

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

ع ۱۴

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
وَيَجْعَلُوْنَ	اور بناتے ہیں وہ	عَمَّا كُنْتُمْ (۲)	تمہاری افتراء پردازیوں	بُشِّرَ	خوش خبری دی جاتی ہے
لِمَا (۱)	ان کے لئے جس کے متعلق	تَفْتَرُوْنَ	کے بارے میں	اَحَدُهُمْ	ان میں سے کسی کو
لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے وہ (کہ	وَيَجْعَلُوْنَ	اور تجویز کرتے ہیں وہ	بِالْاُنْثٰى	لڑکی کی
	نافع وضار ہیں)	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے	ظَلَّ	(تو) ہوجاتا ہے
نَصِيْبًا	ایک حصہ	الْبَنٰتِ	بیٹیاں	وَجْهُهٗ	اس کا چہرہ
مِّمَّا	اس میں سے جو	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے ان کی ذات	مُسْوَدًّا	سیاہ
رَزَقْنٰهُمْ	روزی دی ہم نے ان کو	وَلَهُمْ (۳)	اور اپنے لئے	وَّهُوَ	اور وہ
تَاللّٰهِ	قسم اللہ پاک کی	مَّا يَشْتَهُوْنَ	جو چاہتے ہیں وہ	كَظِيْمٌ (۴)	گھٹنے والا (ہے)
لَتُسْـَٔلُنَّ	ضرور تم سے پوچھا جائیگا	وَاِذَا	اور جب	يَتَوَارٰى	چھپ رہا ہے وہ

(۱) مَا موصولہ ہے، صلہ میں لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے، لَا يَعْلَمُوْنَ کا فاعل کفار ہیں اور مفعول محذوف ہے أی: لا يعلمونه أنه يضر وينفع (۲) مَا مصدریہ ہے (۳) لَهُمْ خبر مقدم، اور مَا يَشْتَهُوْنَ مبتدا موخر ہے اور جملہ حال ہے يَجْعَلُوْنَ کے فاعل سے۔ (۴) دیکھئے سورۂ یوسف آیت ۸۴

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	الْحَکِیْمُ	بڑے حکمت والے	سَاعَةً	ایک گھڑی
مِنْ سُوْٓءِ [1]	بسبب عار		(ہیں)	وَّلَا	اور نہیں
مَا	اُس (لڑکی) کے جسکی	وَلَوْ	اور اگر	یَسْتَقْدِمُوْنَ	آگے بڑھیں گے
بُشِّرَ بِهٖ	خوشخبری دیا گیا ہے وہ	یُؤَاخِذُ	پکڑیں	وَیَجْعَلُوْنَ	اور تجویز کرتے ہیں
اَیُمْسِکُهٗ	کیا لئے رہے وہ اسے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے
عَلٰی هُوْنٍ [2]	ذلت کے ساتھ	النَّاسَ	لوگوں کو	مَا	وہ جسے
اَمْ یَدُسُّهٗ [3]	یا دبا دے اس کو	بِظُلْمِهِمْ	ان کی زیادتی کی سبب سے	یَکْرَهُوْنَ	ناپسند کرتے ہیں وہ
فِی التُّرَابِ	مٹی میں!	مَّا تَرَکَ	(تو) نہ چھوڑیں	وَتَصِفُ	اور بیان کرتی ہیں
اَلَا سَآءَ	سن لو! برا ہے	عَلَیْهَا	زمین پر	اَلْسِنَتُهُمُ	ان کی زبانیں
مَا	جو	مِنْ دَآبَّةٍ	کوئی بھی جاندار	الْکَذِبَ [6]	جھوٹ
یَحْکُمُوْنَ	فیصلہ کرتے ہیں وہ	وَّلٰکِنْ	لیکن	اَنَّ	کہ
لِلَّذِیْنَ	ان کے لئے جو	یُّؤَخِّرُهُمْ	مہلت دیتے ہیں اللہ	لَهُمُ	ان کے لئے
لَا یُؤْمِنُوْنَ	نہیں ایمان رکھتے		تعالیٰ ان کو	الْحُسْنٰی	بھلائی ہے
بِالْاٰخِرَةِ	آخرت پر	اِلٰٓی اَجَلٍ	ایک معین میعاد	لَا جَرَمَ	لامحالہ
مَثَلُ السَّوْءِ [4]	بری حالت ہے	مُّسَمًّی	تک	اَنَّ	(یہ بات ہے) کہ
وَلِلّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ کیلئے (ہے)	فَاِذَا	پھر جب	لَهُمُ	ان کے لئے
الْمَثَلُ	حالت	جَآءَ	آپہنچے گی	النَّارَ	آگ (ہے)
الْاَعْلٰی	برتر	اَجَلُهُمْ	ان کی میعاد	وَاَنَّهُمْ	اور یقیناً وہ
وَهُوَ	اور وہ	لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ [5]	(تو) نہیں پیچھے رہیں	مُّفْرَطُوْنَ [7]	پہلے پہنچائے ہوئے
الْعَزِیْزُ	سب پر غالب		گے وہ		ہوں گے

(۱) مِنْ تعلیلیہ ہے۔ (۲) عَلٰی هُوْنٍ حال ہے فاعل سے (۳) دَسَّ (ن) دَسًّا الشیئ: دھنسانا، گاڑنا، چھپانا (۴) السوء کے لئے دیکھئے التوبہ آیت ۹۸ (۵) دیکھئے یونس آیت ۴۹ (۶) الکذب مفعول ہے اور أن لھم اس کا بدل ہے (۷) مُفْرَطُوْن: اسم مفعول، جمع مذکر ہے، آگے روانہ کئے ہوئے، إفراطٌ مصدر اَفْرَطَ رَسُوْلاً: قاصد بھیجنا۔

جو خالص اللہ پاک کا حق ہے اس کو غیر اللہ کے لئے تجویز کرنا حماقت ہے

اِن آیتوں میں مشرکین کی حماقت کا ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، یہ مشرکانہ ذہنیت کی کمزوری ہے کہ جو خالص اللہ پاک کا حق ہے، اُسے تو غیر اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں، اور جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں، اُسے اللہ پاک کے لئے تجویز کرتے ہیں —— ہر قسم کی عبادت اور پرستش صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اُن کے سوا کوئی عبادت اور پوجا کے لائق نہیں، مگر مشرکین اپنی آمدنیوں اور اپنی آراضی کی پیداوار میں سے ایک مقررہ حصہ غیر اللہ کی نذر و نیاز اور بھینٹ چڑھانے کے لئے الگ نکال رکھتے ہیں۔ ارشاد ہے: — اور یہ لوگ ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے ان (معبودوں) کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جن (کے نافع ضار ہونے) کی انھیں کچھ خبر نہیں —— یعنی مشرکین ہماری ان نعمتوں میں سے جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں ان معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں جن کے معبود ہونے کی یا بنانے بگاڑنے پر قادر ہونے کی انھیں کچھ تحقیق نہیں۔ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ثبوت ہے، نہ تحقیق ہے۔ بس اندھا دھند، بلا دلیل و حجت ان کو قادر مان کر اپنی آمدنیوں کا ایک حصہ ان کی نذر کرتے ہیں —— غور کرو، کس قدر نمک حرام ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کی دی ہوئی روزی اور اللہ پاک کی بخشی ہوئی دولت، اللہ پاک کی بارگاہ کو چھوڑ کر، اُن بارگاہوں پر چڑھاتے ہیں، جن کا کوئی حق نہیں، جنہیں کچھ خبر نہیں، اور جو نہ کسی کا کچھ بنا سکتے ہیں، اور نہ بگاڑ سکتے ہیں —— قسم اللہ پاک کی! تم سے تمہاری ان افتراء پردازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی —— کہ تمہیں کیا حق پہنچتا تھا جو خدا کے دئے ہوئے مال میں غیر اللہ کو شریک و سہیم بنا لیا!

مشرکین کا عقیدہ ہے کہ زمین و آسمان اور تمام کائنات کے خالق، پروردگار اور مالک و مختار بس اللہ پاک ہی ہیں، ہمارے معبود اور دیوتا بھی انہی کی مخلوق اور انہی کے بندے ہیں، مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت ریاضت و عبادت کی اس لئے وہ اللہ کے پیارے اور چہیتے ہو گئے، اللہ نے اُن کو مقام الوہیت عطا فرما دیا اور ایک محدود دائرے میں تصرف کا ان کو اختیار بخش دیا اور اُن کو ایسا کر دیا کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں، ہماری التجائیں سنتے، اور ہمارے احوال جانتے ہیں، اور ہماری مدد کرتے ہیں، ان کی پوجا اور نذر و نیاز سے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے، وہ اپنے اس عقیدے کی بناء پر ان کی نذریں اور منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے ان کو پکارتے اور اُن سے التجائیں کرتے ہیں —— اِس آیت پاک میں ان لوگوں کو سمجھایا ہے کہ خدا کے بندو! سوچو، روزی دی ہوئی اللہ پاک کی اور تم نے اس میں شریک بنا لیا دوسروں کو؟ اگر تم اپنی ان افترا پردازیوں سے باز نہیں آئے تو بہت جلد وہ دن آ رہا ہے جب تم سے اس کا سوال ہوگا اور تمہارے پاس کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا!

جو بات اللہ پاک کے لائق نہیں، اس کو اللہ پاک کی طرف منسوب کرنا بھی حماقت ہے

مشرکین کی دوسری حماقت یہ ہے کہ جو بات کسی طرح بھی اللہ پاک کے لئے سزاوار نہیں اُسے پوری ڈھٹائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ارشاد ہے: —— اور یہ لوگ اللہ پاک کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں —— ان کی ذات (اولاد) سے پاک ہے! —— جبکہ اپنے لئے وہ (تجویز کرتے ہیں) جوان کا دل چاہتا ہے —— یعنی نرینہ اولاد —— مطلب یہ ہے کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب بجائے خود جہالت وسفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے لئے ہرگز پسند نہیں کرتے —— اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے —— اس کا چہرہ اتر جاتا ہے اور ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں —— اور وہ خون کا گھونٹ پی کی رہ جاتا ہے —— کہ کیسی عار کی چیز میرے اور میرے خاندان کے پلّے پڑی! —— وہ لوگوں سے چھپا پھرتا ہے اس لڑکی کے عار سے جس کی اُسے خوشخبری دی گئی ہے [1] —— اب نہ وہ دوستوں کو منہ دکھا سکتا ہے نہ خاندان کے بزرگوں کے سامنے آسکتا ہے (سوچتا ہے کہ) آیا ذلت کے ساتھ اسے لئے رہوں یا مٹی میں گاڑ دوں —— شب وروز اسی ادھیڑ بُن میں لگا رہتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دوں یا زمین میں گاڑ کر فخر کے ساتھ سر بلند کروں؟ —— ہائے! کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں یہ لوگ! —— کہ اپنے لئے جس بیٹی کو اس قدر موجب عار سمجھتے ہیں، اُسی کو خدائے پاک کے لئے بلا تأمل تجویز کرتے ہیں۔

اب دو باتیں سمجھ لیجئے:

۱- مشرکین کے معبودوں میں جتنی دیویاں ہیں ان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں، اسی طرح فرشتوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، مشرکین عرب میں خاص طور پر قریش کے قبائل بنوخزاعہ اور بنو کنانہ میں یہ بلا زائد تھی، جب اُن سے پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے، اس طرح ان

(۱) اس آیت میں دو مرتبہ لڑکی کی ولادت کی خبر کو 'خوشخبری' کہا گیا ہے۔ غور کیجئے قرآن پاک کس طرح اشاروں اشاروں میں ذہنوں کو بدل رہا ہے۔ وہ بتا رہا ہے کہ جس خبر سے عرب جاہلیت میں لڑکی کا باپ، اس قدر پریشان ہوتا تھا وہ کوئی بری خبر نہیں تھی، بلکہ وہ ایک خوشخبری تھی، ویسی ہی خوشخبری جیسی لڑکے کی ولادت کی ہوتی ہے، اور یہ اس کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ اُسے بری خبر سمجھ رہا ہے —— یہیں سے علمائے کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت وذلت سمجھنا جائز نہیں، یہ کفار کا فعل ہے، بلکہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے پر زیادہ خوشی ظاہر کرے اس کی اچھی تعلیم وتربیت کرے، اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے، وہ لڑکی اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائے گی۔

کم بختوں نے خدا کا ناتا جنّوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ یہاں ان کی اس حماقت کو اُن کی ناانصافی کے نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق اُن کے تصور کی پستی واضح ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی ایک عام انسان کی طرح اولاد کا محتاج سمجھتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مشرکانہ ذہنیت اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کس قدر پست اور گستاخ ہے اور کس قدر بے حس واقع ہوئی ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے موجب عار سمجھتے ہیں، اللہ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔

۲- اس آیت پاک سے عورتوں کی جنس کے بارے میں عرب جاہلیت کے تصور کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، عورت اُن کے یہاں زیادہ سے زیادہ ذلیل اور حقیر مخلوق تھی، بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا گھمنڈ تھا۔ لڑکی کے باپ ہونے کو اپنے لئے ذلت سمجھتے تھے، اُسے یا تو مار ڈالتے تھے یا اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ دیتے تھے، اس آیت پاک میں اس گمراہی کا بھی ابطال کیا گیا ہے، اسلام نے نہ صرف دختر کُشی کی رسم مٹا دی، بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹا دی جو ان وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں، دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بہ حیثیت انسان ایک درجہ میں رکھا ہے۔ اور دونوں کے لئے ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھلی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا بھی حماقت ہے

ایک کلی ضابطہ بیان فرما کر یہ سمجھایا جاتا ہے کہ خدائے پاک کے لئے اولاد تجویز کرنا بجائے خود غلط ہے، ارشاد ہے —— بری حالت انہی لوگوں کے لئے ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور برتر حالت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور وہ زبردست، بڑے حکمت والے ہیں —— یعنی مشرکین جنہیں آخرت پر یقین نہیں، بری حالت انہی کی ہے، وہی اولاد کے محتاج ہیں، دُکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے انہی کو لڑکوں کا سہارا چاہئے، نقص وعیب کی نسبت اُن ہی کی طرف مناسب ہے، حق تعالیٰ کی طرف اُن صفات کی نسبت کرنا، جو مخلوق کا خاصہ ہیں، ان کی شان رفیع کے منافی ہے، اُن کے لئے تو وہی صفات ثابت کی جا سکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند ہوں۔

آیت پاک کا خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب چار باتیں سمجھ لیجئے:

۱- بری حالت انہی لوگوں کی ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اس دنیا کی زندگی میں سرشار رہتے ہیں، کیونکہ جب آدمی اللہ پاک کے سامنے خود کو جواب دہ نہیں سمجھتا اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا تو اس کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے، وہ دنیا میں شتر بے مہار بن جاتا ہے، نہایت برے اخلاق واوصاف والا ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کی زمین کو ظلم وفساد اور

فسق وفجور سے بھر دیتا ہے، اس لئے جب وہ مرتا ہے تو آخرت میں ہر طرح کی عقوبت وذلت کا شکار ہوتا ہے، غرض اس دنیا میں بھی اور دوسری زندگی میں بھی بری حالت انہی کی ہے اور ہوگی۔

۲- جو انسان پروردگار عالم سے بغاوت کرتے ہیں، وہ جانوروں سے بدتر ہیں، ان کے پاس دل ہوتے ہیں، مگر وہ اُن سے سوچنے کا کام نہیں لیتے، اُن کے پاس آنکھیں ہوتی ہیں مگر وہ اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، اُن کے پاس کان ہوتے ہیں، مگر وہ اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے، وہ لوگ غفلت میں ڈنگروں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہیں۔

رہے اللہ تعالیٰ کے وفادار بندے تو اُن کا حال اِن کے برعکس ہے، اُن کی اس دنیا میں بھی اچھی حالت ہوتی ہے اور آخرت میں بھی بہتر حالت ہوگی، جب تک وہ زندہ ہیں، پاکبازانہ زندگی بسر کرتے ہیں، بلند اخلاق اور برتر اوصاف کے حامل ہوتے ہیں، دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں اور رحم ومہربانی کا معاملہ کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ پاک کی زمین کو عدل وانصاف اور عبادت وانقیاد سے بھر دیتے ہیں، رہی آخرت کی بھلائیاں اور خوبیاں تو وہ صرف انہی کے لئے ہیں۔

ملحوظہ: یہ نمبر دو والا مضمون آیت پاک کے پہلے جملے میں جو حصر ہے اس سے نکلتا ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ کی حالت اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند ہے، جس طرح اُن کی ذات بے ہمہ اور باہمہ ہے ان کی صفات بھی بے چوں اور بے چگوں ہیں، نہ ان کا ذات میں کوئی ہمسر ہے نہ صفات میں کوئی شریک، وہ ذات وصفات میں بے مثال اور بے شریک ہیں۔

صفات توقیفی ہیں:

جب ایک انسان تصور کرتا ہے کہ ایک خالق وپروردگار ہستی موجود ہے تو فوراً یہ تصور ابھرتا ہے کہ وہ ہستی کیسی ہے، اس کی صفات کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہوتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں رہتی جس میں وہ گم نہ ہوجائے، حتی کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے، اس لئے وہی نام اور صفات، مناسب اور لائق ہیں جن کے معانی اچھے اور مفہوم بلند ہو، جو صفات وکمالات واقعی طور پر اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں — اور تمام کمالات کا وہی منبع ہیں — انہی کے ساتھ اللہ پاک کو متصف کیا جاسکتا ہے اور انسان کے فرضی اور وہمی تصورات وخیالات اور صفات وکمالات کے ساتھ اللہ پاک کو ہرگز متصف نہیں کیا جاسکتا۔

جب صورت حال یہ ہے تو ضروری ہے کہ اللہ پاک اپنی صفات وکمالات، خود ہی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے لوگوں کو تعلیم فرماویں، کیونکہ انسان کی عقل نارسا خدائے پاک کے واقعی کمالات وصفات تک پہنچ ہی نہیں سکتی، اس

لئے صفات کا مسئلہ توقیفی ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں جن صفات وکمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کیا گیا ہے بس انہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا جائز ہے، اور جن صفات وکمالات سے قرآن وحدیث خاموش ہیں، وہ اگرچہ کتنے ہی عمدہ نظر آئیں، ان کے ساتھ اللہ پاک کو متصف کرنا جائز نہیں، بلکہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں جو صفات وارد ہوئی ہیں ان کے ہم معنی الفاظ بھی استعمال نہیں کئے جاسکتے، مثلاً: صفت **جَمِیْلٌ** حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے (**إِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ**) مگر **حَسِیْنٌ** نہیں آئی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو "جمیل" تو کہا جاسکتا ہے مگر "حسین" نہیں کہا جاسکتا۔

۴- اعلیٰ، بلند اور برتر حالت اللہ پاک ہی کی ہے، ان کی مخلوقات میں کوئی ایسا نہیں جو صفات وکمالات میں اللہ پاک کے ہم پلہ ہو، جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ اس بات کی کچھ تفصیل کی جائے۔

شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت:

یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو اُن صفات کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں، جو مخلوقات کی صفاتِ خاصہ ہیں، اُسی طرح جو صفات اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ ہیں، ان کے ساتھ بھی کسی مخلوق کو متصف کرنا جائز نہیں، اگر خدائی صفات کسی بندے میں مان لی گئیں تو یہ شرک فی الصفات ہے، پھر جب اس بندے کی پوجا کی گئی، جس میں خدائی صفات ثابت کی گئی ہیں، ان کی نذر و نیاز مانی گئی یا چڑھاوے چڑھائے گئے تو یہ شرک فی العبادت ہے، ذیل میں اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

(الف) علم غیب یعنی وہ علم جو کسی کے بتلائے بغیر، کسی ہستی کو خود بخود اپنے اختیار سے حاصل ہو جائے، ایسا علم بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، جس میں اُن کا کوئی شریک نہیں، سورۃ النمل میں ہے: ﴿ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ﴾: (سورۃ النمل آیت ۶۵) ترجمہ: اعلان فرمادیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں، ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا سوائے اللہ پاک کے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بہت سادہ انداز میں یہ بات اس طرح سمجھائی ہے:

علم غیبے کس نمی داند، بجز پروردگار ❁ ہر کسے گوید کہ میدانم، از وباور مدار
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل ❁ جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ترجمہ: غیب کا علم کسی کو حاصل نہیں، سوائے پروردگار کے، لہٰذا جو کہے "میں جانتا ہوں" اس کی بات کا یقین مت کرو، حضور ﷺ غیب کی باتیں ہرگز نہیں بتا سکتے تھے، جب تک جبرئیل علیہ السلام نہ بتاتے۔ اور جبرئیل ہرگز نہیں بتا سکتے تھے

جب تک پروردگار نہ بتائیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ یا فلاں ولی علم غیب جانتے ہیں تو بلاشبہ یہ اللہ پاک کی ایک صفت خاصہ کو بندہ کے لئے ثابت کرنا ہے اور یہ عقیدہ ایسا ہی مشرکانہ عقیدہ ہے جیسا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یا فلاں ولی کو الوہیت (خدائی) کا درجہ دے دیا ہے یا ربوبیت اور خالقیت ورزاقیت کی صفت عطا فرمادی ہے۔

البتہ یہ عقیدہ بالکل برحق اور قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے کہ علم غیب تو صرف اللہ پاک ہی کو حاصل ہے۔اس میں ان کا کوئی شریک نہیں، اور کل غیب کا علم بھی صرف انہی کو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعے غیب کی ہزاروں باتیں بتائی ہیں، اور اولیاء اللہ کو بھی کشف والہام کے ذریعے بہت سی باتوں کی خبر ہو جاتی ہے، مگر یہ نہ علم غیب ہے اور نہ اس کی وجہ سے کسی کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے۔

(ب) آیت چالیس میں اللہ پاک کے کُنۡ فَیَکُوۡنُ تصرف کا ذکر آیا ہے، یعنی بغیر اسباب وآلات کے، اور بغیر کسی فن اور عمل کے، صرف اپنی قدرت، مشیت، ارادہ اور حکم سے کائنات میں تصرف کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور صفت ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا ولی اور کسی مخلوق کو اس تصرف کی قدرت عطا نہیں فرمائی، پس جو مشرکین اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں اس قسم کے تصرف کا عقیدہ رکھتے ہیں یا جو جاہل قبر پرست اور تعزیہ پرست، نام کے مسلمان، اماموں، پیروں اور شہیدوں کے بارے میں اس طرح کے تصرف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حاجتی بن کر ان کے مزاروں پر جاتے ہیں، اور ان سے حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، اور ان کے نام کی نذریں چڑھاتے ہیں وہ شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ دونوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کسی نبی یا ولی یا پیر یا شہید یا اللہ پاک کے سوا کسی بھی واقعی یا فرضی ہستی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ پاک کے ایسے پیارے چہیتے اور مقرب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک درجہ اور ایک دائرہ میں کن فیکونی تصرف کی قدرت دے دی ہے، اور اب وہ صرف اپنے ارادے اور حکم سے تصرف کر سکتے ہیں، کسی کا کام بنا اور بگاڑ سکتے ہیں، حاجتیں پوری کر سکتے ہیں، تو یہ بعینہٖ وہی عقیدہ ہے جو مشرکین عرب اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں رکھتے تھے۔اللہ پاک تمام انسانوں کو ایسے ناپاک عقیدوں سے محفوظ رکھیں (آمین)

(ج) یہ شان بھی صرف اللہ پاک کی ہے کہ جو شخص اس کو جب اور جہاں سے یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو جاتا ہے، پس وہی عَلِیۡم (سب کچھ جاننے والے) ہیں، کسی بھی مخلوق کو یہ صفت حاصل نہیں۔لہٰذا جو کفار اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے لئے اور جو مسلمان پیروں، ولیوں یا نبیوں کے لئے یہ صفت ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اِسی

اعتقاد کی بناء پر ان سے مدد چاہتے ہیں اور مدد کے لئے ان کو پکارتے ہیں، بلاشبہ یہ شرک جلی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے استعانت کے معاملہ میں اِس امت میں بہت غلو اور افراط پیدا ہو گیا ہے، جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دہائی دیتے ہیں: **یَا عَلِیُّ اَلْمَدَدْ!** یا حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی صدا لگاتے ہیں: **یَا شَیخ عَبْدُ الْقَادِرْ شَیْئًا لِلّٰہِ** یہ سب دہائیاں اور صدائیں شرک کے دائرہ میں آتی ہیں۔

جاہلوں کو ان کی گستاخیوں کی سزا کیوں نہیں دی جاتی؟

یہ چار باتیں اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اللہ پاک ہم کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس کے بعد آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبردست، بڑے حکمت والے ہیں، اس ارشاد میں اس خلجان کا جواب ہے کہ اللہ پاک ایسی ایسی گستاخیوں پر اور ایسی ایسی نازیبا باتیں منسوب کرنے پر سزا کیوں نہیں دیتے؟ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک ایسے زبردست ہیں کہ لوگوں کو ان کی گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتے ہیں، مگر فوراً سزا دینا اُن کی حکمت کے خلاف ہے، اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ جو لوگ سنبھلنا چاہیں سنبھل جائیں اور اپنا رویہ درست کرلیں۔ ارشاد ہے —— اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ان کی ناانصافی کے سبب (فوراً) دار وگیر فرماتے تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتے —— یعنی اگر اللہ پاک لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع فرمادیں تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں نمٹ جائے اور زمین کی یہ آبادی چند گھنٹے بھی باقی نہ رہ سکے، مگر وہ اپنے علم وحکمت سے ایسا نہیں کرتے، بلکہ مجرموں کو توبہ واصلاح کا موقع عنایت فرماتے ہیں، اور ایک وقت معین تک ان کو ڈھیل دیتے ہیں، ارشاد ہے: —— لیکن وہ ایک وقت مقررہ تک انھیں ڈھیل دے رہے ہیں، پھر جب اُن کا مقررہ وقت آپہنچے گا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے —— یعنی جب وقت موعود آپہنچے گا تو پھر ایک سکنڈ اِدھر اُدھر نہیں ہو سکیں گے۔

مگر آج مشرکین اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں کہ اگر آخرت آئی تو وہاں کی تمام بھلائیاں بھی انہی کے لئے ہوں گی۔ وہاں بھی خوب چین سے رہیں گے، ان احمقوں کو بتایا جارہا ہے کہ آخرت میں تمہارے لئے خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی، آتش دوزخ تیار ہے۔ ارشاد ہے —— اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور اس پر اپنی زبان سے یہ جھوٹے دعوے کرتے ہیں کہ (آخرت کی) بھلائی انہی کے لئے ہے —— یعنی ایک طرف یہ گستاخیاں اور ناانصافیاں، دوسری طرف یہ خوش فہمیاں اور جھوٹے دعوے کہ آخرت کی بھلائی ان ہی کے لئے ہیں —— بے شک آگ انہی کے لئے ہے اور یقیناً وہ اس میں سب سے پہلے پہنچائے جائیں گے —— یعنی یہ لوگ دوسرے جہنمیوں کا مقدمۃ الجیش اور ہراول دستہ ہوں گے، کیونکہ گمراہی اور

ضلالت میں یہ اُن کے پیش رو رہے ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾

تَاللّٰهِ	اللہ کی قسم!	اَلِيْمٌ	دردناک	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) مان لیں
لَقَدْ	البتہ یقیناً	وَمَاۤ	اور نہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے
اَرْسَلْنَاۤ	بھیجے ہم نے	اَنْزَلْنَا	اتاری ہم نے	اَنْزَلَ	اتارا
اِلٰۤى اُمَمٍ	قوموں کے پاس	عَلَيْكَ	آپ پر	مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
مِّنْ قَبْلِكَ (۱)	آپ سے پہلے	الْكِتٰبَ	کتابِ الٰہی	مَآءً	پانی
فَزَيَّنَ	پس خوشنما بنائے	اِلَّا	مگر	فَاَحْيَا	پھر زندہ کیا
لَهُمْ	اُن کے لئے	لِتُبَيِّنَ	تاکہ کھول دیں آپ	بِهٖ	اس کے ذریعہ
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	لَهُمُ	ان کے لئے	الْاَرْضَ	زمین کو
اَعْمَالَهُمْ	اُن کے کام	الَّذِى	وہ جو	بَعْدَ مَوْتِهَا	اُس کے مرجانے کے بعد
فَهُوَ	سو وہ	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کرتے ہیں وہ	اِنَّ	یقیناً
وَلِيُّهُمُ	اُن کا سرپرست (ہے)	فِيْهِ	اس میں	فِىْ ذٰلِكَ	اس میں
الْيَوْمَ	آج	وَهُدًى	اور راہ نمائی	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی (ہے)
وَلَهُمْ	اور اُن کے لئے	وَّرَحْمَةً (۲)	اور مہربانی	لِّقَوْمٍ	(اُن) لوگوں کے لئے
عَذَابٌ	عذاب (ہے)	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے	يَّسْمَعُوْنَ	(جو) بات سنتے ہیں

(۱) جار مجرور اَرْسَلْنَا سے متعلق ہیں۔ (۲) في موضع نصب، على أنهما مفعول من أجله، والناصب أنزلنا (روح)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی کہ آپؐ پریشان نہ ہوں

ان آیتوں میں یہ سمجھایا جارہا ہے کہ شیطان، انسان کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا، وہ اس کی بداعمالیاں، بدعقیدگیاں اور شان باری میں اس کی گستاخیاں اسے خوشنما بنا کر دکھاتا ہے، اس وجہ سے چیزوں کا اصلی حسن وقبح اس کے سامنے ظاہر نہیں ہوتا اور اپنی غلط زندگی کے خلاف اس کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی —— ساتھ ہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی سے رنجیدہ نہ ہوں، ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہورہا ہے، آپ ﷺ کی بعثت کا اور آپ پر اس کتاب کے نازل فرمانے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ کسی بھی طرح انہیں سمجھادیں، ورنہ آپ رسالت کی ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہوسکیں گے۔ بلکہ یہ قرآن آپ پر صرف اس لئے اتارا جارہا ہے کہ جن سچے اصولوں میں یہ اختلاف کررہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں آپ ان سب کو وضاحت اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمادیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کردیں، آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے، جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ ﷺ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ارشاد ہے قسم اللہ پاک کی! یقیناً یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے بہت سی قوموں کے پاس آپ سے پہلے رسول بھیجے ہیں، پھر (ایسا ہوا کہ) شیطان نے اُن کے اعمال انہیں خوشنما کردکھائے —— اس لئے وہ لوگ پیغمبروں کی تعلیمات سے متاثر نہ ہوئے، بلکہ اپنی کفریات ہی کو پسند کرتے رہے —— سو وہی شیطان آج اِن لوگوں کا بھی سرپرست بنا ہوا ہے —— اور انھیں بھی طرح طرح کی پٹیاں پڑھا رہا ہے، اس لئے یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح اپنی کفریات کو پسند کررہے —— اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے —— یعنی یہ بھی لامحالہ ویسی ہی دردناک سزا پائیں گے جیسی ان اگلوں نے پائی تھی۔

نزولِ قرآن کے دو مقصد:

ارشاد فرماتے ہیں: —— اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں، آپ اس کو اُن پر واضح کردیں —— یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل وادراک سے نہیں پاسکتا اور اسی لئے طرح طرح کے اختلافات کھڑے کررہا ہے، کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ، وحی الٰہی نازل ہوتی ہے تاکہ ان اختلافات کو دور کردے اور بتلادے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

یہ باتیں کونسی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہوسکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھائے؟ —— وہ تمام باتیں جو انسانی عقل وادراک کی سرحد سے ماوری ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات، مرنے کے بعد

کی زندگی، عالم معاد کے احوال، جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق یعنی وہ ساری باتیں جن کی درستگی سے روحانی سعادت پیدا ہوتی ہے۔

انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے، اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے اور جونہی ہدایت ربانی کی روشنی ظاہر ہوتی ہے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے، پھر ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے تباہی اور ہلاکت کا رستہ اختیار کرے یا وہ زندگی اپنائے جس پر قدرت کو پیار آئے!

اور رہنمائی اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو اسے مان لیں —— یہ نزول قرآن کا دوسرا مقصد ہے، قرآن پاک مؤمنین کے لئے سراسر ہدایت و رحمت ہے، وہ انھیں اللہ پاک کے تک پہنچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے یہ پیام رحمت ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ اس کی قدر کریں، ایمان لائیں اور اس پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو حیات نو بخشیں گے

آگے ایک سوال کا جواب ہے کہ کفر کی تاریکیاں تو گھٹاٹوپ ہیں، دلوں کی زمین سنگلاخ ہے، ہر سو کفر و ضالت ڈیرہ جمائے ہوئے ہے، قرآن کو ماننے والے اور اس کی باتوں پر یقین کرنے والے مفقود ہیں، پھر قرآن کس کی راہ نمائی کرے گا اور کسے پیام رحمت سنائے گا؟ جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے: —— اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس نے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے سننے والوں کے لئے —— یعنی نزول ہدایت و رحمت کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول، وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے، یہ مردہ دلوں کو زندہ کر دے گا۔

اگر توجہ قلبی سے قرآن پاک پڑھا جائے تو جاہل، عالم اور مردہ دل زندہ دل ہو جائیں

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

وَإِنَّ	اور یقیناً	لَكُمْ	تمہارے لئے ہے	فِي الْأَنْعَامِ	مویشی میں

لَعِبْرَةً (۱)	البتہ سبق	سَآئِغًا (۴)	خوشگوار	سَكَرًا	نشہ آور
نُسْقِيْكُمْ	پلاتے ہیں ہم تم کو	لِّلشّٰرِبِيْنَ	پینے والوں کے لئے	وَّ رِزْقًا	اور روزی
مِّمَّا	اُن چیزوں میں سے جو	وَمِنْ (۵)	اور پلاتے ہیں ہم	حَسَنًا	عمدہ
فِيْ بُطُوْنِهٖ (۲)	اُن کے پیٹ میں ہیں	ثَمَرٰتِ	پھلوں سے	اِنَّ	یقیناً
مِنْۢ بَيْنِ	درمیان سے	النَّخِيْلِ	کھجور	فِيْ ذٰلِكَ	اس میں (ہے)
فَرْثٍ (۳)	گوبر	وَالْاَعْنَابِ	اور انگور (کے)	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی
وَّ دَمٍ	اور خون (کے)	تَتَّخِذُوْنَ	بناتے ہو تم	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
لَّبَنًا خَالِصًا	دودھ صاف	مِنْهُ	اس سے	يَّعْقِلُوْنَ	(جو) سمجھتے ہیں

برے لوگوں سے بھلے لوگ اور سنگ دلوں سے نرم دل کیسے نکلتے ہیں؟

پچھلی آیت میں آپ نے پڑھا کہ جس طرح بارانِ رحمت مردہ زمین کو حیات بخشتی ہے، یہ قرآن پاک مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے، اب یہ بیان ہے کہ برے لوگوں میں سے بھلے لوگ اور سنگ دلوں میں سے نرم دل کس طرح نکل آتے ہیں، ارشاد ہے کہ یہ بات اللہ پاک کے لئے کچھ مشکل نہیں، اللہ پاک کی قدرت میں سب کچھ ہے، اور تمہارے سامنے اس کے نمونے موجود ہیں۔

پہلا نمونہ: دیکھو بری چیزوں میں سے نہ صرف اچھی چیز بلکہ بہت اچھی چیز کس طرح نکلتی ہے۔ ارشاد ہے —— اور تمہارے لئے مویشی میں یقیناً بڑا سبق ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں، ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اُن کے بیچ میں سے، خالص دودھ، جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے —— یعنی کیا تم اس میں غور نہیں کرتے کہ دودھ جیسی پاکیزہ اور نفیس چیز تمہیں کہاں سے ملتی ہے، یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس میں غلاظت اور خون ہوتا ہے، جو طرح طرح کی آلائشوں

(۱) عِبْرَةٌ بروزن فِعْلَةٌ، یہ وزن بیانِ حالت ونوع کے لئے ہے، یعنی عِبْرَةٌ، عُبُوْرٌ کی ایک خاص حالت ونوع کا نام ہے، عَبْرٌ اور عُبُوْرٌ کے معنی ہیں: ایک حال سے دوسرے حال میں گزرنا، اور اِعْتِبَارٌ اور عِبْرَةٌ اس حالت کے ساتھ مخصوص ہے، جس کے ذریعے معلوم سے مجہول اور مشاہد سے غیر مشاہد تک پہنچا جائے (راغب) (۲) ضمیر انعام کی طرف لوٹ رہی ہے، وھو اسم جمع، واسم الجمع یجوز تذکیرہ وإفرادہٗ باعتبار لفظہٖ وتأنیثہ وجمعہٗ باعتبار معناہ، ولذا جاءَ بالوجهين في القرآن وكلام العرب (روح) (۳) فَرْثٌ: وہ گوبر جو جانور کی آنتوں کے اندر ہو، جمع فُرُوْثٌ (۴) سَائِغًا (اسم فاعل، صیغہ واحد مذکر) خوش گوار، رچتا پچتا، سَاغَ يَسِيْغُ وَيَسُوْغُ الشراب: آسانی کے ساتھ مشروب کا حلق سے نیچے اتر جانا (۵) من ثَمَرات کا عطف مِمَّا فِيْ بُطُوْنِه پر ہے۔

سے بھرا ہوا ہوتا ہے، قدرت کی کاریگری دیکھو کہ اُسی گندگی میں دودھ بھی بنتا ہے، جو تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہے، اس میں نہ گوبر کی بو ہوتی ہے نہ مزہ، نہ خون کی مضرت ہوتی ہے نہ رنگ، خالص، صاف ستھرا، رنگ و بو اور خاصیت ومقصد میں دونوں سے بالکل مختلف، دل پسند، اور خوش گوار ایسا کہ تم دیکھتے ہی اٹھالو اور بے غل وغش ایک ایک قطرہ پی جاؤ!

اگر تم اس پیش پا افتادہ حقیقت میں غور کرو تو تم آسانی سے خدائے پاک کی قدرت لایزال کا اندازہ کر سکتے ہو، ایسی قادر ذات کے لئے برے اور گندے لوگوں کی سوسائٹی میں سے بھلے اور نیک دل انسانوں کو وجود میں لانا کیا مشکل ہے! ماحول پر محنت کرو، اللہ پاک کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ بُروں میں سے بھلے لوگ پیدا فرمادیں۔

دوسرا نمونہ: سنگ دلوں میں سے نرم دل کس طرح نکل آتے ہیں اس کا نمونہ دیکھئے: ــــ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی (ہم تمہیں) پلاتے ہیں، جن سے تم نشہ آور اور عمدہ رزق بناتے ہو، اس میں یقیناً بڑی نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لئے! ــــ یعنی غور کرو، کھجور، انگور، گنا، سنترہ اور طرح طرح کے پھل کیسے ٹھوس اور سخت ہوتے ہیں، جس نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کیا ہو اُسے کبھی یقین نہیں آئے گا کہ اِن میں سے ایک سیال مشروب بھی نکل سکتا ہے، مگر یہ خدائے پاک کی قدرت ہے کہ اِن ٹھوس پھلوں میں سے خوش ذائقہ شیرہ، رس اور عرق نکل آتا ہے، جنھیں مختلف طریقوں سے لوگ کام میں لاتے ہیں، کوئی شربت بناتا ہے، کوئی سرکہ، کوئی پکا کر قوام بناتا ہے، کوئی شکر، اور ایسے بھی لوگ ہیں جو ان رسوں سے شراب بناتے ہیں اور نشہ آور چیزیں تیار کرتے ہیں ــــ اگر لوگ عقل سے کام لیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ خدائے پاک ہر طرح قدرت رکھنے والے ہیں، ان کے لئے یہ کام نہایت ہی آسان ہے کہ انہی سنگ دل انسانوں میں سے جن کے دلوں میں کوئی نصیحت کی بات اثر نہیں کرتی، ایسے نرم دل انسان پیدا کردیں کہ جب ان کے سامنے خدا کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور وہ اطاعت وفرمانبرداری کی تصویر بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ولید بن مغیرہ، ایسے سنگ دل انسان کے پیٹ سے سیف اللہ خالد بن ولید

(رضی اللہ عنہ) کو پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں!

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾

وَ اَوْحٰى(1)	اور وحی کی	ذُلُلًا(3)	مسخر کردہ	ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ	پھر موت دیتے ہیں تم کو
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار نے	يَخْرُجُ	نکلتا ہے	وَمِنْكُمْ	اور تم میں سے
اِلَى النَّحْلِ	شہد کی مکھی کی طرف	مِنْۢ بُطُوْنِهَا	ان کے پیٹ سے	مَّنْ	وہ (بھی) ہیں جو
اَنِ اتَّخِذِيْ	کہ بنا تو	شَرَابٌ	شربت	يُّرَدُّ	لوٹادیے جاتے ہیں
مِنَ الْجِبَالِ	پہاڑوں میں	مُّخْتَلِفٌ	طرح طرح کے (ہیں)	اِلٰٓى اَرْذَلِ	نکمی
بُيُوْتًا	گھر (چھتے)	اَلْوَانُهٗ	اس کے رنگ	الْعُمُرِ	عمر کی طرف
وَّمِنَ الشَّجَرِ	اور درختوں میں	فِيْهِ	اس میں (ہے)	لِكَيْ	تاکہ
وَمِمَّا	اور اُن میں جو	شِفَآءٌ	شفا	لَا يَعْلَمَ	نہ جانیں وہ
يَعْرِشُوْنَ(2)	چھتریاں بناتے ہیں وہ	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	بَعْدَ	بعد
ثُمَّ كُلِيْ	پھر کھا تو	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں (ہے)	عِلْمٍ	جاننے (کے)
مِنْ كُلِّ	ہر قسم کے	لَاٰيَةً	البتہ بڑی نشانی	شَيْـًٔا	کوئی چیز
الثَّمَرٰتِ	میووں میں سے	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ
فَاسْلُكِيْ	پھر چل تو	يَّتَفَكَّرُوْنَ	(جو) غور وفکر کرتے ہیں	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
سُبُلَ	راہوں (پر)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)	قَدِيْرٌ	بڑی قدرت والے
رَبِّكِ	تیرے پروردگار (کی)	خَلَقَكُمْ	پیدا فرمایا تم کو		(ہیں)

نیش زنوں میں سے غم گسار دوست کس طرح نکلتے ہیں؟

برے لوگوں میں سے بھلے لوگ کس طرح نکلتے ہیں، اور سنگ دلوں میں سے رقیق القلب کس طرح نکلتے ہیں، یہ ہم

(۱) وحی کے لغوی معنی ہیں: لطیف اشارہ کرنا، جسے اشارہ کرنے والے اور اشارہ پانے والے کے سوا کوئی نہ سمجھ سکے، یہاں اور قرآن پاک میں متعدد جگہ یہی لغوی معنی مراد ہیں، اور یہ معنی اپنے عموم سے القاء (دل میں بات ڈالنا) اور اِلْهَام (مخفی تعلیم) کو بھی شامل ہیں (۲) عَرَشَ (ن،ض) عَرَشًا: عمارت کو اونچا بنانا، مکان کی چھت بنانا، انگور کی بیلوں کے لئے ٹٹیاں باندھ کر چھتریاں بنانا (۳) ذُلُلاً جمع ہے ذَلُوْلٌ کی: مسخر، مطیع، منقاد۔

دیکھ چکے، آیئے اب اس سے بڑی ایک حقیقت سمجھیں کہ جانی دشمنوں میں سے اور نیش زنوں میں سے غمگسار دوست کس طرح پیدا ہوتے ہیں، اللہ پاک اس سلسلہ میں شہد کی مکھی کی مثال بیان فرماتے ہیں، اس کی نیش زنی سے کون ناواقف ہے۔ مگر اسی سے اللہ پاک انسان کے لئے نہایت مفید اور لذیذ غذا پیدا فرماتے ہیں۔ جو بہت سی بیماریوں کا علاج بھی ہے، ارشاد ہے: —— اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو یہ وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھتوں میں اپنے چھتّے بنا، پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس، پھر اپنے پروردگار کی مسخر کردہ راہوں پر چل؛ اُس کے پیٹ سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے بڑی شفا ہے، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی، اس کی فطرت ایسی بنائی کہ وہ نہایت ہوشیاری اور کاریگری سے اپنا چھتہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور مکان کی چھتوں میں تیار کرتی ہے، پھر وہ ہر قسم کے پھلوں اور میووں کا رس چوستی ہے، اپنے چھتہ سے نکل کر دور تک چلی جاتی ہے، پھر میلوں کا سفر طے کر کے، بغیر راستہ بھولے اپنے چھتے کی طرف اس طرح واپس آجاتی ہیں جیسے راستے خاص اس کے لئے مسخر ومنقاد کئے گئے ہوں۔ اس نے جو رس چوسا ہے وہ اس کے پیٹ میں شہد بن جاتا ہے، پھر اس کے پیٹ سے رنگ برنگ کے شربت نکلتے ہیں، جن میں انسانوں کے لئے بڑی شفا ہے[1] غور کرو ایک موذی اور زہریلے جانور کے پیٹ سے کیسا منفعت بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے، زہر میں یہ تریاق واقعی اللہ پاک کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے۔

اس مثال سے اہل مکہ کو اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ یہ بات خدائے پاک کی قدرت میں ہے کہ وہ جان کے دشمن اور خون کے پیاسے لوگوں میں سے ایسے مختلف صلاحیتوں کے افراد نکالیں، جو نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کے دلی دوست اور غمگسار رفیق ثابت ہوں، جس وقت یہ بات کہی گئی تھی شاید اس سے زیادہ عجیب کوئی بات نہ ہو، مگر بعد کے حالات نے حرف بہ حرف اس کی تصدیق کی، تمام بڑے صحابہ، جنھوں نے اسلام کا بول بالا کیا، پہلے حضور پاک ﷺ کے جانی دشمن تھے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کون ناواقف ہے، وہ شمشیر برہنہ حضور پاک ﷺ کا قصہ نمٹانے چلے تھے، مگر قدرت خداوندی نے ان کو ایسا آب آب کر دیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے رام ہو گئے۔

دشمنوں میں سے جو دوست نکلیں گے وہ سچے پکے اور مخلص ہونگے

آگے اس سے بھی زیادہ ایک گہری بات سمجھائی جاتی ہے کہ یہ جو لوگ دشمنوں میں سے دوست بنیں گے وہ نہایت

(۱) شفاءٌ نکرہ تحت الاثبات ہے۔ اس لئے شہد کا ہر مرض کے لئے شفا ہونا ثابت نہیں ہوتا، البتہ تنوین تعظیم اس پر ضرور دلالت کرتی ہے کہ شہد کی شفا عظیم اور ممتاز نوعیت کی ہے ۱۲

سچے، پکے اور مخلص دوست ہوں گے، پرانی مخالفتیں، عداوتیں اور نفرتیں ان کے دلوں سے یک قلم محو ہو جائیں گی، اللہ پاک کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جب کوئی چیز بھلا دینا چاہتے تو اس طرح بھلا دیتے ہیں کہ جیسے کبھی جانی ہی نہیں گئی، ارشاد ہے:

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا، پھر وہ تم کو موت دیتے ہیں، اور بعضے تم میں سے وہ بھی ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں، تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد کچھ نہ جانیں، بے شک اللہ پاک سب کچھ جاننے والے، بڑی قدرت والے ہیں —— یعنی تم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے ہو کہ جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ لمبی عمر دیتے ہیں تو وہی شخص جو کبھی جوانی میں معلومات کا ایک پورا کتب خانہ اپنے ذہن میں رکھتا تھا، کس طرح ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے، وہ تمام معلومات بھول کر کل کے بچے کی طرح ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ اب بھی وہی پانچ فٹ کا انسان ہے، دماغ رتی بھر کم نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ علم دراصل مالک کے خزانے میں ہے، جب اور جس قدر چاہیں دیں اور جب چاہیں واپس لے لیں۔

جس طرح نکمی عمر میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ علم واپس لے لیتے ہیں اور وہ چیزیں بھلا دیتے ہیں جو نوک زباں ہوتی ہیں، اُسی طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو زندگی کے ہر مرحلے میں جو بھلا دینا چاہیں، بھلا دیں، دل سے باتوں کو اس طرح محو کر دیں کہ گویا وہ دل میں کبھی آئی ہی نہیں تھیں، اور انھیں صاف دل اور مخلص دوست بنا دیں۔

اللہ تعالیٰ دلوں کی کایا کتنی جلدی پلٹ دیتے ہیں اس کا نمونہ دیکھنا چاہیں تو حضرت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کا واقعہ پڑھیں۔ حضرت ثمامہ یمامہ والوں کے سردار تھے، حضور اقدس ﷺ سے نفرت اور دشمنی کا حال یہ تھا کہ وہ آقائے دو جہاں ﷺ کے قتل کے درپے تھے، حضور پاک ﷺ نے دعا فرمائی کہ الٰہی! ثمامہ پر مجھے قابو عنایت فرما، چنانچہ حضور کے گھوڑ سواروں کے ایک دستے نے ثمامہ کو عمرہ کے لئے جاتے ہوئے وطن سے بہت دور گرفتار کر لیا اور خدمت نبوی میں لے آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا، حضور پاک ﷺ صبح ان کے پاس سے گزرے، آپ نے پوچھا: ''ثمامہ! تمہارا کیا خیال ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اگر آپ قتل کریں تو ایک خونی مجرم کو قتل کریں گے اور احسان فرمائیں تو شکر گزار پر احسان فرمائیں گے اور فدیہ چاہیں تو ارشاد فرمائیں، حاضر خدمت کر دیا جائے گا؟'' آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا، اور یہ فرماتے ہوئے چل دیئے کہ: ''الٰہی! اونٹ کے گوشت کی ایک بوٹی، ثمامہ کے خون سے مجھے زیادہ پیاری ہے!''

دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی، تیسرے روز حضور پاک ﷺ نے انھیں آزاد فرما دیا، انھیں ستون سے کھول دیا، وہ ایک باغ میں گئے اور نہا دھو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت **لاَ إِلٰہ إِلاَّ اللّٰہُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** پڑھ کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے —— مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے کہا: یارسول اللہ! قسم اللہ پاک کی! جب میں

آپ کے پاس آیا تھا تو میرے لئے روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، نہ کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ قابل نفرت تھا اور نہ کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند تھا۔ اور اب حال یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ محبوب نہیں، کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ محبوب نہیں، اور کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ پیارا نہیں!

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”تمام انسانوں کے دل اللہ پاک کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرف چاہیں پھیرتے ہیں

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾ۚ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾

وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اَيْمَانُهُمْ	اُن کے دائیں ہاتھ
فَضَّلَ	برتری بخشی	فُضِّلُوْا	برتری دیئے گئے	فَهُمْ	پس
بَعْضَكُمْ	تمہارے بعض کو	بِرَآدِّيْ (۱)	پھیرنے والے	فِيْهِ	اس (روزی) میں
عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر	رِزْقِهِمْ	اپنی روزی	سَوَآءٌ	برابر (ہو جائیں)
فِي الرِّزْقِ	روزی میں	عَلٰى مَا	اُن پر جن کے	اَفَبِنِعْمَةِ	کیا تو نعمتوں سے
فَمَا	اب نہیں ہیں	مَلَكَتْ	مالک ہیں	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)

(۱) رَادِّیْ کی اصل رَآدِّيْنَ ہے، اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہوا ہے۔

یَجْحَدُوْنَ(1)	مکر جائیں گے وہ؟	اَفَبِالْبَاطِلِ	کیا تو بے بنیاد چیزوں کا	وَالْاَرْضِ	اور زمین (سے)
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	یُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے وہ	شَیْـًٔا	ذرا بھی
جَعَلَ	بنائیں	وَبِنِعْمَتِ	اور نعمتوں کا	وَّلَا	اور نہ
لَكُمْ	تمہارے لئے	اللّٰهِ	اللہ (کی)	یَسْتَطِیْعُوْنَ	استطاعت رکھتے ہیں
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تمہاری ذاتوں سے	هُمْ	وہ		وہ؟
اَزْوَاجًا	بیویاں	یَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے ہیں؟	فَلَا	پس نہ
وَّجَعَلَ	اور بنائے	وَیَعْبُدُوْنَ	اور پوجتے ہیں وہ	تَضْرِبُوْا	بیان کرو
لَكُمْ	تمہارے لئے	مِنْ دُوْنِ(3) اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے کمتر	لِلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے لئے
مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ	تمہاری بیویوں سے	مَا	(اُن) چیزوں کو	الْاَمْثَالَ	مثالیں
بَنِیْنَ	بیٹے	لَا یَمْلِكُ	(جو) نہیں مالک	اِنَّ اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ یقیناً
وَحَفَدَةً(2)	اور پوتے	لَهُمْ	ان کے لئے	یَعْلَمُ	جانتے ہیں
وَّرَزَقَكُمْ	اور روزی دی تمہیں	رِزْقًا	روزی کے	وَاَنْتُمْ	اور تم
مِّنَ الطَّیِّبٰتِ	ستھری چیزوں میں سے	مِّنَ السَّمٰوٰتِ	آسمانوں سے	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے!

شراکت کی تین بنیادیں جو مفقود ہیں

اِن آیتوں میں مشرکوں کے ایک استدلال کا جواب ہے، جسے وہ شرک کے جواز میں پیش کرتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ایک معمولی ادارہ اور مختصر کارخانہ ایک شخص بغیر مددگاروں کے نہیں چلا سکتا، پھر دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ ''شرکاء'' کی مدد کے بغیر کیسے چل سکتا ہے؟ —— وہ یہ مثال بھی دیا کرتے تھے کہ جس طرح سلاطین دنیا حکومت کے صیغوں کی ذمہ داریاں، ماتحت حکام کو سپرد کردیتے ہیں، اور ان کو ان کے دائرے میں بااختیار بنادیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی فرشتوں کو، دیوی دیوتاؤں کو، چاند تاروں کو، اور اولیاء کرام کو ذیلی اختیارات دیئے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے

---

(۱) جَحَدَهٗ (ف) جھٹلانا، جَحَدَ حَقَّهٗ: جانتے ہوئے مکر جانا (۲) حَفَدَةٌ: حَافِدٌ کی جمع ہے، حَفَدَهٗ (ض) حَفْدًا: خدمت کرنا، حَافِدٌ: خادم، تابع، مددگار اور پوتا پوتی کو حَافِدٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ عموماً دادا دادی کے وہی خادم اور مددگار ہوتے ہیں، پوتے کو حَفِیْدٌ بھی کہتے ہیں، جس کی جمع حُفَدَآء ہے۔ (۳) دُوْنَ: نیچے، کہا جاتا ہے هُوَ دُوْنَهٗ: اس سے مرتبہ میں کم ہے۔

ساتھ ان کی عبادت اور نذر ونیاز ضروری ہے، تاکہ ان کے اختیارات سے نفع اٹھایا جاسکے —— ان آیات میں اس لچر استدلال کی حقیقت کھولی گئی ہے کہ باہمی مشارکت ومعاونت کی بنیادیں تین ہوسکتی ہیں اور اللہ پاک اور شرکاء کے مابین ان میں سے کوئی نہیں پائی جاتی، پھر مشارکت کیسے ہوسکتی ہے؟

وہ تین بنیادیں یہ ہیں:

۱-خوشی سے شریک کرلینا —— یعنی شرکاء بے اختیار تھے، مگر اللہ پاک نے بغیر اپنی کسی ضرورت کے، اپنی مرضی سے، اُن کا رتبہ بلند فرما کر، اُن کو اپنا ہمسر بنالیا —— یہ بات اس لئے ممکن نہیں کہ کوئی آقا کبھی اپنے غلاموں اور چاکروں کو اتنا نہیں دیا کرتا کہ وہ اس کے برابر ہوجائیں۔

۲-زبردستی شریک بن جانا —— یعنی شرکاء بہ اختیار خود خدائے برتر کے ہمسر بن جائیں —— یہ اس لئے ممکن نہیں کہ سب کو پیدا کرنے والے اور روزی پہنچانے والے اللہ پاک ہیں، خود انسان کی بقا کا انتظام انھوں نے کیا ہے، شرکاء میں سے نہ رزق رسانی کا کوئی مالک ہے نہ رزق رسانی اس کی استطاعت میں ہے، پھر وہ بذاتِ خود با اختیار کہاں ہوئے؟

۳-ضرورت کی وجہ سے شریک کرنا —— یعنی خاکم بدہن! اللہ پاک کو انتظام عالم کے لئے مددگاروں کی ضرورت ہو، وہ شرکاء کے بغیر اپنی کائنات کا انتظام نہ سنبھال سکتے ہوں، اس لئے شرکاء کو اختیارات تفویض فرمائے —— اِس بنیاد کی بیہودگی بالکل ظاہر ہے، پروردگار کا علم غیر محدود ہے۔ ان کی قدرت بے نہایت ہے، اس علیم وقدیر خدا کو مددگاروں کی کیا ضرورت ہے؟

آیت پاک کا خلاصہ سمجھ لینے کے بعد اب تفصیل پڑھئے، دیکھئے مشارت کی پہلی بنیاد کو کس طرح رد فرماتے ہیں:

—— اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری بخشی ہے، اب جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے، وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہوجائیں —— یعنی تم اپنے احوال میں غور کرو، قدرت کی بخشی ہوئی روزی سب کے پاس یکساں نہیں، اللہ پاک نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، خود تم میں ایسے با اقتدار اور مالدار افراد موجود ہیں جن کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں، بتاؤ تم میں سے کوئی آقا اپنے غلاموں اور چاکروں کو اپنی دولت میں برابر کا حصہ دار بنانا گوارا کرتا ہے؟ جب تم خود اپنے غلاموں اور چاکروں کو، اپنے مال میں —— جو اللہ کا دیا ہوا ہے —— برابر کا درجہ نہیں دیتے اور مالک ومملوک کی مساوات برداشت نہیں کرتے تو آخر کس دلیل سے تم یہ مانتے ہو کہ اللہ پاک نے اپنی بعض مخلوقات کو اپنا شریک بنالیا ہے؟

تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں ہی سے مکر جائیں گے؟ —— یعنی کس کے منہ میں زبان ہے، جو اللہ کی نعمتوں کا انکار

کر سکے؟ —— پھر جب اللہ پاک ہی تمام نعمتوں کے مالک ومختار ہیں، اور دوسرے سب اُن کے پیدا کئے ہوئے بندے ہیں، تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ پاک نے اپنے کسی بندے کو اتنی نعمتیں دیدی ہوں کہ جس سے وہ اُن کا ہمسر ہو گیا ہو؟ سوچو اور ڈرو! جو چیز تم اپنے لئے گوارا نہیں کرتے، اُسے اللہ پاک کی شان رفیع کی طرف کیسے منسوب کرتے ہو؟

مشارکت کی دوسری بنیاد کی تردید میں فرماتے ہیں: —— اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں —— یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا بنایا، تاکہ الفت وموانست پیدا ہو اور تخلیق کی غرض پوری ہو[1] —— اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے —— تاکہ تم پھلو پھولو! جوڑے بنانا بقائے نوع کا سامان کرنا

(۱) مِنْ اَنْفُسِكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ عورت مرد کی ہم جنس ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں مردوں کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا، جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں، سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں یہ محاورہ سید المرسلین ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ (بلاشبہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم المرتبت رسول آئے ہیں) یعنی حضور ﷺ نوع انسانی ہی کے ایک عظیم المرتبت فرد ہیں، کوئی جن، فرشتے نہیں —— قرآنِ پاک میں کہیں اور بھی یہ مضمون نہیں آیا کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، نہ صحیح حدیث میں یہ مضمون ہے، اور بخاری شریف اور مسلم شریف کی جس حدیث سے یہ بات جوڑی گئی ہے وہ حدیث یہ ہے: اِسْتَوْصُوْ بالنساء خيرًا، فإنَّهن خُلِقْنَ من ضِلَعٍ، وإن أعوج شيئ في الضِّلَع أعلاه، فإن ذهبتَ تقيمُهُ كسرتَهُ (وفي رواية: وَكَسْرُها طلاقُها) وإن تركته لم يَزَلْ اَعْوَجَ، فَاسْتَوْصوا بالنساء خَيْرًا: ترجمہ: رحمت عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''تم عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو، کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی اوپر کی پسلی ہے، پس اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ بیٹھو گے (اور اس کا توڑ دینا طلاق دیدینا ہے) اور اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو —— اس حدیث شریف میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے ''پسلی'' کا لفظ نسوانی فطرت کو سمجھانے کے لئے بطور تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔

دراصل یہ نظریہ بائبل سے اسرائیلیات کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں آیا ہے، کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۲۱-۲۵ میں ہے: ''اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اُسے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے، اس لئے وہ ''ناری'' کہلائے گی کیونکہ وہ ''نر'' سے نکالی گئی۔ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن ہوں گے''

ہے تاکہ اولاد پھر اولاد کی اولاد ہوتی رہے —— اور تمہیں نفیس چیزیں کھانے کو دیں —— تاکہ تم پلو بڑھو! —— پیدائش کے بعد بقائے شخصی کے لئے غذا کی ضرورت تھی، سو اس کا بھی حق تعالیٰ نے انتظام فرمادیا —— تو کیا (اب بھی) یہ لوگ بے بنیاد چیزوں پر ایمان رکھیں گے اور خدائے پاک کی نعمتوں کا انکار کریں گے؟ اور اللہ تعالیٰ سے کمتر ایسی چیزوں کو پوجیں گے جو اُن کو نہ آسمان سے کچھ روزی پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین سے، اور نہ یہ بات اُن کے بس میں ہے؟

یعنی کیا اب بھی وہ بے بنیاد اور بے حقیقت ''شرکاء'' کو مانتے رہیں گے، جو نہ آسمان سے مینہ برسانے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ میں سے غلہ اُگانے کا اور نہ ہی رزق رسانی کی ان میں استطاعت ہے؟ اب بھی اگر وہ لوگ ''شرکاء'' کو مانتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے رہے تو اس سے بڑھ کر خدائے پاک کی ناشکری اور کیا ہوسکتی ہے؟

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ غیر اللہ کو ادا کرنا، اللہ کی نعمتوں کا انکار ہے، دیوی دیوتاؤں، جنوں بھوتوں اور فرشتوں اور بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ قسمتیں بنانا اور بگاڑنا، دعائیں سننا اور مرادیں برلانا، اولاد دینا اور روزگار دلوانا، مقدمے جتوانا اور بیماریوں سے شفا دینا اُن کے اختیار میں ہے اور ان کی نذر و نیاز کرنا، آب خورے بھرنا اور چڑھاوے چڑھانا، اللہ پاک کی نعمتوں کا شکریہ دوسروں کو ادا کرنا ہے، اور محسن کے احسان کا شکریہ غیر محسن کو ادا کرنا دراصل محسن کے احسان کا انکار ہے۔

مشارکت کی تیسری بنیاد کو اس طرح رد کیا جاتا ہے: —— لہٰذا تم خدائے پاک کے لئے مثالیں نہ گھڑو، اللہ تعالیٰ یقیناً جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے —— یعنی ادارہ اور کارخانہ، تو تم تنہا اس لئے نہیں چلا سکتے کہ تمہارا علم محدود ہے، تم نہ ہر شعبے کی معلومات رکھ سکتے ہو نہ نگرانی کر سکتے ہو، بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر جو نقص قوی رکھتا ہے اس پر مجبور ہے کہ دوسروں سے مدد لے، مگر پروردگار عالم کا علم محیط ہے، وہ کائنات کی ہر چھپی کھلی بات جانتے ہیں، اُن کا علم ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود اور ہر حد و نہایت سے برتر ہے، انہیں مددگاروں کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ اُن کو انسانوں پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہر کام آپ کر رہے ہیں۔ خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کیا جس طرح سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو سپرد کیا کرتے ہیں، یعنی وہ تفویض تو ارادہ واختیار سے کرتے ہیں لیکن تفویض کے بعد اُن اختیارات کے استعمال میں وہ ماتحت آزاد ہوتے ہیں، کسی مجسٹریٹ کے فیصلے کے وقت بادشاہ کو اس فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی، نہ اُس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت وارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں کچھ دخل ہوتا ہے، یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں، بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام، خواہ بواسطۂ اسباب ہو یا بلا واسطہ، اُن کے علم محیط اور مشیت وارادہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

ضَرَبَ	بیان فرمائی	يُنْفِقُ	خرچ کرتا ہے	مَثَلًا	ایک مثال
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	مِنْهُ	اُس سے	رَّجُلَيْنِ	دو آدمی
مَثَلًا	ایک مثال	سِرًّا	چھپے	اَحَدُهُمَا	ایک اُن میں سے
عَبْدًا	ایک غلام	وَّجَهْرًا	اور کھلے	اَبْكَمُ	گونگا
مَّمْلُوْكًا	مملوک	هَلْ	کیا	لَا يَقْدِرُ	نہیں قدرت رکھتا
لَّا يَقْدِرُ	نہیں قدرت رکھتا	يَسْتَوٗنَ	برابر ہو سکتے ہیں وہ؟	عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر
عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر	اَلْحَمْدُ (۱)	تمام تعریفیں	وَّهُوَ	اور وہ
وَّمَنْ	اور (دوسرا وہ) جس کو	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے لئے (ہیں)	كَلٌّ (۲)	بوجھ (ہے)
رَّزَقْنٰهُ	عطا فرمائی ہم نے	بَلْ	مگر	عَلٰى مَوْلٰىهُ	اپنے آقا پر
مِنَّا	اپنی طرف سے	اَكْثَرُهُمْ	ان میں سے اکثر	اَيْنَمَا	جدھر
رِزْقًا	روزی	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے!	يُوَجِّهْهُّ	بھیجے وہ اس کو
حَسَنًا	خوب	وَضَرَبَ	اور بیان فرمائی	لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ	نہ کرلائے کوئی بھلائی
فَهُوَ	پس وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	هَلْ يَسْتَوِيْ	کیا برابر ہے

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے هَلْ يَسْتَوٗنَ کے جواب کی طرف دلالت مقصود ہے، اقرار کرنے والوں کے اقرار پر یا خاموش رہ جانے والوں کی خاموشی پر یہ الحمد للہ نہیں کہا گیا، وہ الحمدُ للّٰه وہ ہوتا ہے جس سے پہلے قول ہوتا ہے۔ پس سوال اور الحمد للہ کے درمیان کوئی خلا نہیں، بلکہ دونوں باہم مربوط ہیں (۲) اَلْكَلُّ (مصدر) بے کار، بے فیض، بوجھ، كَلَّ (ض) كَلًّا وَ كَلَالًا: تھکنا، بے والد و بے اولاد ہونا۔

هُوَ وَمَنۡ يَأۡمُرُ	وہ اور جو حکم دیتا ہے	بِالۡعَدۡلِ وَهُوَ	انصاف کا اور وہ	عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ	راہِ راست پر ہے؟

خلاصہ: اِن آیات کریمہ میں دو مثالوں کے ذریعے دو حقیقتیں سمجھائی ہیں، یہ اللہ پاک کا بہت بڑا کرم ہے کہ وہ کبھی دلائل سے سمجھاتے ہیں، کبھی مثالوں سے، پہلی مثال میں بااختیار اور بے اختیار بندوں کا فرق واضح کر کے سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بہمہ وجوہ بااختیار ہیں اور معبودانِ باطل جو بالکل ہی بے بس ہیں، یکساں کیسے ہوسکتے ہیں؟ اور دوسری مثال میں ناکارہ اور کارآمد بندوں کا فرق واضح کر کے سمجھایا ہے کہ کافر جو ہر طرح سے ناکارہ ہے اور خدا کی زمین پر ایک بوجھ ہے وہ اس مؤمن کے برابر کیسے ہوسکتا ہے جو خود بھی راہ راست پر ہے اور دوسروں کا بھی خیر خواہ ہے؟

بااختیار اور بے اختیار برابر نہیں ہوسکتے

پہلی مثال: —— اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں: ایک وہ غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے، جسے کسی چیز کا اختیار نہیں، اور دوسرا وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے خوب روزی دی ہے، اس لئے وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ بتاؤ، کیا (اللہ پاک اور شرکاء) برابر ہوسکتے ہیں؟ —— (کبھی نہیں!) ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں!

یعنی ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں، دوسرے کا غلام ہے، کسی طرح کی قدرت واختیار نہیں رکھتا، آقا کی طرف سے تصرف پر پابندی ہے، ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے، دوسرا شخص آزاد اور بااختیار ہے، خدا نے اپنے فضل سے اسے بہت کچھ روزی عنایت فرمائی ہے، جس میں سے وہ دن رات بے دریغ خرچ کرتا ہے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، کیا یہ دونوں شخص برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! اسی طرح حق تعالیٰ ہر چیز کے مالک ہیں! ہر قسم کی نعمتیں اُن کے خزانے میں ہیں اور وہ بے دریغ بندوں پر نعمتوں کی بارش فرماتے ہیں، وہی تمام تعریفوں کے حقدار ہیں، پس یہ کس قدر ظلم عظیم ہے کہ ان بندوں کو ان کی برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کے مالک نہیں، بلکہ خود پرایا مال ہیں۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہوسکتے تو مالک حقیقی اور مملوک محض برابر کس طرح ہوسکتے ہیں؟

لوگ باوجودیکہ انسانوں کے درمیان صریح طور پر بااختیار اور بے اختیار کا فرق کرتے ہیں۔ اور اس فرق کو ملحوظ رکھ کر دونوں کے ساتھ الگ الگ طرز عمل اختیار کرتے ہیں، مگر خالق ومخلوق کے معاملے میں یہ فرق ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ خالق کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں مخلوق کو شریک کر کے، ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں جو صرف

خالق کے ساتھ ہی اختیار کیا جاسکتا ہے، عالم اسباب میں کوئی چیز مانگنی ہو تو گھر کے مالک سے مانگیں گے نہ کہ گھر کے نوکر سے، مگر حاجتیں طلب کرنی ہوں تو کائنات کے مالک کو چھوڑ کر اس کے بندوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں!

مؤمن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے

دوسری مثال: —— اور اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں، دو آدمی ہیں: ایک گونگا (بہرہ) ہے، کوئی کام نہیں کر سکتا، اپنے آقا پر بوجھ ہے وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے کوئی بھلا کام کر کے نہیں آتا، بتاؤ یہ شخص اور وہ شخص جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی راہ راست پر گامزن ہے: دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ —— یعنی دو آدمی ہیں: ایک گونگا بہرہ کوئی کام بھی اس سے بن نہیں پڑتا، اپنے آقا کے لئے بوجھ ہے، تعلیم سے بھی کوئی کام درست نہیں کرتا۔ اور دوسرا وہ ہے جو عدل وانصاف اور اچھی باتیں لوگوں کو سکھاتا ہے اور خود بھی معتدل اور سیدھے راستے پر ہے، کیا ان دونوں کا حکم یکساں ہو سکتا ہے؟ کہاں ایک گونگا بہرہ اور کہاں ایک گویا کارفرما؟ پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟

مؤمن کی زندگی عقل وبصیرت کی زندگی ہے، وہ خدائے پاک کی بخشی ہوئی قوتوں سے کام لیتا ہے، خود سیدھی راہ پر چلتا ہے اور دوسروں کی بھی راہ نمائی کرتا ہے اور کافر کی زندگی بہری گونگی زندگی، عقل وحواس کو تاراج کر دینے والی زندگی ہے کہ جس راہ میں بھی قدم اٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے، یہ دونوں برابر نہیں! پھر تم بہرے گونگے کیوں بنتے ہو؟

وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ یَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ۝ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے (ہیں)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)	اَلَمْ	کیا نہیں
غَيْبُ(۱)	پوشیدہ باتیں	اَخْرَجَكُمْ	نکالا تم کو	يَرَوْا	دیکھا انھوں نے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	مِّنْۢ بُطُوْنِ	پیٹوں سے	اِلَى الطَّيْرِ	پرندوں کو
وَ الْاَرْضِ	اور زمین (کی)	اُمَّهٰتِكُمْ	تمہاری ماؤں کے	مُسَخَّرٰتٍ(۳)	(جو) مسخر ہیں
وَمَآ اَمْرُ	اور نہیں معاملہ	لَا تَعْلَمُوْنَ	(اس حال میں کہ) نہ	فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ	فضا میں؟
السَّاعَةِ	قیامت (کا)		جانتے تھے تم	مَا	نہیں
اِلَّا	مگر	شَيْـًٔا	کچھ	يُمْسِكُهُنَّ	روکے ہوئے ہیں ان کو
كَلَمْحِ(۲)	جیسے اٹھنا	وَّجَعَلَ	اور بنائی	اِلَّا اللّٰهُ	مگر اللہ تعالیٰ
الْبَصَرِ	نگاہ (کا)	لَكُمُ	تمہارے لئے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یقیناً اس میں (ہیں)
اَوْ هُوَ اَقْرَبُ	یا وہ (اس سے بھی) جلدتر	السَّمْعَ	سماعت (کان)	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں
اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	وَ الْاَبْصَارَ	اور آنکھیں	لِّقَوْمٍ	(ان) لوگوں کے لئے
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	وَ الْاَفْـِٕدَةَ	اور دل	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان لاتے ہیں
قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے	لَعَلَّكُمْ	شاید تم	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)
	والے (ہیں)	تَشْكُرُوْنَ	شکر گزار بنو	جَعَلَ لَكُمْ	بنایا تمہارے لئے

(۱) غَيْب مصدر ہے غَابَ يَغِيْبُ کا، جس کے معنی ہیں: غائب ہونا، دور ہونا، جدا ہونا، آیت میں آسمان وزمین کی وہ چیزیں مراد ہیں جو مخلوق کی حسی اور عقلی رسائی سے خارج ہیں، **الأمور الغائبة عن علوم المخلوقين، بحيث لاسبيل لهم إلى إدراكها حسًّا ولا إلى فهمها عقلاً** (روح) (۲) لَمَحَ (ف) **لَمَحًا البصرُ**: نگاہ اٹھانا یعنی آنکھ کھلنا، پلک کھولنا، لَمْحٌ: پلک، عربی کا محاورہ **لمح البصر** مفہوم کے اعتبار سے فارسی محاورہ: چشم زدن اور اردو محاورہ: آنکھ جھپکنا کے ساتھ متحد (ہم معنی) ہے (۳) **مُسَخَّرَاتٍ**: **الطَّيْرِ** سے بدل اشتمال ہے۔ **مُسَخَّرَاتٍ** کا لفظ قرآن کریم نے کائنات کی اُن چیزوں کے لئے استعمال کیا ہے جو انسانوں کے لئے مفید اور کارآمد ہیں۔

مِّنۢ بُيُوْتِكُمْ	تمہارے گھروں کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ (نے)	نِعْمَتَهٗ	اپنی نعمتیں
سَكَنًا(۱)	سکون	جَعَلَ لَكُمْ	بنائے تمہارے لئے	عَلَيْكُمْ	تم پر
وَّ جَعَلَ لَكُمْ	اور بنائے تمہارے لئے	مِّمَّا خَلَقَ	بعض مخلوقات کے	لَعَلَّكُمْ	شاید تم
مِّنْ جُلُوْدِ	جانوروں کی	ظِلٰلًا	سایے	تُسْلِمُوْنَ(۸)	فرمانبردار بنو
الْاَنْعَامِ	کھال سے	وَّجَعَلَ لَكُمْ	اور بنائیں تمہارے لئے	فَاِنْ	اب بھی اگر
بُيُوْتًا	گھر	مِّنَ الْجِبَالِ	پہاڑوں کو	تَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
تَسْتَخِفُّوْنَهَا	ہلکا پاتے ہو تم ان کو	اَكْنَانًا(۴)	پناہ گاہیں	فَاِنَّمَا	تو بس
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ	اپنے کوچ کے دن	وَّجَعَلَ	اور بنایا	عَلَيْكَ	آپ کے ذمے (ہے)
وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ	اور اپنے پڑاؤ کے دن	لَكُمْ	تمہارے لئے	الْبَلٰغُ	پہنچانا
وَمِنْ	اور ان (جانوروں)	سَرَابِيْلَ(۵)	(وہ) لباس	الْمُبِيْنُ	صاف صاف
اَصْوَافِهَا(۲)	کی اون سے	تَقِيْكُمُ(۶)	(جو) بچاتے ہیں تم کو	يَعْرِفُوْنَ	پہچانتے ہیں وہ
وَاَوْبَارِهَا	اور ان کے رووں سے	الْحَرَّ	گرمی (لُو) سے	نِعْمَتَ اللّٰهِ	نعمتیں اللہ کی
وَاَشْعَارِهَآ	اور ان کے بالوں سے	وَسَرَابِيْلَ	اور (دوسرے وہ) لباس	ثُمَّ	پھر
اَثَاثًا(۳)	گھریلو ساز و سامان	تَقِيْكُمْ	(جو) بچاتے ہیں تم کو	يُنْكِرُوْنَهَا	انکار کرتے وہ ان کا
وَّمَتَاعًا	اور (دیگر) استعمال	بَاْسَكُمْ(۷)	تمہاری لڑائیوں میں	وَاَكْثَرُهُمُ	اور ان میں سے بیشتر
	کی چیزیں	كَذٰلِكَ	اسی طرح	الْكٰفِرُوْنَ	ناشکری کرنے والے
اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک	يُتِمُّ	پوری کرتے ہیں		ہیں

(۱) اَلسَّكَن، سُكُوْنٌ سے اسم ہے، جس کے معنی ہیں: ہر وہ چیز جس سے انس و راحت حاصل کی جائے (۲) الصُّوْف: مینڈھے، دُنبے کی اون —— اَلْوَبْر اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بال اھلُ الوبر، دیہاتی لوگ —— الشَّعْو: بکری وغیرہ کے بال (۳) اَلْاَثَاث: سامان خانہ داری، اَثَّ (س، ن، ض) اَثَاثًا النباتُ: گنجان ہونا، صفت اَثٌّ وَاَثِيْثٌ جمع اَثَاثٌ (۴) اَلْكِنُّ: منزل، گھر، پناہ وحفاظت کی جگہ، كَنَّ (ن) كَنًّا الشيئَ: گھر میں چھپانا اور دھوپ سے بچانا (۵) السِرْبَال ہر وہ لباس جو پہنا جائے وھو كل ما يلبس أی: جعل لكم لباسا من القطن والكتان والصوف وغيرها (روح) کرتے کو بھی سربال کہا جاتا ہے، مگر یہاں عام معنی مراد ہیں (۶) وَقٰى يَقِىْ وِقَايَةً: حفاظت کرنا، تکلیف سے بچانا (۷) اَلْبَاْس: سختی، جنگ، خوف، عذاب (۸) تُسْلِمُوْنَ: اِسْلَامٌ: (فرمان بردار ہونا) سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔

ربوبیت سے الوہیت پر استدلال

خلاصہ: ان آیتوں میں ربوبیت کا ذکر ہے، پروردگاری سے توحید پر استدلال کیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں — علم وقدرت — کا بیان ہے، کیونکہ تمام نعمتیں انہی دوصفتوں کا فیضان ہیں۔ پھر خاص انسان پر قدرت کے پانچ احسانات بیان کئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے دماغ میں عقل کا چراغ روشن کیا ہے — جب انسان پیدا ہوا تھا، اس کی تمام حسی اور باطنی قوتیں معدوم تھیں، پھر جوں جوں بڑھتا گیا، حواس کی قوتیں ابھرتی گئیں، ادراک کا جوہر نکھرتا گیا، اور عقل کا چراغ روشن ہوتا گیا، جس نے انسان کو معراج کمال پر پہنچادیا۔ اب وہ اپنی صلاحیتوں کی بدولت موجوداتِ ارضی پر حکمرانی کررہا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کی روزی کا سامان کیا جو ہر وقت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے — دیکھو پرندے جو انسان کی بہت ہی مرغوب غذا ہیں، کس طرح اس کے لئے مسخر کردئے گئے ہیں؟ وہ ہر وقت انسان کی دسترس میں ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مکان کا انتظام کیا، اور حضر ہی کے لئے نہیں، سفر کے لئے بھی ایسے مکانات — خیمے اور ڈیرے — بنادئے، جن کا لادنا، اکھاڑنا اور نصب کرنا نہایت آسان ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کی آسائش کے لئے جزوی ضرورتوں تک کا لحاظ کرکے، بے حد وحساب ساز وسامان پیدا کیا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے بہت کچھ سروسامان پیدا کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی ضروریات کا انتظام فرماتے ہیں، اگر انسانی زندگی کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر گوشے میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی نعمتوں کی بارش کررکھی ہے، یہ سب عنایتیں اس لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احسانات کے آگے گردنیں جھکادیں اور مطیع ومنقاد ہوکر زندگی بسر کریں۔

آیات پاک کا خلاصہ جان لینے کے بعد اب تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ کی صفت علم وقدرت کا بیان

ارشاد ہے: — اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ہیں — یعنی وہی کائنات کے رازداں ہیں — اس ارشاد گرامی میں حق تعالیٰ کے کمالِ علم کا بیان ہے کہ وہ کائنات کے صرف ظاہری احوال ہی نہیں جانتے، بلکہ تمام سربستہ راز اور مخفی حالات بھی خوب جانتے ہیں، اور کیوں نہ جانیں، وہی سب کے پیدا کرنے والے اور

پرورش کرنے والے ہیں؟ —— :للہ کو مقدم کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ علم غیب صرف حق تعالیٰ کا خاصہ ہے، جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں، اس کی کچھ تفصیل آیت ۶۰ کی تفسیر میں بیان کی گئی ہے —— اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہے جیسے آنکھ جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں —— اس ارشاد میں حق تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے، ان کی قدرت کا حال یہ ہے کہ قیامت جیسا عظیم معاملہ، جس میں تمام اگلے پچھلے زندہ کئے جائیں گے اور اس دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی، یہ سب معاملات چشم زدن میں بلکہ اس سے بھی کم وقت میں ہو جائیں گے۔ ان کی قدرت کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کے پانچ احسانات

اب دیکھو اُنہی اللہ پاک نے جن کے علم محیط کا حال یہ ہے کہ وہ آسمان اور زمین کے سارے بھید جانتے ہیں، اور جن کی قدرت کاملہ کا حال یہ ہے کہ بڑے سے بڑا معاملہ، ان کا ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ہو جاتا ہے، دیکھو اسی علیم وقدیر خدا نے انسان پر کیا کیا احسانات فرمائے ہیں:

پہلا احسان: —— اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو تمہاری ماں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تا کہ تم شکر گزار بنو! —— یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل عطا فرمائے جن سے تمہیں دنیا میں ہر طرح کی واقفیت حاصل ہوئی اور تم اس لائق ہوئے کہ ترقی کرکے تمام موجودات ارضی میں تصرف کر سکو۔

یہ بے بہا نعمتیں اس لئے عطا کی گئی ہیں کہ تم خدا کے شکر گزار بنو، سماعت اس لئے دی ہے کہ حق تعالیٰ کے احکامات سنو، آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ قدرت وحکمت کے نمونے دیکھو اور دل اس لئے دیئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت سمجھو اور حق شناس بنو۔

اب اگر آدمی ان کانوں سے سب کچھ سنے، مگر ایک خدا ہی کی بات نہ سنے، ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھے، مگر ایک خدا ہی کی آیات نہ دیکھے اور اس دل سے سب کچھ سمجھے، مگر ایک خدا ہی کو نہ سمجھے اور اپنے اس محسن ہی کو نہ پہچانے جس نے یہ تمام انعامات اس پر کئے ہیں تو بتاؤ اس سے بڑھ کر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری اور کیا ہوگی؟

دوسرا احسان: —— کیا لوگوں نے وہ پرندے نہیں دیکھے جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی انہیں تھامے ہوئے ہیں، اس میں یقیناً ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں —— انسان کو پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے غذا کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ قدرت نے اس کا بھی سامان کر دیا۔ اور اس طرح کر دیا کہ انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔

پرندے جو فضائے آسمانی میں اڑتے پھرتے ہیں، جن میں سے کوئی پاؤ بھر کا ہے کوئی آدھ سیر کا اور کوئی کلو دو کلو کا، یہ سب انسان کے فائدے کے لئے پیدا کئے ہیں، قدرت نے ان کو انسان کا مسخر بنایا ہے۔

ان پرندوں کے حالات میں غور کرو: تمہیں قدرت خداوندی کا بڑا نمونہ نظر آئے گا، دیکھو، صانع حکیم نے ان کا جسم کیسا سبک بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے ہوائے لطیف میں اڑتے پھرتے ہیں، بتاؤ، وہ کون ہاتھ ہے جو ان کو فضائے آسمانی میں روکے ہوئے ہے؟ وہ قدرت کا ہاتھ ہے جو ان کو تھامے ہوئے ہے، اس نے اُن کے پر اور بازو اور دم کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے وہ فضا میں اڑتے ہیں۔

ان پرندوں میں مؤمنین کے لئے کئی نشانیاں ہیں:

پہلی نشانی: حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو تمہیں بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح روزی پہنچائیں جس طرح پرندوں کو پہنچاتے ہیں، صبح وہ خالی پیٹ چلتے ہیں اور شام پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں[1] —— انسان کا حال یہ ہے کہ وہ محنت تو پرندوں سے زیادہ کرتا ہے مگر اس کے توکل میں کمی ہے اس کا بھروسہ اپنی محنت اور اسباب پر ہوتا ہے، اس وجہ سے اسباب موافق ہوتے ہیں تو رزق ملتا ہے، اور اگر اسباب ناموافق ہوتے ہیں تو رزق سے محروم رہ جاتا ہے۔

دوسری نشانی: مؤمن سمجھتا ہے کہ رزق انسان کا طالب ہے، وہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے —— مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ پاک کسی حکمت ومصلحت سے کسی بندے کا رزق چندے روک لیتے ہیں، اس وقت مؤمن کا امتحان ہوتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ وہ ان نازک حالات میں کیا کرتا ہے، صبر واستقامت اور توکل وقناعت سے کام لیتا ہے یا جائز ناجائز کا امتیاز کئے بغیر ہر طرف منہ مارنا شروع کر دیتا ہے۔

تیسری نشانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسان پر اتنے احسانات کئے ہیں، جو حدوشمار سے باہر ہیں، فضاء کے پرندے، دریا کی مچھلیاں، جنگل کے جانور، آگ، پانی، ہوا، زمین، چاند، سورج اور ستارے سبھی اس کی بیگار میں لگے ہوئے ہیں، گویا ساری کائنات اس کے لئے مسخر ہے اور ہر چیز اس کے کام میں لگی ہوئی ہے، اس سے مؤمن اپنا مقام پہچانتا ہے، اس میں احساس ابھرتا ہے کہ میری تخلیق کی غرض کوئی بہت ہی اہم ہے، میرا وجود مہمل ہرگز نہیں، میرا کام یہی ہوسکتا ہے کہ میں اپنے منعم کی معرفت حاصل کروں، اس کی عبادت واطاعت کروں، اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری میں لگا رہا ہوں۔

---

(۱) رواہ الترمذی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسرا احسان: —— اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں سکون رکھا، اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے، جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور پڑاؤ کے دن ہلکا پاتے ہو —— غذا کے بعد انسان کی بڑی ضرورت مکان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی یہ ضرورت بھی پوری فرمائی اور بہت عمدگی سے پوری فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے گھروں میں سکون رکھا، دن بھر کا تھکا ہوا انسان جب گھر لوٹتا ہے تو قلب و دماغ کو کتنی راحت ملتی ہے، یہ گھر سکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ ہیں، ان کی قدر کوئی اس غریب سے پوچھے، جو بیچارہ بے گھر ہو، اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان نہ رکھتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جس طرح حضر میں مکان کا انتظام فرمایا، سفر کے لئے بھی چمڑے کے خیمے بنائے، جنہیں وہ کوچ کے دن نہایت آسانی سے تہ کر کے اٹھالے چلتے ہیں اور پڑاؤ کے دن آسانی سے ان کو کھول کر ڈیرہ جمالیتے ہیں۔

چوتھا احسان: —— اور جانوروں کی اون، روؤں اور بالوں سے گھریلو سامان بنایا اور ایک مدت تک استعمال کی چیزیں بنائیں —— یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی بنیادی ضرورتیں ہی پوری نہیں فرمائیں، بلکہ آرائش و آسائش اور زینت و جمال کے لئے بھی ہر طرح کا سامان پیدا فرمایا، کمل (دھسّے) شال دوشالے، رومال، موزے، لحاف، گدے، قالین، تھیلے اور نہ معلوم کیا کیا اور کتنے کتنے سامان پیدا کئے جن میں سے کچھ چیزیں سال دو سال چلتی ہیں اور قالین، فرش وغیرہ مدت تک کام دیتے ہیں۔

پانچواں احسان: —— اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سایے بنائے، اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہارے لئے وہ پوشاک بنائی جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتی ہے اور وہ پوشاک بھی بنائی جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہے —— یعنی انسان کے جسم کو خارجی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کا سامان پیدا فرمایا، مادی مخلوقات، مثلاً بادل، درخت، مکانات، ٹیلے اور پہاڑوں وغیرہ کا سایہ بنایا، جس میں انسان آرام پاتا ہے اور گرمی سے محفوظ رہتا ہے۔

اس کے علاوہ پہاڑوں میں ایسے غار بنائے جو سردی گرمی سے، بارش ہوا سے، دشمن اور جنگلی جانوروں سے پناہ کا کام دیتے ہیں، نیز وہ پوشاک بنائی جو بادِ سموم (لُو) کی لپٹ، اور سورج کی کڑی کرنوں سے بچاتی ہے، اور ایسی پوشاک بھی بنائی جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہے۔

ملک عرب میں سردی زیادہ نہیں ہوتی اس وجہ سے سردی سے بچاؤ کے سامان کا ذکر نہیں فرمایا، وہاں نہایت مہلک قسم کی بادِ سموم چلتی ہے اس وجہ سے وہاں سردی کے لباس سے بڑھ کر گرمی کا لباس اہمیت رکھتا ہے، وہاں اگر آدمی سر، گردن،

کان اور سارا جسم اچھی طرح ڈھانک کر نہ نکلے تو گرم ہوا اُسے جھلس کر رکھ دیتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل فرماتے ہیں، تاکہ تم فرمانبردار بنو —— یعنی مذکورہ احسانات کی طرح اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر شعبے میں انسان کی ضروریات کا انتظام فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر پہلو سے انسان پر اپنی نعمتوں کا اتمام، اور اپنے احسانات کی تکمیل فرمارکھی ہے تاکہ سب لوگ ممنونِ احسان ہوکر گردنیں جھکادیں، اور اپنے محسن اعظم کے مطیع وفرمانبردار ہوکر رہیں، لیکن —— اب بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو آپ پر صاف پیغام پہنچادینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں! —— اور آپ ﷺ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوچکے ہیں، اپنا فرض ادا کرچکے ہیں اور کھول کھول کر تمام باتیں سناچکے ہیں۔ اب ماننا ان کی ذمہ داری ہے، خدا کے احسانات کے سامنے جھکنا ان کا فریضہ ہے، اگر وہ اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے تو یہ ان کا قصور ہے، جس کا مزہ انہیں چکھنا ہوگا، آپ ان کے لئے غم میں ہرگز نہ پڑیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکری کرنے والے ہیں —— یعنی اکثر بندے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے ہیں اور ان کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر جب شکر گزاری اور اطاعت وفرانبرداری کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ اور اپنی عملی زندگی میں انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ، اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں، جو اللہ کی نعمتوں کا انکار اور ان کے احسانات کا کفران ہے۔

اے پروردگار ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر عطا فرما، ہمیں ایسے نالائق بندوں میں شامل نہ فرما جو آپ کی نعمتیں پہچانتے ہیں، مگر ناشکری کرتے ہیں (آمین)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ ۚ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

وَ یَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	وَاِذَا رَاَ	اور جب دیکھیں گے	یَوْمَئِذِ	اُس دن
نَبْعَثُ	اٹھائیں گے ہم	الَّذِیْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	السَّلَمَ (۳)	اطاعت
مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ	ہر جماعت میں سے	اَشْرَکُوْا	شریک ٹھہرایا	وَضَلَّ	اور غائب ہوجائیں گے
شَهِیْدًا	ایک گواہ	شُرَکَآءَهُمْ	اپنے شریکوں (کو)	عَنْهُمْ مَّا	ان سے وہ جو
ثُمَّ	پھر	قَالُوْا	(تو) کہیں گے وہ	کَانُوْا	افتراپردازیاں کرتے
لَا یُؤْذَنُ	(عذرومعذرت کی)	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	یَفْتَرُوْنَ	تھے وہ
	اجازت نہ دی جائیگی	هٰٓؤُلَآءِ	یہ	الَّذِیْنَ	جن لوگوں نے
لِلَّذِیْنَ	ان لوگوں کو جنھوں نے	شُرَکَآؤُنَا	ہمارے (وہ) شریک	کَفَرُوْا	انکار کیا
کَفَرُوْا	انکار کیا		(ہیں)	وَصَدُّوْا	اور روکا (دوسروں) کو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	الَّذِیْنَ	جن کو	عَنْ سَبِیْلِ	راستے سے
یُسْتَعْتَبُوْنَ (۱)	معافی منگوائے جائیں گے	کُنَّا نَدْعُوْا	پکارتے رہے ہیں ہم	اللّٰهِ	اللہ کے
وَاِذَا رَاَ	اور جب دیکھیں گے	مِنْ دُوْنِكَ	آپ سے نیچے	زِدْنٰهُمْ	بڑھائیں گے ہم
الَّذِیْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	فَاَلْقَوْا	تب ڈالیں گے وہ		ان کے لئے
ظَلَمُوا	ناانصافی کی	اِلَیْهِمُ	ان کی طرف	عَذَابًا	عذاب
الْعَذَابَ	عذاب (کو)	الْقَوْلَ	بات	فَوْقَ	اوپر
فَلَا یُخَفَّفُ	تو نہ ہلکا کیا جائے گا	اِنَّكُمْ	کہ تم	الْعَذَابِ	عذاب (کے)
عَنْهُمْ	ان سے	لَکٰذِبُوْنَ	قطعاً جھوٹے ہو	بِمَا کَانُوْا	بدلے اس کے جو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	وَ اَلْقَوْا (۲)	اور ڈالیں گے وہ	یُفْسِدُوْنَ	فساد برپا کرتے تھے وہ
یُنْظَرُوْنَ	مہلت دیئے جائیں گے	اِلَی اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی طرف	۞	۞

(۱) اِسْتِعْتَابٌ سے فعل مجہول جمع مذکر غائب ہے، جس کے معنی ہیں: ناراضگی کو دور کرنے کی طلب کرنا یعنی کسی سے یہ خواہش کرنا کہ وہ آپ کی ناراضگی کو دور کردے اور آپ کو رضامند کرلے —— قاعدہ یہ ہے کہ باب استفعال ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے، مگر یہ باب خلافِ قیاس اِعْتَابٌ سے بنایا گیا ہے۔ اعتاب کے معنی ہیں: ازالۂ ناراضگی، اس میں سین، تاء طلبی بڑھانے سے معنی ہوگئے ناراضگی کو دور کرنے کی طلب کرنا (کرمانی) (۲) اَلْقٰی إلیه القَوْلَ: پہنچانا (۳) السلم کے لئے آیت ۲۸ کا حاشیہ دیکھئے۔

ربط: پچھلی آیتوں میں ان ناشکرے بندوں کا ذکر تھا، جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانتے ہیں، مگر انکار کرتے ہیں، بظاہر یہ بات عجیب ہے، ہر ذی شعور سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص ایک بات جانتا ہو اور پھر اس کا انکار کرے؟ اپنی آنکھوں سے سورج دیکھ رہا ہو، پھر دن کو نہ مانے؟ —— اللہ پاک اس استعجاب کو دور کرنے کے لئے دو مثالیں بیان فرماتے ہیں:

جانتے بوجھتے جھوٹ کی دو مثالیں

۱- قیامت کے دن امتیں اس کا انکار کریں گی کہ ان کے پاس رسول پہنچے تھے

پہلی مثال: قیامت کے روز جب تمام اگلے پچھلے اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کئے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ہر امت سے پوچھیں گے کہ کیا میرا حکم تم کو نہیں پہنچا تھا۔ کیا انبیاء کرام نے تم کو نہیں سمجھایا تھا کہ ایمان لانے کا نتیجہ کیا ہوگا اور کفر کا انجام کیا ہوگا؟ اس پر تمام امتیں انکار کردیں گی کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، نہ ہمارے پاس آپ کا حکم پہنچا، نہ ہم کو ایمان وکفر کا انجام بتلایا گیا۔

یہ ہے کافروں کا جھوٹ! روز روشن کی طرح ایک بات جانتے ہوئے بھی اس کا صاف انکار کردیں گے۔ اس وقت ان بے شرموں کے منہ میں لگام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ گواہ کھڑے کریں گے، انبیاء کرام اور وہ حضرات جنھوں نے انبیاء کے بعد امت کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی ہے اور شرک وسرکشی کے وبال سے آگاہ کیا ہے، سامنے آئیں گے اور شہادت دیں گے کہ اے پروردگار! ہم نے ان لوگوں کو آپ کا پیغام پہنچادیا تھا، انہیں ہر بات سے آگاہ کردیا تھا، مگر وہ تکذیب ہی کرتے رہے، آج یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی پیغام سنانے والا نہیں آیا —— ارشاد ہے: —— اور (وہ دن یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے —— جو ان کے خلاف گواہی دے گا —— پھر کافروں کو نہ (عذر ومعذرت کا) موقع دیا جائے گا اور نہ اُن سے معافی منگوائی جائے گی —— یعنی ان کے لئے نہ تو صفائی پیش کرنے کی کوئی گنجائش ہوگی نہ اُن سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ چلو، اپنے رب سے اپنے قصوروں کی معافی مانگ لو، وہ وقت تو صرف فیصلے کا ہوگا، معافی چاہنے کا وقت گزر چکا، ارشاد ہے —— اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی، اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی —— یعنی حقیقت واشگاف ہونے کے بعد ایمان لانا بے سود ہوگا، اس سے عذاب میں کسی قسم کی کوئی تخفیف نہ کی جائے گی، نہ عذاب سامنے آجانے کے بعد کسی کو مہلت دی جائے گی۔

۲-مشرکین قیامت کے دن شرک کا انکار کریں گے

دوسری مثال: قیامت کے روز حق تعالیٰ کا اہل محشر کو حکم ہوگا کہ جو جس کو پوجتا تھا اس کے ساتھ ہولے، چنانچہ مشرکین اپنے معبودوں کو تلاش کریں گے، جب ان کو پائیں گے تو عرض کریں گے: پروردگار! یہ ہمارے وہ شریک ہیں، جن کو ہم آپ کے سوا پکارا کرتے تھے، مگر ان کے وہ معبود صاف انکار کردیں گے، وہ انہیں جھٹلائیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تمہاری پوجا کی کچھ خبر نہیں تھی۔ یہ ایک جھوٹی بات ہے جو تم نے گھڑلی ہے۔

جب مشرکین اپنے معبودوں سے مایوس ہوجائیں گے اور انہیں یقین آجائے گا کہ اس آڑے وقت میں ان کا کوئی سہارا نہیں تو وہ شرک کا انکار کر بیٹھیں گے، وہ خدائے پاک کے سامنے اطاعت وانقیاد کا اظہار شروع کردیں گے، وہ عرض کریں گے: خدایا! ہم نے تو کبھی کسی کو آپ کے ساتھ شریک نہیں کیا، ہم تو ہمیشہ آپ ہی کو مانتے رہے اور آپ ہی کے فرمانبردار رہے۔

یہ ہے مشرکوں کا جھوٹ! ابھی تو خدائے پاک سے عرض کررہے تھے کہ یہ ہمارے شرکاء ہیں اور اب منکر ہوگئے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی چالبازیاں ان کے کچھ کام آئیں گی۔ اور ان کی مکاریاں ان کو عذاب سے بچالیں گی؟ ہرگز نہیں! انھیں عذاب بالائے عذاب ہوگا، ارشاد ہے: —— اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: "اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شریک جن کو ہم آپ کے سوا پکارا کرتے تھے" —— اس پر وہ معبود انھیں یہ بات پہنچائیں گے کہ: "تم قطعاً جھوٹے ہو!" —— اور وہ لوگ اس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اطاعت رکھ دیں گے اور ان کی وہ ساری افتراء پردازیاں غائب ہوجائیں گی جو وہ کرتے رہے تھے۔

تفسیر: یہ جو ارشاد فرمایا کہ: "وہ معبود انہیں یہ بات پہنچائیں گے" اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی اور ان کے معبودوں کی یہ گفتگو آمنے سامنے نہ ہوگی، بلکہ وہ دور سے جواب بھیجیں گے، کیونکہ مشرکوں کے یہ معبود مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہیں، وہ زمرۂ مؤمنین میں ہوں گے۔ وہاں سے جواب روانہ کریں گے کہ تم قطعاً جھوٹے ہو، ہم نے کب تم سے اپنی پوجا کروائی تھی؟ ہمارے لئے ایسی نازیبا حرکت روا ہی نہ تھی، ہم تو خود خدائے پاک کے ایماندار اور فرماں بردار بندے تھے، پھر تمہارے لئے یہ کیسے پسند کرتے کہ تم ہمیں پوجو۔

فائدہ: مشرکوں کے معبود دو طرح کے ہیں: ایک مقبولان بارگاہِ خداوندی، جنھوں نے خلق خدا کو خدا پرستی کی تعلیم دی ہے، مگر لوگ انہی کو معبود قرار دے بیٹھے، یا جو اس بات سے بالکل ہی بے خبر ہیں کہ دنیا میں ان کی بندگی کی جارہی ہے، ان کے مشرکوں کے ساتھ ہونے کا یا جہنم میں جانے کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ وہ اس شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے خود معبود بننے کی کوششیں کی اور جن کا خلق خدا کے شرک میں واقعی عمل دخل ہے وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔اسی طرح وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے، جنھوں نے اپنی اغراض کے لئے غیر اللہ کو معبود بنوایا، کیونکہ اس صورت میں مشرکین کے اصلی معبود وہی قرار پائیں گے، نہ کہ وہ جن کو ان اشرار نے بظاہر معبود بنوایا تھا۔شیطان بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ اس کی تحریک پر جن ہستیوں کو معبود بنایا گیا ہے، اصلی معبود وہ نہیں، بلکہ شیطان ہے، اس کی فرمانبرداری میں یہ فعل کیا گیا ہے۔

اور جہنم میں ان معبودوں کو دوہری سزا ہوگی، ایک خود ان کے مبتلائے کفر ہونے کی اور دوسری خلق خدا کو برگشتہ کرنے کی، ارشاد فرماتے ہیں: —— اور جن لوگوں نے (خود بھی) کفر کی راہ اختیار کی، اور (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا، ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بڑھائیں گے، اُس فساد کے عوض جو وہ دنیا میں کرتے رہے!

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

ع ۱۲ / ۱۸

وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	وَجِئْنَا بِكَ (۱)	اور لائیں گے ہم آپ کو	تِبْيَانًا (۲)	خوب وضاحت کرنے والی
نَبْعَثُ	اٹھائیں گے ہم	شَهِيدًا	گواہ بنا کر	لِّكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کی
فِي كُلِّ أُمَّةٍ	ہر جماعت میں	عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ	ان لوگوں کے خلاف	وَهُدًى	اور عظیم راہ نمائی
شَهِيدًا	ایک گواہ	وَنَزَّلْنَا	اور اتاری ہم نے	وَرَحْمَةً	اور بڑی مہربانی
عَلَيْهِم	ان کے خلاف	عَلَيْكَ	آپ پر	وَبُشْرَىٰ	اور خوش خبری
مِّنْ أَنفُسِهِمْ	انہی میں سے	الْكِتَابَ	کتاب الٰہی	لِلْمُسْلِمِينَ	فرمانبرداروں کے لئے

قیامت کے دن ہر نبی اپنی امتِ دعوت کے خلاف گواہی دے گا

ربط: آیت چوراسی میں بطور مثال قیامت کے روز گواہوں کو کھڑا کرنے کا ذکر آیا ہے وہاں پیش نظر صرف مثال دینا تھا، اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا، اب تفصیل سے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔سورۃ النساء کی آیت چالیس

(۱) وَجِئْنَا الخ جملہ مستانفہ ہے، شَهِيدًا حال ہے (۲) تبیانًا، هدىً، رَحْمَةً اور بشری مفعول لہ ہیں، اور تبیانٌ مصدر ہے بَانَ (ض) بَيَانًا وَتِبْيَانًا: ظاہر ہونا، واضح ہونا

میں بھی یہ مضمون آیا ہے[1] مگر وہاں صرف منظر کشی مقصود تھی، اور یہاں اس کو مدلل کرنا ہے۔

امتِ دعوت اور امت اجابت:

امت کی دو قسمیں ہیں: ایک امت دعوت، اور دوسری امت اجابت، جن لوگوں نے نبی کی دعوت پر لبیک کہا وہ امت اجابت ہیں، اور جنہیں نبی دعوت دیتے رہے اور آخر تک انھوں نے مان کر نہ دیا، وہ امت دعوت ہیں، قیامت کے دن ہر پیغمبر کی امت دعوت سے پوچھا جائے گا کہ میرا حکم تم تک نہیں پہنچا تھا، جو تم شرک وکفر اور بدعملی میں مبتلا رہے؟ اس پر سارے امتی کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تب انبیاء کرام علیہم والصلوٰۃ والسلام کو طلب کیا جائے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ آپ حضرات نے میرے احکامات اپنی امتوں کو نہیں پہنچائے؟ وہ عرض کریں گے کہ بارِ الٰہا! ہم نے آپ کے تمام احکامات خوب کھول کر پہنچا دیئے تھے، مگر ان ناہنجاروں نے ہماری ایک سن کر نہیں دی۔ ارشاد ہے:

—— اور وہ (دن یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے خود انہی میں سے ان کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے، اور اِن لوگوں کے خلاف آپ کو ہم گواہ بنا کر لائیں گے —— کیونکہ آپؐ بھی اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات اپنی امت کو خوب کھول کر پہنچا چکے ہیں، ان کے سامنے کتابِ الٰہی پیش کر چکے ہیں، جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے، جس پر ہدایت وضلالت، اور فلاح وخسران کا مدار ہے، جس کا جاننا راست روی کے لئے ضروری ہے، جس سے حق وباطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔

(۱) تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ کر لینا چاہئے اور اُن سے متعلق آیتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ عام طور پر اُن میں اشتباہ واقع ہوا ہے:

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے اور حضور اقدس ﷺ اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون صرف دو جگہ آیا ہے، سورۃ النساء آیت ۴۰ میں اور یہاں۔ سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور یہاں مقصود اس مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمد یہ، پچھلی تمام امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان امتوں کی طرف سے اعتراض ہوگا کہ یہ امت سب سے آخری امت ہے، انھوں نے ہمارا زمانہ کہاں پایا ہے؟ پھر یہ کیونکر گواہی دے رہے ہے؟ تب آنحضور ﷺ تشریف لا کر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ میری امت جو کچھ کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے، ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے —— یہ مضمون صرف سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں آیا ہے۔

تیسرا مضمون: آنحضور ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے اور آپ کی امت اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی۔ یہ مضمون صرف سورۃ الحج آیت ۷۸ میں آیا ہے۔

ارشاد ہے: —— اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے، جو ہر چیز کی صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے، سر اطاعت خم کرنے والوں کے لئے —— یعنی یہ کتاب، اطاعت کی راہ اختیار کرنے والوں کی زندگی کے ہر معاملہ میں صحیح رہنمائی کرتی ہے اور جو اس کی پیروی کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور یہ کتاب انہیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی خوشخبری سناتی ہے —— اور جو لوگ اس کتاب کو نہیں مانتے وہ نہ صرف یہ کہ ہدایت و رحمت سے محروم رہتے ہیں، بلکہ قیامت کے روز رحمۃ للعالمین ﷺ ان کے خلاف برملا شہادت دیں گے، اور یہ کتاب اُن کے خلاف ایک زبردست حجت ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

إِنَّ	بے شک	وَالْإِحْسَانِ (۲)	اور (کام اور معاملہ)	وَيَنْهَىٰ	اور روکتے ہیں		
اللَّهَ	اللہ تعالیٰ		اچھا کرنے (کا)	عَنِ الْفَحْشَاءِ (۴)	نہایت برے کاموں سے		
يَأْمُرُ	حکم دیتے ہیں	وَإِيتَاءِ	اور دینے (کا)	وَالْمُنكَرِ (۵)	اور ناجائز کاموں (سے)		
بِالْعَدْلِ (۱)	انصاف کرنے کا	ذِي الْقُرْبَىٰ (۳)	اہل قرابت (کو)	وَالْبَغْيِ (۶)	اور ظلم سے		

(۱) اَلْعَدْل (مصدر) داد و انصاف عَدَلَ (ض) عَدَلاً السهمَ کے معنی ہیں: تیر کو سیدھا کرنا، لہٰذا عَدْل کے معنی ہوئے عقائد، اعمال، اخلاق اور معاملات کو بالکل سیدھا کرنا اور صحیح کرنا، ان میں افراط و تفریط نہ ہونے دینا اور عَدْل سے ہٹ جانے کا نام جَوْرٌ ہے، جَارَ (ن) جَوْرًا عَنِ الشیئ: ہٹ جانا (۲) اِحْسَانٌ مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں: اچھا کرنا (نکو کردن) اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ آدمی اپنے کام یا اخلاق و عادات کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے (دوسرے معنی کے لئے احسان کا صلہ إلیٰ آتا ہے) آیت میں اِحْسان عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے (قرطبی) (۳) اَلْقُرْبیٰ اسم مصدر ہے۔ رشتہ اور قرابت، قرب (ن) قَرَابَةً، قَرُبَ (ک) قُربا و قربانا اور قَرِبَ (س) قُرْبًا وَقُرْبَانًا کے معنی ہیں: نزدیک ہونا (۴) اَلْفَحْشَاءُ اسم تفضیل واحد مؤنث ہے وہ قول و عمل جس کی برائی کھلی ہو، جسے سننا یا کرنا ہر کوئی برا جانتا ہو، جیسے: زنا، بے حیائی، بدکلامی، گالی گلوچ، بداخلاقی، بخیلی وغیرہ، اس کا مذکر اَفْحَش ہے مادہ ہے فَحْشٌ برا کام فَحُشَ (ک) الأمرُ برا ہونا، اَلْمُتَفَحِّشُ: بدزبان، بے حیاء (۵) المنکر اسم مفعول واحد مذکر ہے، مصدر اِنْكَارٌ ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو اجنبی سمجھنا، ناموزوں جاننا اس کی ضد اَلْعِرْفان ہے یعنی کسی چیز کو پہچاننا، موزوں سمجھنا، لہٰذا المنکر کے معنی ہیں: وہ قول و فعل جس کو عقل سلیم برا جانتی ہو اور شریعت مطہرہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہو (۶) اَلْبَغْيُ مصدر ہے بَغیٰ علیه کا، جس کے معنی ہیں: دراز دستی کرنا، ظلم کرنا۔

يَعِظُكُمْ	وہ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت قبول کرو

ربط: ابھی کتاب اللہ کا ایک وصف ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ بیان ہوا ہے، یعنی قرآن پاک ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں عقائد سے لے کر اعمال تک، اور اخلاق سے لے کر معاملات تک، تمام بنیادی اور ضروری احکام پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور دوسرا وصف قرآنِ کریم کا یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں صحیح راہنمائی کرتا ہے، قرآنِ پاک کی ان خصوصیات کی بہترین مثال یہ آیت پاک ہے۔ علماء کرام کا ارشاد ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی یہی آیت ہوتی تو ﴿ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ کا ثبوت دینے کے لئے اور ہدایت ورہنمائی کے لئے کافی ہوتی (روح المعانی)

اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس جگہ خاص حکم خداوندی سے رکھی گئی ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا، یکا یک آپ ﷺ نے نگاہ اوپر کو اٹھائی (نزولِ وحی کے آثار شروع ہوئے) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور حکم دیا کہ اس آیت کو، اس سورت میں، اس جگہ رکھوں[1]

جامع ترین آیت:

یہ آیت کریمہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اسلامی تعلیمات کا جامع ومکمل خاکہ اس آیت میں آ گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

(۱) قرآن پاک کی عظیم ترین آیت ــــ آیت الکرسی ہے۔

(۲) خیر وشر کی جامع ترین آیت ــــ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ الخ ہے۔

(۳) تفویض (سپردگی) کا مضمون سب سے زیادہ اپنے اندر رکھنے والی آیت: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ ہے، ترجمہ: اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دیتے ہیں، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں، جہاں اس کا گمان بھی نہیں جاتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے (سورۃ الطلاق آیت ۲و۳)

---

(۱) رواه الإمام أحمد رحمه الله۔

(۴) اور سب سے زیادہ پر امید بنانے والی آیت: ﴿ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾ ہے[1] ترجمہ: اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوؤ! اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بالیقین معاف فرمادیں گے، واقعی وہ بڑے بخشنے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں (سورۃ الزمر)

آیت کی خطبہ میں شمولیت اور اس کی تاثیر کے دو واقعے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کو اس کی جامعت ہی کی وجہ سے جمعہ وعیدین کے خطبات کے آخر میں پڑھتے تھے، تاکہ ہر ہفتہ متواتر، امت کے کان اس دستور حیات سے آشنا ہوتے رہیں، الحمد للہ! اُس وقت سے آج تک یہ آیت امت کے خطبات کا جزو بنی ہوئی ہے اور بہت سے حضرات کو متاثر کر چکی ہے، اس سلسلے کے دو ایمان افروز واقعات سنئے:

پہلا واقعہ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب یہی آیت بنی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، چودھویں نمبر پر مسلمان ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے اسلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اپنے گھر کے آنگن میں تشریف فرما تھے، وہاں سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ گزرے، انھوں نے آنحضور ﷺ کو دیکھ کر دانت نکالے[2] حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ ہمارے پاس نہیں بیٹھیں گے؟'' انھوں نے کہا: جی بیٹھوں گا —— وہ اور حضور اقدس ﷺ آمنے سامنے بیٹھ گئے، دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک حضور ﷺ نے نگاہِ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی، کچھ دیر آپ آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر آہستہ آہستہ نگاہ نیچے آنے لگی، یہاں تک کہ آپ کی نگاہ آپ کی دائیں جانب زمین پر آکر ٹھہر گئی اور آپ اپنے ساتھی عثمان بن مظعون سے منہ پھیر کر دائیں جانب متوجہ ہو گئے اور اس طرح سر ہلانے لگے جیسے کسی سے کوئی بات سمجھ رہے ہوں —— عثمان بن مظعون یہ سارا ماجرا دیکھتے رہے، جب حضور ﷺ بات سمجھ چکے تو پہلے کی طرح پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھنے لگی اور بالکل آسمان تک پہنچ گئی —— اس کے بعد آپ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ عثمان بن مظعون نے پوچھا کہ محمد! میں بارہا آپ کے پاس بیٹھا ہوں، مگر آج جیسی صورت کبھی پیش نہیں آئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''تم نے مجھے کیا کرتے دیکھا؟'' انھوں نے پہلی بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھنے سے لے کر آخر تک کی پوری صورتِ حال بیان کر دی، حضور ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں اس سب کا احساس ہو گیا؟'' عثمان نے کہا: ''جی ہاں! میں

(۱) رواہ البیهقی فی شعب الإیمان (درمنثور) (۲) دانت نکالنا: بے موقع ہنسنا، بے ہودہ طریق سے ہنسنا ۱۲

نے سب کچھ دیکھ لیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ابھی ابھی جب میں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا تھا میرے پاس اللہ کا فرشتہ آیا'' انھوں نے پوچھا: اللہ کا فرشتہ؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں! اللہ کا فرشتہ!'' عثمان نے پوچھا: ''فرشتے نے آپ سے کیا کہا؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ ﴾ (آخر آیت تک) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور اس آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان جم گیا اور مجھے آنحضور ﷺ سے محبت ہوگئی (۱) —— یہ محبت دن بدن بڑھتی گئی، آنحضور ﷺ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے غایت درجہ تعلق ہوگیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلے آپ ہی کی وفات ہوئی ہے، آنحضور ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو تشریف لائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو چوما اور دفن کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''عثمان ہمارے بڑے اچھے پیش رو ہیں!''

دوسرا واقعہ: اَکْثَمْ بن صَیْفِیْ کا ہے۔ اکثم اپنی قوم کے سردار تھے، انھیں جب حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کی اطلاع ملی تو حاضر خدمت ہونے کا ارادہ کیا، مگر ان کے قبیلے کی رائے یہ ہوئی کہ آپ کا جانا مناسب نہیں، سفیر بھیجے جائیں، چنانچہ دو آدمی منتخب کئے گئے، تا کہ مدینہ جا کر حالات کا جائزہ لے آئیں۔ وہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم کے سفیر ہیں۔ آپ ہمیں دو باتوں کا جواب دیں: پہلی بات یہ ہے کہ آپ کون ہیں؟ دوسری بات یہ کہ آپ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میرا نام محمد ہے اور میرے والد کا نام عبداللہ ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پھر حضور اقدس ﷺ نے سورۂ نحل کی یہ آیت ﴿ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ تلاوت فرمائی، اُن قاصدوں نے درخواست کی یہ آیت ہمیں مکرر سنایئے۔ آنحضور ﷺ نے آیت کی بار بار تلاوت فرمائی، یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہوگئی —— قاصدوں نے لوٹ کر اکثم کو بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا تھا کہ آپ اپنا نسب بیان کریں، مگر آپ ﷺ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی، صرف اپنا اور باپ کا نام بتایا، مگر ہم نے دوسرے لوگوں سے آپ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ بڑا ستھرا نسب رکھتے ہیں، خاندان مضر میں بڑے عالی نسب ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے ہیں، جو ہم آپ کو سناتے ہیں۔

قاصدوں نے جب اکثم کو یہ آیت کریمہ سنائی تو وہ اس سے بے حد متاثر ہوئے، اپنی ساری قوم کو جمع کیا اور اُن سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلی اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور تمام برے اور رذیل اخلاق اور اعمال سے روکتے

(۱) رواہ الإمام أحمد رحمه الله وقال ابن كثير: إسناده جيد متصل، حسن قد بُيِّنَ فيه السَّمَاعُ المتَّصِلُ۔

ہیں، لہٰذا تم ان کا دین قبول کرنے میں جلدی کرو، تم سر بنو، دم نہ بنو![1]

تین خوبیوں کا حکم اور تین برائیوں کی ممانعت

آیت کریمہ کی اہمیت سمجھ لینے کے بعد اب تفسیر پڑھئے اور عہد کیجئے کہ آیت کریمہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا جا رہا ہے اس پر عمل کرنے کی امکانی کوشش کریں گے ارشاد ہے: —— اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں انصاف کرنے کا، اور (ہر کام اور ہر معاملے کو) اچھا کرنے کا، اور اہل قرابت کو دینے کا اور روکتے ہیں نہایت برے کاموں سے، اور ناجائز کاموں سے، اور ظلم کرنے سے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس لئے نصیحت فرما رہے ہیں تاکہ تم قبول کرو —— یعنی یہ باتیں بس یونہی سرسری نہیں کہی جا رہی ہیں، اس پند و نصیحت کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنا نفع و نقصان سوچو اور اللہ کی نصیحت قبول کرو، عمل کا تہیہ کرو اور آج ہی سے اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل شروع کرو۔

اس مختصر مگر جامع ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے تین ایسی چیزوں کا حکم دیا ہے جن پر پورے معاشرے کی درستی کا انحصار ہے، اور ایسی ہی تین برائیوں سے روکا ہے۔ جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں:

① —— عدل و انصاف کرنا: یعنی ہر کام، ہر بات اور ہر معاملے کو نہایت صحیح اور درست کرنا اس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کو راہ نہ دینا، تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات میں اعتدال و توازن رکھنا، اور ہر حقدار کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دینا۔

مفسر قرآن ابو بکر ابن العربی مالکیؒ نے عدل کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ عدل کے اصلی معنی تو برابری کرنے کے ہیں، مگر نسبتوں کے اختلاف سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اپنے اور خدا کے درمیان عدل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کے حظ پر، اور ان کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم رکھے، ان کے احکامات کی تعمیل کرے اور ممنوعات شرعیہ سے مکمل اجتناب کرے۔

(۲) خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو تمام ایسی چیزوں سے بچائے، جن میں نفس کی ہلاکت مضمر ہے، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو انجام کار اس کے لئے مضر ہوں اور صبر و استقامت سے کام لے۔

(۳) اپنے اور مخلوقات خداوندی کے درمیان عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ معاملہ میں بھی کسی سے خیانت نہ کرے اور کسی کو اپنے قول و عمل سے بلاوجہ تکلیف نہ پہنچائے۔

(۱) رواه أبو يعلى في كتاب معرفة الصحابة۔

④ ـــــ احسان: یعنی تمام معاملات اور تمام کاموں کو، عقائد و اعمال کو اور اخلاق و عبادات کو بہتر سے بہتر کرنا اور عمدہ سے عمدہ بنانا، حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوْا الذِّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ، وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ (أبو داؤد باب في الرفق بالذبيحة كتاب الضحايا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہتر اور عمدہ کرنا فرض کیا ہے، لہٰذا جب تم (جہاد میں) دشمن کو قتل کرو، تو عمدہ طریقے پر قتل کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو اچھے انداز سے ذبح کرو، چاہئے کہ تم اپنی چھری اچھی طرح تیز کرلو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔

عقائد و اعمال کو اچھا بنانے کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بیان فرمایا گیا ہے:

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم ان کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

اس ارشاد گرامی میں مدارج کا لحاظ فرماتے ہوئے، عبادت کو عمدہ بنانے کے، دو طریقے بیان فرمائے ہیں، اعلیٰ اور اونچا طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی عبادت اس تصور سے کرے کہ گویا خدائے پاک کو دیکھ رہا ہے، اس صورت میں کیف و وجد ہزار گنا بڑھ جائے گا اور عبادت ہر طرح کامل و مکمل ہوگی۔ لیکن اگر معرفت الٰہی کا یہ مقام کسی کو میسر نہ ہو تو اس کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس عقیدے کا استحضار کرے کہ اللہ پاک اسے دیکھ رہے ہیں۔ جب اس عقیدے کے استحضار کے ساتھ عبادت کرے گا تو حتی الامکان عبادت کو کامل و مکمل کرنے کی کوشش کرے گا، اور اس میں کسی طرح کی فروگذاشت نہیں ہونے دے گا۔

دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرنے کا حکم اللہ پاک نے سورۃ القصص میں بھی دیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (دوسروں کے ساتھ) احسان کر۔

عدل کے بعد احسان و مروت کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی انصاف کے ساتھ احسان و مروت کو جمع کرے کیونکہ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا آدمی مقام عدل سے ذرا اور بلند ہو کر فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، نیک برتاؤ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، فضل و عفو، تلطف و ترحم، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس

ولحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا شیوہ بنالے، اس سے زندگی میں لطف وحلاوت پیدا ہوگی اور معاشرے میں محبت واخلاص، ایثار وخیر خواہی، عالی ظرفی اور شکر گزاری کو نشو نما پانے کا موقع ملے گا۔

③ —— صلہ رحمی: یہ احسان کی ایک خاص صورت کا بیان ہے، رشتہ داروں کا حق عام لوگوں سے کچھ زائد ہے۔ قدرت نے جو باہم قرابت کے تعلقات رکھے ہیں انہیں نظر انداز کرنا قرابت کے مقصد ہی کو فوت کر دینا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان عام لوگوں سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑے، اس کے مال میں اس کے غریب رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔

اسلام کی نگاہ میں خاندان کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں کہ ایک شخص تو عیش کر رہا ہو اور اس کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کے محتاج ہوں۔ اسلام صرف شخصی خوش حالی کا قائل نہیں ہے، بلکہ خاندانی خوش حالی کا داعی ہے، اس نے خاندان کی خوش حالی کے لئے خوش حال افراد پر پہلا حق اس کے اپنے غریب رشتہ داروں کا رکھا ہے۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ آدمی کے مال کا اولین حقدار اس کا اپنا نفس ہے، پھر اہل وعیال اور والدین، پھر بھائی بہن پھر وہ جوان کے بعد قریب تر ہوں، اور پھر وہ جوان کے بعد قریب تر ہوں۔

خاندان کی خوش حالی معاشرے کی خوش حالی کا سبب ہے، کیونکہ معاشرہ خاندانوں کے مجموعے کا نام ہے، پس جب معاشرے کے اجزائے ترکیبی، معاشی حیثیت سے خوش حال ہوں گے تو سارا معاشرہ خوش حال نظر آئے۔

اوپر کی تین خوبیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تین برائیوں سے روکتے ہیں۔ یہ تین برائیاں انفرادی حیثیت سے افراد کو اور اجتماعی حیثیت سے پورے معاشرے کو خراب کرنے والی ہیں۔

① —— فَحْشَاءُ: ہر وہ کام اور ہر وہ بات جو بیہودہ شرمناک اور قبیح ہے، اور اس کی برائی ایسی کھلی ہوئی ہے کہ ہر سمجھ دار اس کو برا جانتا ہے۔ جیسے زنا، برہنگی وعریانی، عمل قوم لوط، بے حیائی، بدکلامی، بداخلاقی، بخیلی، گالیاں بکنا وغیرہ تمام وہ کام جو شہوت ونفسانیت کے غلبے سے کئے جاتے ہیں، جیسے بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے، عریاں تصاویر اور فلم، عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا، اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا، تھرکنا اور ناز وادا کی نمائش کرنا، مردوں اور عورتوں کا باہم اختلاط اور بے حیائی اور دل لگی کی باتیں کرنا سب فحش ہے۔

② —— مُنْكَر: ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو شرعاً ناجائز ہے اور فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کے نزدیک نامعقول ہے،

جیسے کبر وغرور، حسد وکینہ، سودخوری اور قمار بازی وغیرہ تمام ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی گناہ جن سے شریعت نے انسانوں کو روکا ہے۔

(۳) ـــــ بَغْیٌ: یعنی حد سے تجاوز کرنا، دوسرے کے حقوق پر دست درازی کرنا، سرکشی، ظلم وتعدی اور اللہ کی زمین کو فساد اور بگاڑ سے بھر دینا۔

یہ تین برائیاں اُن تین خوبیوں کے مقابل ہیں، خوبیوں میں سب سے اہم عدل وانصاف ہے، اس لئے اس کو سب سے پہلے بیان کیا ہے اور برائیوں میں سب سے زیادہ قابل ترک شرمناک کام ہیں، اس لئے ان کو پہلے لایا گیا ہے۔

غور کیجئے کونسی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو اس جامع آیت میں نہیں آئی اور کونسی برائی ایسی رہ گئی ہے جس سے اس آیت کے ذریعے روک نہیں دیا گیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

وَاَوْفُوْا	اور پورا کرو	يَعْلَمُ	جانتے ہیں	اَنْ تَكُوْنَ (۱۰)	اس لئے کہ ہو
بِعَهْدِ اللّٰهِ	اللہ کا پیمان	مَا تَفْعَلُوْنَ	جو کرتے ہو تم	اُمَّةٌ	ایک قوم
اِذَا عٰهَدْتُّمْ (۱)	جب قول وقرار کیا ہے	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہوؤ تم	هِيَ اَرْبٰى (۱۱)	وہ بڑھی ہوئی
	تم نے (اللہ کے ساتھ)	كَالَّتِيْ	اس عورت جیسے جس نے	مِنْ اُمَّةٍ	دوسری قوم سے
وَلَا تَنْقُضُوا	اور مت توڑو	نَقَضَتْ (۵)	ادھیڑ دیا	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
الْاَيْمَانَ	قسمیں	غَزْلَهَا	اپنا سوت	يَبْلُوْكُمُ	آزمائش کرتے ہیں
بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (۲)	ان کو پکا کرنے کے بعد	مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ (۶)	مضبوط کاتنے کے بعد		تمہاری
وَقَدْ جَعَلْتُمُ (۳)	درانحالیکہ بنا چکے ہو تم	اَنْكَاثًا (۷)	تار تار (رواں رواں)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهَ	اللہ (کو)	تَتَّخِذُوْنَ (۸)	بناتے ہو تم	بِهٖ (۱۲)	اُس (ترقی) سے
عَلَيْكُمْ	اپنے اوپر	اَيْمَانَكُمْ	اپنی قسموں کو	وَلَيُبَيِّنَنَّ	اور ضرور کھول دیں گے
كَفِيْلًا (۴)	ذمہ دار	دَخَلًا (۹)	فساد کا ذریعہ	لَكُمْ	تمہارے لئے
اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ	بَيْنَكُمْ	اپنے درمیان	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے روز

(۱) عَاهَدَ مُعَاهَدَةً: باہم عہد و پیمان اور قول وقرار کرنا۔ (۲) تَوْكِيْد (مصدر): استوار کرنا، پختہ کرنا، ضمیر کی طرف مضاف ہے (۳) جملہ وَقَدْ جَعَلْتُمُ حال ہے لا تَنْقُضُوْا کی ضمیر فاعل سے (۴) كَفِيْلٌ: ضامن، ذمہ دار، فَعِيْلٌ بمعنی فَاعِلٌ ہے، كَفَلَ (ن) فُلانًا: نان ونفقہ کا ذمہ دار ہونا، ضامن ہونا (۵) نَقَضَ الْحَبْلَ کھول دینا، ادھیڑ دینا غَزْلٌ: کتا ہوا سوت، مصدر بمعنی مفعول ہے۔ (۶) مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ظرف ہے، نَقَضَتْ کا اور مِنْ زائدہ ہے (۷) اَنْكَاثًا جمع ہے نِكْثٌ کی، دوبارہ کاتنے کے لئے ادھیڑا ہوا، نَكَثَ الْحَبْلَ: رسی کو اُدھیڑنا اَنْكَاثًا: ترکیب میں نَقَضَتْ کا مفعول ثانی ہے، کیونکہ نَقَضَتْ، جَعَلَ کے معنی پر مشتمل ہے۔ (۸) تَتَّخِذُوْنَ جملہ حالیہ ہے لا تَكُوْنُوا کی ضمیر سے یا كَالَّتِيْ سے جو خبر کی جگہ میں ہے۔ (۹) دَخَلًا مفعول ثانی ہے تَتَّخِذُوْن کا، اور مصدر ہے دَخِلَ يَدْخَلُ کا، جس کے معنی ہیں: عقل یا جسم میں خرابی لاحق ہونا۔ امام بخاریؒ نے یہی معنی کئے ہیں: كُلّ شيئ لَمْ يَصِحَّ فهو دخلٌ، جو چیز درست نہ ہو وہ دخل ہے، آلوسی فرماتے ہیں الدخل فی الأصل ما يدخل الشيئ، ولم يكن منه (وہ اجنبی چیز جو کسی چیز میں گھس جائے) راغب لکھتے ہیں: الدخل كناية عن الفساد والعداوة المستَبْطَنَةِ كالدَّغَلِ (کنایۃً دخل سے مراد فساد اور چھپی ہوئی عداوت ہوتی ہے، دَغَلَ کے بھی یہی معنی ہیں (۱۰) تَكُوْنُ: کان ناقصہ ہے، اُمَّةٌ اسم ہے اور جملہ هِيَ اَرْبٰى خبر ہے اور أَنْ سے پہلے باسببیہ محذوف ہے (۱۱) اَرْبٰى (اسم تفضیل) رَبَا يَرْبُوْ رِبَاءً وَرُبُوًّا المالُ أو العددُ: زیادہ ہونا، بڑھنا (۱۲) بِهٖ کی ضمیر الرُّبُوُّ کی طرف راجع ہے جو اَرْبٰى سے مفہوم ہے۔

مَا	وہ بات	دَخَلًا	فساد کا ذریعہ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے
كُنْتُمْ	تھے تم	بَيْنَكُمْ	اپنے درمیان	مَا	جو کچھ
فِيْهِ	اس میں	فَتَزِلَّ (۲)	پس پھسل جائے	عِنْدَكُمْ	تمہارے پاس (ہے)
تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے	قَدَمٌ	قدم	يَنْفَدُ	ختم ہوجائے گا
وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	بَعْدَ ثُبُوْتِهَا	جمنے کے بعد	وَمَا	اور جو کچھ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَتَذُوْقُوا	اور چکھو تم	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس (ہے)
لَجَعَلَكُمْ	تو ضرور بناتے تم کو	السُّوْٓءَ	تکلیف	بَاقٍ	باقی رہنے والا ہے
اُمَّةً وَّاحِدَةً	ایک امت	بِمَا صَدَدْتُّمْ (۳)	تمہارے روکنے کی وجہ سے	وَلَنَجْزِيَنَّ	اور بخدا ضرور بدلہ دیں
وَلٰكِنْ	مگر	عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے		گے ہم
يُّضِلُّ	گم راہ کرتے ہیں	اللّٰهِ	اللہ کی	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
مَنْ يَّشَآءُ (۱)	جسے چاہتے ہیں	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	صَبَرُوْٓا	ثابت قدم رہے
وَيَهْدِيْ	اور راہ یاب کرتے ہیں	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب (ہے)	اَجْرَهُمْ	اُن کا بدلہ
مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں	وَلَا تَشْتَرُوْا	اور نہ خریدو تم	بِاَحْسَنِ (۴)	اچھے کاموں کا
وَلَتُسْـَٔلُنَّ	اور بخدا! ضرور باز پرس	بِعَهْدِ اللّٰهِ	عہد خداوندی کے عوض	مَا كَانُوْا	جو تھے وہ
	ہوگی تم سے	ثَمَنًا	قیمت	يَعْمَلُوْنَ	کرتے
عَمَّا	ان باتوں کی جو	قَلِيْلًا	معمولی	مَنْ عَمِلَ	جس نے کیا
كُنْتُمْ	تھے تم	اِنَّمَا	یقیناً جو کچھ	صَالِحًا	نیک کام
تَعْمَلُوْنَ	کرتے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے یہاں (ہے)	مِّنْ ذَكَرٍ	مردوں میں سے
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا	اور نہ بناؤ تم	هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ	وہ بہتر ہے	اَوْ اُنْثٰى	یا عورتوں (میں سے)
اَيْمَانَكُمْ	اپنی قسموں کو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ

(۱) مَنْ يَّشَآءُ کی ترکیب کے لئے دیکھئے سورۃ الرعد آیت ۲۷ کا حاشیہ (۲) هذه استعارة للمستقيم الحال يقع في شر عظيم ويسقط فيه، لأن القدم إذا زلّت نقلت الإنسان من حال خير إلى حالِ شر (قرطبی) (۳) بما میں با سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے۔ (۴) اَحْسَنَ مَا كانوا يعملون دراصل ترکیب توصیفی ہے مقلوب کرکے ترکیب اضافی بنائی ہے

مُؤْمِنٌ	ایمان دار (ہو)	حَيٰوةً طَيِّبَةً	اچھی زندگی	بِاَحْسَنِ	(ان) اچھے کاموں کا
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ[1]	تو ضرور زندگی بسر	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ	اور ضرور بدلہ دیں گے ہم انکو	مَا كَانُوْا	جو تھے وہ
	کرائیں گے ہم اس کو	اَجْرَهُمْ	ان کا بدلہ	يَعْمَلُوْنَ	کرتے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ کیا ہوا قول وقرار پورا کرو

ربط: گذشتہ آیت میں جو اصولی احکام بیان کئے ہیں ان میں پہلا حکم عدل وانصاف کا ہے، اللہ کے ساتھ معاملہ میں اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں اگر اس کا لحاظ کیا جائے تو ان میں خوبی پیدا ہوتی ہے، اور لحاظ نہ کیا جائے تو آدمی/قوم کی بھونڈی تصویر بنتی ہے۔ اب اس کو سمجھانے کے لئے ایک معاملہ کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ معاملہ ہے عہد و پیمان اور قول وقرار کا، اس معاملہ میں عدل وانصاف کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔

عہد و میثاق کی دو قسمیں:

پہلی قسم: وہ قول وقرار ہے جو انسان نے اللہ تعالیٰ سے باندھا ہے، جب کوئی شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے تو وہ عہد کرتا ہے کہ وہ صرف اللہ کی بندگی کرے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں ان کی تعمیل کرے گا —— یہ عہد جو اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے، اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اس لئے آیت کریمہ کی ابتدا اسی عہد کی تاکید سے ہوئی ہے۔

دوسری قسم: وہ عہد و پیمان ہے جو ایک انسان دوسرے انسان سے یا ایک قوم دوسری قوم سے یا ایک ملک دوسرے ملک سے باندھتا ہے، اور عہد کے مفہوم میں قسم کے معنی ہوتے ہیں، کیونکہ کسی بھی طریقہ سے اللہ کا نام لے کر عہد کو پختہ کیا جاتا ہے یہی قسم کا مفہوم ہے —— آیت کریمہ میں دوسرے نمبر پر اس عہد کا ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ قسموں (قول وقرار) کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، جبکہ تم نے اللہ تعالیٰ کو قول وقرار پورا کرنے کا وکیل (ذمہ دار) بھی بنایا ہے، اگر توڑو گے تو اللہ کے نام کی بے حرمتی ہوگی، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بالیقین وہ کام جانتے ہیں جو تم کرتے ہو، اگر تم اللہ کے ساتھ یا لوگوں کے ساتھ بدعہدی کرو گے تو تمہاری دغا بازی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہے گی، اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والوں کی سرین میں ایک جھنڈا گاڑا جائے گا، جو اس کی بدعہدی کے بقدر اونچا ہوگا (جو میدانِ محشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا)[2]

(۱) نُحْيِيَنَّهٗ فعل مضارع، جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ ہے ہٗ ضمیر مفعول ہے۔ اِحْيَاءٌ مصدر ہے، بمعنی زندہ رکھنا۔
(۲) رواہ مسلم عن أبی سعید رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ ص:۳۲۲)

﴿ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۹۱﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیان کو پورا کرو جب تم قول وقرار کرو — یعنی کلمہ طیبہ پڑھ کر ایمان لاؤ — اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد ان کو مت توڑو، جبکہ تم نے اللہ تعالیٰ کو کفیل (ذمہ دار) بھی بنایا ہے — یعنی اللہ کا نام لے کر تم نے وہ عہد و پیان کیا ہے — اللہ تعالیٰ بالیقین جانتے ہیں جو تم کرتے ہو!

مثال سے نقضِ عہد کی قباحت

روایتوں میں آیا ہے کہ مکہ میں ایک مالدار عورت تھی، جو نیم پاگل تھی، دن بھر سوت کاتتی اور شام کو اس کی تکا بوٹی کر دیتی، قرآن کے پہلے مخاطب اس سے واقف تھے، اس لئے فرماتے ہیں کہ معاہدوں کو توڑو گے تو تمہارا حال اس پاگل عورت جیسا ہو جائے گا۔

﴿ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ﴾

ترجمہ: اور تمہاری حالت اس عورت جیسی نہ ہو جائے جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ادھیڑ کر بوٹی بوٹی کر دیا!

ترقی پذیر[1] قوم سے کیا ہوا عہد و پیان توڑنا

قومیں/ ملک دو قسم کے ہیں: ترقی یافتہ اور ترقی پذیر، مسلمانوں نے ایک جماعت کو طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا، پھر دوسری جماعت اس سے طاقتور سامنے آئی تو پہلی جماعت سے معاہدہ توڑ کر دوسری جماعت سے عہد و پیان باندھ لیا، ایسا کرنا درست نہیں۔

پھر آیت میں آگے نصیحت ہے کہ دوسری جماعت کی ترقی بس ایک آزمائش ہے، ہمیشہ وہ ترقی یافتہ رہے یہ ضروری نہیں، پس اس سے دوستی کر کے پہلی جماعت کو نظر انداز کرنا درست نہیں، رہی یہ بات کہ حق کون ہے اور باطل کون؟ اس کا پردہ آخرت میں اٹھے گا، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو پردہ یہاں بھی اٹھ سکتا تھا، اللہ تعالیٰ چاہتے تو دیگر مخلوقات کی طرح سب انسانوں کو ایک راہ پر ڈال دیتے، مگر اللہ کی حکمت کا فیصلہ یہ ہے کہ اس عالم میں پردہ پڑا رہے، اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انسانوں کا امتحان کرنا چاہتے ہیں کہ کون ضد پر اڑا رہتا ہے اور کون اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے؟ جو عقل سے کام لے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو عقل سے پیدل ہو جائے گا وہ کھڈے میں گرے گا، پھر آخرت میں دونوں فریقوں کا

(۱) ترقی پذیر: زیر ترقی، ترقی کی خواہاں، ترقی کی راہ پر گامزن، کمزور ممالک۔

حساب ہوگا۔

﴿ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: تم اپنی قسموں کوفساد کا ذریعہ بناتے ہو، اس وجہ سے کہ ایک قوم بڑھی ہوئی ہے (ترقی یافتہ ہے) دوسری قوم سے اللہ تعالیٰ اُس (ترقی) سے بس تمہاری آزمائش کررہے ہیں، اور وہ قیامت کے دن بالیقین تمہارے ان کاموں کی حقیقت کھولیں گے جن میں تم اختلاف کرتے تھے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ ضرور تم کو ایک امت بنادیتے، مگر وہ جسے چاہیں گمراہ کرتے ہیں، اور جسے چاہیں راہ دکھاتے ہیں، اور وہ ضرور تم سے ان کاموں کی باز پرس کریں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

عہد و پیمان توڑنے کے نقصانات

نقضِ عہد میں تین قباحتیں ہیں:

۱- عہد و پیمان توڑو گے تو تمہاری ہوا خیزی ہوگی، غیروں کی نظر میں تمہارا اعتبار گھٹ جائے گا، پس تمہارے پیر جمنے کے بعد اکھڑ جائیں گے، یعنی آئندہ تمہارے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں کرے گا، اور اس کا تمہیں بھاری نقصان پہنچے گا۔

۲- اور تمہاری یہ حرکت اسلام کی بدنامی کا سبب بنے گی، جیسے آج کل مسلمانوں کی بدعملی اسلام کی بدنامی کا سبب ہے، اسلام قبول کرنے والے تمہاری بدمعاملگی دیکھ کر اسلام کے بارے میں شک میں پڑ جائیں گے، اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رک جائیں گی۔

۳- اور تم پر اللہ کی راہ سے روکنے کا گناہ پڑے گا، جس کی سزا بہت سخت ہے!

﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم اپنی قسموں کو باہم فساد کا ذریعہ مت بناؤ —— نقضِ عہد کر کے —— پس پیر جمنے کے بعد پھسل جائیں گے، اور تمہیں برائی چکھنی پڑے گی اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہوگا۔

مفادات پیش نظر رکھ کر نقضِ عہد کرنا

اس کے بعد ایک خلجان کا جواب ہے، کوئی خیال کرسکتا ہے کہ ترقی پذیر قوم/ ملک سے عہد و پیمان توڑنے میں اور ترقی

یافتہ قوم/ملک سے تعلقات جوڑنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، پھر اس کو کیوں اختیار نہ کیا جائے؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ دنیوی فوائد کی خاطر عہد توڑنا جائز نہیں، اس لئے کہ دنیا کے فوائد چند روزہ ہیں، اور وفائے عہد کے ثمرات دنیوی فوائد سے بدرجہا بہتر ہیں، اگر تم یہ بات سمجھو کہ عہد و پیمان پر قائم رہنے سے تمہاری قدر و منزلت بڑھے گی تو تم کبھی عہد شکنی نہ کرو، اور آخرت میں جو تمہیں قول و قرار پر برقرار رہنے کا ثواب ملے گا اس کا تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔

﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کے بدلے میں تھوڑی پونجی مت خریدو —— یعنی دنیوی فوائد کے پیش نظر نقض عہد مت کرو —— جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو!

دنیا چند روزہ ہے اور آخرت کا اجر دائمی ہے

پھر ایک نصیحت کی ہے کہ دنیوی فوائد تو ایک دن ختم ہو جائیں گے، اور قول و قرار پر برقرار رہنے سے آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ ہمیشہ باقی رہے گا —— اور یہ جان لو کہ آخرت میں ثواب عمل کے برابر نہیں ملے گا، بلکہ عمل سے کئی گنا بڑھ کر ملے گا، دس گنا تو ملے گا ہی، زائد جتنا اللہ پاک عنایت فرمائیں۔

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا، اور جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور ہم ضرور ان لوگوں کو جو ثابت قدم رہے ان کا ثواب عنایت فرمائیں گے ان کے کئے ہوئے کاموں کا اچھے سے اچھا!

نیک عمل کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے

مذکورہ ارشاد سے کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ نیک عمل کا بدلہ آخرت میں ملے گا، دنیا میں اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس لئے اب آخر میں ایک آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، نیک عمل کا ثواب ہر کسی کو —— خواہ مرد ہو یا عورت —— بشرطے کہ مؤمن ہو: دنیا میں بھی پہنچتا ہے، دنیا میں وہ خوشگوار زندگی جیتا ہے، غریب بھی آرام سے سوتا ہے اور مالدار کو خواب آور گولی نہیں کھانی پڑتی، اور آخرت میں تو اس کا بدلہ ہے ہی۔

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیا، خواہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے بالیقین اچھی زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم ضرور ان کو ثواب دیں گے ان کے کئے ہوئے کاموں کا اچھے سے اچھا!

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

فَاِذَا	پس جب	اِنَّهٗ	یقیناً وہ	اِنَّمَا	بس
قَرَاْتَ	پڑھیں آپ	لَيْسَ لَهٗ	نہیں اس کا	سُلْطٰنُهٗ	اس کا زور
الْقُرْاٰنَ	قرآن	سُلْطٰنٌ	کچھ زور (قابو)	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر (ہے) جو
فَاسْتَعِذْ	تو پناہ مانگ لیں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	يَتَوَلَّوْنَهٗ (۱)	اسکو سرپرست بناتے ہیں
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَالَّذِيْنَ	اور (اُن پر) جو
مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان سے	وَعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے پروردگار ہی پر	هُمْ بِهٖ (۲)	(کہ) وہ اس کے سبب سے
الرَّجِيْمِ	مردود	يَتَوَكَّلُوْنَ	بھروسہ رکھتے ہیں	مُشْرِكُوْنَ	شریک کرتے ہیں

قرآنِ کریم سے استفادہ کے لئے تعوذ کی حکمت

ربط: آیت نواسی میں اللہ پاک کا یہ ارشاد آیا ہے کہ ہم نے آنحضور ﷺ پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے، جس میں ہدایت وضلالت سے متعلق ہر چیز کی پوری تفصیل ہے، جو بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ اب لوگوں کو قرآن پاک سے ہدایت اخذ کرنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔(۳)

جب کوئی شخص قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کی تلاوت کرتا ہے یا تفسیر کا مطالعہ کرتا ہے تو شیطان اس کو بہکانے کے لئے اور اس کی فکر وفہم کو غلط راہوں پر ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت انتہائی چوکنا رہنا چاہئے اس کے دل میں یہ خواہش ہونی چاہئے اور زبان سے یہ دعا کرنی چاہئے

(۱) تَوَلّٰی فلانا: ولی مقرر کرنا (۲) باسببیہ ہے۔ (۳) اور گذشتہ آیت میں جو پانچ باتیں تھیں: ان کا بیان قرآنِ کریم میں دوسری جگہ ہے ۱۲

کہ الٰہی! مجھے شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھ! اُسے یہ موقع نہ دے کہ میرے دل میں بے جا شکوک وشبہات ڈالے اور میری مدد فرما تا کہ شیطان کا مکر وفریب مجھے اس سرچشمۂ ہدایت کے فیض سے محروم نہ کردے۔

اس طرح جو شخص شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرے گا، امید ہے کہ وہ قرآن کی ہر بات کو اس کی صحیح روشنی میں سمجھے گا، اپنے خود ساختہ نظریات اور باہر سے حاصل کئے ہوئے تخیلات کی وجہ سے قرآن پاک کے الفاظ کو وہ معانی پہنانے کی کوشش نہیں کرے گا جو قرآن کے منشا کے خلاف ہیں اور وہ ہر قسم کے بے جا شکوک وشبہات سے بھی محفوظ رہے گا۔ لیکن اگر ایک عام کتاب کی طرح اس نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا تو وہ شیطان مردود کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، وہ اسے گمراہ کر کے چھوڑے گا۔ اور جو اس سرچشمۂ ہدایت سے محروم رہ گیا، اُسے پھر کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ارشاد فرماتے ہیں: —— پھر جب آپ قرآن پاک پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یقیناً اس کا اُن لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا، جو ایمان لے آئے ہیں، اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اس کا تسلط تو بس انہی لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے سے شرک میں مبتلا ہیں —— یعنی جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن پر شیطان قابو نہیں پا سکتا، سورۃ الحجر میں اللہ پاک کا یہ ارشاد آیا ہے کہ: ”میرے بندوں پر یقیناً تیرا ذرا بھی بس نہیں چلے گا“ اللہ کے نیک بندے اگر کسی وقت تھوڑی دیر کے لئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آجاتے ہیں تو یہ حالت دیر تک باقی نہیں رہتی، بہت جلد ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جو لوگ خدا ترس ہیں جب انھیں کوئی خطرۂ شیطان لاحق ہوتا ہے تو وہ یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں، جس سے یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیطان کے بھائی بند ہیں، انہیں شیطان گمراہی میں کھینچتا رہتا ہے سو وہ باز نہیں آتے۔

یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق، دوست یا سرپرست بناتے ہیں اور بجائے خدائے واحد پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے اغوا سے دوسری چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہوتا ہے۔ پھر وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو انگلیوں پر نچاتا ہے۔

لہٰذا قرآنِ کریم سے استفادے کے لئے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ شیطان سے رشتہ توڑ لیا جائے اور اللہ پاک کی پناہ حاصل کر لی جائے، جو بھی اس طرح قرآن پاک کی تلاوت کرے گا اور تفسیر کا مطالعہ کرے گا، ان شاء اللہ محروم نہ ہوگا۔

مسئلہ: چونکہ تھوڑی دیر کے لئے مؤمن بھی شیطان سے متاثر ہوسکتا ہے، اس لئے تلاوت قرآن سے پہلے أَعُوْذُ

بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: نماز میں تعوذ (اعوذ باللہ الخ) صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے گا۔

مسئلہ: اگر تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام یا بات میں مشغول ہو گیا تو جب دوبارہ تلاوت شروع کرے تو دوبارہ تعوذ پڑھے۔

مسئلہ: تعوذ صرف تلاوت قرآن کے وقت مسنون ہے، قرآن کے علاوہ دوسری کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں، صرف بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔

مسئلہ: جب کسی کو زیادہ غصہ آئے تو اعوذ باللہ پڑھے، حدیث شریف میں ہے کہ اس سے غصہ کی شدت فرو ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اعوذ باللہ نہیں پڑھنا چاہئے، بلکہ اس وقت کے لئے حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے: اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اور اپنے کاموں میں اسی پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چلتا

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

وَاِذَا	اور جب	بَدَّلْنَآ (۱)	بدل دیتے ہیں ہم	اٰيَةً	ایک آیت کو

(۱) بَدَّل الشیئَ تبدیلاً: بدل ڈالنا، ایک چیز کو ہٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز لے آنا، التبدیل: رفع الشیئ مع وضع غیرہ مکانہ (کبیر) بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا: نعمت خداوندی کو کفران سے بدل ڈالا

مَّكَانَ	جگہ میں	بِالْحَقِّ	دین حق کی تعلیمات	اِلَيْهِ	اس کی طرف
اٰيَةٍ	دوسری آیت (کے)		پر مشتمل	اَعْجَمِيٌّ[۵]	غیر فصیح (ہے)
وَّاللّٰهُ[۱]	اور اللہ تعالیٰ	لِيُثَبِّتَ	تاکہ ثابت قدم رکھیں	وَّهٰذَا	اور یہ
اَعْلَمُ	بخوبی جانتے ہیں	الَّذِيْنَ	ان کو جو	لِسَانٌ	زبان (ہے)
بِمَا	اس کو جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	عَرَبِيٌّ	عربی
يُنَزِّلُ	نازل فرماتے ہیں وہ	وَهُدًى[۳]	اور راہ نمائی ہے	مُّبِيْنٌ	فصیح
قَالُوْٓا	(تو) کہتے ہیں وہ	وَّبُشْرٰى	اور خوش خبری ہے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بلاشبہ جو لوگ
اِنَّمَآ	بس	لِلْمُسْلِمِيْنَ	مسلمانوں کے لئے	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے
اَنْتَ	آپ	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی آیتوں کو
مُفْتَرٍ[۲]	گھڑنے والے (ہیں)	نَعْلَمُ	جانتے ہیں ہم	لَا يَهْدِيْهِمُ	نہیں راہ دکھاتے ان کو
بَلْ	بلکہ	اَنَّهُمْ	کہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَكْثَرُهُمْ	ان میں سے اکثر	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
لَا يَعْلَمُوْنَ	(تبدیلی کی حکمت)	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عَذَابٌ	عذاب ہے
	نہیں جانتے	يُعَلِّمُهٗ	سکھاتا ہے اس کو	اَلِيْمٌ	دردناک
قُلْ	فرمادیجئے	بَشَرٌ	ایک شخص	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
نَزَّلَهٗ	بتدریج اتارا ہے اس کو	لِسَانُ	زبان	يَفْتَرِي	گھڑتے ہیں
رُوْحُ الْقُدُسِ	پاک روح نے	الَّذِيْ	اس کی جو	الْكَذِبَ	جھوٹ
مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے	يُلْحِدُوْنَ[۴]	غلط نسبت کرتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ	وہ جو

(۱) واللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ: جملہ معترضہ ہے (۲) مُفْتَرٍ کے آخر سے یا محذوف ہے اصل مفتری ہے اور بَلْ اِضراب وتدارک کے لئے ہے یعنی ماقبل سے اعراض اور مابعد کے حکم کی تصحیح سے ماقبل کا ابطال مقصود ہوتا ہے۔ (۳) هُدًى کا عطف لیثبت کے محل پر ہے۔ (۴) يُلْحِدُوْنَ: فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب، اِلْحاد مصدر، ترجمہ: وہ غلط نسبت کرتے ہیں، وہ کج راہی کرتے ہیں (۵) اَعْجَمِيٌّ وہ ہے جو صاف گفتگو کرنے پر اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہو، قال أبو الفتح الموصلي: ترکیب ع، ج، م، وضع فی کلام العرب للإبهام والإخفاء وضد البيان والإيضاح (کبیر) قال القراء: الأعجم: الذی فی لسانه عجمة وإن كان من العرب (کبیر)

لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	اللّٰہِ	اللہ کی	هُمُ	ہی
بِاٰيٰتِ	آیتوں کو	وَ اُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ	الْكٰذِبُوْنَ	جھوٹے (ہیں)

ربط: گذشتہ آیتوں میں بتایا تھا کہ تلاوت قرآن کے دوران شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور بیجا شبہات پیدا کرتا ہے۔ اب ان آیتوں میں اس کی مثال پیش کی جاتی ہے: مشرکین کے دو شبہات ذکر کئے جاتے ہیں کہ دیکھئے: شیطان کس طرح بیہودہ خیالات اور مہمل اعتراضات ابھارتا ہے؟

احکام میں تبدیلی مصلحت کی وجہ سے ہوتی ہے

پہلا شبہ: واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں، ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے، پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے سے دوسرا حکم آتا تھا، مثلاً تہجد کے معاملہ میں ایک سال تک ریاضت شاقہ کرائی گئی، آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ کم یا آدھی رات سے کچھ زیادہ تہجد پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر ﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ﴾ (المزمل) نازل ہوئی جس سے تہجد کا وجوب ولزوم ختم ہوگیا، کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات کہیں پھر اُسے واپس لے لیں۔ کیا خدا تعالیٰ نے، خاکم بدہن! پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دیا تھا پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم دیا؟ —— وہ کہتے تھے کہ احکام کی یہ تبدیلی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں، آپ خود گھڑتے ہیں اور اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ آج بھی شیطان اس قسم کے وساوس لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، اس لئے اس کا جواب ارشاد فرمایا جاتا ہے: —— اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدل دیتے ہیں —— یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم بھیج دیتے ہیں [1] —— اور اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل فرماتے ہیں اُسے بخوبی جانتے ہیں —— یعنی پہلے اور بعد میں، اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم نازل فرمایا ہے اس کی مصلحتوں اور اس کے مواقع کو بخوبی جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بندوں کے لئے کونسا حکم کس وقت مناسب ہے۔

(۱) ایک مفسر کو یہ معنی لینے میں تأمل ہے، انھوں نے تامل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مکی دور میں اُن کے علم کی حد تک تدریج فی الاحکام کی کوئی مثال پیش نہیں آئی تھی۔ حالانکہ تہجد کے معاملے میں احکام کی تدریج قرآن پاک کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ اور تہجد کا معاملہ بالکل شروع اسلام کا ہے —— ہمارے خیال میں تامل کا اصل سبب یہ ہے کہ مفسر کے ذہن میں اُردو لفظ ''تبدیلی'' ہے، عربی لفظ ''تبدیل'' (تفعیل) وہ سمجھے ہی نہیں اور مسلسل کئی آیتوں کا مطلب غلط بیان کرتے چلے گئے ہیں، اللہ پاک ہمیں ایسی لغزشوں سے محفوظ رکھیں۔

مگر جب بھی ایسی صورت پیش آتی ہے —— تو یہ لوگ کہتے ہیں: ''بس جی، تم تو خود گھڑتے ہو'' —— مصلحتِ وقت دیکھ کر احکام میں تبدیلی کرتے ہو —— نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر (تبدیلی احکام کی حکمت سے) ناواقف ہیں —— اس وجہ سے وہ اس تبدیلی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کے نزدیک تبدیلی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوسکتا، کیونکہ ترمیم جہل وناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ بڑا نقص ہے جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں ممکن نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص ''نسخ'' کی حقیقت جان لے اور تبدیل احکام کی مصلحت سمجھ لے تو اسے اندازہ ہوجائے گا کہ نسخ کا مدار جہالت پر نہیں، بلکہ مصلحت اندیشی پر ہے۔ بعض اوقات حالات کا علم ہوتے ہوئے بھی پہلی حالت پیش آنے پر پہلا حکم دیا جاتا ہے، اور دوسری حالت پیش آنے کا، اگرچہ اس وقت بھی علم ہوتا ہے، مگر بتقاضائے مصلحت اس دوسری حالت کا حکم اُس وقت بیان نہیں کیا جاتا، بلکہ جب وہ حالت پیش آتی ہے تب اس کا حکم بیان کیا جاتا ہے، جیسے ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے استعمال سے حالت بدلے گی، پھر دوسری دوا دی جائے گی، مگر مریض کو ابتداء میں سب تفصیل نہیں بتلائی جاتی۔

یہی حقیقت نسخ احکام کی ہے جو لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے وہ باغواء شیطانی شبہات کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، جاہلین قدیم کی طرح جاہلین جدید بھی ان ترمیمات کے وقوع سے یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں، انسان کا کلام ہے —— آپ جواب دیجئے کہ اسے مقدس روح نے آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں اور مسلمانوں کے لئے راہ نمائی اور خوش خبری ثابت ہو —— یعنی یہ کسی انسان کا کلام نہیں، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے مقرب فرشتہ جبرئیل امین، حکمت الٰہی کے مطابق بتدریج رسول اللہ ﷺ کے پاس لارہے ہیں تاکہ موقع بہ موقع اور ترتیب وتدریج کے ساتھ احکام وآیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہو کہ ہمارے رب ہمارے ہر حال اور ہماری زندگی کے ہر دور سے پوری طرح باخبر ہیں اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کررہے ہیں جیسے حالات پیش آتے ہیں اُن کے موافق ہدایت اور راہ نمائی اتارتے ہیں اور خوش خبریاں سناتے ہیں۔

فائدہ: روح القدس (پاکیزہ روح) حضرت جبرئیل علیہ السلام کا لقب ہے، یہاں وحی لانے والے فرشتے کا نام لینے کے بجائے اس کا لقب ذکر کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ فرشتہ تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے، وہ نہ خائن ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ بھیجیں اور وہ اپنی طرف سے کمی بیشی کرکے کچھ اور بنادے، نہ کذاب ومفتری ہے کہ خود کوئی بات گھڑ کر

اللہ تعالیٰ کے نام سے بیان کردے، نہ بدنیت ہے کہ دھوکے اور فریب سے کام لے، وہ سراسر ایک مقدس اور پاکیزہ روح ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام پوری امانت کے ساتھ لا کر پہنچاتا ہے۔

قرآن فصیح و بلیغ کلام ہے، کسی عجمی کا یہ کلام نہیں ہو سکتا

دوسرا شبہ: واقعہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ امی (ناخواندہ) تھے اور آپ کا امی ہونا سب کو معلوم تھا، ایک امی جس نے نہ کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو، جب دفعۃً ایسی کتاب پیش کرنے لگے جو عجیب و غریب علوم و حِکَم، مؤثر ہدایات اور کایا پلٹ دینے والے قوانین و احکام پر مشتمل ہو تو منکروں کے ذہنوں میں کھلبلی مچ جائے گی، ان کے نزدیک قرآنی علوم و معارف آنحضور ﷺ کی امیت سے قطعاً جوڑ نہیں کھاتے، اور یہ عدم تطبیق ایک زبردست دلیل تھی کہ قرآن پاک آنحضور ﷺ کا کلام نہیں، بلکہ اللہ پاک کا کلام ہے، مگر شیطان نے عام لوگوں کے ذہنوں کو اس رخ پر ڈال دیا کہ کوئی انسان انہیں سکھاتا ہے، پھر کسی کا ذہن عامر بن الحضرمی کے رومی غلام جَبْر کی طرف گیا، کسی کا حُوَیطِبْ بن عبدالعزی کے غلام عائش یا یَعِیش کی طرف، کسی کا ابوفکیہہ کی طرف اور کسی کا بلعان یا بلعام نامی رومی غلام کی طرف —— ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے "روشن خیال" بھٹکتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں —— اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں: "انہیں تو بس ایک آدمی سکھلاتا ہے"

جواب دیجئے: —— جس شخص کی طرف وہ لوگ غلط نسبت کر رہے ہیں اس کی زبان تو غیر فصیح ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے —— اس جواب میں بحث میں الجھے بغیر متشککین کے ذہنوں کو ایک ایسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے جس میں چوں و چراں کی گنجائش نہیں، ارشاد ہے —— چھوڑو، قرآنِ کریم کی معنوی بلندیوں کو، اس کی محیر العقول تعلیمات کو اور اس کے حکمت ریز مضامین کو، تم اس کی معجزانہ فصاحت اور حسن ادا پر غور کرو، کیا یہ صاف، سلیس اور فصیح و بلیغ عبارت اس شخص کی ہو سکتی ہے جس کی طرف تم غلط انتساب کر رہے ہو؟ وہ تو بے زبان عجمی ہے، سرے سے اہل زبان ہی نہیں، کیا یہ نہایت بلیغ کلام اس کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر بتاؤ یہ کس کی عبارت ہے؟ تم قرآن کی دوسری وجوہ اعجاز کو نہیں سمجھ سکتے تو اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا ادراک تو کر سکتے ہو؟ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا ہے اور یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام جن وانس مل کر بھی اس کی مثل ایک معمولی ٹکڑا بھی پیش نہیں کر سکتے۔

بات درحقیقت یہ ہے کہ —— جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ ان کو قطعاً راہ نہیں دیتے، اور دردناک عذاب انہیں کے لئے ہے —— یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص دل میں یہ ٹھان لے کہ مجھے یقین نہیں کرنا، خدا تعالیٰ بھی اس کو مقصد تک پہنچنے کی راہ نہیں دیتے، جو لوگ محض ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لانا

چاہتے، اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں تھوپ دیتے، بلکہ ان کو ان کی گمراہیوں میں غلطاں پیچاں چھوڑے رکھتے ہیں تاکہ آخرت میں سخت عذاب کا مزہ چکھیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں مانتے بس وہی لوگ جھوٹی باتیں گھڑتے ہیں، اور وہی جھوٹے لوگ ہیں —— یعنی یہ ظالم، پیغمبر پر افتراء کا بہتان لگاتے ہیں، حالانکہ مفتری وہ خود ہیں، وہ پکے جھوٹے اور اول نمبر کے لپاڑیے ہیں، کیونکہ افتراء وہ شخص کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتا، دروغ گوئی، افتراء پردازی اور مکر وفریب اسی کا شیوہ ہے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امانت راست بازی اور صدق وصفا پہلے سے مسلم ہے، انہی لوگوں نے آپ کو الصادق الامین کا خطاب دیا تھا، بھلا ایسا شخص کبھی مفتری اور کذاب ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! جھوٹ بنانا تو اُن ہی کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سن کر اور اُن کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہیں کرتے۔

مؤمن بزدل اور بخیل تو ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا، یعنی ایمان کے ساتھ جھوٹ بولنے کی عادت جمع نہیں ہوسکتی (حدیث شریف)

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾

مَنْ كَفَرَ	جس نے انکار کیا	اِلَّا [2]	مستثنیٰ ہے	بِالْاِيْمَانِ	ایمان پر
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کا	مَنْ اُكْرِهَ	وہ جو مجبور کیا گیا	وَ لٰكِنْ	مگر
مِنْۢ بَعْدِ [1]	اپنے ایمان کے	وَ قَلْبُهٗ	جبکہ اس کا دل	مَّنْ شَرَحَ	جس نے کھول دیا
اِيْمَانِهٖ	بعد	مُطْمَىِٕنٌّ	مطمئن ہو	بِالْكُفْرِ	کفر کے ساتھ

(۱) مِنْ زائدہ ہے اِیْمَانِهٖ کی ضمیر مَنْ موصولہ کی طرف راجع ہے۔ (۲) ترکیب: من کفر باللہ جملہ شرطیہ ہے اِلَّا مَنْ ←

صَدْرًا	سینہ (دل) کو	وَ اَنَّ	اور اس وجہ سے ہے کہ	وَ اَبْصَارِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر
فَعَلَيْهِمْ	تو ان ہی پر (ہے)	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ	اور وہ لوگ ہی
غَضَبٌ	غضب	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دکھاتے	الْغٰفِلُوْنَ	غفلت میں پڑے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کا	الْقَوْمَ	(ان) لوگوں کو		ہوئے ہیں
وَ لَهُمْ	اور انہی کے لئے (ہے)	الْكٰفِرِيْنَ	(جو) انکار کرنے	لَا جَرَمَ	لامحالہ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب		والے ہیں	اَنَّهُمْ	وہ لوگ
ذٰلِكَ	یہ بات	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
بِاَنَّهُمُ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	الَّذِيْنَ	وہ (ہیں) جو	هُمُ	وہی
اسْتَحَبُّوا	پسند کرلیا	طَبَعَ اللّٰهُ	مہر کردی اللہ نے	الْخٰسِرُوْنَ	خسارے میں رہنے
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی (کو)	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر		والے ہیں
عَلَى الْاٰخِرَةِ	آخرت کے مقابلے میں	وَسَمْعِهِمْ	اور ان کی سماعت پر	۞	۞

شیطانی وساوس سے متأثر ہوکر ایڑیوں پر پلٹنے والوں کے لئے وعید

قرآن مجید کی آیات سے ایمان والوں کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے، ان کے تمام شبہات دور ہوجاتے ہیں، اور انہیں ثبات واستقامت کی دولت نصیب ہوتی ہے، البتہ شیطان کچھ لوگوں کے ذہنوں میں شبہات پیدا کرتا ہے، اس لئے وہ شیطانی شبہات سے متأثر ہوکر ایمان لانے کے بعد منکر ہوجاتے ہیں۔ ان آیتوں میں اب اُنہی کم نصیب انسانوں کا ذکر ہے، ارشاد فرماتے ہیں: —— جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کیا —— اور وہ مرتد ہوگیا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور وہ شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا —— مگر وہ مستثنیٰ ہے جس پر زبردستی کی گئی، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو —— یعنی جس نے ظلم سے مجبور ہوکر محض جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر زبان سے ادا کیا اور دل ایمان پر مطمئن تھا تو وہ کافر ومرتد نہیں ہوا۔ اور اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا —— البتہ جس نے جی کھول کر کفر کیا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور ان

← اُكْرِهَ، مَنْ كَفَرَ سے استثناء ہے اور جملہ وَقَلْبُهٗ حالیہ ہے اُكْرِهَ کے نائب فاعل سے، وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ استدراک ہے جملہ استثنائیہ سے، لٰكِنْ عاطفہ ہے اور چونکہ پہلے جملے پر عطف ہے اس لئے واو بھی لایا گیا ہے، من شرح جملہ شرطیہ ہے صدرًا شرح کا مفعول بہ ہے اور فعليهم غَضَبٌ جزاء ہے مَنْ شَرَحَ کی اور چونکہ مَنْ شَرَحَ کا مفہوم اور مَنْ كَفَرَ کا مفہوم ایک ہے اس لئے یہی فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ، مَنْ كَفَرَ کی بھی جزاء ہے۔

ہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے —— یعنی جو کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس کے لئے شدید ترین عذاب ہے —— یہ (سزا) اس سبب سے ہے کہ انھوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور اس وجہ سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو راہ یاب نہیں فرماتے —— یعنی ارتداد اگر دنیوی فوائد کے پیش نظر ہے تو اس کی سزا ایسی سخت ہونی ہی چاہئے۔ وفاداری کے عہد و پیمان مؤکد کرنے کے بعد محض دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر بغاوت کر دینا جس درجہ کا جرم ہے اُسے ہر کوئی جانتا ہے اور اگر ضد و عناد کی وجہ سے منکر ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی ہدایت نہیں تھوپتے، وہ ایسے لوگوں کی توفیق سلب فرمالیا کرتے ہیں، ارشاد ہے: —— یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر، جن کی بینائی پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے —— یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو سوچنے کے لئے جو دل دئے تھے، سننے کے لئے جو کان دئے تھے اور دیکھنے کے لئے جو آنکھیں دی تھیں، جب انھوں نے ان سے کام نہ لیا اور ضد پر اڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں ناکارہ کر دیں، اب آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہیں مگر اللہ کی نشانیاں نہیں دیکھتے، کانوں سے سب کچھ سنتے ہیں مگر خدا کی باتیں نہیں سنتے، اور دلوں سے سب کچھ سوچتے ہیں مگر حق کو نہیں پہچانتے —— اور یہ ہی لوگ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں —— یعنی ان کا سب کچھ تباہ ہو گیا، مگر انھیں زیاں کا احساس نہیں —— لازمی بات ہے کہ یہ ہی لوگ آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ارتداد (دین سے پھر جانے) پر سخت وعید ہے، مرتد پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک جاتا ہے [1] اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، کیونکہ ارتداد بغاوت ہے اور بغاوت بھی رب العالمین کی، ایسے منحوس آدمی پر جس قدر بھی خدائے پاک کا غضب ٹوٹے کم ہے۔ اسے جہنم کی جس بھٹی میں بھی جھونک دیا جائے برحق ہے۔ اس لئے مؤمن کو ہمیشہ ارتداد سے پناہ مانگنی چاہئے، ایمان کی حلاوت آدمی کو اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کہ اس کو ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اتنی نفرت ہو جیسی آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے [2] آنحضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جو دس وصیتیں فرمائی ہیں: ان میں سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے'' [3]

یہی مقام عزیمت ہے، خواہ آدمی کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دی جائے، ہر حال میں اس کو دین حق پر جما رہنا چاہئے،

(۱) اسی وجہ سے شریعت میں ارتداد کی سزا سخت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ (بخاری شریف) یعنی جو مرتد ہو جائے اور دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرلے اس کو قتل کر دو —— قتل کرنے کا یہ حکم اسلامی حکومت کے لئے ہے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں، نہ ان کے لئے کسی مرتد کو قتل کرنا جائز ہے (۲) كما روى البخاري ومسلم عن أنس رضي الله عنه مرفوعاً (۳) رواه أحمد (مشکوٰۃ ص: ۱۸)

حبیب بن زید بن عاصم الانصاری رضی اللہ عنہ کا اسوہ ایک مسلمان کے لئے بہترین اُسوہ ہے، وہ گرفتار ہو کر مسیلمہ کذاب کے سامنے پیش کئے گئے اس نے پوچھا: کیا تو یہ مانتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیبؓ نے جواب دیا: جی ہاں! اس نے پوچھا: کیا تو یہ مانتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت حبیبؓ نے فرمایا: میں بہرہ ہوں! پھر مسیلمہ کذاب کے حکم سے ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹا جاتا اور مطالبہ کیا جاتا کہ وہ مسیلمہ کو نبی مان لیں مگر وہ ہر مرتبہ یہی کہتے رہے کہ میں بہرہ ہوں، یہاں تک کہ اسی حالت میں کٹ کٹ کر انھوں نے جان دیدی — اللہ تعالیٰ ان کی روح کو عظمتوں اور رفعتوں کا بلندترین مقام عنایت فرمائیں! (آمین)

یہی حال سید المسلمین حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا تھا، اُن کا آقا امیہ بن خلف ٹھیک دو پہر کے وقت جبکہ دھوپ نہایت تیز ہوتی ہے اور پتھر آگ کی طرح تپنے لگتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم پتھر پر لٹا کر سینۂ مبارک پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، تا کہ ہل نہ سکیں اور پھر کہتا کہ تو اسی طرح مر جائے گا اگر تو نجات چاہتا ہے تو محمد کا انکار کر اور لات وعزیٰ کی پرستش کر، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی زرہ پہنا کر تیز دھوپ میں بٹھلاتا اور کبھی گلے میں رسّی ڈال کر لونڈوں کے حوالے کرتا، وہ تمام شہر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گھسیٹتے پھرتے، مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پائے استقامت میں جنبش نہ آتی، وہ أَحَدٌ أَحَدٌ (ایک اللہ! ایک اللہ!!) ہی کہتے رہتے۔

یہی حال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا، بلکہ ان کے پورے خاندان کا تھا، مکہ میں ان کا کوئی قبیلہ اور کنبہ نہ تھا جو ان کا حامی اور مددگار ہوتا، قریش نے اس خاندان کے ساتھ جو ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا ہے اسے لکھتے ہوئے قلم تھراتا ہے، آنکھیں پرنم ہیں، دل پھٹا جا رہا ہے، ان کم بختوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ناتواں اور پاک باز والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا تک کو اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ عین دو پہر کے وقت ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیتے، ایک روز سامنے سے ابوجہل آ گیا، اس نے حضرت سمیہؓ کی جائے ستر میں ایک برچھی ماری اور شہید کر دیا، مگر خدا کی اُس بندی کے قدم دین اسلام سے ذرا نہ ڈگمگائے، اس نے جان جاں آفریں کے حوالے کر دی مگر متاعِ دین وایمان پر آنچ نہ آنے دی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند سے بلند فرمائیں اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کی زندگی کا نمونہ بننے کی سعادت نصیب فرمائیں (آمین)

جب آنحضرت ﷺ حضرت عمارؓ، اُن کے والد حضرت یاسرؓ اور ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے: اے آلِ یاسر! صبر کرو، کبھی یہ فرماتے: اے اللہ! تو آلِ یاسر کی مغفرت فرما اور کبھی یہ فرماتے: تم کو بشارت ہو، جنت تمہاری مشتاق ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قریش دوپہر کے وقت تپتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہوجاتے، کبھی پانی میں غوطہ دیتے اور کبھی انگاروں پر لٹاتے۔ اس حالت میں جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو سر پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: ﴿یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ (اے آگ! تو عمار کے حق میں بردو سلام بن جا، جس طرح تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بردو سلام بن گئی تھی)

یہ صرف نمونے کے طور پر اسلامی تاریخ کے چند واقعات ہیں ورنہ اسلامی تاریخ میں استقامت اور صبر وتحمل کے اتنے واقعات ہیں جن کو لکھنے کے لئے دریاؤں کی روشنائی بھی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر جمائے اور ہمیں وہ حوصلہ اور جذبہ عطا فرمائے کہ ہم دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت کو جو راہِ خدا میں پیش آئے خندہ پیشانی سے برداشت کرلیں (آمین یا ارحم الراحمین)

اصل حکم یہی ہے۔ ایمان ہے ہی ایسی قیمتی متاع کہ اس پر صد ہزار جانیں قربان کی جاسکتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بندہ پروری سے اور اپنی رحمت وعنایت سے اُس وقت جبکہ کسی پر سخت مظالم توڑے جارہے ہوں اور ناقابل برداشت اذیتیں دے کر کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کیا جارہا ہو، اس وقت اللہ پاک نے جان بچانے کے لئے کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیہ دل عقیدۂ کفر سے محفوظ اور ایمان پر جما ہوا ہو۔

اکراہ کے لفظی معنی ہیں: کسی شخص کو ایسے قول وفعل پر مجبور کرنا جس کے کہنے یا کرنے پر وہ راضی نہیں، پھر اُس کے دو درجے ہیں: پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ دل سے تو اس پر آمادہ نہیں، مگر ایسا بے اختیار اور بے قابو بھی نہیں کہ انکار نہ کرسکے۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ اکراہ غیر ملجی کہلاتا ہے، ایسے اکراہ سے کوئی کلمۂ کفر کہنا یا کسی حرام فعل کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔ دوسرا: درجہ یہ ہے کہ وہ مسلوب الاختیار ہوجائے یعنی اگر وہ زبردستی کرنے والے کے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اس کو قتل کردیا جائے گا، یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا اور یہ بھی بظن غالب معلوم ہو کہ زبردستی کرنے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ اکراہِ ملجی کہلاتا ہے، ایسے اکراہ کی حالت میں اگر کلمۂ کفر زبان سے کہہ دے بشرطیکہ اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو اور دل ایمان پر مطمئن ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی [1] حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جن کے متعلق نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: عمار سر سے پیر تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں [2] ان عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کردیا گیا اور خود ان کو بھی

(۱) یعنی وہ مرتد نہ ہوگا، کیونکہ إلا من أکرہ کا استثناء مَنْ کفر سے ہے (۲) رواہ الترمذی وابن ماجہ عن علی کرم اللہ وجہ.

نا قابل برداشت اذیت دی گئی، انھوں نے جان کے خوف سے بتوں کی کچھ تعریف کردی اور آنحضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہہ ڈالے، پھر دشمنوں سے رہائی پا کر روتے ہوئے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا گیا جب تک میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا۔ آپ نے پوچھا کہ جب تم یہ کلمہ بول رہے تھے تو تمہارے دل کا کیا حال تھا؟ انھوں نے عرض کیا: ایمان پر پوری طرح مطمئن تھا، آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ پھر اس طرح کا ظلم کریں تو تم پھر یہی بات کہہ دینا۔ (۱)

یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی دَین ہے کہ نبئ رحمت ﷺ کی امت سے ہونے والی بھول چوک گناہ نہیں شمار کی گئی، نہ وہ کام گناہ شمار کیے گئے ہیں جن کے کرنے پر امت مجبور کردی گئی ہو (۲)

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾ ع

ثُمَّ (۱)	پھر	مِنْ بَعْدِ (۲)	آزمائش میں مبتلا کئے	وَصَبَرُوا	اور وہ ثابت قدم رہے
إِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار	مَا فُتِنُوا	جانے کے بعد	إِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار
لِلَّذِينَ	ان لوگوں کے لئے	ثُمَّ	پھر	مِنْ بَعْدِهَا	اِن (کاموں) کے بعد
	جنھوں نے	جَاهَدُوا	انھوں نے دین کے لئے	لَغَفُورٌ	البتہ بڑی مغفرت
هَاجَرُوا	ہجرت کی		جان توڑ محنت کی		فرمانے والے ہیں

(۱) رواہ البیہقی (۲) رواہ الطبرانی۔ (۳) ثُمَّ تراخیِ ذکری کے لئے ہے کما فی قولہ تعالیٰ: ثم کان من الذین آمنوا (البلد) (۴) مِنْ زائدہ ہے اور مَا مصدریہ ہے۔

رَّحِیْمٌ	بے حد مہربانی فرمانے	قَرْیَةً (۴)	ایک بستی	وَالْخَوْفِ	اور خوف (کا)
	والے ہیں	كَانَتْ	تھی وہ	بِمَا	ان کرتوتوں کی وجہ سے جو
یَوْمَ تَاْتِیْ (۱)	جس دن آئے گا	اٰمِنَةً	امن والی	كَانُوْا	وہ
كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	مُّطْمَىِٕنَّةً	اطمینان والی	یَصْنَعُوْنَ	کرتے تھے
تُجَادِلُ	درانحالیکہ جھگڑ رہا ہوگا	یَاْتِیْهَا	پہنچتا تھا اس کو	وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق
عَنْ نَّفْسِهَا (۲)	اپنی طرف سے	رِزْقُهَا	اس کا رزق	جَآءَهُمْ	آیا اُن کے پاس
وَتُوَفّٰی (۳)	اور پورے دیئے جائیں گے	رَغَدًا (۵)	بڑی فراغت سے	رَسُوْلٌ	ایک رسول
كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص (کو)	مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ	ہر طرف سے	مِّنْهُمْ	ان میں سے
مَّا عَمِلَتْ	وہ کام جو اس نے کئے	فَكَفَرَتْ	پھر ناشکری کی اس نے	فَكَذَّبُوْهُ	سو جھٹلایا انھوں نے
وَهُمْ	اور وہ	بِاَنْعُمِ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتوں کی		اس کو
لَا یُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	فَاَذَاقَهَا	پس چکھایا اس کو	فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑ لیا ان کو
وَضَرَبَ	اور بیان فرمائی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	الْعَذَابُ	عذاب (نے)
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	لِبَاسَ (۵)	لباس	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
مَثَلًا	ایک مثال	الْجُوْعِ	بھوک	ظٰلِمُوْنَ	ظلم کرنے والے تھے

دونوں فریقوں کا انجام: جنھوں نے مظالم سہے اور جنھوں نے مسلمانوں پر مظالم توڑے

اب ان آیتوں میں دونوں فریقوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے، ان کا بھی جنھوں نے دشمنانِ اسلام کے مظالم سہے، اور ان کا بھی جنھوں نے بے بس مسلمانوں پر سخت مظالم توڑے، ارشاد ہے: —— پھر آپ کے پروردگار یقیناً ان لوگوں کے حق میں جنھوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر دین کے لئے جان توڑ محنت کی اور ثابت قدم رہے، بے

(۱) یَوْمَ ظرف ہے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کا (۲) نفسها کی ضمیر سابقہ نفس کی طرف راجع ہے، پہلے نفس سے مراد "شخص" ہے اور دوسرے نفس سے مراد "ذات" ہے جَادَلَ عن نفسه: اپنی طرف داری میں گفتگو کرنا (۳) تُوَفّٰی فعل مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب ہے مصدر تَوْفِیَة پورا پورا دینا، كُلُّ نفسٍ نائب فاعل ہے اور عملت مفعول ثانی ہے۔ (۴) قریةً: مثلاً سے بدل ہے۔ (۵) رَغِدَ رَغْدًا عیشه: آسودہ وخوش حال ہونا، عیش کی زندگی گزارنا (۶) محیط قحط اور سخت خوف کو لباس کہا گیا ہے، کیونکہ وہ بھی لباس کی طرح تمام جسم پر چھا جاتا ہے۔

شک آپ کے پروردگاران کاموں کے بعد بڑی مغفرت فرمانے والے اور بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں (اس دن) ہر شخص اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا اور (جس دن) ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا ـــــ یعنی جن لوگوں نے دین کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں اور وطن سے بے وطن ہوئے پھر انھوں نے دین کے لئے جہاد کیا اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، اللہ تعالیٰ ان کے حق میں اُس دن بڑے ہی مہربان اور درگزر فرمانے والے ہونگے، جس دن ہر شخص اپنی ہی نجات کے لئے کوشش کررہا ہوگا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا، جس دن ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری جزادی جائے گی اور کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ ان مہاجرین ومجاہدین پر نہایت مہربان ہوں گے۔

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

پہلی بات: یہ ہے کہ اگر کسی کو اپنے وطن میں دین کی وجہ سے ناقابل برداشت اذیتوں کا سامنا ہو تو اُسے چاہئے کہ اپنا وطن چھوڑ دے اور راہِ خدا میں نکل کھڑا ہو۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ جو بھی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور آسانی پائے گا[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آگئے تو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔

دوسری بات: یہ ہے کہ ہجرت کے بعد دوسری طرح کی آزمائشیں پیش آسکتی ہیں ضروری ہے کہ مہاجران آزمائشوں میں بھی ثابت قدم رہے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ دین کے لئے پوری جدوجہد اور جان توڑ محنت بہر حال ضروری ہے، جگہ حالات اور زمانے کا جو بھی تقاضا ہو اس کے مطابق دین کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینا ضروری ہے، ان کاموں کے بعد ہی رحمت ومغفرت کا وعدہ ہے۔

اب اُن دشمنانِ اسلام کا انجام بیان کیا جاتا ہے جو بے بس مسلمانوں کو مظالم کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے، مگر بات صاف کہنے کے بجائے تمثیلی رنگ میں کہی گئی ہے، کیونکہ مخالف ماحول میں کنایہ، صراحت سے ابلغ ہوتا ہے، مکہ شریف کا حال یہ تھا کہ ہر طرف سے رزق کھنچا چلا آرہا تھا، اُس بات کو صاف کہنا ان کے لئے مزید چھیڑ خانی کا موقع فراہم کرنا تھا، اس لئے ایک بستی فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: ـــــ اور اللہ تعالیٰ ایک مثال دیتے ہیں، ایک بستی تھی جو امن واطمینان کی زندگی بسر کررہی تھی، جسے ہر طرف سے بفراغت روزی پہنچ رہی تھی، اس نے اللہ تعالیٰ کی

(۱) سورۃ النساء رکوع گیارہ۔

نعمتوں کی ناشکری کی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے تھے نہایت سخت قحط اور محیط خوف کا مزا چکھایا اور یہ واقعہ ہے کہ ان کے پاس اُن ہی میں سے ایک رسول آئے، مگر انھوں نے اس کو جھٹلایا آخر کار عذاب نے ان کو آلیا، جبکہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھے ہوئے تھے۔

اس ارشاد کے شروع حصہ میں مکہ شریف کی ہو بہو تصویر کھینچی گئی ہے، مکہ شریف حرم خداوندی ہونے کی وجہ سے ہر طرح کی جنگوں سے، قبائلی خرخشوں سے اور کشت وخون سے محفوظ و مطمئن تھا، اس ویران سرزمین میں ہر قسم کے رزق کی افراط تھی، مگر اس کے باشندے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری پر تل گئے، اللہ کا جو پیغمبر ان کے پاس پیغام حق لے کر پہنچا اس کی تکذیب کردی، تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت مدینہ کے بعد ان پر قحط مسلط کیا، جو سات برس رہا اور ان کا حال یہ ہوگیا کہ انھیں کتے، مردار اور گوبر تک کھانا پڑا اور ہجرت مدینہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کا خوف اُن پر مسلط ہوگیا، جو دن بدن بڑھتا ہی گیا تا آنکہ اُن کا خاتمہ ہوگیا۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١١٤﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٩﴾

ع ۱۵ / ۲۱

فَكُلُوا	سو کھاؤ تم	رَزَقَكُمُ	روزی دی تم کو	حَلَالًا (۱)	حلال
مِمَّا	ان چیزوں میں سے جو	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	طَيِّبًا	پاکیزہ

(۱) حَلَالًا اور طَيِّبًا، رزق کے احوال ہیں، جس پر رَزَقَكُمُ دلالت کرتا ہے۔

وَ اشْكُرُوْا	اور شکر ادا کرو	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ تعالیٰ	لَا يُفْلِحُوْنَ	وہ کامیاب نہیں ہوتے
نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمت (کا)	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	مَتَاعٌ [3]	(یہ) سامان (ہے)
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	رَّحِيْمٌ	بے حد رحم فرمانے	قَلِيْلٌ	تھوڑا
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ	ان کی پرستش کرتے		والے (ہیں)	وَّ لَهُمْ	اور ان کے لئے (ہے)
اِنَّمَا حَرَّمَ	بس حرام کیا (ہے)	وَلَا تَقُوْلُوْا	اور نہ کہو تم	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب
عَلَيْكُمُ	تم پر	لِمَا [1]	جن چیزوں کے بارے	وَعَلَى الَّذِيْنَ	اور ان پر جو
الْمَيْتَةَ	مردار		میں	هَادُوْا	یہودی ہوئے
وَالدَّمَ	اور خون	تَصِفُ	بیان کرتی ہیں	حَرَّمْنَا	حرام کی ہم نے
وَلَحْمَ	اور گوشت	اَلْسِنَتُكُمُ	تمہاری زبانیں	مَا	(وہ چیزیں) جو
الْخِنْزِيْرِ	سور (کا)	الْكَذِبَ	جھوٹ	قَصَصْنَا	بیان کی ہم نے
وَمَا	اور جو (جانور)	هٰذَا حَلٰلٌ	(کہ) یہ حلال (ہے)	عَلَيْكَ	آپ سے
اُهِلَّ	پکارا گیا	وَّ هٰذَا	اور یہ	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
لِغَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کو	حَرَامٌ	حرام (ہے)	وَمَا	اور نہیں
بِهٖ	اس کے ذریعہ	لِّتَفْتَرُوْا [2]	تاکہ گھڑو تم	ظَلَمْنٰهُمْ	ظلم کیا ہم نے اُن پر
فَمَنِ	البتہ جو شخص	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	وَلٰكِنْ	بلکہ
اضْطُرَّ	بے بس کر دیا گیا	الْكَذِبَ	جھوٹ	كَانُوْٓا	تھے وہ
غَيْرَ	نہ	اِنَّ الَّذِيْنَ	یقیناً جو لوگ	اَنْفُسَهُمْ	اپنے اوپر
بَاغٍ	خواہش کرنے والا	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے ہیں	يَظْلِمُوْنَ	ظلم کرتے
وَّلَا	اور نہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	ثُمَّ	پھر
عَادٍ	حد سے تجاوز کرنے والا	الْكَذِبَ	جھوٹ	اِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار

(۱) لام جارہ قول کا صلہ ہے، ما موصولہ ہے اور صلہ میں ضمیر عائد محذوف ہے، وَصَفَ الشيئَ: بیان کرنا، تعریف کرنا، وصف الکذب: جھوٹ بیان کرنا هذَا حَلاَلٌ الخ مقولہ ہے، أی: لاتقولوا فی شأن الذی تَصِفه ألسنتكم كذبا: هذا حلال وهذا حرام۔ (۲) لِتَفْتَرُوْا میں لام عاقبت ہے (۳) مَتَاعٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	تَابُوْا	توبہ کی انھوں نے	رَبَّكَ	آپ کے پروردگار
عَمِلُوا	کئے	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	اس کے بعد	مِنْۢ بَعْدِهَا	اِن (کاموں) کے بعد
السُّوْٓءَ	برے کام			لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑے بخشنے والے
بِجَهَالَةٍ	نادانی سے	وَاَصْلَحُوْٓا	اور حالت درست کرلی	رَّحِيْمٌ	بے حد رحم فرمانے
ثُمَّ	پھر	اِنَّ	یقیناً		والے

اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری اور ناشکری

پچھلی آیت میں اللہ جل شانہ کی نعمتوں پر کفار کی ناشکری اور اس کے وبال کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں ناشکری کا مطلب سمجھایا جاتا ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری بس یہی نہیں ہے کہ آدمی زبان سے نعمتوں کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے کا انکار کردے، بلکہ ناشکری عملی بھی ہوتی ہے اور زیادہ تر لوگ عملی ہی ناشکری کرتے ہیں —— عملی ناشکری یہ ہے کہ آدمی اللہ کی نعمتوں کا شکریہ دیوی دیوتاؤں کو ادا کرنے لگے، ان کی نیازیں اور نذریں بھرنے لگے، اور معبودان باطل کی اور احبار ورہبان کی تحریمات کو خدائی تحریمات کا درجہ دیدے۔ اور عملی شکریہ ہے کہ آدمی صرف اللہ تعالیٰ کو پکارے، صرف انہی کی نذریں مانے، اور ان کی بخشی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزیں کھائے اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام نہ ٹھہرائے۔

ارشاد ہے: —— پس وہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم کو بخشی ہیں، اور خدا کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ، اگر واقعی تم ان ہی کی بندگی کرتے ہو —— یعنی اگر واقعی تم اللہ تعالیٰ کی بندگی کے قائل ہو، جیسا کہ تمہارا دعوی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حلال وطیب روزی کھاؤ اور حرام وحلال کے خود مختار نہ بنو۔

مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی ایک صورت یہ اختیار کر رکھی تھی کہ بہت سی چیزیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے، اُن کو اپنی طرف سے حرام کہنے لگے تھے اور جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی تھیں ان کو حلال سمجھنے لگے تھے، مثلاً بحیرہ، سائبہ، حامی وغیرہ کو تو حرام سمجھتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، اور مردار، دم مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون) خنزیر اور غیر اللہ کے نام کئے ہوئے جانوروں کو حلال سمجھتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے قطعی حرام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد ہے کہ —— اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارا گیا ہو [1] —— یعنی اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ چیزیں حرام کی ہیں، ان کو تم نے حلال قرار دے دیا ہے اور بحیرہ، سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، ان کو حرام سمجھ بیٹھے ہو [2] یہ تو خدائی اختیارات میں دخل دینا، اللہ تعالیٰ

(۱) اِن چاروں محرمات کی تفصیل پارہ سیقول آیت ۱۷۳ کی تفسیر میں دیکھیں (۲) آیت کریمہ میں حصر اضافی ہے، حقیقی نہیں۔

پر افتراء کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کی ناشکری ہے، یہ چاروں چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کردی ہیں ان کو حلال نہ ٹھہراؤ ــــ البتہ اگر کوئی شخص مجبور کردیا گیا ہو، خواہش مند اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں ــــ یعنی مذکورہ چاروں چیزیں ہیں تو حرام، مگر شدید ضرورت کے وقت ان حرام چیزوں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جاسکتا ہے (۱)

اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں کذب بیانی کرتی ہیں، اُن کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے، اس طرح کہہ کر تم اللہ تعالیٰ پر افتراء کروگے، یاد رکھو، جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے (دنیا کا یہ) عیش چند روزہ ہے، آخر کار ان کے لئے دردناک عذاب ہے ــــ یعنی بغیر کسی شرعی دلیل کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام، کذب وافتراء ہے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے، آخرت میں انھیں دردناک عذاب ہوگا، یہ عیش جو انھیں بظاہر نصیب ہے، تمام تر عارضی اور فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اس وقت حقیقت معلوم ہوگی۔

اس جگہ ایک شبہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام سب اونٹ کی قسمیں ہیں، اگر یہ چیزیں حلال ہیں تو پھر یہودیوں پر کیوں حرام کی گئیں؟ یہود پر اونٹ کا گوشت حرام کیوں تھا؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے ــــ اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی، اُن پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں، جن کا ذکر ہم اس سے پہلے آپ سے کرچکے ہیں۔ اور ہم نے اُن پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ــــ یعنی وہ چیزیں جن کا ذکر ﴿ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ﴾ (الانعام (۲) رکوع ۱۸) میں آیا ہے، جن میں اونٹ بھی شامل ہے، یہ سب چیزیں دراصل حلال تھیں، مگر یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں اور یہ حلال چیزیں ان پر حرام کرکے اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ بغاوت وسرکشی کرکے انھوں نے خود اپنا نقصان کیا۔

یہود پر اُن کی شرارتوں کی وجہ سے ہر ناخن (کھر) والا جانور، جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ حرام کئے گئے تھے۔ نیز گائے، بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر نہ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو، اُن پر حرام کی گئی تھی، یہ سب چیزیں دراصل حلال تھیں، مگر یہودیوں پر اُن کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔

پھر آپ کے پروردگار ان لوگوں کے لئے جنھوں نے نادانی کی بناء پر برے کام کئے، اور پھر توبہ کرلی اور اپنی حالت

(۱) ضرورت اور مجبوری کی تفصیل بھی پارہ سیقول میں دی گئی ہے۔ (۲) سورۃ الانعام وَضعًا (ترتیب کتابی) میں بھی مقدم ہے اور نزول میں بھی مقدم ہے، سورۃ الانعام کے نزول کا نمبر پچپن ہے جبکہ اس سورت کا نمبر ستر ہے۔

درست کرلی تو یقیناً آپ کے پروردگار اِن (برے کاموں) کے بعد (بھی) بڑی مغفرت فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں —— یعنی مشرکین کے لئے اب بھی سوچنے، سمجھنے اور عبرت پکڑنے کا موقع ہے، اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں کیا، جو لوگ اپنی نادانی اور بے سمجھی سے کفر وشرک کرتے رہے، اگر اب بھی صدق دل سے توبہ کرلیں اور کفر وشرک سے باز آجائیں اور اپنی حالت درست کرلیں تو اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو بھی معاف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ بڑے مہربان، بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ	یقیناً ابراہیمؑ	لِّاَنْعُمِهٖ	اللہ کی نعمتوں کے	حَسَنَةً	خوبی (بھلائی)
كَانَ اُمَّةً	ایک جماعت تھے	اِجْتَبٰىهُ(۲)	چن لیا اللہ نے ان کو	وَاِنَّهٗ	اور یقیناً
قَانِتًا(۱)	فرماں بردار	وَهَدٰىهُ	اور راہ نمائی کی ان کی	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
لِّلّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے	اِلٰى صِرَاطٍ	سیدھے راستے	لَمِنَ	البتہ نیکوکاروں میں
حَنِيْفًا	ایک رُخ ہونے والے	مُّسْتَقِيْمٍ	کی طرف	الصّٰلِحِيْنَ	سے (ہیں)
وَلَمْ يَكُ	اور نہیں تھے وہ	وَاٰتَيْنٰهُ	اور عطا فرمائی ہم نے	ثُمَّ	پھر
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے		ان کو	اَوْحَيْنَآ	وحی بھیجی ہم نے
شَاكِرًا	شکر کرنے والے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	اِلَيْكَ	آپ کی طرف

(۱) قَانِتًا پہلی صفت ہے اُمَّةً کی، دوسری حنیفًا ہے اور تیسری شَاكِرًا ہے۔ (۲) اجتبیٰ، اجتباءً (باب افتعال) برگزیدہ کرنا، چن لینا، باب افتعال کا ہمزہ وصلی ہے؛ لہٰذا جب ماقبل سے وصل کرکے پڑھیں گے تو ہمزہ گر جائے گا، اور اس طرح پڑھیں گے: لِّاَنْعُمِهِ اجْتَبٰهُ

اَنِ	کہ	جُعِلَ	بنایا گیا	لَيَحْكُمُ	البتہ فیصلہ فرمائیں گے
اتَّبِعْ	پیروی کیجئے	السَّبْتُ	ہفتہ کا دن (سنیچر)	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کے طریقے کی	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جنھوں نے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن
حَنِيْفًا (۱)	ایک رُخ ہوکر	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا	فِيْمَا	اس معاملہ میں
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے وہ	فِيْهِ	اس میں	كَانُوْا	(کہ) تھے وہ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے	وَاِنَّ	اور یقیناً	فِيْهِ	اس میں
اِنَّمَا	صرف	رَبَّكَ	آپ کے پروردگار	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے

ایک شکرگزار بندے کا تذکرہ

گذشتہ آیات میں عملی ناشکری کا مطلب سمجھایا تھا، اب ان آیتوں میں ایک شکرگزار بندے کی مثال دی ہے، یہ مثال مخاطب قوم کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے، اس مثال کے پردے میں ان سے یہ کہا جارہا ہے کہ کہاں تو وہ اتنے شکرگزار بندے تھے اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے! ارشاد ہے: —— ابراہیم یقیناً ایک پوری امت تھے —— یعنی وہ تنہا ایک فرد: ایک امت اور ایک قوم کے فضائل وکمالات کے جامع تھے، ان کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کردیئے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں، مگر بایں ہمہ عظمت وبزرگی وہ —— اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار، ایک رُخ پر رہنے والے بندے تھے —— وہ پوری طرح خدائے پاک کے سامنے سرافگندہ تھے، ان کا کوئی عقیدہ یا عمل اپنی خواہش نفسانی سے نہ تھا وہ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دین حق کی طرف جھکے ہوئے اور اس پر ثابت وقائم تھے —— اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے —— وہ خود تو معاذ اللہ! شرک کا کیا ارتکاب کرتے، انہیں مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارا نہ تھا، وہ —— اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے والے تھے —— تمہاری طرح ناسپاس اور کفرانِ نعمت کرنے والے نہ تھے، وہ حکم الٰہی کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں ٹھہراتے تھے، ان کی اسی اطاعت شعاری اور فرماں برداری کی وجہ سے —— اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ فرمایا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا —— لہٰذا فلاح ونجات انہی لوگوں کے لئے ہے جواُن کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی ملت کو اختیار کریں —— اور دنیا میں (بھی) ہم نے ان کو بڑی خوبی عطا فرمائی تھی اور آخرت میں (بھی) وہ یقیناً اچھے لوگوں میں سے ہیں —— اس لئے تم سب کو بھی انہی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، انہی کی پیروی میں دنیا کی خوبی اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے —— پھر ہم نے آپ کی

(۱) حَنِيْفًا حال ہے اِتَّبِعْ کی ضمیر فاعل سے۔

طرف وحی کی کہ آپؐ ایک رُخ ہوکر ابراہیم کے طریقے پر چلئے اور (یاد رکھئے) وہ مشرکوں میں سے نہ تھے —— پس اب طریقۂ ابراہیمی وہی ہے جو طریقۂ محمدی ہے، اس لئے مسلمانوں کو بھی ہر مذہب باطل سے ہٹ کر اور غیر اللہ سے رشتہ توڑ کر توحید کامل اور دین حنیف کا پیروکار ہونا چاہئے۔

یہاں یہ ارشاد کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھے اُن کے اس رُخ کو متعین کرنے کے لئے ہے جس پر وہ پوری زندگی مستقیم رہے اور دوبارہ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مشرکین مکہ بھی اپنے کو طریق ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے۔ اس ارشاد میں ان پر رد ہے کہ تم کس منہ سے اپنے کو ملت ابراہیمی کا پیرو کہتے ہو، وہ تو شرک سے بالکلیہ بیزار تھے اور تم شرک کے ہر طرح دل دادہ ہو؟

مشرکین کے علاوہ یہودی بھی اس بات کے دعوے دار تھے کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں، ابراہیم علیہ السلام ہمارے جد امجد ہیں، اور ہم ان کی ذریت ہیں اور ان کی ملت پر ہیں، آگے ان پر ردّ ہے کہ تم ملت ابراہیمی پر کیسے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام تو جمعہ کی تعظیم کرتے تھے اور تم سبت (سنیچر) کو مانتے ہو؟ ارشاد ہے —— بار کا دن تو انہی لوگوں پر مقرر کیا گیا، جنھوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا —— یعنی ملت ابراہیمی میں سبت کی حرمت اور اس کی پابندیوں اور سختیوں کا وجود نہ تھا، یہ تو ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد یہود بے بہبود نے اپنے نبی کی مخالفت کر کے مقرر کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سبت کی نہیں جمعہ کی تعظیم کیا کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جمعہ کی اہمیت کا اشارہ کیا گیا تھا، مگر یہود نے ان کے اشارے کے خلاف کیا اور انھوں نے کہا: ہم جمعہ کی نہیں، بار کی تعظیم کیا کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہفتہ کی تعظیم فرض کر دی اور چونکہ یہ انتخاب منشاء خداوندی کے خلاف ہوا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے سبت کے احکامات سخت کر دئے —— اور آپ کے پروردگار یقیناً ان کے درمیان قیامت کے دن اُس بات کا فیصلہ فرمائیں گے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں —— یعنی کونسا دن اللہ کو پسند؟ اور کونسا ناپسند ہے اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ

مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

ع ۱۶ ۲۲

اُدْعُ	بلایئے آپ	وَهُوَ	اور وہ	وَمَا	اور نہیں (ہے)
اِلٰی سَبِیْلِ	راستے کی طرف	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	صَبْرُكَ	آپ کا صبر کرنا
رَبِّكَ	اپنے پروردگار کے	بِالْمُهْتَدِیْنَ	راہ راست پر چلنے والوں کو	اِلَّا بِاللّٰهِ	مگر اللہ کی (توفیق سے)
بِالْحِكْمَةِ	حکمت سے	وَاِنْ	اور اگر	وَلَا تَحْزَنْ	اور نہ غمگین ہوں
وَالْمَوْعِظَةِ	اور دل میں اترنے	عَاقَبْتُمْ	سزا دو تم	عَلَیْهِمْ	ان لوگوں پر
	والی بات سے	فَعَاقِبُوْا	تو سزا دو	وَلَا تَكُ(۱)	اور نہ ہوں آپ
الْحَسَنَةِ	اچھی طرح	بِمِثْلِ	بقدر	فِیْ ضَیْقٍ	تنگی میں
وَجَادِلْهُمْ	اور اُن سے بحث کیجئے	مَا	(اس کے) جو	مِّمَّا	اس سے جو
بِالَّتِیْ	اُس (طریقے) سے جو	عُوْقِبْتُمْ	سزا دیئے گئے تم	یَمْكُرُوْنَ	چالیں چلتے ہیں وہ
هِیَ	(کہ) وہ	بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ تعالیٰ
اَحْسَنُ	بہتر (ہے)	وَلَئِنْ	اور بخدا اگر	مَعَ	ساتھ ہیں
اِنَّ رَبَّكَ	یقیناً آپ کے پروردگار	صَبَرْتُمْ	صبر کرو تم	الَّذِیْنَ	ان لوگوں کے جو
هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں	لَهُوَ	تو وہ	اتَّقَوْا	پرہیزگار رہوئے
بِمَنْ	اس کو جو	خَیْرٌ	بہتر (ہے)	وَّالَّذِیْنَ	اور (اُن کے) جو
ضَلَّ	گم ہوا (بھٹکا)	لِّلصّٰبِرِیْنَ	صبر کرنے والوں کے لئے	هُمْ	(کہ) وہ
عَنْ سَبِیْلِهٖ	اللہ کی راہ سے	وَاصْبِرْ	اور صبر کیجئے آپ	مُّحْسِنُوْنَ	نیکوکار رہوئے

دعوت الی اللہ کے اصول وآداب

یہ آیتیں سورت کی اختتامی نصیحتیں ہیں، ان میں دعوت الی اللہ کے اصول وآداب بیان فرمائے ہیں، اور اس سورت کے آخر میں یہ مضمون اس لئے آیا ہے کہ یہ پوری سورت انہی اصول وآداب کا نمونہ ہے، آپ دیکھتے آرہے ہیں کہ کس

(۱) لاتَکُ: فعل نہی، صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ مصدر کَوْنٌ —— تَکُ کی اصل تَکُوْنُ ہے لائے نہی کی وجہ سے نون ساکن ہوا تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے واو کو حذف کردیا۔ پھر نون کو تخفیف کے لئے حذف کردیا۔

خوبی سے، دل نشین پیرایوں میں اور تمثیلات و براہین سے باتیں پیش کی گئی ہیں، اس لئے دعوت کے اصول و آداب بیان کرنے کے لئے بھی سب سے زیادہ موزوں جگہ اسی سورت کا آخر تھا۔

ارشاد ہے: —— آپ لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلایئے اور اُن کے ساتھ ایسے طریقے سے بحث کیجئے جو بہتر ہو، آپ کے پروردگار ہی اس شخص کو بہتر جانتے ہیں جو ان کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتے ہیں —— اس آیت میں دعوت و تبلیغ کا مکمل نصاب اور اس کے اصول و آداب کی تفصیل چند کلمات میں سمو دی گئی ہے —— انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا فرض منصبی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے۔ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت داعی الی اللہ بیان کی گئی ہے، اور امت پر بھی دعوت الی اللہ کو فرض کیا گیا ہے، سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ترجمہ: تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔

رہی یہ بات کہ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف کس طرح بلانا چاہئے؟ تو اس آیت میں اس کا طریقہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے اللہ کی طرف بلانا چاہئے، حکمت کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع محل کو دیکھ کر بات کرنی چاہئے، جہاں یہ خیال ہو کہ صراحۃً بات کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی تو وہاں ایسا عنوان اختیار کیا جائے کہ مخاطب کو شرمندگی نہ ہو، دلائل پختہ، مضامین عمدہ اور انداز حکیمانہ ہو، تاکہ بات دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

اور نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ بات مؤثر ہو، مخاطب کو صرف دلائل سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُس کے جذبات کو بھی چھیڑا جائے، برائیوں اور گمراہیوں سے انسان کی فطرت میں جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے، نیکیوں کا ثواب حسن عمل کے فوائد بیان کئے جائیں اور برے اعمال کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے، ہدایت کی طرف رغبت اور عمل صالح کا شوق بھی پیدا کیا جائے۔

اور ''اچھی'' نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو، مخاطب یہ نہ سمجھے کہ اس میں آپ کی کوئی غرض پوشیدہ ہے یا آپ اسے حقیر سمجھ رہے ہیں، بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ آپ کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے ایک تڑپ ہے اور آپ درحقیقت اس کی خیر خواہی چاہتے ہیں۔

اصول دعوت یہی دو چیزیں ہیں یعنی حکمت اور موعظت حسنہ، کوئی دعوت ان دو سے خالی نہ ہونی چاہئے، البتہ دعوت

میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو داعی کے ساتھ بحث ومباحثہ شروع کر دیتے ہیں۔ایسی حالت میں مجادلۂ حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے،مجادلۂ حسنہ یہ ہے کہ گفتگو میں نرمی اختیار کی جائے،دلائل ایسے پیش کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے،دلیل میں ایسی باتیں ذکر کی جائیں جو مشہور و مسلم ہوں،تاکہ مخاطب کے شکوک وشبہات دور ہوں،اور ہٹ دھرمی کے راستے پر نہ پڑ جائے،بحث کے دوران تہذیب،شائستگی،حق شناسی اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔بحث میں الزام تراشیاں،چوٹیں،اور پھبتیاں نہ کسی جائیں،بلکہ شیریں کلامی،معقول اور دل لگتے دلائل سے گفتگو کی جائے،تاکہ مخاطب میں ضد،بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہو۔

داعی کی ذمہ داری بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے،اُسے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا۔یہ بات خدائے پاک کے سپرد کرنی چاہئے،وہی راہ پر آنے والوں کو اور نہ آنے والوں کو بہتر جانتے ہیں،اور وہی جیسا مناسب ہوگا ان سے معاملہ فرمائیں گے۔

اس ارشاد میں داعی کی تسلی کا بڑا سامان ہے،داعی جب دیکھتا ہے کہ اس کی پوری دلسوزی کے باوجود مخاطب حق بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو طبعی طور پر اُسے سخت صدمہ پہنچتا ہے،بلکہ بعض اوقات اس پر مایوسی چھا جاتی ہے اور وہ کام ہی چھوڑ بیٹھتا ہے،اس لئے اس آخری ارشاد میں اُسے بتایا گیا ہے کہ داعی کا کام صرف دعوت کو اصول ودعوت کے مطابق ادا کر دینا ہے،آگے اس کو قبول کرنا نہ کرنا اس میں داعی کا کوئی دخل نہیں،نہ اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ضرور ہی لوگوں سے بات منوا لے۔یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہی جانتے ہیں کہ کون گمراہ رہے گا اور کون ہدایت پائے گا۔

داعیانِ حق کو بعض اوقات ایسے سخت نادانوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور خیر خواہی سے بات سمجھائی جائے مگر وہ پھر بھی مشتعل ہو جاتے ہیں،زباں درازی پر اتر آتے ہیں،بلکہ بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کر کے جسمانی تکلیف پہنچانے اور قتل تک سے گریز نہیں کرتے،ایسے حالات میں دعوت دینے والے کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے لئے ارشاد ہے:—— اور اگر تم بدلہ لو تو بس اُسی قدر بدلہ لو،جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے —— یعنی داعی کو قانونی حق دیا جاتا ہے کہ اگر اس پر کوئی ظلم کرے تو وہ اس سے اپنا بدلہ لے،مگر اس شرط کے ساتھ کہ بدلہ لینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو،جتنا ظلم اس پر کیا گیا ہے اتنا ہی بدلہ لے،ذرہ بھر زیادتی نہ ہو —— اور اگر تم صبر کرو تو یہ بات یقیناً صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے —— یعنی صبر کا مرتبہ بدلہ لینے سے بلند تر ہے،داعی کو انتقام لینے کا حق ضرور ہے،لیکن اگر وہ صبر کرے اور انتقام نہ لے تو یہی بہتر ہے،اس کا نتیجہ خود داعی کے حق میں اور دیکھنے والوں کے حق میں بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے،اس لئے صبر کی مزید اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بصورت امر ارشاد ہے:—— اور آپ صبر کیجئے

اور آپ کا صبر کرنا بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے —— یعنی مظالم وشدائد پر صبر کرنا سہل کام نہیں۔لیکن خدائے پاک کی توفیق اور مدد شامل ہو جائے تو مشکل بھی نہیں۔لہٰذا تم صبر کی ہمت کرو، اللہ تعالیٰ توفیق سے تمہاری مدد فرمائیں گے ——

اور آپ لوگوں کا کچھ غم نہ کھائیں اور نہ ان کی چال بازیوں پر تنگ دل ہوں، اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکوکار ہیں —— یعنی داعی کو لوگوں کے ضد اور عناد پر ڈٹے رہنے سے غمگین اور دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ ان کے مکر وفریب سے پریشان ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو پرہیزگاری اور نیکوکاری کے جوہر سے آراستہ ہوتے ہیں۔

﴿الحمد لله على فضله و كرمه، وبنعمته تتم الصالحات﴾

﴿یہاں جلد چہارم مکمل ہوگئی، آگے جلد پنجم سورۃ بنی اسرائیل سے شروع ہوگی، اس پر میں نے نظر ثانی کر رکھی ہے، اس میں اگرچہ عناوین نہیں ہیں، مگر ربط اور تفسیر واضح ہے، اس لئے قلم کی لگام کھینچ رہا ہوں﴾
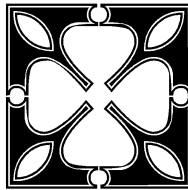
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: آپ نے تفسیر کیوں لکھی ہے؟ اس میں کن باتوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے؟

جواب: طلبہ بار بار مذکورہ سوال کرتے ہیں، میں ان کو جواب دیتا ہوں، میں نے صرف ایک بات پیش نظر رکھی ہے، وہ یہ کہ اللہ پاک کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اپنے ناقص فہم کے مطابق اسی کو میں نے سمجھایا ہے، بے ضرورت تفسیروں کو میں نے سامنے نہیں رکھا، البتہ بیان القرآن، ترجمہ شیخ الہند اور فوائد شبیری کو سامنے رکھا ہے، اس اندیشہ سے کہ میں بہک نہ جاؤں، اور بوقت ضرورت روح المعانی سے استفادہ کیا ہے، پہلے اور تفسیریں بھی دیکھتا تھا، شروع کی جلدوں میں ان کے حوالے ہیں، اور مفردات کے ترجمہ میں ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب (قرآن کے پہلے بامحاورہ ترجمہ کرنے والے) کو پیش نظر رکھا ہے، اس کو الہامی ترجمہ کہا گیا ہے، بس اتنا ہی جواب دیا کرتا ہوں، میاں مٹھو نہیں بنتا، اس سے زیادہ تبصرہ تفسیر کے قارئین کر سکتے ہیں۔ میرے پاس ایک خط جناب قاری محمد طارق انور صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ فیروزیہ اکبرپور پٹنہ (بہار) کا آیا ہے، میں قاری صاحب سے بالکل واقف نہیں، ان کا جو خط آیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"الحمد للہ! تفسیر ہدایت القرآن کی دوسری جلد بھی دستیاب ہوگئی، میری مشتاق نگاہیں دیر تک وارفتگی کے ساتھ ان سے سعادت اندوز ہوتی رہیں۔ بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا اور خوب مستفید ہوا، ماشاء اللہ! یہ جلد بھی دوسری جلدوں کی طرح ظاہری و معنوی خوبیوں سے مالا مال ہے۔

جناب عالی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحریر و تقریر کا منفرد اسلوب عطا کیا ہے، قرآنی معارف اور مشکل مسائل کو زمانۂ حال کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے جس خوبی، خوشنمائی کے ساتھ زبان کی سلاست اور شگفتگی کی رعایت کے ساتھ عام فہم دلنشیں اور سادہ زبان میں اس طرح پیش کیا کرتے ہیں کہ دقیق سے دقیق مسئلہ بھی عام فہم ہو جاتا ہے، کسی مقام کو لاینحل اور تشنۂ تحقیق نہیں چھوڑتے، استواء علی العرش جیسے نازک مسئلہ کو بھی بڑی احتیاط سے مثال دے کر ذہن نشیں کرنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔

یہ وہ کمال ہے جس میں آپ منفرد ہیں اور یکتائے روزگار! آپ نے ترجمہ وتفسیر سے پہلے آیات کے مفہوم ومطالب کو دورحاضر کی نفسیات اور اصطلاحات ومحاورات کی رعایت رکھتے ہوئے اپنے البیلے اور دلکش انداز میں نمبروار ایسا کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ اس سے آیت کا پورا مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے، اور دل ودماغ پر ثبت ہوتا چلا جاتا ہے، جس سے طبیعت ایک دم مچل جاتی ہے اور عش عش کرنے لگتی ہے، پھر ترجمہ وتفسیر کا الہامی تفسیر بیان القرآن کے طرز پر ہونا جس کی افادیت ومعنویت سبھی کو مسلم ہے، سونے پر سہاگے کا کام کردیا ہے۔ ماشاء اللہ!

ترجمہ بھی سلیس، مطلب خیز، بامحاورہ اور شگفتہ ہے، اور تفسیر بین القوسین جامع ومانع ہے۔ اور رطب ویابس اور حشو وزوائد سے پاک دل کو موہ لینے والی اور دل ودماغ کو اپیل کرنے والی ہے، اور کوتاہ فہموں کے بے شمار شکوک وشبہات کا قلع قمع کرنے والی بھی ہے۔ پس اس ترجمہ وتفسیر کی حقیقت مروجہ تراجم وتفاسیر کے مقابلہ میں ستاروں میں درخشاں چاند جیسی ہے۔ ایک طرف جہاں آپ نے بلاغت قرآن کے دریا بہادیئے، دوسری طرف معارف فرقان کے انمول موتی اوراق پر بکھیر دیئے ہیں اور شروع سے اخیر تک آیتوں اور سورتوں کے باہمی ربط کے اہتمام نے تو اور چار چاند لگادیئے ہیں۔

ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ مفسرین کرام کے مختلف اقوال وآراء میں سے جو قول دلائل کی روشنی میں آیت سے ہم آہنگ اور مطابقت رکھتا ہے اسی کو آپ نے اپنے پاکیزہ ذوق کے مطابق پورے اعتماد کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ جیسے صفحہ ۵۷۵ سطر ۵ میں مفسر قرطبیؒ نے اعراف کے بارے میں جو ۱۲/ اقوال لکھے ہیں، آپ نے اس کے متعلق سچ فرمایا کہ اتنے اقوال سے کیا حاصل ہوگا؟ اور اگر کسی ترجمے وتفسیر میں کوئی بات خلاف تحقیق نظر آئی تو اِحقاقِ حق کا فریضہ انجام دیتے ہوئے مترجم ومفسر کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھ کر کسی سے متأثر ہوئے بغیر اس پر دوٹوک انداز میں بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اور پھر جچے تلے انداز میں اپنا موقف بھی بیان کردیا ہے۔ ہم طالب علموں کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

الغرض آپ نے عصر حاضر کے تقاضے کے مطابق شائقین اور تشنگان علم کے لئے مضامین قرآنی کا ایک بہترین نچوڑ چھان پھٹک کر پیش کرکے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ جو بلاشبہ ہم لوگوں کے لئے تحفۂ بے نظیر ہے، اور جدید خیالات والوں کے حق میں اکسیر ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری خوبیوں میں بھی یہ تفسیر بے نظیر ہے، کتابت پاکیزہ، دیدہ زیب طباعت، کاغذ بیش قیمت دلکش جلد مضبوط، خوبصورت اور قیمت کم بلکہ بہت کم! اس میں بھی دیگر مکتبہ والوں کے لئے درس عبرت ہے بلا مبالغہ

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اب تک جتنی بھی تفسیریں منظر عام پر آئی ہیں سب کی افادیت اپنی جگہ مسلم! اور سب سے لوگ مستفید بھی ہورہے ہیں، مگر یہ تفسیر ''ہدایت القرآن'' انہی ظاہری خوبیوں کی بناء پر آپ کے معاصرین کی تفسیروں میں منفرد وممتاز ہے۔ اور قرآن فہمی میں لاجواب اور خاص بات یہ ہے کہ نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جانب سے اس تفسیر کے لکھتے رہنے اور پڑھانے کی بشارت نے اس کی قدر وقیمت اور عظمت کو اور دوبالا کردیا ہے (جیسا کہ وہ خواب جلد نمبر ایک کے مقدمہ میں مذکور ہے) **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔**

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، تاکہ آپ کا قلم چلتا رہے اور فرزندانِ اسلام دیر تک مستفید ہوتے رہیں۔ تاکہ یہ آخرت میں آپ کے لئے نجات کا اور ہم سب کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہوجائے۔ آمین یا رب العالمین! **وما ذالک علی اللہ بعزیز** خدا آپ کی دیگر علمی خدمات کے ساتھ اس مبارک فرقانی خدمت کو بھی قبولیت سے نوازے۔ آمین''

اس کے بعد قاری صاحب نے اصلاحات اور تصویبات لکھی ہیں، اصطلاحات یعنی کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور تصویبات یعنی مضمون کی اصلاح یا اس میں اضافہ کیا ہے، میرے نزدیک کتابت کی جس غلطی کو قاری سمجھ لے وہ غلطی نہیں اور کمپیوٹر کی کتابت میں ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں، اور قاری صاحب نے جو تصویبات تحریر فرمائی ہیں ان کا یہاں موقع نہیں اور کتابیمیں تصحیح کے لئے نگیٹو بدلنا پڑے گا، یہ بھی مشکل ہے، بہر حال میں قاری صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے یہ اصلاحات بھیجیں۔

علاوہ ازیں: حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی زید مجدہم (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے ماہنامہ دارالعلوم اکتوبر ۲۰۱۷ء میں مکمل ہدایت القرآن پر دقیع تبصرہ شائع کیا ہے جو اس قابل ہے کہ اس کو یہاں جگہ دی جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ اب اس صفحات میں گنجائش نہیں رہی، نیز وہ طبع شدہ بھی ہے، چار صفحات میں آیا ہے، اس لئے باوجود خواہش کے اس کو یہاں نہیں دیا جارہا ہے۔